www.paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ)	700 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ	6000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا	7000 روپے

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ شعاع
37 - اردو بازار، کراچی

MEMBER
APNS
CPNE
رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

دسمبر 2016
جلد 31 شمارہ 4
قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رضیہ جمیل نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا - مقام: 1/2-بی/ پی ای سی ایچ ایس سوسائٹی کراچی
Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872
Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

سال رواں کا آخری شمارہ دسمبر کا شعاع پیش خدمت ہے۔

ریگ رواں کی طرح ہاتھ سے پھسلتے ماہ و سال اپنے دامن میں بے شمار خوشیاں اور دکھ لیے ماضی کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔ دنیا ہر آن ترقی کی جانب بڑھ رہی ہے۔ لیکن تمام تر ترقی کے باوجود انسان، انسانی دکھوں اور المیوں کا کوئی مداوا آج تک نہیں ڈھونڈ سکا۔ آج بھی مذہبی اور نسلی تعصب کے ہاتھوں انسانیت اشک بار ہے۔ کشمیر ہو، شام ہو یا برما، ہر جگہ مسلمانوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔

سال 2016ء کئی لحاظ سے پاکستان کے لیے خوش آئند رہا۔ دہشت گردی کے واقعات میں نمایاں کمی آئی۔ کراچی کو دو عشروں کے بعد امن و استحکام نصیب ہوا۔ سی پیک منصوبے کا افتتاح ہوا جس سے معاشی ترقی کے امکانات روشن ہوئے ہیں۔

25 دسمبر بے ریا، با اصول، دیانت دار عظیم رہنما بانیٔ پاکستان قائداعظم کا یوم پیدائش ہے۔ ایک تاریخ ساز شخصیت جنہوں نے اپنے عزم اور حوصلے سے دنیا کے نقشے کو بدل دیا۔ اور ان کی پُرعزم قیادت میں برصغیر کے مسلمان اپنا علیحدہ وطن "پاکستان"، حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔

صائمہ اکرم چوہدری کا ناول، شہزاد،

صائمہ اکرم کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ سیاہ حاشیہ اور دیمک زدہ محبت کے بعد اب انہوں نے ایک طویل ناول "شہزاد" لکھا ہے جو نئے سال کے پہلے مہینے جنوری سے شاملِ اشاعت ہوگا۔ صائمہ اکرم کی ہر تحریر ان کی پچھلی تحریر سے بڑھ کر ہوتی ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ قارئین ان کا یہ ناول ان کی پچھلی تمام تحریروں سے بڑھ کر پائیں گی۔

سالِ نو نمبر۔ سروے،

جنوری کا شمارہ سال نو نمبر ہوگا۔ اس میں حسبِ روایت قارئین سے سروے بھی شامل کیا جائے گا۔ سروے کے سوال یہ ہیں۔

1۔ کہتے ہیں

خدا شناس کہاں وہ، جو خود شناس نہ ہو

آپ خود کو کتنا جانتی ہیں؟ اگر آپ سے کہا جائے کہ اپنی ذات و صفات کے حوالے سے ایک صفحہ لکھیں تو کیا لکھیں گی؟

2۔ گزرے سال کی کوئی میٹھی سی یاد یا کوئی خوش کن لمحہ جو ہمارے قارئین سے شیئر کرنا چاہیں۔

3۔ کیا کوئی تحریر پڑھتے ہوئے آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ آپ اس کہانی کے کسی کردار جیسی ہوتیں؟ کہانی اور کردار کا نام لکھیں۔

ان سوالات کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ 18 دسمبر تک ہمیں موصول ہو جائیں۔

اس شمارے میں،

- مصباح نوشین کا مکمل ناول۔ کوئی چاند رکھ میرے ہاتھ پر، کرن نعمان کا مکمل ناول۔ میرے خیال کا پیکر
- مصباح علی اور نایاب جیلانی کے ناولٹ، عفت سحر طاہر اور عمیلہ عزیز کے ناول،
- نعیمہ ناز، ہاجرہ ریحان، صائمہ اقبال، ہما نازیوسف اور عزالہ روشن کے افسانے،
- مشہور ماڈل، اداکارہ نادیہ حسین سے ملاقات، معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- شعاع کے ساتھ ساتھ۔ قارئین سے سروے، جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے خط آپ کے اور دیگر سلسلے شامل ہیں۔
- دسمبر کا شمارہ آپ کو کیسا لگا؟ آپ کے خطوط کے منتظر ہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تُو چراغوں کی لَو، میں بھٹکتا دُھواں
تُو یقیں، میں گماں، تُو کہاں میں کہاں

تُو بہارِ آفریں خوشبوؤں کا چمن
میں خزاں ہی خزاں، تُو کہاں میں کہاں

میں تجھے نقشِ پا کا ہوں اُڑتا غبار
تُو رواں کارواں، تُو کہاں میں کہاں

میں ہوں بہتی ندی میں پڑا ایک سنگ
تُو ہے آبِ رواں، تُو کہاں میں کہاں

میں سکوتِ سرِ شام کی اک صدا
تُو سحر کی اذاں، تُو کہاں میں کہاں

میں تو صحرا کا اک ذرۂ ریگ ہوں
تُو میرا سائباں، تُو کہاں میں کہاں

میں ہوں اعجاز اک راندۂ آستاں
تُو شۂ دو جہاں، تُو کہاں میں کہاں

بشیر اعجاز

ایک رند ہے اور مدحتِ سلطانِ مدینہ
ہاں کوئی نظرِ رحمتِ سلطانِ مدینہ

دامانِ نظر تنگ، فراوانیٔ جلوہ
اے طلعتِ حق، طلعتِ سلطانِ مدینہ

اے خاکِ مدینہ، تری گلیوں کے تصدق
تُو خلد ہے تُو جنتِ سلطانِ مدینہ

اس طرح کہ ہر سانس ہو مصروفِ عبادت
دیکھوں میں درِ دولتِ سلطانِ مدینہ

اس امتِ عاصی سے نہ منہ پھیر خدایا
نازک ہے بہت غیرتِ سلطانِ مدینہ

کچھ ہم کو نہیں کام جگر اور کسی سے
کافی ہے بس اک نسبتِ سلطانِ مدینہ

جگر مراد آبادی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ذمہ دار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"تم سب ذمہ دار ہو اور تم سب سے اپنی رعیت (ماتحتوں" کے بارے میں پوچھا جائے گا) امام ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت (اہل خانہ) کی بابت سوال ہوگا۔ عورت اپنے خاوند کے گھر کی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے معاملات کا) ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی رعیت (معاملے) کے بارے میں پوچھا جائے گا۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : ارباب اختیار کی جو ذمہ داری باب مذکور کے عنوان میں بتلائی گئی ہے' اگر وہ اس میں کوتاہی کریں گے تو عنداللہ مجرم ہوں گے۔ جس کی بازپرس روز قیامت ان سے ہوگی۔

رکھوالا

حضرت ابویعلی معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ۔

"اللہ تعالیٰ کسی رعیت کی رکھوالی جس آدمی کے سپرد کردے اور وہ انہیں دھوکا دیتے ہوئے مر جائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کردی۔" (بخاری و مسلم)

ایک اور روایت میں ہے کہ "اس نے خیر خواہی کے ساتھ ان کے حقوق کی حفاظت نہیں کی وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائے گا۔"

مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: "جو حاکم بھی مسلمانوں کے معاملات کا ذمہ دار بنے' پھر وہ ان کے مسائل کے حل کے لیے بھرپور کوشش اور ان کی خیر خواہی نہ کرے تو وہ ان کے ساتھ جنت میں نہیں جائے گا۔"

فائدہ : اس میں حکمرانوں کو ان کی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ بہت ہی اہم منصب ہے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کے مسائل و معاملات کے وہ ذمہ دار ہیں۔ اگر وہ پوری توجہ' ہمت اور خیر خواہی سے ان کے مسائل حل نہیں کریں گے تو اللہ کے ہاں وہ مجرم ہوں گے۔ ان کی رعایا تو اپنے ایمان و عمل کی بدولت جنت میں چلی جائے گی لیکن یہ اس سے محروم رہ جائیں گے۔ اس لیے حکمران اقتدار کے نشے میں بدمست اور عوام کے معاملات سے غافل نہ ہوں بلکہ عنداللہ جواب دہی کے احساس سے سرشار ہو کر انہیں عدل و انصاف اور امن و سکون مہیا کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

دعا

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اس گھر میں فرماتے ہوئے سنا۔

"اے اللہ! جو شخص بھی میری امت کے کسی معاملے کا ذمہ دار بنے پھر وہ انہیں مشقت میں ڈالے تو تو بھی سختی فرما۔ اور جو شخص میری امت کے کسی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

معاملے کا ذمہ دار بنے' پھر وہ ان کے ساتھ نرمی کرے تو تو بھی اس کے ساتھ نرمی فرما۔" (مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ کتنا خوش نصیب ہے وہ حکمران جو عوام کو عدل و انصاف مہیا کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائے خاص کا مستحق بن جائے۔ اور اسی حساب سے کتنا بد نصیب ہے وہ حکمران جو عوام کے ساتھ ناانصافی کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاؤں کا مستحق بنالے۔

2۔ اس میں عدل و انصاف سے حکمرانی کرنے کی ترغیب اور عوام پر ظلم و زیادتی سے اجتناب کرنے کی تاکید ہے۔

3۔ اس میں حکمرانوں کے ماتحت افسر بھی آجاتے ہیں کہ ان سے بھی اس کی باز پرس ہوگی' نیز ہر ذمہ دار جس کے ماتحت افراد ہوں' اسے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرنا چاہیے۔

بیعت کو پورا کرو

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بنی اسرائیل کی سیاست ان کے پیغمبر کرتے تھے۔ جب ایک پیغمبر فوت ہو جاتا تو اس کا جانشین دوسرا پیغمبر بن جاتا۔ اور (یاد رکھو!) میرے بعد کوئی پیغمبر نہیں' میرے بعد خلفاء ہوں گے اور کثرت سے ہوں گے۔"

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔

"یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! پس آپ ہمیں کیا حکم ارشاد فرماتے ہیں؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس سے پہلے بیعت کرو اسے پورا کرو' پھر اس کے بعد والے سے بیعت کرو' پھر انہیں ان کا حق دو اور تمہارے اپنے جو حقوق ہیں' ان کا سوال اللہ سے کرو' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ان کی بابت' جن کا انہیں والی بنائے گا' خود ہی ان سے پوچھ لے گا۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل :

1۔ سیاست بری چیز نہیں۔ اگر بری ہوتی تو انبیاء سیاست نہ کرتے۔ انبیاء کے سیاست کرنے کا مطلب ہے جہانبانی اور حکومتی معاملات بھی ان ہی کے سپرد ہوتے تھے۔ یعنی دین اور دنیا' دونوں امور کے ذمہ دار انبیاء علیہ اسلام ہوتے تھے۔ دین اور دنیا کے درمیان تفریق نہیں' یکجائی تھی' جیسے خلافت راشدہ اور اس کے کچھ عرصے بعد تک اسلام میں بھی یہ صورت رہی۔ اس لیے ایک نبی کی وفات کے بعد دوسرا نبی آجاتا اور اس کا جانشین بن جاتا' جیسے حکمرانی کے منصب میں ہوتا ہے۔ ایک کے بعد کوئی دوسرا حکمران بن جاتا ہے۔

2۔ اس میں ختم نبوت کا مسئلہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا' البتہ خلفاء ہوں گے اور دعویداران خلافت زیادہ ہوں تو اس کا حل بھی بیان فرمادیا کہ پہلے خلیفہ کی بیعت پوری کرو۔ اس کی موجودگی میں کسی دوسرے مدعی خلافت کی طرف توجہ مت دو۔

3۔ حکمرانوں کی کوتاہیوں کا حل بھی تجویز فرمادیا اور وہ ان کے خلاف بغاوت اور احتجاجی مظاہرے نہیں بلکہ انتظامی معاملات میں ان کی اطاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اور اس کی بارگاہ میں دعا کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ اسلامی ملکوں میں جب سے مغرب کی ملعون جمہوریت آئی ہے' ان کا سارا استحکام ختم ہو گیا ہے کیونکہ امن و استحکام کے لیے ضروری ہے کہ نظم مملکت انتشار و ابتری سے محفوظ رہے۔ اگر اللہ کے حکم کے مطابق خلافت کا نظام ہو تو مکمل امن و استحکام حاصل ہو سکتا ہے۔

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ عبید اللہ بن زیاد کے پاس گئے اور ان سے کہا "اے بیٹے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بدترین حاکم رعایا پر ظلم کرنے والے ہیں لہٰذا تو اس سے بچ کہ تو ان میں سے ہو۔" (بخاری و مسلم)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

انصاف کرنے والے حکمران کا بیان

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل و انصاف اور احسان کرنے کا حکم دیتا ہے۔" (النحل 90)

اور فرمایا: "اور تم انصاف کرو' یقیناً" اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔" (الحجرات۔ 9)

سات آدمی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سات آدمی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اس دن اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا:

انصاف کرنے والا حکمران۔

وہ نوجوان جو اللہ کی عبادت میں پروان چڑھے۔

وہ آدمی جس کا دل مسجدوں میں اٹکا رہتا ہو۔ وہ دو آدمی جو اللہ کی رضا کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' اسی کی وجہ سے باہم جمع ہوتے اور اسی پر ایک دوسرے سے جدا ہوتے ہیں۔

وہ آدمی جسے معزز اور خوبرو عورت دعوت گناہ دے اور وہ کہہ دے "میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔"

وہ آدمی جو اس طرح خفیہ صدقہ دے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی یہ علم نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے۔

وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں سے (اس کے خوف سے) آنسو رواں ہو جائیں۔" (بخاری و مسلم)

انصاف کرنے والے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"بے شک انصاف کرنے والے اللہ کے پاس نور کے منبروں پر ہوں گے۔ (یعنی وہ لوگ جو اپنے حکم میں' اپنے گھر والوں کے بارے میں اور ان کاموں میں جو ان کے سپرد ہیں' انصاف کا اہتمام کرتے ہیں)" (مسلم)

فائدہ : نور کے منبر کس طرح ہوں گے؟ اس کی اصل حقیقت سے گو ہم واقف نہیں ہیں' تاہم اس کی حقیقت پر ایمان رکھنا ضروری ہے اور یہ بھی کہ یہ لوگ یقیناً" عرش یا رحمت الٰہی کے سائے تلے ہوں گے جبکہ لوگ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ اس میں عدل و انصاف کی فضیلت اور انصاف کرنے والوں کا مرتبہ بیان کیا گیا ہے۔

جنتی

حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ۔

"تین قسم کے لوگ جنتی ہیں: ایک وہ حکمران جو انصاف کرنے والا اور اعمال خیر کی توفیق سے بہرہ ور ہو۔

دوسرا وہ آدمی جو ہر مسلمان اور رشتہ دار کے لیے مہربان اور نرم دل ہو۔

تیسرا مانگنے سے گریزاں اور وہ شخص جو عیال دار ہونے کے باوجود سوال سے بچنے والا ہو۔" (مسلم)

فائدہ : یہ تینوں مذکورہ صفات اہل ایمان کی خاص صفات ہیں جو ایک مومن کو جنت میں لے جانے کا باعث ہیں۔ ہر مومن کو ان صفات حسنہ سے آراستہ ہونے کی کوشش کرنی چاہیے۔

جائز کاموں میں حکمرانوں کی اطاعت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان کی جو تمہارے حکمران ہیں۔ (النساء 59)

فائدہ

1۔ اللہ اور رسول دونوں کے ساتھ لفظ اطاعت کے ذکر سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ان

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دونوں کی اطاعت مستقل بالذات ہے۔ جس کا مفاد یہ ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنا واجب ہے جبکہ مسلمان حکمرانوں کی اطاعت مستقل نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔ اس لیے ان کا جو حکم قرآن و حدیث کے موافق ہو گا' اس میں ان کی اطاعت لازم اور جو حکم ان کے مخالف ہو گا اس کی اطاعت لازم نہیں ہو گی۔

جائز بات ماننا

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مسلمان مرد پر (اپنے مسلمان حکمران کی بات) سننا اور ماننا فرض ہے' وہ بات اسے پسند ہو یا ناپسند' مگر یہ کہ اسے گناہ کرنے کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ جب اسے اللہ کی نافرمانی کا حکم دیا جائے تو پھر اس پر سننا اور ماننا فرض نہیں (بلکہ انکار کرنا ضروری ہے)۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : اس میں مسلمانوں کے لیے مسلم حکمرانوں کی اطاعت کی حدود واضح کر دی گئی ہیں۔ مسلم حکمرانوں کی عزت اسی میں ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات سے انحراف نہ کریں' ورنہ وہ اخروی عذاب کے علاوہ دنیوی ذلت سے بھی محفوظ نہیں رہیں گے۔

خود غرض حکمرانی

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"میرے بعد خود غرض حکمرانی ہو گی (یعنی سارے مفادات خود ہی سمیٹ لینے کی ہوس۔ یا دوسرے معنی میں اپنوں کو ترجیح دینا) اور دیگر امور جنہیں تم برا سمجھو گے۔"

صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس شخص کی بابت کیا حکم فرماتے ہیں' جو ہم میں سے یہ زمانہ پالے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"تم اپنا وہ حق ادا کرنا جو تمہارے ذمے ہے اور جو تمہارے حقوق (حکمرانوں کے ذمے) ہیں' ان کا سوال تم اللہ سے کرنا۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ : اس میں جہاں ایک طرف عوام کو حکمرانوں کے ظلم و ستم' ان کی اقربا نوازی یا خود ہی تمام قومی وسائل کو اپنے لیے مختص کر لینے کو صبر کے ساتھ برداشت کر لینے کی تلقین ہے' وہاں دوسری طرف بالواسطہ حکمرانوں کو بھی تنبیہ ہے۔

حکمران کی اطاعت

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"(حکمرانوں کی بات) سنو اور اطاعت کرو' اگرچہ تم پر کسی حبشی غلام ہی کو حاکم مقرر کر دیا جائے گویا کہ اس کا سر انگور ہے۔" (یعنی انگور کی طرح چھوٹا سا ہے' جس سے انسان بڑا عجیب سا لگتا ہے۔) (بخاری)

فائدہ : غلام کو اور وہ بھی سیاہ فام اور چھوٹے سے سر کا ہو' کوئی بھی احترام کی نظر سے نہیں دیکھتا۔ لیکن حدیث میں اس کی مثال دی گئی ہے جس سے مقصود اطاعت امیر کی تاکید ہے' چاہے اس کا رنگ کیسا ہی ہو اور وہ کسی بھی جنس و نسل سے تعلق رکھتا ہو بشرطیکہ اس کا حکم قرآن و حدیث کے مخالف نہ ہو۔

مسجد میں کھانا کھانے کا بیان

حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا۔

"ہم لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں مسجد میں گوشت روٹی کھا لیا کرتے تھے۔"

فوائد و مسائل :

1۔ مسجد میں کھانا پینا جائز ہے لیکن اسے عادت نہیں بنانا چاہیے۔ مسجد میں کھانا کھاتے وقت مسجد کی صفائی کا خیال رکھنا چاہیے۔ کھانے کی چیز فرش' چٹائی اور قالین وغیرہ پر نہ گرنے دی جائے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

طاقت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بات کی بیعت کرتے تھے کہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور مانیں گے تو آپ فرماتے تھے۔

"ان چیزوں میں جن کی تم طاقت رکھتے ہو۔" (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل:

1۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان حکمران کی اطاعت کے لیے جہاں یہ ضروری ہے کہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالف نہ ہو وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عوام کی طاقت سے بالا نہ ہو۔ اگر ایسا ہو گا تو اس کی اطاعت بھی ضروری نہیں ہو گی۔

2۔ اس میں حکمرانوں کو تنبیہہ ہے کہ وہ عوام کو ایسی مشقت میں نہ ڈالیں کہ جس کا اٹھانا ان کے لیے مشکل ہو، جیسے فی زمانہ ناروا قسم کے ٹیکس اور بوجھ ڈالے جا رہے ہیں اور پابندیاں عائد کی جا رہی ہیں۔

اطاعت

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

"جس نے (حکمران کے جائز کاموں میں) اطاعت سے ہاتھ اٹھالیا تو وہ اللہ تعالیٰ سے قیامت کے روز اس حال میں ملے گا کہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں ہو گی۔ اور جو شخص اس حال میں فوت ہوا کہ اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہیں تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔" (مسلم)

اور مسلم کی ایک اور روایت میں ہے: "جس شخص کو اس حال میں موت آئی کہ وہ جماعت کو چھوڑے ہوئے تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔"

فوائد و مسائل:

1۔ اس حدیث میں بھی مسلمان حکمران کی اطاعت کو لازم اور اس کی بیعت و اطاعت سے گریز و انحراف کو کفر و ضلال سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ اسے جاہلیت کی موت اس لیے فرمایا کہ اسلام سے قبل ایک امیر کی اطاعت کا کوئی تصور نہیں تھا بلکہ اس میں وہ اپنی عار اور ذلت محسوس کرتے تھے۔ اسلام نے اس طوائف الملوکی کا خاتمہ کر کے انہیں نظم و ضبط کا پابند بنایا اور اطاعت امیر کی تاکید کی۔

2۔ تاہم اس میں جس امیر کی بیعت اور اطاعت کو ضروری اور اس سے خروج و بغاوت کو جاہلیت قرار دیا گیا ہے' اس سے صاحب امر و اختیار امیر' یعنی حکمران اور بادشاہ وقت مراد ہے۔ مسلمانوں کی محدود جماعتوں کے بے اختیار امیر مراد نہیں ہیں کیونکہ ان کی اطاعت سے ملکی استحکام وابستہ ہے' نہ ان کی عدم اطاعت سے نظم مملکت میں کوئی خلل واقع ہوتا ہے۔ اس لیے ان کی بیعت و اطاعت سے انکار یا انحراف اتنا بڑا جرم نہیں کہ اسے کفر و ضلال قرار دیا جا سکے' جب کہ حدیث میں اسے کفر و ضلال ہی کہا گیا ہے۔ جس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ امیر سے مراد مسلمانوں کا بااختیار حاکم ہے نہ کہ تنظیمی معاملات کے امیر اور جماعت سے مراد مسلمانوں کی جماعت ہے نہ کہ مسلمانوں کا کوئی ایک گروہ یا دھڑا۔

3۔ اپنے اپنے گروہ کے امیر یا صدر کی اطاعت بھی ضروری ہے کیونکہ اس کے بغیر کسی گروہ میں نظم و ضبط قائم نہیں رہ سکتا' مگر اس نظم جماعت سے خروج کفر نہیں، جیسا کہ جماعت المسلمین اور اس کے امیر سے خروج کفر ہے۔ نیز بعض لوگ کسی نہ کسی پیرو مرشد کی بیعت کرنا ضروری سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی کوئی مسئلہ نہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ماڈل بیوٹیشن اور ڈاکٹر

نادیہ حسین سے ملاقات

شاہین رشید

ایک انسان میں بیک وقت تمام خوشیوں کا ہونا بہت مشکل ہوتا ہے۔ شاید دنیا میں دس یا بیس فیصد ہی لوگ ایسے ہوں گے جن میں ہر کام کی صلاحیت ہوگی۔ "نادیہ حسین" ایک مشہور و معروف شخصیت ہیں جو بیک وقت کئی خوبیوں کی مالک ہیں۔ بہترین انسان' بہترین بیوی' بہترین ماں۔۔۔ بہترین بیوٹیشن' بہترین دندان ساز (ڈینٹسٹ) بہترین بزنس وومن' بہترین آرٹسٹ اور بہترین ہوسٹ + ماڈل اور بہت کچھ۔۔۔۔ اور سب سے اچھی بات یہ کہ صحافیوں کے ساتھ بے حد کوآپریٹو۔۔۔ اور وقت کی پابند۔

"کیا حال ہیں جی۔۔۔ کیا مصروفیات ہیں؟"

"جی اللہ کا شکر ہے اور مصروفیات آپ لوگوں سے چھپی ہوئی نہیں ہیں۔۔۔ تو مت پوچھیں کہ کتنی مصروفیات ہیں۔"

"جی۔۔۔ ہمیں اندازہ ہے۔ ان سب کاموں کے لیے وقت کیسے نکال لیتی ہیں آپ؟"

"بس ٹائم نکالنا پڑتا ہے۔ اگر مختلف شوق پالے ہیں تو اپنے شوق کو پورا کرنے کے لیے ٹائم تو نکالنا ہی پڑے گا۔"

"گھر ڈسٹرب نہیں ہوتا؟"

"نہیں۔ اللہ کا شکر ہے اور گھر میں میری ساس ہوتی ہیں جن کے ہاتھ میں گھر کا سارا انتظام ہے۔ تو وہ ہی گھر کو سنبھالتی بھی ہیں۔ پھر میری میڈ بھی ہوتی ہے' گھر میں نوکر چاکر بھی ہوتے ہیں اور کک بھی' تو اللہ کا شکر ہے کہ سب کچھ صحیح چل رہا ہے۔"

"آپ ایک بیوٹیشن ڈاکٹر بھی ہیں۔ یہ بتائیے کہ آج کل رنگ گورا کرنے کے لیے جو "کیپسول" اور "انجکشن" استعمال ہوتے ہیں وہ کتنے کارآمد ہوتے ہیں۔"

"کچھ حد تک تو ہوتے ہیں۔ مگر یہ کوئی جادوئی کیپسول یا انجکشن نہیں ہوتے کہ سب کچھ ٹھیک ہوجائے۔ اس میں مستقل مزاجی بہت ضروری ہوتی ہے۔ اور اس کے لیے کافی ٹائم بھی لگ سکتا ہے۔ اگر آپ فوری طور پر تبدیلی لانا چاہ رہی ہیں تو یہ ممکن نہیں ہے کہ چند انجکشن یا کیپسول میں آپ کا کام ہوجائے۔ یہ مہنگا علاج بھی ہے اور اس میں ٹائم بھی لگتا ہے اور یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اس کے استعمال سے آپ کیا سے کیا ہوجائیں گی اور وہ جو کہتے ہیں کہ سات دن میں گوری گوری وہ سب غلط کہتے ہیں۔ رنگ گورا کرنے کے لیے کوئی جادوئی کریم یا انجکشن یا کیپسول نہیں نکلے' ہر کام میں ایک ٹائم لگتا ہے۔"

"کہا جاتا ہے کہ جنہیں اسکن الرجی ہوتی ہے ان کو یہ چیزیں بالکل موافق نہیں آتیں ایسا ہے؟"

"یہ مجھے نہیں معلوم۔ لیکن اگر کسی کو ایگزیما ہے یا الرجی ہے تو اس کا تو اپنا علیحدہ علاج ہوتا ہے۔ اگر ایگزیما ہو رہا ہے تو پھر ایسی صورت حال میں انجکشن کارآمد نہیں ہوں گے۔ ہاں پہلے آپ ایگزیما کا علاج کروائیں اور پھر یہ کیپسول یا انجکشن استعمال کریں۔"

"آپ نادیہ حسین سے نادیہ حسین خان ہوگئیں۔۔۔ کیا شادی کی وجہ سے؟"

"جی بالکل۔۔۔ میں نے ساتھ "خان" اس لیے لگایا کہ میری اپنی پہچان بھی رہے اور میاں کا فیملی نیم بھی آجائے۔"

"نادیہ! آپ ماشاء اللہ کافی قد آور ہیں تو خاندان میں آپ ہی ہیں۔۔۔ یا کوئی اور بھی ہے؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"شوبز میں آمد کیسے ہوئی اور کتنا عرصہ ہوگیا ہے؟"

"شوبز میں مجھے تقریباً" سولہ سترہ سال ہوگئے ہیں، شادی سے پہلے ہی اس فیلڈ میں آگئی تھی اور میں نے اگرچہ بہت زیادہ ڈرامے نہیں کیے لیکن اچھے خاصے کیے ہیں۔ اور ٹیلی فلمز میں بھی کافی کام کیا ہے میں نے اس فیلڈ میں آنے کی کوئی بہت زیادہ چاہت اور لگن نہیں تھی' بس اتفاق سے ایک پروگرام کو ہوسٹ کرنے کی آفر آئی۔ اور بس پھر اس کے بعد ہی سلسلہ شروع ہوگیا۔ مجھے بھی اس فیلڈ میں آکر اچھا لگا اور میں نے بھی سوچ لیا کہ اس فیلڈ میں نام کمانا ہے اور اس فیلڈ میں اپنی پہلی کمائی سے میں نے جوتے' جوڑے اور کچھ جیولری وغیرہ خریدی تھی۔"

"ماڈلنگ کے لیے کیا لمبا قد ہونا ضروری ہے؟"

"ضروری ہے.... تاکہ آپ لوگوں کو دکھائی دیں.... اور آپ میں خود اعتمادی کا ہونا بھی بہت ضروری ہے..... آپ کی خود اعتمادی بھی نظر آنی چاہیے۔"

"آپ کے بچپن کے کیا خواب تھے؟ بڑے ہو کر کیا بننا ہے؟"

"میرا خواب تو یہی تھا کہ میں نے میڈیکل میں جانا ہے اور ڈاکٹر بننا ہے کیونکہ میرے والد کا تعلق بھی میڈیکل سے تھا تو ڈگری تو میں نے لے لی۔ ڈاکٹر بھی بن گئی مگر کام نہیں کیا۔ مطلب پریکٹس نہیں کی اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ میں شوبز میں آگئی تھی۔ پھر شادی ہوگئی اور بچے بھی تو میں نے سوچا کہ بچے تھوڑے بڑے ہوجائیں تو پھر پریکٹس شروع کروں گی۔ مگر ایسا ہو نہیں سکا۔"

"سارا دن کی تھکاوٹ کے بعد نیند تو بہت اچھی آتی ہوگی آپ کو؟"

"ارے کہاں۔ اگرچہ میں گھر اپنے ٹائم پر آجاتی ہوں مگر پھر بچوں میں' فیس بک پہ اور ادھر ادھر کے کاموں میں آرام سے دو سے ڈھائی بج ہی جاتے ہیں۔ پھر اگر صبح بچوں کے اسکول ہوں تو جلدی اٹھنا پڑتا ہے اور اگر چھٹیاں ہوں تو تھوڑا آرام سے اٹھتی ہوں اور صبح اٹھ کر ایکسر سائز ضرور کرتی ہوں' کیونکہ یہ بہت
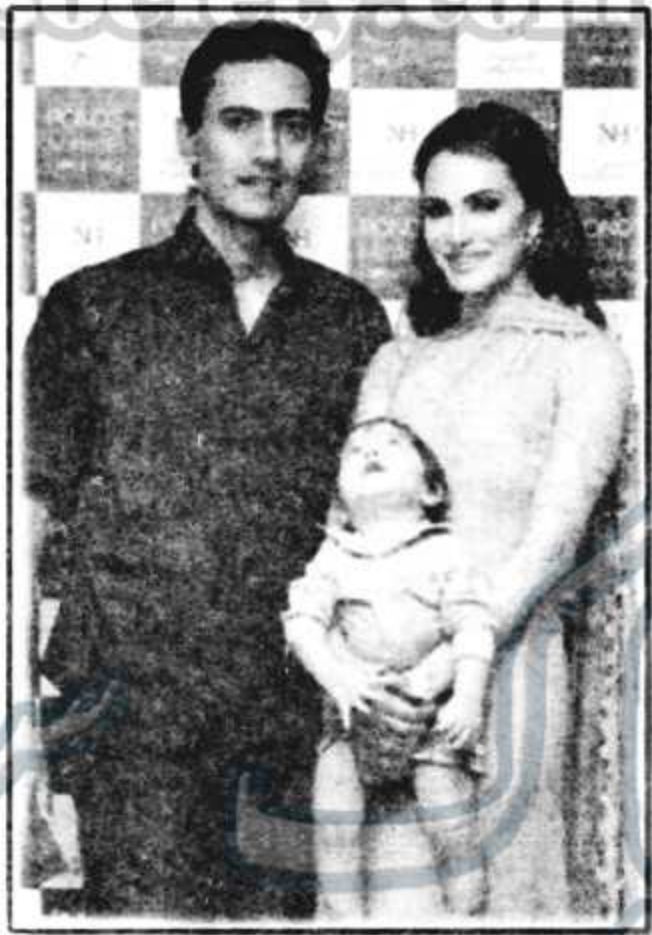
"قد آور ہونا ہمارا خاندانی ہے۔ میری والدہ بھی بہت لمبی ہیں' میرے ماموں بھی بہت لمبے ہیں۔ نانا.... ان کے بھائی۔ ماشاء اللہ سارے ہی بہت لمبے ہیں۔ مجھے میری والدہ کی طرف سے ہائیٹ ملی ہے۔"

"لمبی خواتین کے لیے عموماً" ایک جملہ لوگ بے جھجک بولتے ہیں کہ آپ کی ہائیٹ تو مردانہ ہے۔ آپ کو بھی لوگ کہتے ہوں گے؟"

"بالکل! بہت کہتے ہیں سب۔ اسکول کالج میں لڑکے ہی میری ہائیٹ کے ہوتے تھے اور مجھے میرے دوست کہتے تھے۔ مگر مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔"

"کچھ اپنے بارے میں بتائیں؟"

"میں 11 جنوری کو لندن میں پیدا ہوئی۔ اور میرا اسٹار کیپری کورن ہے.... اور بس میرا ایک ہی چھوٹا بھائی ہے۔ میں نے اولیول' پھر اے لیول کیا۔ پھر میں نے بی ڈی ایس میں ڈگری حاصل کی۔ اس کے بعد میں نے کچھ کورسز کیے۔ میری شادی کو ماشاء اللہ سے گیارہ سال ہوگئے ہیں اور میرے چار بچے ہیں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com
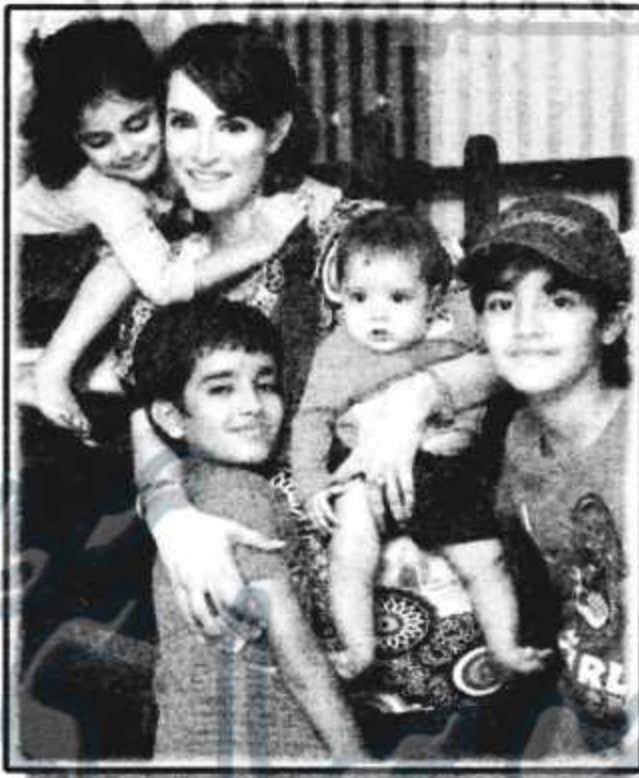
ضروری ہے میرے لیے' اور تھکن کی بات کر رہی ہیں تو مجھ پر اللہ کا یہ بڑا کرم ہے کہ مجھے زیادہ تھکن نہیں ہوتی' خواہ میں سارا دن کتنا ہی کام کیوں نہ کروں۔ مثلاً" میں صبح اٹھ کر اگر ایکسر سائز کرتی ہوں اور پھر ناشتے پر دوستوں کے ساتھ نکل بھی جاؤں اور بچوں کو لینے اسکول بھی چلی جاؤں۔ پھر رات کو گھر آکر کسی کی شادی پر یا کسی اور ایکٹیویٹی پر جانا ہو تو آسانی سے چلی جاتی ہوں۔ مجھے ایسی کوئی تھکن فیل نہیں ہوتی کہ میں کہوں کہ یہاں نہیں جانا۔ وہاں نہیں جانا۔"

"و تھکن تو نہیں ہوتی' غصہ بھی نہیں آتا کیا؟"

"ہنستے ہوئے" نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ غصہ تو ٹھیک ٹھاک آتا ہے' کوئی جھوٹ بول رہا ہو' غلط بیانی سے کام لے رہا ہو' اپنی غلطی کو مان نہ رہا ہو تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ اور غصہ نکال بھی دیتی ہوں۔ اگر چیخ چیخ کر بھی غصہ نکالنا ہو تو نکال دیتی ہوں۔"

"اتنی مصروفیات میں ہر وقت ہر لمحے "ان ٹچ" کس سے رہتی ہیں؟"

"ظاہر ہے۔ اپنے میاں سے اور اپنے بچوں سے۔ اور میری تو شاپنگ بھی بچوں۔ میاں اور گھر والوں کے لیے ہی ہوتی ہے۔"

"دنیا میں کچھ مفت لینے کا موقعہ ملے تو کیا لیں گی؟"

"مجھے آرٹ ورک' پینٹنگز کا بہت شوق ہے۔ میں تو یہی چیزیں لینا چاہوں گی۔"

"کوکنگ کرتی ہیں؟ اور کوکنگ چینلز دیکھتی ہیں؟"

"باقاعدہ نہیں کرتی' کیونکہ ٹائم ہی نہیں ملتا۔ لیکن میں اٹالین کھانے زیادہ اچھے پکالیتی ہوں۔ پاستا وغیرہ خاص طور پر۔ نہیں بالکل بھی نہیں دیکھتی کوکنگ چینلز' ٹائم ہی نہیں ملتا۔ اور ہمارے گھر میں بھی کک ہے وہی پکاتا ہے۔"

"لوگ پہچان لیتے ہوں گے' لوگوں کے اردگرد ہونے سے سوچتیں نہیں کہ کاش میں مشہور نہ ہوتی؟ اور لگتا ہے کہ میری زندگی دوسروں سے مختلف ہے؟"

"نہیں ایسا تو خیر نہیں سوچتی کیونکہ شہرت سب کے نصیب میں تو نہیں ہوتی اور میری زندگی بالکل بھی دوسروں سے مختلف نہیں ہے۔ کیونکہ میں تو عام خواتین کی طرح صبح اٹھتی ہوں اور عام خواتین کی طرح ہی کام بھی کرتی ہوں۔ گھر میں بھی وہی سسٹم چل رہا ہوتا ہے' جو عام گھروں میں چل رہا ہوتا ہے۔ تو کوئی فرق نہیں ہے میری اور دیگر خواتین کی روٹین میں۔"

"جذباتی ہیں آپ؟"

"نہیں میں جذباتی نہیں ہوں۔ میں نے دیکھا ہے کہ لوگ اموشنل ہوتے ہیں مگر میں ایسی نہیں ہوں میری سوچ بہت پریکٹیکل ہے۔"

"شہرت مسئلہ بنتی ہے؟"

"ہاں۔ بالکل بنتی ہے۔ لائف بہت متاثر ہوتی ہے۔ سرعام کھلم کھلا کہیں جا نہیں سکتے۔ کوئی پرائیویٹ لائف نہیں رہتی۔ مگر پھر شکر بھی کرتی ہوں کہ اللہ نے یہ عزت دی ہے۔"

"کس رنگ کے کپڑے بہت پہنتی ہیں آپ؟"

"میں تھوڑے برائٹ کلر کے کپڑے زیادہ پہنتی ہوں۔ ڈل کلر مجھے پسند نہیں اور پھر یہ بھی دیکھتی ہوں کہ تقریب کون سی ہے تقریب کے لحاظ سے بھی کلر پہنتی ہوں اور کہیں نہ جانا ہو تو پھر کوئی بھی کلر پہن لیتی ہوں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"پیسے کی آمد قسمت سے ہوتی ہے یا محنت سے؟"

"دونوں کا عمل دخل ہوتا ہے کہتے ہیں ناکہ دوا کے ساتھ دعا بھی ضروری ہے اور اس طرح آپ محنت کریں تو قسمت بھی آپ کا ساتھ دے گی۔"

"فریش کب ہوتی ہیں؟"

"پورا دن ہی ماشاء اللہ فریش رہتی ہوں۔ آپ کو میں نے بتایا ناکہ مجھے تھکن کا زیادہ احساس نہیں ہوتا۔ اس لیے فریش ہی رہتی ہوں۔ اور رات کو کہیں جانا ہو تو شاور لے کر ہلکا ہلکا میک اپ کر کے فریش ہو جاتی ہوں۔"

"آئینہ دیکھ کر اپنے لیے کیا نوٹ کرتی ہیں۔"

"میں تو جب بھی آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں یہ دیکھتی ہوں کہ چہرے پر کوئی دانہ تو نہیں نکل آیا...... اسکن کیسی لگ رہی ہے۔ داغ دھبے تو نہیں آگئے اور آگئے ہیں تو کیا ٹریٹمنٹ کرنی ہے۔"

"لوگ کس انداز میں ملتے ہیں اور کیا فرمائش کرتے ہیں آپ سے؟"

"لوگوں کا انداز محبت اور پیار کا ہی ہوتا ہے۔ تعریف کرتے ہیں میرے کام کی۔ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ اسکرین سے بہت مختلف نظر آرہی ہیں۔ میں لوگوں کو اسکرین کے بغیر زیادہ اچھی لگ رہی ہوتی ہوں اور فرمائش تو بس ایک ہی ہوتی ہے کہ تصویر بنوالیں۔"
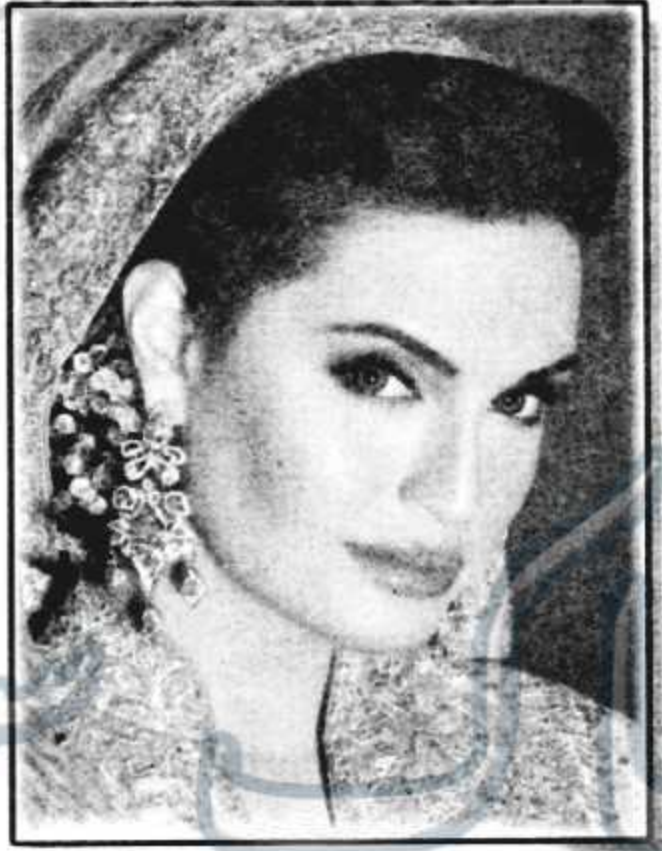
"زوال سے ڈرتی ہیں؟"

"میں نے جب پڑھائی شروع کی' ڈاکٹر بنی یا اس فیلڈ میں آئی تو شہرت کے لیے نہیں آئی تھی اور نہ ہی میری ایسی کوئی سوچ تھی اور ویسے بھی میں نے پوری زندگی نہ ریمپ پہ گزارنی ہے' نہ میڈیا میں گزارنی ہے' اس لیے میں نے اپنا بیوٹی سیلون کھولا کہ مجھے کوئی کام تو کرنا ہے اور پھر زندگی میں مصروف رہنے کے لیے میرے پاس کوئی ایک شعبہ تو ہے نہیں' تو مجھے امید ہے کہ اللہ کی مہربانی میرے ساتھ رہے گی۔"

"میاں صاحب کیا کرتے ہیں؟ اور کیا وہ بھی آپ کی طرح لمبے ہیں۔"

"ان کا اپنا بزنس ہے۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہتے ہیں اور میں اپنے اور ہاں وہ بھی لمبے ہیں۔ +6 ہیں اور ان ہی کی خواہش تھی کہ ان کی بیگم بھی ان ہی کی طرح اچھے قد کاٹھ کی ہو' سو میری صورت میں ان کی یہ خواہش پوری ہوئی۔"

"میاں بیوی گاڑی کے دو پہیے ہیں۔ کیا ہر چیز مشترکہ ہونی چاہیے۔"

"دوسری چیزوں کا تو کچھ نہیں کہہ سکتی۔ لیکن اکاؤنٹ تو اپنا اپنا ہونا چاہیے۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے نادیہ حسین سے اجازت چاہی۔ اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ٹائم دیا۔

☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل ----- نیلم منیر

میک اپ ----- روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی ----- موسیٰ رضا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

دستک دستک دستک

شاہین رشید

منیب بٹ

"کیا حال ہیں۔۔۔ جی؟"

"اللہ کا کرم ہے۔"

"آج کل آپ ایک اسکینڈل کی زد میں ہیں۔ کیا صداقت ہے؟"

"کوئی صداقت نہیں ہے۔۔۔ لوگوں کو اسکینڈلز بنانے کی عادت ہے۔"

"کیا ہو رہا ہے۔ آج کل۔۔۔"

"بس آپ کو پتا ہی ہے کہ اس فیلڈ میں ہیں تو کام ہی ہو گا۔"

"گڈ۔۔۔ ویسے "خواب سرائے" خوب ہٹ گیا آپ کو کیا رسپانس ملا؟"

"بہت اچھا۔۔۔ سچ میں بہت پسند کیا گیا۔۔۔ اور اس کے بعد سے تو مزید راستے ہموار ہوئے میرے لیے۔"

"کتنے پروجیکٹ مزید سائن کیے؟"

"ہنستے ہوئے۔۔۔" ابھی نہیں بتاؤں گا۔۔۔ ابھی تو بات چیت چل رہی ہے۔

"چلیں خیر ہے۔۔۔ شوبز میں آ کر مزہ آ رہا ہے۔۔۔ کیونکہ آپ تو ایک بزنس مین کے چشم و چراغ ہیں؟"

"جی بہت مزہ آ رہا ہے۔۔۔ بے شک میں بزنس مین کا بیٹا ہوں۔ مگر بزنس میں آنے کا کوئی فائدہ نہیں کیونکہ ہمارا جو کام ہے وہ ایک بندہ بھی سنبھال سکتا ہے۔۔۔ تو پھر کیا ضرورت ہے۔۔۔ بزنس میں آنے کی۔۔۔ اور اداکاری میرا شوق میرا جنون ہے۔ اس لیے میں اس طرف آیا۔۔۔ اور واقعی انجوائے کر رہا ہوں۔"

"شوبز کو کس طرح لیتے ہیں۔ کیا یہ محدود ہے یا لا محدود؟"
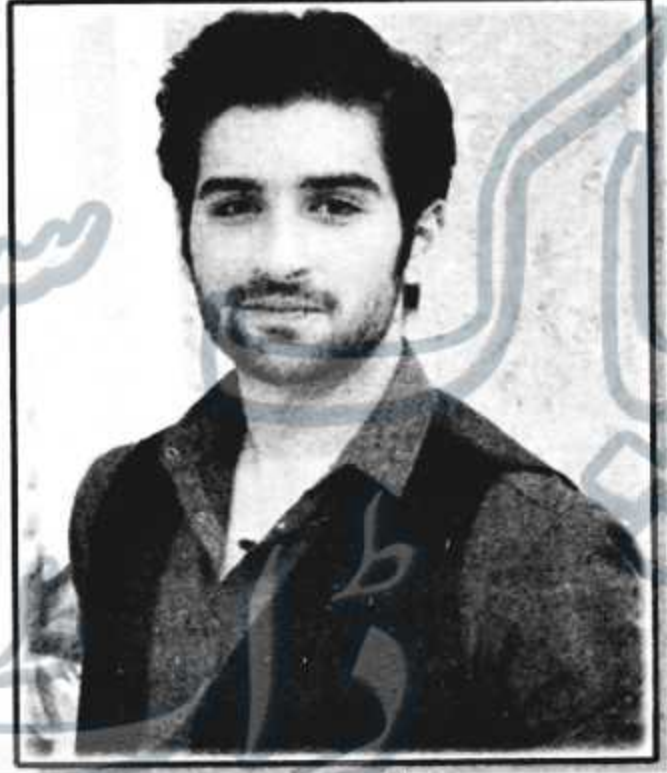
"ویسے تو یہ فیلڈ لا محدود ہے۔ مگر پھر بھی میرے لحاظ سے شوبز کی تین فیلڈز ہیں۔۔۔ ایک ماڈلنگ کی' ایک ڈراموں کی اور ایک فلم کی۔ اور حسن اتفاق سے میرا تعلق ان تینوں سے ہے۔۔۔ کیونکہ میں نے کمرشل ماڈلنگ بھی کی ہے اور دیگر بھی۔ اور ڈرامے تو آپ سب دیکھتے ہی رہتے ہیں۔۔۔ اور فلم انڈسٹری سے بھی مجھے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔"

"کیا امیدیں وابستہ ہیں؟"

"یہی کہ بہت گروم کرے گی یہ انڈسٹری۔ کیونکہ کافی پڑھے لکھے لوگ اس انڈسٹری میں آ گئے ہیں اور کافی حد تک انڈسٹری آرگنائزڈ ہو گئی ہے۔ اور اب تک جتنی بھی فلمیں بنی ہیں بہت ہٹ گئی ہیں۔ لوگوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ڈرامے میں کام کر رہی ہو... رومانس اور گانے نکال دو تو ڈراما ہی ہے۔"

"تو اسی لیے تو ڈرامے اور فلم میں فرق ہوتا ہے... ڈرامے میں یہ سب کچھ کہاں ہوتا ہے... ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ یہ فیملی ڈراما ٹائپ فلم ہے اور اسے لوگ ضرور دیکھیں گے اور الحمد للہ لوگوں نے اسے دیکھا اور پسند کیا۔ اور ثابت ہوا کہ زندگی واقعی بہت حسین ہے۔"

"ہمارے یہاں اگر کوئی کپل تواتر کے ساتھ کام کر رہا ہوں تو لوگوں کی چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ جو کبھی کبھی حقیقت کا روپ بھی دھار لیتی ہیں... ایسا ہے؟"

"میں آپ کا مطلب سمجھ گئی ہوں... بس اتفاق ہے کہ فیروز خان کے ساتھ میرا "چپ رہو" "گل رعنا" اور اب فلم بھی آ گئی... تو بس لوگ شروع ہو گئے۔"

"گویا ان خبروں میں کوئی صداقت نہیں ہے۔"

"فی الحال تو نہیں ہے۔"

"آگے ہو سکتی ہے؟"

"کچھ کہہ نہیں سکتی... یہ اوپر والے کے فیصلے ہوتے ہیں وہ جو کرے گا بہتر کرے گا... فی الحال تو نہیں

نے بہت گرم جوشی سے فلم کو ویلکم کیا ہے۔"

"آپ کے کیا ارادے ہیں؟"

"ارادے تو نیک ہیں... اچھے اسکرپٹ کے آنے کی دیر ہے پھر دیکھیے گا۔ کیا دھوم مچاتا ہوں میں۔"

"بہت خوب! بہت ترقی کریں... پیسے کی خاطر آئے ہیں آپ انڈسٹری میں؟ سنا ہے پیسہ بہت ہے؟"

"نہیں، میں پیسے کی خاطر نہیں آیا۔ اور اب واقعی اس فیلڈ میں پیسہ ہے۔ مجھے تو میرا شوق لے کر آیا۔ ورنہ پیسہ تو ہمارے بزنس میں بھی ماشاء اللہ کافی ہے۔"

"کام میں دیر سویر ہو تو کیا کیفیت ہوتی ہے؟ غصہ آتا ہے یا کول کول رہتے ہیں؟"

"غصہ؟ یہی تو مسئلہ ہے کہ مرد ہونے کے باوجود مجھ میں غصہ نہیں ہے... اور یہ کوئی زیادہ اچھی علامت نہیں ہے۔ تھوڑا بہت غصہ ضرور ہونا چاہیے۔"

"اچھا! حیرت ہے؟"

"جی، آپ یقین کریں کہ جن باتوں پر چھوٹے بچوں کو بھی غصہ آ جاتا ہے۔ مجھے اس پر بھی نہیں آتا" روڈ پر کوئی غلط کٹ کر دے، کوئی غلط بات کر دے عموماً لوگوں کو غصہ آ جاتا ہے۔ مگر مجھے نہیں آتا۔"

"ضدی ہیں؟"

"ارے نہیں ضدی بھی نہیں ہوں، بہت ڈاؤن ٹو ارتھ ہوں میں۔"

"آپ جیسے لوگوں کے لیے کہا جاتا ہے کہ ان کا تو پتا نہیں ہے۔"

"قہقہہ... "ہو سکتا ہے۔"

سجل

"کیا حال ہیں؟"

"جی اللہ کا شکر ہے۔"

"زندگی حسین ہے؟"

"قہقہہ..." آپ بتائیں... آپ نے دیکھی میری فلم؟"

"ٹی وی پہ جھلکیاں دیکھیں... ایسا لگا کہ جیسے کسی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اور فیروز اچھے دوست ہیں۔"

"اس انڈسٹری میں خواہ ڈرامے ہوں یا فلم۔۔۔ شاید آپ سب سے کم عمر فنکارہ ہیں۔"

"اب تو نہیں۔۔۔ کیونکہ اب تو میں بڑی ہو گئی ہوں۔۔۔ البتہ جب میں اس فیلڈ میں آئی تھی تو بہت کم عمر تھی۔۔۔ یہی کوئی پندرہ سال کی یا سولہ سال کی۔۔۔ اور کردار مجھے اچھے اور میچور ملے۔۔۔ شروع سے ہی۔۔۔ اس لیے میری جگہ جلدی بن گئی۔"

"کیا وجہ تھی اتنی کم عمری میں اس فیلڈ میں آنے کی۔"

"کچھ فیصلے اپنے اختیار میں نہیں ہوتے۔۔۔ بلکہ میں تو یہی کہوں گی کہ کوئی بھی فیصلہ اپنے اختیار میں نہیں ہوتا۔۔۔ جو کچھ کرتا ہے اوپر والا کرتا ہے۔۔۔ بس اتفاقاً" اور حادثاتی طور پر اس فیلڈ میں آ گئی' شاید میرے رب نے میرے لیے یہی لکھا تھا۔"

"خوش ہیں؟"

"بہت خوش ہوں۔

"اس فیلڈ میں کیا خواہش لے کر آئی تھیں؟"

"صرف ایک ہی خواہش تھی کہ اپنی "ماں" کی خدمت کروں اور اللہ نے مجھے موقعہ فراہم کیا۔ اس فیلڈ میں آنے سے پہلے میں ایک جگہ ملازمت بھی کرتی تھی۔ اب تو یہی فیلڈ میرے لیے سب کچھ ہے۔"

"ماں" تو بہت خوش ہوں گی؟

"ماؤں کے دل بہت بڑے ہوتے ہیں۔۔۔ ان کے لیے تو کچھ نہ بھی کرو تو وہ اپنی اولاد سے خوش رہتی ہیں۔"

"تم گھر کی بڑی ہو۔ فیلڈ میں آنے سے تعلیم تو متاثر ہوئی ہو گی۔۔۔ اور دیگر بہن بھائی کی کیا مصروفیات ہیں؟"

"جی۔ متاثر تو بہت ہوئی۔۔۔ انٹر کے بعد پڑھائی چھوڑ دی' کیونکہ ذمہ داریاں جو سر پر آن پڑی تھیں۔ لاہور سے ہی میٹرک اور انٹر کیا۔ ویسے سچ پوچھیں تو پڑھائی کا اتنا زیادہ شوق نہیں تھا۔ اب پڑھائی کی اہمیت کا احساس ہوتا ہے۔ اس لیے جلد ہی دوبارہ پڑھائی شروع کروں گی۔ اور ملک سے باہر جا کر تعلیم حاصل کروں گی۔ اور دیگر بہن بھائی کا آپ نے پوچھا۔۔۔ تو صبور نے میرے ساتھ ہی شوبز جوائن کیا تھا۔۔۔ مگر پھر پڑھائی کی وجہ سے چھوڑ دیا۔۔۔ اب کچھ عرصے سے وہ اس فیلڈ میں آ گئی ہے۔۔۔ اور چھوٹے بھائی کا ارادہ آسٹریلیا جا کر تعلیم حاصل کرنے کا ہے۔"

"اپنی زندگی سے خوش ہیں؟"

"بہت خوش اور میں سمجھتی ہوں کہ انسان جتنی جلدی میچور ہو کر اپنی ذمہ داریوں کو سمجھنے لگے اتنا ہی اس کے لیے بہتر ہے۔"

"کم عمری میں کافی کام کیا۔ کوئی ایوارڈ ملا؟"

"مسکراتے ہوئے" یہاں بندہ نامزد تو ہو جاتا ہے مگر ضروری نہیں کہ اسے ایوارڈ بھی ملے' میں لکس ایوارڈ میں تین بار نامزد ہوئی "ننھی" "سناٹا" کے لیے۔۔۔ مگر ایوارڈ حاصل نہ کر سکی۔۔۔ خیر کوئی بات

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نہیں۔ کبھی نہ کبھی تو ملے گا ہی۔"

ثروت گیلانی

"کیا حال ہیں ثروت؟"

"اللہ کا شکر ہے۔ آپ سنائیں۔"

"الحمدللہ... بیٹا کیسا ہے؟"

"ماشاءاللہ بہت کیوٹ ہے۔"

"کس پہ گیا ہے؟"

"پاپا! ہم سب کا مکسچر ہے۔ ماشاءاللہ بہت پیارا ہے۔ اب تو چلنے بھی لگا ہے۔"

"ماشاءاللہ! آج کل کمرشلز میں اور مارننگ شوز میں دیکھ رہی ہوں۔ ڈراموں سے کنارا کشی کرلی کیا؟"

"ارے نہیں... ایسا کچھ نہیں ہے۔ بیٹا ابھی چھوٹا ہے تو ڈراموں کی طرف توجہ نہیں دے پارہی۔ کیونکہ ڈراموں کی شوٹ میں کافی ٹائم لگ جاتا ہے۔ جب کہ کمرشلز میں وقت کم لگتا ہے تو بس کمرشلز کی طرف ہی زیادہ توجہ ہے۔ مارننگ شوز میں بھی کم ہی جاتی ہوں۔"

"سنا ہے کہ آپ اب کامیڈی رول کرنا چاہتی ہیں؟"

"جی... جی... بالکل... میں نے سوچا کہ سنجیدہ رول تو بہت کرلیے اب ذرا کامیڈی بھی کرلی جائے۔ اس لیے جلد ہی کسی کامیڈی رول میں آپ کو نظر آوں گی۔"

"عموماً "ڈاکٹر... ڈاکٹر سے شادی کو ترجیح دیتے ہیں' مگر فہد نے ایک آرٹسٹ سے شادی کی... دونوں الگ' دونوں معروف؟"

"جی ایک تو فہد مجھے بہت زمانے سے پسند کرتے تھے' ہماری آپس میں بہت اچھی انڈراسٹینڈنگ بھی ہوگئی تھی... ویسے یہ بات کسی اور نے بھی پوچھی تھی تو فہد کا جواب تھا کہ "ڈاکٹر سے شادی اس لیے نہیں کی کہ ڈاکٹر کی ڈیوٹی بہت سخت ہوتی ہے، جب کہ میرا دل

چاہتا ہے کہ جب میں شام کو گھر آوں تو مجھے میری بیوی تیار اور مسکراتی ہوئی ملے تاکہ میری دن بھر کی تھکن دور ہوجائے۔"

"اچھا... گڈ... تو کیا ایسا ہوتا ہے؟"

"جی... بالکل ہوتا ہے... میں رات دیر تک والا کوئی کام نہیں لیتی اور میری کوشش ہوتی ہے کہ فہد کے آنے سے پہلے میں گھر پر موجود ہوں۔"

"وقت کے ساتھ ساتھ محبت میں اضافہ ہو رہا ہے یا ایک نارمل لائف گزر رہی ہے؟"

"نارمل لائف تو گزر رہی ہے' مگر سچ پوچھیں تو ہماری محبت میں روز افزوں اضافہ ہی ہو رہا ہے۔"

"ماشاءاللہ... شکریہ ثروت... اب تمہارا کوئی نیا سیریل آئے گا تو زحمت دوں گی۔"

"جی ضرور..."

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

خط بھجوانے کے لیے پتا
ماہنامہ شعاع ۔ 37 ۔ اردو بازار، کراچی۔
Email: shuaa@khawateendigest.com

کراچی سے ثمینہ اکرم شریک محفل ہیں، لکھا ہے

عمر سعید کی ناگہانی وفات پر دل کی گہرائیوں سے دکھ ہوا۔ کچھ دل کے زخم ہرے ہوئے۔ 11 نومبر کو شہید معیز اکرم کو ایصال ثواب پہنچایا تو عمر سعید اور محترمہ انور جہاں کے درجات کی بلندی اور مغفرت کے لیے خصوصی دعا کی۔ اپنی خرابیٔ طبیعت کے باوجود آج میرے قلم اٹھانے کا محرک بنا مصباح علی کا ناول "حاصل کشت و خون"۔ اس ناول کو پڑھ کر جتنا حیران ہوتی کم تھا۔ آج کے دور کی رائٹر نے تقسیم آزادی کی کس قدر سچی اور حقیقی تصویر کشی کی ہے۔ مجھے بے اختیار اپنے اباجی یاد آگئے جو اکثر و بیشتر ہمیں آزادی کی خاک و خون میں ڈوبی یہی داستان سنایا کرتے تھے۔ میرے اباجی اس وقت نوجوان تھے اور وہ بھارت کے علاقے نارنول سے تعلق رکھتے تھے جہاں سب سے زیادہ مسلمانوں کا خون بہایا گیا تھا 1947ء میں میرے والد صاحب بھی اپنے خاندان کے سینکڑوں لوگوں کی شہادت کے بعد پاکستان بچ کر آنے والے واحد فرد تھے۔ ہر عید پر والد کو اپنے پیاروں کی یاد میں غم زدہ ہی دیکھا۔ بڑی قربانیوں کے بعد یہ پاک سرزمین حاصل ہوئی ہے۔ اس کی قدر کرنی چاہیے۔ ہندوؤں نے اس وقت مسلمانوں کے ساتھ وفا نہیں کی۔ ساری عمر ساتھ رہنے والوں نے تقسیم ہند کے وقت اپنی آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ اس کہانی کا لفظ لفظ سچا ہے۔ میرے والد بھی نارنول کے بااثر زمین دار گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اپنی سازو سامان سے بھری حویلی ایسے ہی چھوڑ کر آگئے تھے کہ جب حالات اچھے ہوں گے تب جا کر لے آئیں گے مگر پھر کبھی لوٹ کر نہ گئے۔ سادگی اور قناعت سے اپنی ساری عمر گزار دی۔ تقسیم ہند کے وقت سب ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ گلیوں میں خون کی ندیاں بہہ رہی تھیں۔ ہندوؤں نے پوری پوری پاکستان آنے والی ریل گاڑیاں کاٹ ڈالی تھیں۔ بہت ہی مشکل وقت تھا مگر ہم آج اپنے ملک کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں؟

"پیال ساز" کا اختتام پڑھ کر آنکھیں بھیگ گئیں۔ زمل اور باسل کو ایک ہونا ہی تھا۔ جب اللہ ہماری بڑی سے بڑی خطا کو معاف فرما دیتا ہے تو ہم انسانوں کی کیا اوقات؟

"خط آپ کے" میری توجہ کا مرکز بنتا ہے۔ کوثر خالد اور فوزیہ ثمر بٹ آپ لوگ تو اس سلسلے کی جان ہو اور قارئین کے شکوے بھرے خطوط پڑھ پڑھ کر تو واقعی چکر سے آنے لگتے ہیں۔ نادیہ جہانگیر کا افسانہ "چٹنی" کچھ پسند نہ آیا۔

"شہر خطا" نایاب جیلانی اس دفعہ کی قسط بہت کلاس کی لگی۔ شروع میں تو سمجھ ہی میں نہیں آتا تھا اب کہانی کھل کر سامنے آگئی ہے اور بہت دلچسپ بھی ہو گئی ہے۔

"خواب شیشے کا" اچھا جا رہا ہے۔ باقی سارے سلسلے بھی ٹھیک ہی لگے۔ ج: پیاری ثمینہ! ہم آپ کے دکھ کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ اپنے پیاروں کی جدائی کا غم سہنا آسان نہیں ہوتا۔ وقت ان کی یادوں کو دھندلا ضرور دیتا ہے لیکن زخم مندمل نہیں ہوتے' ہر خوشی' غمی میں ان کی یاد آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے اور بہت ساری خوشیاں دکھائے۔ بیماری کے باوجود آپ نے ہمیں یاد رکھا اور تبصرہ کیا اس کے لیے بہت شکریہ۔

صائمہ جاوید ملتان سے لکھتی ہیں

عمر سعید کے بارے میں پڑھ کر دلی رنج ہوا۔ اتنا عظیم

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

رائٹر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ عمر سعید کے درجات بلند فرمائے اور ان کی فیملی کو صبر جمیل دے۔
مستقل سلسلے سب ہی اچھے ہیں۔ کچھ عرصہ سے چلنے والا "تجھ سے ناتا" بہت اچھی کاوش ہے۔ بہت سی قارئین کو ڈھارس ملے گی کہ وہ اس "محاذ" پر تنہا نہیں ہیں۔
بہت سی قارئین کو رہنمائی ملے گی اور کچھ کو یہ "ستم بھرے قصے" پڑھ کر شادی کے نام سے ہی خوف آنے لگے گا (ہاہاہا!)
"شعاع کے ساتھ ساتھ" اگرچہ بہت پرانا سلسلہ ہے مگر بہت اچھا لگتا ہے، قارئین کی روداد پڑھ کے "خواب شیشے کا" اچھا جا رہا ہے مگر اب تو وہ حالات ہو چکے ہیں کہ بند لفافے سے خط کا متن جان لیتے ہیں (یہ الگ بات ہے کہ انجام تک ترپ کا پتا لکھاری کے ہاتھ میں ہوتا ہے) موحد آفندی کی اصلیت سامنے آنے کا انتظار ہے۔
ناولٹ بھی اچھے ہیں۔ ہاں قسط وار ناولٹ یا ناولز سے اب گھبراہٹ ہونے لگتی ہے۔
"کنیزاں کے نام" بنت سحر کی تحریروں سے ہٹ کر لگی یوں جیسے 90 کی دہائی کی کوئی تحریر پڑھ رہی ہوں۔ موضوع پرانا تھا بلکہ آغاز و انجام سب ہی پہلے کئی مرتبہ پڑھے ہوئے لگے۔
باقی افسانے بھی اچھے رہے اور ہاں! نادیہ ڈیر چٹنی مجھے بہت پسند ہے۔ مگر آج کے بعد تو انکار کا سوال ہی نہیں۔
"حاصل کشت و خون" مکمل ناول کی فہرست میں بہت عمدہ تحریر پڑھنے کو ملی۔ خوب صورت منظر نگاری جالیوں سے جھانکنے کا نظارہ بہت اچھا لگا۔ پتا نہیں کیوں مجھے مٹی لیپ اور سادہ سے لوگ بہت بھاتے ہیں۔ موضوع بہت جان دار تھا۔ پچھلے کچھ عرصے سے تحریری انداز بہت اچھا ہو گیا ہے مصباح کا۔
"پیال ساز" وہ تحریر ہے، جس کی تعریف کے لیے میرے الفاظ ناقص و کمزور ہیں اعلیٰ بنت کاری اور منظر نگاری کہ ہر لفظ باندھ لیتا تھا۔ کردار تو اعلا تھے ہی، میں تو الفاظ کی کرشمہ سازی سے مبہوت رہ جاتی تھی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی دین ہے اور ایمل رضا آپ خوش قسمت ہیں۔ بہت مبارک ہو۔
سب ہی کردار ایک سے بڑھ کر ایک مگر مجھے گلناب عالم سے نانو کے قالب میں ڈھلتے کردار نے سب سے زیادہ متاثر کیا، یہ وہ کردار تھا جو شعوری طور پر اپنے آپ کو مٹا کے خدمت کے راستے اللہ کے آگے جھکا۔ باقی کردار وقت کے ہاتھوں مختلف رنگوں میں ڈھلتے ہمیں سزا اور جزا کے رمز سمجھاتے رہے۔ پہلی سطر سے ایسا لگتا جیسے یہ تمام منظر میرے اردگرد اگ آئے ہوں اور میں ان کا حصہ ہوں۔ ایسی تحریر اگر قسط وار بھی آجائے تو انتظار بھلا ہی لگتا ہے۔
ج: پیاری صائمہ! ہماری خوش نصیبی ہے کہ بہترین لکھاریوں کے ساتھ ساتھ بہت ذہین قارئین کا ساتھ بھی ملا ہے۔ اتنے خوب صورت الفاظ میں جامع تبصرہ آپ کی ذہانت کو ظاہر کرتا ہے۔ ہماری دعا ہے کہ ہم شعاع کا معیار برقرار رکھ سکیں اور ہماری قارئین ہمیشہ ہمارے ساتھ رہیں۔

انعم توکل نے ننکانہ صاحب سے لکھا ہے

تقریباً دس بارہ سال پہلے کی بات ہے جب میں نے رسالہ پڑھنا شروع کیا تھا۔ اب میں خیر سے دو بچوں (فیصل اور دعا فاطمہ) کی ماما جانی بن گئی ہوں ابھی تک اس کا ساتھ جاری ہے۔ اب بات ہو جائے رسالے کی تو جناب پہلی شعاع سے لے کر خوب صورت بنیے تک ہر لفظ موتیوں میں پرویا لگتا ہے۔ رقص بسمل بہت اچھا لیکن کم صفحات کی وجہ سے تشنگی سی رہ جاتی ہے۔ پیال ساز کا اختتام جیسا سوچا تھا ویسے ہی ہوا ہے۔ خواب شیشے کا بھی بہت اچھا جا رہا ہے افسانوں میں چٹنی نادیہ جہانگیر بازی لے گئی۔
ج: پیاری انعم! پرچے کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ اللہ تعالیٰ آپ کا اور ہمارا یہ ساتھ ہمیشہ قائم رکھے۔ آمین

جویریہ افضل نے گوجرانوالہ سے لکھا ہے

چند ورق پلٹتے ہی پہلی شعاع دیکھی، لفظ گری اور ان کی تاثیر کا آپ نے ذکر کیا۔ شعاع میں آپ نے بہت بڑا انکشاف کیا۔ حیرت سے آنکھیں کھل گئیں اور پھر بھیگتی چلی گئیں۔ اتنے بڑے تخلیق کار اب ہم میں نہیں رہے۔ دکھ۔ بے حد دکھ۔ اس بات کا قلق ہو رہا ہے آخر اس قدر خوب صورت نام ہے "عمر" اپنے نام سے کیوں نہیں لکھا "سفال گر" اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔
"پیال ساز" اور اس کے ساتھ "حاصل کشت و خون" دونوں ہی مکمل ناول اور نام چونکا دینے والے۔
لسٹ دیکھتے ہی بڑی آپا سے رجوع کرنا پڑا حاصل کشت و خون کا مطلب پوچھنے کے لیے۔ پہلے تو انہوں نے غور سے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دیکھا پھر چند اوراق بیچ بیچ سے پلٹے اور پھر آرام سے رسالہ لے کر ایک جانب بیٹھ گئیں، ہمیں تو دیں ہی نہ۔ سارا پڑھ کر بہت دیر گم صم رہیں پھر مجھے تھما کر کہا پڑھ لو سمجھ میں آجائے گا۔ تو واقعی مصباح صاحبہ پڑھتے ہوئے ہماری آنکھیں پھیلتی چلی گئیں۔ لفظ، جملے، منظر اور اس قدر مختلف موضوع، پڑھتے ہوئے اس ناول کی تعریف کے لیے حقیقتاً" الفاظ کم پڑ گئے۔ اور سے ایسے دنوں میں لکھا گیا جب ملک دھرنوں اور لڑائی جھگڑوں میں ڈوبتا جا رہا ہے۔ مجھے سب سے زیادہ سہتی کے لفظ کاٹ کے رہ گئے "ماسی! یہ آزادی کے نعرے لگانے والے ایک دن بھوک کے پیچھے اک دوجے کو کاٹ کاٹ کھائیں گے۔" ناولٹ میں تو نایاب جیلانی کا شہر خطا بے حد زبردست۔ مجھے ان کی کہانی اور منظر نگاری اچھی لگی مگر کرداروں کے نام بہت مشکل رکھے۔ افسانوں میں ثناء عمران کا "اک ذرا انتظار" سب افسانوں پر بھاری تھا۔ واقعی کالے رنگ کو لوگ بُرا ضرور سمجھتے ہیں مگر اس میں جو کراماتی اور طلسمی طاقت ہوتی ہے۔ وہ ہر کوئی محسوس نہیں کر سکتا۔ شاباش ہمارے لیے لکھتی رہیں۔

ج : پیاری جوریہ بہت شکریہ! بہت عمدہ تبصرہ کیا آپ نے، ہم آپ کی تعریف متعلقہ مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔

عروج ملک سندر نگر ڈی۔ آئی خان سے شرکت کر رہی ہیں لکھا ہے

"پیال ساز" کا اینڈ جتنا حسب توقع تھا۔ اتنا ہی زبردست۔ تھوڑی سی کمی محسوس ہوئی جانے کیوں.... مگر ایمل نے ایک بہت پیارا ناول پیش کیا۔ شروع سے آخر تک میں پیال ساز کے حصار میں کچھ اس طرح رہی کہ آخری قسط کا سن کر ہی بے چینی سی ہوئی۔ ایمل آپی نے ہر کردار بہت محبت سے تخلیق کیا۔ خاص کر زمل تو بہت ہی پیاری لگی.... بالکل موی گڑیا اور نانو مجھے ان سے بے حد محبت ہے کیونکہ ایسی ہی نانو اللہ تعالیٰ نے مجھے بھی عطا کی ہے جو مجھ پر جان نچھاور کرتی ہیں چند ماہ سے ان پر کالے یرقان نے حملہ کیا ہوا ہے۔ نایاب جیلانی کا ناول اف 'اف.... ڈیئر آپی آپ خود کتنی پیاری ہوں گی کہ اتنا خوب صورت ناول ہمارے لیے تحریر کر رہی ہیں۔ مجھے نایاب جیلانی کی منظر نگاری، بہت بہت متاثر کرتی ہے اور میری جان ہے اس میں۔ شہر خطا یقیناً" بہت ہٹ جانے والا ہے ہر ہر سطر سحر طاری کرنے والی ہوتی ہے۔ موضوع بہت اسٹرونگ ہے۔ ویلڈن نایاب ایسے ہی اچھا اچھا لکھیں۔ مصباح علی کو میں نے جتنا بھی پڑھا ہمیشہ اچھا ہی لگا مگر حاصل کشت و خون سب سے بڑھ کر لگا۔ ناول کے شروع کرتے ہی فکر مندی اور درمیان تک آتے آتے دل باقاعدہ دھک دھک کرتا رہا۔ بہت کچھ الگ سا پڑھنے کو ملا اور کئی جگہ پر آنکھیں نم ہو گئیں۔ صد شکر کہ پیمان نے مبرا کو اپنا لیا ورنہ میں ---- رونے کے بعد کئی دن تک اداس رہنے والی تھی بہرحال دل جیت لیا مصباح آپ نے۔ عمر بھائی (عمر سعید) کی وفات کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا، بے شک وہ ایک عظیم اور میرے فیورٹ رائٹر تھے امبر خالد نے بھی اچھا سبق دیا اور ثناء عمران کا انداز مزے کا لگا۔ بنت سحر کے لیے میرے پاس یہی الفاظ ہیں کہ ان کو جتنا بھی پڑھ لو مزید کی طلب رہتی ہے۔

ج: پیاری عروج! اللہ پاک آپ کی نانو کو صحت کلی عطا فرمائے آمین۔ پرچے کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ عروج آپ کے افسانے زیر غور ہیں۔ مطلب ریجیکٹ نہیں ہوئے بس کچھ خامیاں ہیں تصحیح کر کے شائع ہو جائیں گے۔

منشاء قاسم لاہور سے لکھتی ہیں

سرورق خاص متاثر نہیں کر سکا۔ سفال گر کے خالق کی موت پر دل دکھ سے بھر گیا۔ سفال گر جیسی تحریریں صدیوں بعد وجود میں آتی ہیں۔ "خواب شیشے کا" عفت سحر کی ہلکی پھلکی تحریر ہے۔ "رقص بسمل" نبیلہ جی کب ختم کریں گی یہ رقص ؟ کوئی نیا ناول ہی شروع کر دیں۔ "پیال ساز" ایمل رضا آپ کی تعریف نہ کرنا تو زیادتی ہوگی جیسے شاندار آپ افسانے لکھتی ہیں اتنا شاندار 'جاندار ناول لکھا۔ گلنار عالم کا کردار پورے ناول پر چھایا رہا۔ "حاصل کشت و خون" مصباح گڑیا تم نے سحر میں جکڑ لیا۔ شعاع میں تمہاری انٹری (مکمل ناول کی صورت) دھماکے دار ہے۔ سچ کہوں تو اس ناول نے مجھے قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔ سہتی اور امرت دونوں دل کے کھوٹے۔ ایک نے سہیلی کا مان توڑا۔ دوسرے نے دوستی کا فخر۔ مصباح دوبارہ جلدی آنا۔ "کنیزاں کے نام" بنت سحر تمہارا یہ افسانہ سب افسانوں سے بہترین رہا۔ مگر اب مکمل ناول لکھو کوئی۔ "حیات

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نبض" امبر خالد کے افسانے میں ہم لڑکیوں کے لیے بہت اچھا سبق وہاں لڑکوں کے لیے بھی نصیحت سائرہ رضا سے سلسلے وار ناول لکھنے کی فرمائش کریں۔

ج : پیاری منشاء! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ سائرہ رضا سے سلسلے وار ناول کی فرمائش ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ فی الحال وہ معروف ہیں لیکن جلد ہی آپ کے لیے طویل سلسلے وار ناول لکھیں گی۔

حافظہ شہزادی نے شرق پور شریف سے لکھا ہے

ٹائٹل اچھا تھا۔ حمد و نعت اور احادیث بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ میں اسلامی ادارے کی طالبہ ہوں۔ ایمل رضا کا "پیال ساز" اچھا لگا۔ میں نے کہانی بھیجی ہے۔ اس کے بارے میں بتادیں۔

ج ۔ آپ کا خط پڑھنے کے بعد کہانی پڑھی۔ معذرت خواہ ہیں کہانی شائع نہیں ہو سکتی۔ فی الحال آپ صرف مطالعے پر توجہ دیں۔

جمیلہ نور چشتی نے میاں چنوں سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

آپ کے سب پرچے بہت اعلا درجے کے ہوتے ہیں۔ پیال ساز ایمل رضا کا بہت اچھا ناول ہے اور اس کا اینڈ بھی بہت اچھا ہوا۔ نانو کا کردار سب سے زیادہ پسند آیا۔ اس ماہ کی مسکراہٹیں بہت پسند آئیں خاص طور پر "کیش انت دو باکستان"

ج : پیاری جمیلہ! شعاع کی محفل میں خوش آمدید آپ پانچویں کلاس سے پرچا پڑھ رہی ہیں اور اب جب ماشاء اللہ دو بچوں کی اماں جان بن چکی ہیں، آپ نے ہمیں خط لکھا ہے۔ اتنی تاخیر کیوں؟ اور اتنا مختصر خط بس ایک ہی کہانی اور ایک ہی سلسلے پر بصرہ؟

ثوبیہ شین باغ اٹک سے تشریف لائی ہیں، لکھا ہے

"خواب شیشے کا" بہت خوب صورت تحریر موحد، طلال اور مہپارہ، پتا نہیں اس تکون کا اینڈ کیا لگتا ہے "پیال ساز" کا اینڈ توقع کے مطابق تھا۔ خوب صورت الفاظ سے آراستہ یہ تحریر یاد رہے گی۔

نادیہ جہانگیر کی "چٹنی" نے بہت عمدہ سبق دیا۔ امبر خالد کی "یہی حیات نبض ہے" کے لیے الفاظ نہیں۔ بہت اعلا۔ سدرہ حیات کی "خواہشوں کے موسم" نے برانڈڈ کے چکر سے نکالنے کا فریضہ بخوبی سر انجام دیا "رقص بسمل" ایک بہت خوب صورت تحریر لیکن پلیز اس کے صفحات بڑھادیں۔

ج : پیاری ثوبیہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی شرکت کرتی رہیں گی۔

عائشہ انصاری لکھتی ہیں

"پیاری نبی کی پیاری باتیں" روح کو سرشار اور ایمان کو تازہ کردیتی ہیں۔ سب سے پہلے "خواب شیشے کا" کی قسط پڑھی۔ ٹاپک عام سا ہے لیکن کہانی میں جان ہے۔ اس کے بعد دوڑی "پیال ساز" کے اختتام کی جانب کہانی اچھی ہی نہیں بہت اچھی تھی، "رقص بسمل" تو اب ڈرانے لگی ہے" "حاصل کشت و خون" مصباح علی! تحریر بہت ہی اعلا پائے کی تھی "پس مرگ" کے لیے رائٹر سے

ضروری وضاحت

نومبر کے شمارے میں صباحت عمران کا افسانہ "پس مرگ" شائع ہوا تھا۔ یہ ایک فرضی اور تخیل پر مبنی تحریر تھی۔ جس کا حقیقت سے دور دور کا واسطہ نہیں تھا۔

ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اس کہانی میں عمر سعید سمیت ان سے منسلک کچھ لوگوں کو بلاوجہ ملوث کرنے اور انہیں تکلیف پہنچانے کی مذموم کوشش کی گئی ہے جبکہ عمر سعید خوش باش، مرنجان مرنج اور زندگی سے بھرپور شخصیت تھے۔ انہیں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی بنا پر ہر جگہ پذیرائی ملی اور ان کی تحریروں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا۔

عمر سعید کے اہل خانہ اور ان سے منسلک دیگر افراد کو اس تحریر کی وجہ سے جو تکلیف ہوئی اس کا ہمیں افسوس ہے اور ادارہ اس کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ عمر سعید اور ان سے منسلک لوگوں کا اس کہانی یا اس کے مندرجات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

صرف اتنا کہوں گی کہ آپ نے حقیقتاً" محفل لوٹ لی۔
بنت سحر! (کنیزاں کے نام) ایسی کہانیاں کثرت سے لکھی جانی چاہئیں۔ "چٹنی" نادیہ جہانگیر! بڑے بولوں کا بھیانک انجام! "اک ذرا انتظار" ہمارے معاشرے کا شرمناک المیہ۔ "تیری اک نظر" سو سو رہی۔ "یہی حیات نبض ہے" امبر خالد! لڑکیوں کو انتہائی اہم سبق دیا آپ نے۔ کومل میں مجھے اپنی جھلک نظر آئی شہر خطا پہ تبصرہ محفوظ رہا۔ "خواہشوں کا موسم" بھی ٹھیک تھی۔ "خط آپ کے" کوثر خالد صاحبہ! کیا ہی اچھا ہوتا اگر آپ ثمینہ آپی کی طرح یہ بھی واضح کر دیتیں کہ اپنے خط میں آپ نے کون سی عائشہ کا ذکر کیا ہے۔

ج : پیاری عائشہ! آپ نے تمام تحریروں پر تبصرہ کیا' اچھا لگا اور یہ شہر خطا پہ تبصرہ کیوں محفوظ کر لیا۔ آپ اندازہ نہیں کر سکتیں۔ اتنی طویل تحریریں لکھنے والے کتنی بے تابی اور بے چینی سے قارئین کی رائے کے منتظر ہوتے ہیں۔
اور آپ اپنے شہر کا نام تو لکھنا بھول ہی گئیں۔ آئندہ اپنے شہر کا نام ضرور لکھیے گا۔

ام عمارہ نے جھنگ سے لکھا ہے

میرے ابا جان جو چند گلیاں چھوڑ کر رہتے ہیں۔ پرسوں آئے' تقریباً" آدھے صحن سے ہی پکارنے لگے۔ "عمارہ بیٹے! کہاں ہو تم۔ جلدی آؤ" میں کمرے سے نکلی' ان کے ہاتھ میں شعاع دیکھ کر کچھ خاص حیرانی نہیں ہوئی کیونکہ یہ ڈیوٹی ابا ہی کی ہے اور میری شادی کے بعد بھی وہ اسے بخوبی نباہ رہے ہیں کیونکہ انہوں نے خود بھی پڑھنے ہوتے ہیں۔ پہلے خریدیں گے پھر پڑھیں گے پھر مجھے دے جاتے ہیں۔ لیکن اتنے بے قرار تب ہی لگتے ہیں جب کچھ خاص پڑھ لیں تو بھئی انہوں نے خاص پڑھ لیا۔ "حاصل کشت و خوں" میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ ان کی بے پناہ تعریفی جملوں میں سے کون سے لکھوں۔ کون سے چھوڑوں اگر اس وقت کی منظر نگاری اور اپنا اور ابا کا مکالمہ لکھوں تو آپ بھی جھوم ہی جائیں کیونکہ ان کی گردن الگ جھوم رہی ہے اور آنکھیں الگ اور ایک ہی لفظ کی تکرار' شاہکار ہے بھئی کمال کر دیا مصباح بیٹی نے' "عرصے یاد رہنے والا۔" پرسوں کہہ رہے تھے ابھی کہ ابھی خط لکھوں۔ آج تو زبردستی خط لکھوا رہے ہیں کہ شدت سے ساجدہ حبیب بیٹی یاد آرہی ہیں' کبھی وہ اس طرح لکھا کرتی تھیں جیسے کوئی دل کاغذ پر اتار رہا ہو' میں خود بھی حیران ہوں کہ آج سے پہلے مصباح ہلکا پھلکا لکھتی رہیں' ان میں کہانی اور الفاظ کا اتنا تال میل پوشیدہ ہے بقول ابا انہیں پیان اور مبرا کی راج نگر کی آخری ملاقات اور لاہور میں پہلی ملاقات۔ زہرہ کا رویہ بے تحاشا پسند آیا اور بھی جانے کیا کیا کہہ رہے ہیں' میں کیا کیا لکھوں۔
اور آپ کو ایک اور بات بتاؤں' اصل آج سے تقریباً" چھ سات سال پہلے جب "سفال گر" لگا تھا' ابا نے مجھ سے شرط لگائی تھی کہ عمارہ لکھوا کر رکھ لو۔ یہ تحریر کسی لڑکی کی ہو ہی نہیں سکتی اور اب جب شرط جیت گئے تو ان کی آنکھیں نم تھیں ہمیں تب پتا چلا جب شاہکار دنیا ہی چھوڑ گیا۔ میرے ابا کو شرط لگانے کی بہت عادت ہے۔ دو تین رائیٹرز کے بارے میں اب بھی مجھ سے شرط لگا رہے ہیں۔ اب بابا نامہ بہت ہو گیا۔ اب کچھ اپنی بات بھی لکھ دوں' مجھے امبر خالد کا یہی حیات نبض ہے۔ بہت اچھا لگا۔ آج کل کی لڑکیوں کو بطور خاص پڑھنا چاہیے' خواہشوں کا موسم کچھ زیادہ دل پر نہ لگا۔ فاطمہ' صغریٰ' قادر کا تجھ سے ناتا جوڑا تو بالکل مجھے ایسا لگا جیسے ہمارے خاندان کا ذکر خیر ہو۔ بہت سی باتوں میں مماثلت ہے۔ اور ن' ق کا پڑھ کر دل کو صدمے نے آن گھیرا۔

ج : پیاری ام عمارہ! اپنے والد محترم کی خدمت میں ہماری طرف سے سلام عرض کیجیے گا جنہوں نے انتہائی بے ساختہ' دلچسپ اور شان دار تبصرہ آپ سے لکھوایا۔ بخدا پڑھ کر مزہ آگیا۔ آپ کے اباجان نے جو شرط لگائی ہے' مزید رائٹرز کی۔ ہمیں بھی لکھ بھیج دیتیں۔ ہماری معلومات میں بھی اضافہ ہوتا۔ ان سے کہیے گا کہ وہ قیام پاکستان کے واقعات ہمیں لکھ بھیجیں۔ انہیں کہانی کے قالب میں ڈھالنا ہمارا کام ہے۔ اور ہاں ایک دفعہ پھر ان کا شکریہ۔

سیرت امین میاں چنوں سے شریک محفل ہیں

سپرہٹ رہا اس بار کا شمارہ بھی' سب سے پہلے آتے ہیں ایمل رضا کے ناول کی طرف۔ اختتام ویسا نہیں ہوا جیسا ہونا تھا۔ جلدی میں نبٹا دیا گیا اچھا نہیں لگا۔ شہر خطا کی یہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

قسط زبردست رہی۔ کردار واضح ہو گئے ہیں۔ افسانے سب ہی اچھے تھے۔

سب سے اچھا گلابی دنیا لگا' باقی تمام ناول اچھے تھے خواہشوں کا موسم! سدرہ حیات ویل ڈن.... حاصل کشت و خون اپنے عنوان پر پورا اترا بہت میچیور تحریر..... قلم سے مکمل انصاف کیا مصباح علی نے۔ خواب شیشے کا اور رقص بسمل بھی کامیابی سے آگے بڑھ رہے ہیں۔ میری دعائیں نبیلہ عزیز اور عفت سحر صاحبہ کے ساتھ ہیں اور تمام سلسلے بہت اچھے رہے خاص طور پر پیارے نبیﷺ کی پیاری باتیں اور موسم کے پکوان۔ سب سے آخر میں ذرا تفصیل سے بات کروں گی "پس مرگ" پہ۔ یہ افسانہ نہیں تھا۔ ... تھا جو ... صفحات پہ بکھرا آنسو تھے جو قطرہ قطرہ سطر در سطر گامزن رہے۔ بارہا غم صفحات سے ٹکرا کے یوں پلٹتا۔ جیسے کسی بے قفلی دیوار سے یاد ٹکرا کے تڑپ کے پلٹا کرتی ہے۔ بہت خوب لکھا لکھنے والے نے۔ صباحت عمران کو اس تحریر پر خراج تحسین پیش کرتی ہوں۔

ج : پیاری سیرت! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ متعلقہ مصنفین تک آپ کی تعریف پہنچا رہے ہیں۔

ناظمہ زیدی نے چوک اعظم سے لکھا ہے

میں نے کچھ دن ہی ہوئے ہیں گرلز اکیڈمی کی بنیاد رکھی ہے۔ میں نے یہ پہلا قدم اٹھایا ہے۔ دن رات محنت کر رہی ہوں آپ کی دعاؤں کی منتظر ہوں۔

امی! آپ کو سلام کہہ رہی ہیں۔ آپ کے تمام سلسلے امی کو بہت پسند ہیں۔ مگر انہیں آپ سے بس یہ شکایت ہے کہ "شعاع میں پہلے جیسی کہانیاں شائع کریں جیسے شادی بیاہ' مہندی' روٹھنا منانا وغیرہ' اب آپ لوگ مشکل' عجیب سی کہانیاں دیتی ہیں۔ مجھے سمجھ نہیں آتیں۔" امی اور آپ کا ساتھ بہت پرانا ہے تقریباً" 1980ء سے امی پڑھ رہی ہیں۔

ج : پیاری ناظمہ! آپ کی کامیابی کے لیے دعاگو ہیں اپنی امی کو ہمارا سلام پہنچا دیں۔ ہماری اتنی دیرینہ قاری کے لیے ہمارے دل میں بہت احترام و محبت ہے۔ ہم ان کی فرمائش ضرور پوری کریں گے ویسے آپس کی بات ہے زیادہ مشکل کہانیاں ہمیں بھی اچھی نہیں لگتیں۔

فرحت اشرف گھمن نے سیروالا سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

اس ماہ کا ٹائٹل نائس تھا۔ سیاہ حاشیہ میں عدینہ اور صالحہ کا آپس میں کیا رشتہ تھا۔ جس شمارے میں حقیقت کھلی تھی۔ اس ماہ کا شمارہ مجھ سے مس ہو گیا تھا اور ریک اور ماہیر کے نام کا کیا مطلب ہے۔

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے۔ فاطمہ شکر ہے آپ کو اتنا اچھا سسرال ملا۔ ن ' ق! اللہ تعالیٰ سے دعا ہے اللہ تعالیٰ آپ کے شوہر کے دل میں آپ کے لیے محبت پیدا کرے۔ مجھے تو سسرال نام سے ہی ڈر لگتا ہے۔ ناول "رقص بسمل" اتنا کم کیوں آتا ہے "خواب شیشے کا" آئی تھنک زرنگار نے آ جانا ہے۔ مکمل ناول "پیال ساز" ایمل رضا نے بہت اچھا اینڈ کیا۔

ج : پیاری فرحت! اوریدا اور ماہیر کے نام کا کیا مطلب ہے۔ یہ تو صائمہ ہی بتا سکتی ہیں۔

عدینہ اور صالحہ آپا کے درمیان ماں بیٹی کا رشتہ تھا اور یہ بات تو شروع سے ہی واضح تھی۔ رقص بسمل کے صفحات کم ہوتے ہیں۔ اس کی وجہ نبیلہ عزیز کے کچھ ذاتی مسائل ہیں۔ آپ ان کے لیے دعا کریں۔ وہ اپنے مسائل سے نجات پائیں اور ہمارے لیے زیادہ سے زیادہ لکھیں۔ بلاشبہ وہ بہت باصلاحیت مصنفہ ہیں۔

شعاع اور خواتین آپ کو ایک پیکٹ میں بھجوائے جا سکتے ہیں اور آپ چاہیں تو علیحدہ بھی مل سکتا ہے۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

اقصیٰ ماہ نور ہراج نے داؤدوالہ تلمبہ سے لکھا ہے

اعتذار

نومبر 2016ء کے شعاع میں جو حمد شائع ہوئی تھی اس کے شاعر جناب نصیر الدین نصیر (گولڑہ شریف) تھے۔ مگر سہواً "شاعر کا نام نصیر الدین ترابی شائع ہو گیا تھا۔

ادارہ اس سہو کے لیے معذرت خواہ ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

حمد و نعت سے مستفید ہو کر عفت سحر کے ناول "خواب شیشے کا" کی طرف بڑھے۔ بڑا زبردست ناول ہے۔ نبیلہ جی اسے ختم کریں اور درد دل جیسا کوئی ناول لائیں' اس کے بعد مکمل ناول پڑھا۔ مصباح علی نے وطن کے بارے میں اچھا لکھا۔ سدرہ حیات کا درمیان میں ہی چھوڑ دیا۔ اچھا ہی نہیں لگا۔ خط آپ کے میں تمام قارئین نے زبردست تبصرہ کیا۔

ج : پیاری اقصیٰ! شعاع آپ کو پسند آیا' یہ جان کر بہت خوشی ہوئی۔ رقص بسمل اب اختتام کے مراحل میں ہے۔ آپ کے چاچا کی صحت کے لیے دعاگو ہیں۔

یاسمین حنفی مسراب گوٹھ کراچی سے لکھتی ہیں

بہت زبردست اینڈ ہوا (پیال ساز) کا... پڑھ کر مزہ آگیا۔ کسی کردار کے ساتھ ناانصافی نہیں ہوئی۔ ہر ایک اپنی جگہ پرپرفیکٹ... مدتوں یاد رہنے والی تحریر... اللہ تعالیٰ عمر سعید کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ ان کی وفات بہت بڑا نقصان ہے ادب کا۔ مصباح علی کا مکمل ناول بھی زبردست تھا "خواب شیشے کا" عفت سحر طاہر... لائٹ سی کہانی' لائٹ سے موڈ کے ساتھ کسی سسپنس کے بغیر آگے بڑھ رہی ہے "شہر خطا" نایاب جیلانی نے شاید تعویذ یا جادو ٹونا کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے تین اقساط میں تو یہی سمجھ میں آیا ہے۔ خیر ہمیں رائٹر کی صلاحیتوں پر کوئی شک نہیں۔ کہانی آگے دلچسپ ہی ہوگی۔

خواہشوں کا موسم" سدرہ حیات نیا نام ہے شاید... کہانی اچھی تھی بس... افسانوں میں نادیہ جہانگیر کا "چھنی" شروع سے ہی لگ رہا تھا کہ نائلہ کو آخر میں چھنی دنیا کی ہر نعمت سے زیادہ اچھی لگے گی۔ "کنیزاں کے نام" بنت سحر کا افسانہ گاؤں کی گوریوں کے جذبات کی ترجمانی کرتا ہوا اور شہر کے لوگوں کے جذبات کی بالکل بھی نہ پرواہ کرتا ہوا لگا۔ "تیری اک نظر" پہلا سین بالکل انڈین ڈراموں کی طرح کا تھا۔ ادھر ہیرو نے پوچھا۔ بتیاں دیکھیں؟ ادھر کیمرے نے ہر اینگل سے دلہن کو کور کیا خیر (کیا کریں بھئی ہمیں تو ایسا ہی لگا) اینڈ میں انگریزی اخبار میں کالم بھی لکھوا لیا۔ واہ... "پس مرگ" آنکھ والوں کے لیے یقیناً" ایک اچھی تحریر (ارے بھئی وہ والی آنکھ جس سے علامہ اقبال نے پاکستان کا خواب دیکھا تھا سمجھ گئے نا!؟ "گلابی دنیا" نورین غوری کا افسانہ پڑھ کر ہم بھی کچھ دیر کے لیے گلابی دنیا کی سیر کر آئے۔

ج ۔ پیاری یاسمین! جامع تبصرے کے لیے شکریہ۔

ملتان سے آسیہ فرید نے لکھا ہے

اس ماہ کا سرورق بہت اچھا لگا پیاری باتیں پڑھ کر بہت اچھا لگا سب سے پہلے ایمل رضا جی کا "پیال ساز" پڑھا ہیپی اینڈنگ نہایت خوب صورت اختتام ویلڈن ایمل جی اس کے بعد نایاب جی کے شہر خطا کی طرف بڑھے انادیہ جیسے لوگوں سے اللہ پناہ دے۔ رقص بسمل میں شکر تیمور کا رویہ ماورا کے ساتھ بہتر ہوا۔ اس کے بعد عفت جی کا خوب صورت ناول بھی خوب صورتی سے رواں دواں ہے افسانے سارے ہی اچھے تھے۔ اسماء طاہر اور بنت سحر کا افسانہ اچھا لگا۔ سدرہ حیات کی تحریر بھی اچھی لگی۔ نومبر کا سارا شمارہ ہی بہترین لگا۔

ج : پیاری آسیہ! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے شکریہ۔ امید ہے آئندہ بھی شرکت کرتی رہیں گی۔

فوزیہ ثمروٹ' ہانیہ عمران اور آمنہ رئیس گجرات سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

سرورق بس سو سو ہی تھا۔ سب سے پہلے اپنے پیارے شہر کی پیاری سی مصنفہ عفت جی کو پڑھا۔ اس ماہ کی قسط خاصی دلچسپ رہی۔ "پیال ساز" کا اینڈ بھی اچھا تھا۔ ایک غلطی کی سزا میں پوری زندگی برباد کر دی۔ سچ ہے ابن آدم بنت حوا کی ذرا سی غلطی کو معاف نہیں کرتا۔ شہر خطا دلچسپ مگر اوکھی کہانی کبھی' ماضی کبھی حال۔ اور پھر ناموں کی بھی الجھن خیر اس سے دستبردار تو اس کے اینڈ تک نہیں ہو سکتے یہ ساری کیفیت تحریر کے ساتھ ساتھ ہی رہے گی۔ مجھے تو یہ سمجھ نہیں آرہی ہے' عنایہ کون ہے۔ حاصل کشت و خون بہت اچھی تحریر تھی ہم سب پاکستانیوں کا ایمان تازہ کرنے والی خواہشوں کا موسم بھی ایک سبق آموز تحریر تھی۔ افسانے بھی سب ہی اچھے تھے ہر رائٹر کوئی نہ کوئی اچھا میسج دے رہی تھی۔ کنیزاں کے نام بنت سحر اس بار کی تحریر تھوڑی ہلکی لگی' تمہاری تحریریں تو بریانی کا مزہ دیتی ہیں۔ اس بار مصالحہ ذرا کم لگا۔ گلابی دنیا گلابی گلابی ہی لگی۔ انٹرویوز میں نوین وقار اچھی لگی۔ نیپو شریف کا انٹرویو کریں۔ سنگ مرمر کے شرین کے بھائی کا۔

خط آپ کے شعاع کا خوب صورت سلسلہ اور پیاری

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

قارئین کے پیارے پیارے جوابات۔ اس بار سب کو آپ نے تسلی بخش جواب دیے۔ خوب ہنسی آئی۔ سچی کبھی کبھی تو آپ بھی میٹھی چھری ہی لگتی ہیں۔

کوثر آنٹی کو ہماری طرف سے نعت کے مجموعے کی بہت بہت مبارکاں قبول ہو۔ پہلے نند کا جٹھانی کا سروے 'میرے خیال میں ایک شمع کا بھی تو ہونا چاہیے۔ آپ کی تسلی اور حوصلہ ڈھیروں خون بڑھا گیا۔ اتنی سی زندگی ہے اتنی سی رہ گئی ہے بس دل بھرا ہوا تھا۔ سو لکھ ڈالا' ڈھیروں دکھ' تھوڑے سے سکھ کے ساتھ گزر ہی جائے گی۔ جو کاتب تقدیر کی رضا بس محو انتظار ہے زندگی۔

ج : پیاری فوزیہ! ہم تو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خوشیاں بانٹنے سے زیادہ اور دکھ بانٹنے سے کم ہو جاتے ہیں اور اللہ پاک سے زیادہ اچھا دوست کون ہے۔ اور یہ تو بہت غلط سوچ ہے۔ ڈھیروں دکھ اور تھوڑے سے سکھ؟ کبھی سوچیں صرف آنکھیں ہی اتنی بڑی نعمت اور سکھ ہیں کہ ساری زندگی بھی شکر کے لیے کم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو ڈھیر ساری خوشیاں دے۔ ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ اور ہمیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین ہے کہ آپ کو اپنے حصے کی خوشیاں ضرور ملیں گی ان شاء اللہ۔ بیۂ دیا کی سوتیلی بہن ہے اور عنایا' دیا کی بیٹی ہے۔

اقراء' اسماء' طیبہ اور کومل نے خانووال سے شریک محفل ہیں' لکھا ہے

یہ خط ہم پنجاب کے پنڈ سے لکھ رہے ہیں' ہمارا پنڈ خالص والا پنڈ ہے وہ اس لیے کہ ہمارے پنڈ کے لوگ بہت سادہ ہیں۔ میری سسٹرز اور کزن میرے پاس بیٹھی ہوئی ہیں۔ ان کا کہنا ہے بلکہ یقین ہے ان کو کہ اول تو میرا خط

آپ تک پہنچے گا ہی نہیں اگر پہنچ ہی گیا تو آپ شائع ہی نہیں کریں گی اور میرا یقین بالکل کامل ہے۔ آپی جی ایک بہت دکھ والی بات ہے ذرا اپنے دل پہ ہاتھ رکھ لیجیے' بات یہ ہے' اہم اہم اہم شعاع کو پڑھ پڑھ کے میری آنکھوں پہ ایک موٹا کالا چشمہ لگ گیا اور اب چشمے کی وجہ سے لوگ مجھے بڈھی مائی کہنے لگ پڑے ہیں حالانکہ میں مائی اوہ سوری لڑکی ایف اے کی سٹوڈنٹ ہوں۔

ج : اقراء' اسماء' طیبہ اور کومل! آپ چاروں نے یہ خط مل کر لکھا ہے۔ اب پتا نہیں کس کا یقین کامل تھا کہ ہم یہ خط شائع کر رہے ہیں اور چشمے پر دل پہ ہاتھ رکھنے والی کیا بات ہے۔ ہم تو چشمہ کو ایک نعمت سمجھتے ہیں۔ آپ سوچیں' چشمے نہ ہوتے تو کیا ہوتا۔ جن کی نظر کمزور ہوتی۔ وہ تو کسی کام کے ہی نہیں رہتے اور چشمہ لگا کے کوئی مائی نہیں لگتا۔ خوب صورت سے ڈیزائن کا چشمہ لیں۔ آج کل تو بہت اچھے ڈیزائن کے چشمے مل جاتے ہیں۔ نظر کی کمزوری کے لیے شعاع کو الزام نہ دیں۔ نظر کی کمزوری تو عام بات ہے' ہاں یہ ضرور ہے کہ خالص پنڈ کے لوگوں کو یہ عارضہ کم لاحق ہوتا ہے کیونکہ انہیں خالص غذا اور ماحول میسر ہوتا ہے۔

مہران ایوب نے قمبو سندھ سے لکھا ہے

پہلی شعاع نے دل چھو لیا۔ "پیارے نبیؐ کی پیاری باتوں" سے فیض یاب ہوئے۔ اگست میں' میں نے اپنا افسانہ "خواب اور امید" شعاع میں بھیجا تھا۔ آپ کے ادارے کے دیے گئے فون نمبرز پر متعدد بار کال کی۔ پہلے تو کوئی فون اٹھاتا نہیں ہے۔ ایک دفعہ کال ریسیو ہوئی لیکن کوئی ریسپانس نہ ملا۔

ج : پیاری مہران! شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ آپ کا افسانہ ابھی پڑھا نہیں ہے۔

حیا چوہدری ملتان سے شریک محفل ہیں

ٹائٹل بہت زیادہ متاثر کن نہیں لگا۔ اس کے بعد حمد نعت اور نبیؐ کی باتوں نے دل کو عقیدت سے بھر دیا۔ ناول میں رقص بسمل کی قسط پسند آئی۔ "خواب شیشے کا" کی کہانی بھی ٹھیک چل رہی ہے۔ ناولٹ میں نایاب جیلانی کچھ بہت زیادہ متاثر نہیں کر پا رہیں پتا نہیں کیوں' شاید ان کا انداز تحریر یکسانیت کا شکار ہو گیا ہے۔

مصباح علی کا ناول پسند آیا۔ ویل ڈن۔ افسانے کچھ خاص نہ لگے۔ بنت سحر کے افسانوں میں کہانی کے علاوہ سب کچھ ہوتا ہے۔ پتا نہیں کیوں اس بار شعاع بہت زیادہ دل کو نہیں بھایا۔ کچھ کمی سی لگی۔ اصل میں یوں لگنے لگا ہے جیسے شعاع اور خواتین بہت زیادہ ثقیل موضوع یا مشکل زبان والوں کے لیے چھپنے لگا ہے۔ چند ایک افسانے پرانے انداز کے ہوتے ہیں۔ وہ پیار محبت بھرے قصے' چٹخارے دار ساس بہو کے جھگڑے' چھوٹی چھوٹی سبق آموز کہانیاں آسان موضوع پر لکھنا کیوں بھول گئے ہیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

سب جانے سب کہاں کھو گئے۔ جیسے اقبال بانو، عالیہ بخاری، فائزہ افتخار ان رائٹر کی کہانیاں ہمارے گھروں میں سے نکلتی تھیں۔ نئے لکھنے والوں میں قرۃ العین خرم ہاشمی، صدف آصف اور حنا یاسمین بھی اس انداز میں لکھتی ہیں۔ ان کو ہم زیادہ مس کررہے ہیں۔

ج : پیاری دوست! اول تو آپ کا نام سمجھ میں نہیں آیا جیا چودھری لکھا ہے یا حیا چودھری اور ہمیں تنقید بالکل بری نہیں لگتی۔ آپ سب کھل کے اپنی رائے دیا کریں۔ ہماری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ پرچا آپ کے ذوق کے مطابق ہو۔ رہی بات ثقیل اور مشکل الفاظ کی تو واقعی ہماری بہت سی رائٹرز کا انداز تحریر اب کچھ ایسا ہی ہے۔ کتنی ہی دفعہ ان سطور کے ذریعے ان تک بات پہنچانے کی کوشش کی ہے۔ اب ایک بار پھر ان سے گزارش ہے کہ ہمارے قارئین کی فرمائشوں کو مد نظر رکھیں۔ بس خوش؟ اور نایاب نے تو یہ تحریر اپنے انداز سے ہٹ کر اور بہت دلچسپ لکھی ہے۔ آپ کو یکسانیت کیوں کر نظر آئی۔

کراچی سے عائشہ وحید لکھتی ہیں

شعاع ہاتھ میں آتے ہی "پیال ساز" کی طرف دوڑ لگائی۔ "زبردست بھئی۔ خوب لکھا آپ نے ایمل رضا۔ یہ ہم سب یقیناً" ہمیشہ یاد رکھیں گے۔ عفت سحر جی میں تو پڑھ کے آپ کے سحر میں مقید ہو کر رہ جاتی ہوں "شہر خطا" میں لگی گرہیں اب آہستہ آہستہ کھل رہی ہیں۔ "حاصل کشت و خون" مصباح علی نے کیا خوب لکھا۔ "خواہشوں کا موسم" سبق آموز تھی۔ افسانے سب ہی بہترین تھے۔ خاص کر بنت سحر کا "کنیزاں کا نام" اور نادیہ جہانگیر کا "چھنی"۔ دستک میں اگر مصنفین کے انٹرویو شائع کریں ان کی تصویروں کے ساتھ تو بہت ہی اچھا ہو۔ کیوں بہنو؟ کیا خیال ہے۔ بندھن میں فہد مصطفیٰ اور ان کی وائف کو بھی شامل کریں۔

ج : پیاری عائشہ! آپ کا افسانہ ابھی پڑھا نہیں۔ اچھا ہوا تو ضرور شائع ہو گا۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔

جمیلہ شاہ کھگہ نے ملتان سے لکھا ہے

پہلی شعاع میں عمر سعید کا پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ کہانیوں میں رقص بسمل اور خواہشوں کا موسم بہت اچھے تھے۔ خط لکھنے کی اصل وجہ سائرہ رضا ہیں ان کا ناول جب وہ ملے اکتوبر میں ماموں کی اچانک وفات کی وجہ سے نہ پڑھ سکی۔ کچھ دن پہلے کہانی پڑھی تو سوچا تعریف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ اف بہت ہی خوب صورت ناول۔ سائرہ آپ تو مزاح بھی بہت اچھا لکھتی ہیں۔ خط آپ کے میں سب کے خط بہت اچھے تھے۔ آئینہ خانے میں واصفہ سہیل اف میں ہنس ہنس کر پاگل ہو گئی ان الفاظ پر "دوپٹہ سر پر لے کر سونے والے اور سوئمنگ پول میں کودنے والی پر" گمشدہ رائٹر پلیز واپس آجائیں فائزہ افتخار حصار محبت اور مہندی چوڑی اور آنچل جیسا کوئی ناول لکھیں۔ جوادی شبلی کو دیکھے ایک مدت بیت گئی۔

ج : پیاری جمیلہ گمشدہ رائٹرز تک آپ کی آواز پہنچا رہے ہیں اور اس میں ہماری آواز بھی شامل ہے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

ثوبیہ ارشد شہباز نے میاں چنوں سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

مجھے آج جس چیز نے قلم اٹھانے پر مجبور کیا تو وہ ہے حاصل کشت و خون (مصباح علی) مکمل ناول 'فنٹاسٹک' زبردست، بہت پیارا تھا اس کے علاوہ پیال ساز 'ناولٹ میں شہر خطا' خواہشوں کا موسم زبردست تھے 'افسانوں میں چھنی بہت سبق آموز کہانی تھی' آپی جی پلیز سردیوں کے لیے ٹوٹکے ضرور شائع کریں۔

ج : پیاری ثوبیہ! آپ کی فرمائش نوٹ کرلی ہے۔ اس ماہ یا جنوری کے شمارے میں سردی پر مضمون دیں گے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے پرچوں ماہنامہ شعاع اور ماہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بہ صورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

عفت سحر طاہر

تیز برستی بارش اور سماعتوں میں کسی کے تیز چبھتے جملے' یہ خواب اس کی زندگی کا سب سے ڈراؤنا خواب تھا جو اسے یہ یاد دلاتا تھا کہ اس نے کسی سے ان سب کی بربادی کا وعدہ کیا تھا۔

آفندی ہاؤس میں اصول پسند آغا جان اپنے دو بیٹوں مبین آفندی اور سہیل آفندی' ان کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ انہیں اپنا پوتا نہ ہونے کا بہت دکھ ہے پوتیاں ان کی اس بات سے بہت چڑتی ہیں۔

وقار آفندی کو ایک گانے والی زرنگار سے محبت ہو جاتی ہے۔ وقار آفندی زرنگار کو نکاح کی آفر دیتا ہے تو وہ غائب ہو جاتی ہے۔

طلال اور مہر ماہ یونی ورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے ہیں اور ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ طلال کے گھر والے مہر ماہ کا رشتہ لے کر آتے ہیں جو قبول کر لیا جاتا ہے۔

مبین آفندی' آغا جان سے بات کرتے ہیں کہ فاران آفندی کو معاف کر دیا جائے اور اسے اس کے بیٹے اور بیوی کے ساتھ آفندی ہاؤس بلا لیا جائے۔ فاران آفندی کو چھوٹے بھائی وقار آفندی کی حمایت اور آغا جان کی مخالفت کی وجہ سے گھر بدر کر دیا گیا تھا۔ پوتے کی خاطر آغا جان مان جاتے ہیں' تائی جان' مبین آفندی کی بیوی اس بات پر بہت ناراض ہوتی ہیں۔ فاران آفندی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیتے ہیں' ان کی بیوی ثمرہ اور بیٹا موحد بہت ناراض ہوتے ہیں۔

وقار آفندی آخر کار زرنگار کو تلاش کر لیتا ہے۔ اور اسے یقین دلاتا ہے کہ وہ اسے باعزت طریقے سے اپنے نکاح میں لینا چاہتا ہے اور اپنے خاندان میں متعارف کرائے گا۔

نویں قسط

Downloaded From
Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

"سومیہ۔۔۔ تم سے کوئی ملنے آیا ہے۔" اس کی روم میٹ ذرا سا دروازہ کھول کر اسے اطلاع پہنچا کر واپس گم ہو گئی تھی۔ وہ جو بہت بے زاری سی بستر پر نیم دراز سنجیدگی سے واپس شارجہ جانے کا سوچ رہی تھی، بری طرح چونکی۔

"مجھ سے ملنے؟"

الجھن بھرے انداز میں اس نے دہرایا پھر اٹھ کر چپلوں میں پاؤں ڈالے اور ہاتھوں سے ہی قمیص کی شکنیں دور کرتی کمرے سے نکل آئی۔ اس کی کلاس فیلو ہما کتابوں کا انبار لیے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے اسے دیکھ کر ذرا دیر کو رکی۔

"بڑا ڈیشنگ ملاقاتی ہے سومیہ تمہارا۔"

وہ بڑے متاثر ہونے والے انداز بولی تو سومیہ کے ذہن میں کچھ کلک سا ہوا۔ رسمی سی مسکراہٹ ہما کی طرف اچھال کر وہ تیز قدموں سے ویٹنگ روم کی طرف بڑھی اور دروازہ کھولتے ہی دہلیز پر ہی ٹھٹک گئی۔ دونوں ہاتھ اپنے پہلوؤں پر جمائے کھڑا، وہ سامنے دیوار پہ لگے کیلنڈر پر غور و خوض کر رہا تھا۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر پلٹا تو سومیہ کو سامنے پا کر مسکرا دیا۔ وہ دروازہ چھوڑ کر سنجیدہ سی اندر آئی۔

"السلام علیکم۔"

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسی ہو؟" وہ ویسی ہی خوب صورت مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔

"مجھ سے مت پوچھا کرو۔ مجھ سے تمہارا رویہ بتا دیتا ہے کہ میں کیسی ہوں۔" اس کی خود ترسی عود کر آئی تھی۔ انداز حد درجہ تلخ تھا۔ موحد نے ٹھٹک کر اسے دیکھا۔ پھر نارمل سے انداز میں بولا۔

"ماما اداس ہو رہی ہیں تمہارے لیے۔ انہوں نے بھیجا ہے مجھے۔"

"وضاحتیں مت دو۔ تمہیں دیکھ کر میں کسی خوش فہمی کا شکار نہیں ہوئی۔" سومیہ کا انداز ہنوز ناراضی لیے ہوئے تھا۔

"کم آن یار۔ صبح اٹھتے ہی شیشے میں اپنی شکل تو نہیں دیکھ لی۔" موحد نے اسے خفیف سا گھور کر کہا۔ وہ سینے پر بازو لپیٹے ویسے ہی ہٹیلے انداز میں کھڑی رہی۔ جواب نہیں دیا۔

"یونیورسٹی میں اسٹرائیک چل رہی ہے۔ چھٹیاں ہو گئی ہیں تو گھر آ جاؤ۔ تم تو ہاسٹل سے چمٹ کر رہ گئی ہو۔" موحد نے اسے گھر کا تھا۔

"تین تو چھٹیاں ہیں۔ گزرتے ہوئے پتا بھی نہیں چلے گا۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔" سومیہ نے خفگی سے کہا تو وہ اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"تو یہ سب جا کر ماما سے کہہ دوں؟" اس نے اسے گھور کر پوچھا۔

سومیہ نے ذرا سی پلکیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "اگر تم خود سے مجھے لینے آتے تو مجھے زیادہ خوشی ہوتی کہ میرے دوست کو بھی میری فکر ہے۔ پھپھو تو مجھے یاد کرتی ہی رہتی ہیں۔" اس نے نروٹھے پن سے کہا تو موحد کو ہنسی آ گئی۔

"اللہ معاف کرے سوی۔ کتنی مشکل سائیکی ہوتی ہے تم لڑکیوں کی۔ اللہ کی بندی، فکر تھی تب ہی آیا ہوں لینے، ورنہ ماما سے کہتا چھوڑیں پرے۔ آنا ہو گا تو آ جائے گی۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

سومیہ نے منہ پھلایا اور پلٹ گئی۔

"پھر موحد آفندی کے لیے کیا حکم ہے؟" موحد نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

دروازے سے نکلتے ہوئے چہرہ موڑ کر وہ غرائی۔ "بیٹھے رہو آرام سے۔ خبردار یہاں سے ہلے بھی، آ رہی ہوں میں۔"

وہ سینے پہ داہنا ہاتھ رکھ کر اترایا "ذرا سا جھکا اور بڑی فرمانبرداری سے صوفے پر بیٹھ گیا۔ سومیہ اپنی مسکراہٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

چھپاتی باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ ثمو کے سینے سے لگی تو اندر تک ایک طمانیت اتر گئی۔
"اب تو بڑی محبت اور لاڈ آرہے ہیں پھوپو پر اور وہاں سے محترمہ کا دل نہیں کررہا تھا گھر آنے کو۔" موحد نے سامنے بیٹھتے ہوئے دلچسپ نظروں سے سومیہ کو دیکھ کر شکایت لگائی تو ثمو ہنسنے لگیں۔
"تمہارے پاس تو ٹائم ہوتا نہیں کسی کو لفٹ کروانے کا۔" سومیہ نے اسے گھورا تھا۔
"ارے یہ کیا بات کہہ دی۔ ماما سے پوچھو۔ ادھر انہوں نے آرڈر کیا تمہیں لانے کا' ادھر میں نے تعمیل کر دی۔" وہ فی الفور بولا' ساتھ ہی ان کی گواہی بھی ڈال دی تو ثمو مسکرا دیں۔
ہنسی اور باتوں کی آواز سن کر کچن کی طرف جاتی مہپاہ تجسس کے مارے لاؤنج میں آئی تو پہلی نظر ہی سامنے بیٹھے بڑے فریش موڈ میں کوئی قصہ سناتے موحد پر پڑی اور ثمو کے ساتھ جڑ کر بیٹھی سومیہ۔ وہ فوراً پلٹنا چاہتی تھی مگر اسی اثناء میں وہ تینوں اسے دیکھ چکے تھے تو اسے سلام کرنا ہی پڑا۔
"جاؤ... جاکر پہلے کولڈ ڈرنک بھجواؤ اور پھر چائے کا انتظام کرو۔"
مہپاہ کو جھٹکا سا لگا۔ یہ آرڈر موحد کی طرف سے جاری ہوا تھا۔ اس نے بے اختیار موحد کو دیکھا۔ وہ سیریس تھا۔ مہپاہ کو سبکی کا احساس ہوا۔
ابھی دو دن پہلے ہی تو اس نے بازو سے پکڑ کر اسے کمرے سے باہر نکالا تھا اور آج یہ ملازمہ جیسا برتاؤ۔ وہ لب بھینچے پلٹ گئی۔ دل تو بے اختیار چاہا کہ اسے منہ توڑ جواب دے۔ لیکن فی الحال وہ غصہ دبا گئی تھی۔ سومیہ نے موحد کے لبوں پر پھیلتی محظوظ کن مسکراہٹ کو غور سے دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

مبین آفندی باادب سے آغا جان کے کمرے میں کرسی پر بیٹھے تھے۔ تکیے سے ٹیک لگائے' سینے پر کتاب اوندھی رکھے' آغا جان اپنے بستر پر نیم دراز تھے۔
"آغا جان! آپ نے بہت بڑا فیصلہ کیا ہے اکاؤنٹس کا شعبہ موحد کے حوالے کرکے۔" وہ دبے لفظوں میں بولے تو آغا جان نے نا دیہی نظروں سے انہیں دیکھا۔
"بیوقوف نہیں ہے وہ اور نہ ہی بچہ ہے۔ دیکھا نہیں کیسے باپ کی سیٹ سنبھالی ہے اس نے بلکہ تم لوگوں کا آدھا بوجھ بھی بانٹ لیا ہے۔"
"وہ تو ٹھیک ہے آغا جان' مگر اکاؤنٹس کا شعبہ تو ہمیشہ سے آپ کے زیر نگرانی رہا ہے۔" مبین آفندی مطمئن نہیں تھے۔ اب بھلا وہ اپنے سے دوگنا چھوٹے... کل کے بچے کی میز پر چیک بھیج کر اپرووَل کا انتظار کیا کریں گے؟
"مجھے موحد پر پورا بھروسہ ہے مبین۔ اور ویسے بھی اب میرے آرام کے دن ہیں۔ میرا پوتا میرا ایک اور بازو مل گیا ہے مجھے۔" وہ تفاخر آمیز انداز میں بولے تو مبین آفندی نے مزید بحث بیکار جانی اور بات ہی بدل دی۔
"طلال کی والدہ شادی کی تاریخ لینے آنا چاہتی ہیں۔ طلال نے اب کاروبار میں حصہ لینا شروع کردیا ہے۔ اپنا بزنس ہے' آہستہ آہستہ ان شاء اللہ سیٹ ہو جائے گا۔"
"ہوں..." آغا جان نے پرسوچ انداز میں ہنکارا بھرا۔ "موحد گھر کا ہی بچہ ہے۔ اس کے بارے میں سوچ لیتے مبین۔"
وہ آغا جان کی بات بہت اچھی طرح سمجھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

"بالکل آغا جان 'گھر میں دوسری بچیاں بھی ہیں۔ جو جس کے نصیب میں ہوا۔۔۔ پھر میں طلال کے گھر والوں کو آنے کا کہہ دوں؟ تاریخ آپ بتادیں۔" انہوں نے بڑی خوب صورتی سے بات لپیٹی تھی۔

آغا جان سے تفصیلی بات چیت کے بعد وہ کمرے میں آئے تو صدیقہ منتظر تھیں۔

"اللہ رحم کرے۔" انہوں نے ساری بات سن کر آغا جان کا موحد اور مہاہ کے متعلق موقف سنا تو بے ساختہ کہہ اٹھیں۔

"اللہ خیر خیریت کے ساتھ یہ وقت گزارے۔ سب نے نظر ہی رکھ لی ہے میری بچی پر۔" وہ ناگواری سے بولیں۔

"ایسی بات نہیں ہے صدیقہ۔ آغا جان نے موحد کو صحیح معنوں میں وارث مان لیا ہے۔ اس لیے ان کا خیال ہے کہ گھر کی کوئی بچی ہی اس سے بیاہی جائے تاکہ جائیداد کا مسئلہ نہ بنے۔"

"خیر' موحد سے کسی کی شادی ہو یا نہ ہو۔ مگر میری بچیوں کا تو حصہ ہے اس زمین و جائیداد میں۔" انہوں نے تنک کر کہا تھا۔ پھر انہیں ہلکا سا گھور کر دیکھا۔ "اور ثمو کے بیٹے کو تو میں مر کر بھی داماد نہ بناؤں۔ ہنہ' پہلے ہی ان ماں بیٹے کے مزاج ساتویں آسمان پر پہنچے ہوئے ہیں۔ وہ تو ہمارے سروں پہ چڑھ کے ناچیں گے پھر۔"

"اب ایسی بھی بات نہیں۔ موحد کے طور اطوار میں پہلے سے کافی تبدیلی آئی ہے۔ پہلے جیسا شدت آمیز رویہ نہیں ہے اب اس کا۔" مبین صاحب نے اعتراف کیا۔

"میٹھے نہیں بنیں گے ماں بیٹا تو میٹھا میٹھا ہپ ہپ کیسے کریں گے؟" وہ چمک کر بولیں۔ مبین صاحب نے تحیر سے انہیں دیکھا۔ پھر بات سمجھ کر بولے۔

"سلام ہے تم عورتوں کی سوچ کی گہرائی کو۔ بھئی یہ سب تو ویسے بھی اسی کا ہے' اس کو حاصل کرنے کے لیے اسے اپنی شخصیت پر پردے ڈالنے کی کیا ضرورت ہے۔ صدیقہ' کسی پر اعتبار بھی کر لیا کرتے ہیں۔" انہوں نے ناصحی انداز اپنایا تو وہ نخوت سے سر جھٹک کر رہ گئیں۔

ان کا ثمو سے روابط بڑھانے کا قطعاً" کوئی ارادہ نہ تھا بے شک وہ کتنی بھی اچھی بن جاتیں۔ بہر حال خوشی کی خبر یہ تھی کہ آغا جان نے مہاہ اور طلال کی شادی کی تاریخ طے کرنے کا عندیہ دے دیا تھا۔ ان کے دل میں سکون کی لہر سی دوڑ گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ ناشتا بنا رہی تھی جب موحد اور سومیہ کچن میں داخل ہوئے۔

"میں ناشتا لا ہی رہی تھی بس۔" مہو نے مسکرا کر سومیہ کو دیکھا۔

"کس کا ناشتا؟" موحد نے بھنویں اچکا کر استفسار کیا۔

"تمہارے اور سومیہ کے لیے۔ باقی سب تو کر چکے۔"

مہاہ کو مجبوراً" اس سے بات کرنا پڑی۔ ورنہ تو جس دن سے اس نے کمرے سے باہر نکالا تھا وہ اپنی تمام تر وجاہت سمیت زہر لگنے لگا تھا۔

"مہربانی محترمہ' تم اپنے یہ تجربات طلال صاحب پر کرنا۔ مجھے لیبارٹری بننے کا شوق نہیں ہے۔ چلو سومی' میرا ناشتا تم تیار کرو گی۔"

وہ اس قدر صاف گوئی بلکہ منہ پھٹ ہونے کا مظاہرہ کرے گا' مہاہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ کل ہی طلال کے گھر والے ٹھیک ڈیڑھ ماہ بعد کی شادی کی تاریخ مقرر کر گئے تھے اور اسی وجہ سے تائی جان نے کچن کی آدھی ذمہ داری گویا مہاہ پر ہی ڈال دی تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ مہو کو کچھ پکانا نہیں آتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تھا۔
دل چاہا' ہاتھ میں تھامی دو فرائی انڈوں والی پلیٹ موحد کے سر پہ دے مارے۔(ابھی کل تو کولڈ ڈرنکس لانے کا آرڈر دے رہا تھا۔)
"اوفوہ' میں نے تو خود ساری عمر ہاسٹلز میں گزاری ہے موحد! مجھے کیا پتا کیسے ناشتا کھانا بنتا ہے۔" سومیہ ڈھٹائی سے ہنس کر بولی تو موحد نے اسے ہلکا سا گھورا' پھر مہاہ کے ہاتھ میں تھامی پلیٹ کو دیکھا۔
"اسی لیے کہتے ہیں کہ بندہ منہ سے بات نکالنے سے پہلے ایک دفعہ سوچ ضرور لے۔" مہاہ نے تلخی سے کہہ کر پلیٹ کاؤنٹر پر پٹخنے والے انداز میں رکھی تھی۔
"آئم سوری مہاہ! اس کی تو عادت ہے فضول باتیں کرنے کی۔ میں تو یہی ناشتا کروں گی' ڈونٹ وری۔" سومیہ کا دل فوراً" پسیج گیا۔
"ویری گڈ۔ کیونکہ جو بریڈ اور انڈے تھے میں نے بنا دیے۔ اب کھانا ہے تو یہی کھانا ہے اور اگر نہیں کھانا تو بھی یہی کھانا ہے۔" وہ جتانے والے انداز میں کہتی سلگ کر باہر نکل گئی۔
"اُفف..." سومیہ نے حیرت سے موحد کو دیکھا۔ "میں تو سمجھ رہی تھی کہ صرف تم ہی ہو جو جانے کس پر پڑے ہو۔ مگر تمہارا تو سارا ددھیال ہی ماشاء اللہ سے..."
موحد نے بے اختیار قہقہہ لگایا تھا۔ پھر وہ ناشتے کا جائزہ لینے لگا۔
"چلو جلدی سے لے کر باہر۔ شکل سے تو مزیدار لگ رہا ہے۔"
"بہت بدتمیز ہو موحد۔ اس بیچاری کا خون کیوں جلایا پھر۔"
"اچھا ہے۔ شادی ہے کچھ دنوں میں اس کی۔ اتنا خون بنا کر موٹاپا لانے کی کیا ضرورت ہے۔" وہ ڈھٹائی سے بولا۔ سومیہ ہنستے ہوئے ناشتا ٹرے میں رکھنے لگی۔

☆ ☆ ☆

گلنار کا فون تھا۔ واش روم سے نکلتے کبیر نے لپک کر موبائل اٹھایا۔
"السلام علیکم لالہ' کیسے ہو؟"
"ٹھیک ٹھاک' تم سناؤ' پلوشہ اور بی بی گل کیسی ہیں؟" اس نے مسکراتے ہوئے باقی دونوں بہنوں کا پوچھا تھا۔
"ہم سب تو ٹھیک ٹھاک ہیں لالہ۔ تم ہی شہر جا کر بھولے ہوئے ہو ہم کو۔"
گلنار اس سے ایک سال بڑی تھی پھر پلوشہ تھی اور ان سب سے بڑی گل افشاں۔ جسے وہ سب بی بی گل کہتے تھے۔ گلناز بڑی ہونے کے باوجود اکلوتے بھائی کو پیار سے لالہ کہہ کر بلاتی تھی۔
"کیسے بھول سکتا ہوں پگلی۔ اور ہے ہی کون اب دنیا میں میرا۔" وہ آزردہ ہونے لگا۔
"آغا جان سے بات کی تم نے لالہ؟"
"بات کرنے سے کچھ نہیں بننے والا گلناز۔ یہاں ہر کسی کو اپنا حق چھیننا پڑتا ہے۔" اس کے چہرے سے سرخی جھلکنے لگی۔ انداز سلگتا ہوا سا تھا۔
"تم ایک بار بات کر کے تو دیکھو۔" گلناز نے اصرار کیا۔
"کہہ کے دیکھ چکا ہوں گلناز۔ مگر تین نسلوں سے انہوں نے غلامی کی جن زنجیروں میں ہمیں جکڑا ہوا ہے نا' ان زنجیروں پہ لگے تالوں کی چابی تو جیسے یہ گم ہی کر چکے ہیں۔" وہ عجیب سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"تو پھر لالہ! مجیب کے گھر والے تو میرا جینا مشکل کر دیں گے۔ میں تو انہیں یہی آس دلا رہی ہوں کہ جلد ہی لالہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کوئی حل نکال لے گا۔" وہ بے بسی سے روہانسی ہونے لگی۔
"ہو جائے گا کچھ نہ کچھ۔ تم پریشان مت ہو۔" کبیر نے اسے تسلی دلائی تھی۔
فون بند کر کے وہ کھڑکی میں کھڑا ہوا تو سخت کبیدہ خاطر تھا۔ آغا جان نے تین نسلوں کی وفاداری کو بھی کسی کھاتے میں نہیں رکھا تھا۔ اور اگرچہ کبیر... کو انہوں نے اپنا دست راست بنا رکھا تھا۔ مگر غلاموں کو آزاد کرنا ان کی سرشت میں شامل نہ تھا۔
وہ نسوانی قہقہوں کی آواز سے چونکا۔
اس کے کمرے کی کھڑکی سے لان کا ایک حصہ دکھائی دیتا تھا۔ لان میں ملاحہ اور فرزین محلے کے بچوں کو جمع کیے کرکٹ کھیل رہی تھیں اور یہ لڑکی "اس نے بیٹ ہاتھ میں تھامے باری کے لیے فرزین سے لڑتی ملاحہ کو نگاہ بھر کے بھی نہ دیکھا اور پلٹ گیا۔
یہ شہزادیوں کی سی آن بان والی "اس سے خفا اور لڑتی جھگڑتی" کیا اسی قابل تھی کہ اسے مہرہ بنایا جاتا؟
وہ نفی میں سر ہلاتا' دل سے اٹھتی آوازوں کو سختی سے رد کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

گھر میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری و ساری تھیں۔ تائی جان اور چچی جان کا ارادہ نہ صرف بازار جانے کا تھا بلکہ راستے میں طلال کے گھر بھی چکر لگانے کا تھا۔
"میں بھی ساتھ چلوں گی۔ میری تو ابھی ساری ہی شاپنگ رہتی ہے۔" تزئین جو اتنے دنوں سے مردہ دل سی پڑی تھی' ساتھ جانے کو تیار ہو گئی۔
"شکر ہے تمہیں بھی ہوش آیا۔" سائرہ چچی نے اسے گھورا۔ پھر تائی جان کو یاد دلایا۔
"بھابی! لگے ہاتھوں طلال سے شیروانی بھی چیک کروالیں۔ بین کا تھوڑا سا فرق تھا ناپ میں۔"
"ہاں' اسی لیے راستے میں ادھر سے ہوتے جائیں گے۔" وہ بولیں۔
"طلال کو ان لوگوں کے آنے کی خبر تھی۔ اسی لیے وہ گھر پر ہی تھا۔
"میں بلاتی ہوں اسے۔ کسی دوست کا فون آیا تھا' وہی سنتے ہوئے کمرے میں چلا گیا۔" طلال کی بھابی نے کہا۔
تائی جان تو طلال کی ماما سے محو گفتگو تھیں۔
"میں جاتی ہوں۔ ذرا سرپرائز دوں محترم کو۔" تزئین مسکراتے ہوئے اٹھی تو بھابھی وہیں خواتین کے ساتھ بیٹھ گئیں۔
وہ دروازہ کھٹکھٹا کر لحہ بھر طلال کی اجازت کے انتظار میں کھڑی رہی۔
"کم ان..." وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔
وہ جیکٹ پہنتا شاید باہر آنے کے لیے ہی تیار ہو رہا تھا۔ غیر متوقع طور پر تزئین کو سامنے دیکھ کر حیران ہوا۔
"واٹ آ سرپرائز۔"
"ہاں' میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ آج آ کر تمہیں سرپرائز ہی دوں۔" تزئین مسکرائی۔
وہ پلٹ کر بال برش کرنے لگا۔
"ویسے اگر ساتھ مہو کو بھی لے آتیں تو سرپرائز کا مزہ دوبالا ہو جاتا۔" وہ آئینے میں تزئین کو دیکھتا شرارت سے بولا تو تزئین مسکرا بھی نہ سکی۔ خود پر پرفیوم چھڑکتا وہ تزئین کی خاموشی پر بھی غور کر رہا تھا پھر اس کی طرف پلٹا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"کیا بات ہے۔ تم کیوں اداس ہو رہی ہو؟" وہ قدرے حیران تھا۔
تزئین کا دل بھر آنے لگا۔ "تم نے مہو کو کیوں پسند کیا طلال؟"
اس کا انداز عجیب تھا تو سوال عجیب تر۔ مگر طلال بنا سمجھے مسکرا دیا۔
"پہلی بار اسے میں نے کیمسٹری لیب کے باہر دیکھا تھا۔" اس کی سرخوشی کے لیے آج کل محض مہپاہ کا نام ہی کافی تھا۔
"تم بتاؤ۔ کیا وہ اس قابل ہے کہ اسے پسند نہ کیا جائے۔" وہ بہت دل پسند مسکراہٹ کے ساتھ پوچھ رہا تھا۔
تزئین کے دل میں بہت کچھ جلا اور بہت کچھ ٹوٹا۔ اور یہ جلن اور ٹوٹ پھوٹ ہی تھی جو اسے اس بے اختیاری پر مجبور کر رہی تھی۔
"کیوں طلال... تمہیں کیمسٹری لیب کے باہر کھڑی مہپاہ آفندی دکھائی دی تو ساتھ کھڑی تزئین آفندی کیوں نظر نہ آئی؟" وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولی تو اب کی بار طلال اس کی بات اور کیفیت کو نظر انداز نہیں کر پایا۔
"کیا ہو گیا ہے تزئین۔ ہم اچھے دوست ہیں۔" وہ کہے بنا رہ نہ سکا تھا۔
"وہ "اچھی" ہے اور میں صرف دوست؟" تزئین کے منہ سے لفظ نکلے تھے یا اس نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیلا تھا۔ وہ سناٹے میں رہ گیا۔
"تزئین..." وہ حد درجہ بے یقینی میں گھرا محض اتنا ہی کہہ سکا۔
ضبط سے گلابی پڑتی آنکھوں میں نمی کی چمک اسے وہ سب بتا گئی جو وہ تزئین کے لفظوں سے بھی نہیں سمجھ پایا تھا۔
"مہپاہ بہت لکی ہے۔ اسے ہمیشہ سے سب کی توجہ ملی یا شاید اسے طریقہ آتا ہے سب کی توجہ حاصل کرنے کا۔ وہ آغا جان ہوں تم ہو یا موحد آفندی..." وہ دلگرفتی سے کہہ رہی تھی۔
طلال نے ناگواری سے اسے ٹوکا۔ "فضول باتیں مت کرو۔"
"ہنہ..." وہ پلک کی نوک پہ اٹکے آنسو کو انگلی اور انگوٹھے سے جھٹکتے ہوئے تلخی سے ہنسی۔ پھر طلال کی طرف دیکھا اور چیلنجنگ انداز میں بولی۔
"یہ فضول باتیں نہیں تلخ حقیقت ہے۔ اور تم بھی جانتے ہو۔ یہ الگ بات ہے تم اس حقیقت کو اپنا وہم سمجھ کر ٹالتے پر مجبور ہو۔"
"وہ میرا وہم ہی تھا تزئین۔ تم مجھے بہکانے کی کوشش مت کرو۔" طلال نے قطعی مگر سرد لہجے میں کہا۔
"تمہیں کوئی فرق نہیں پڑتا طلال..." تزئین نے حیرت اور قدرے دکھ سے اسے دیکھا۔
ابھی چند لمحوں پہلے ہی جذباتیت میں گھر کر وہ اپنے جذبات طلال پر آشکار کر چکی تھی۔ ایسے میں وہ اب جو بھی کہتی وہ طلال کو جھوٹ اور من گھڑت ہی لگتا۔
"تم زیادہ ہی جذباتی ہو رہی ہو تزئین۔ مجھے واقعی ان سب فضول باتوں سے کوئی فرق نہیں پڑتا... اب چلیں۔ میرے خیال میں سب باہر انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ سنجیدگی سے کہتے کہتے دروازے کی طرف بڑھا۔
"طلال..." تزئین نے بے چین ہو کر اسے آواز دی۔
"آنٹی میری بارات کی شیروانی لے کر آئی ہیں تزئین۔ اگلے ماہ میری شادی ہو رہی ہے مہو کے ساتھ... میرے خیال میں اتنا سب تمہاری یادداشت واپس لانے کے لیے کافی ہونا چاہیے۔" وہ چبھتے اور تلخ لہجے میں کہہ کر رکے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا تھا۔
تزئین وہیں کھڑی اپنا ضبط آزما کر رہ گئی۔ درحقیقت اس کا کھل کر اپنے عظیم نقصان پر رونے کو جی چاہ رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

☼ ☼ ☼

اس کی ماں ٹھوکر کھا کر سڑک پر گری۔۔۔ اس کی پیشانی خون آلود تھی۔
''امی۔۔۔'' اس سرد رات میں سڑک پر چودہ سالہ نمیر وقار آفندی بلک بلک کر رو دیا تھا۔ مگر سیاہ خاموش رات اور گہرے بادلوں کے سوا اس کی آواز سننے والا کوئی نہ تھا۔
وہ کسمسا کر ایک دم سے جاگا تو تنفس تیز تر تھا۔
چند ثانیے چت لیٹا وہ اس خواب کو دہراتا رہا۔ پچھلے کئی سالوں سے یہ خواب پہلے مسلسل اور اب وقفے وقفے سے اسے دکھائی دیتا تھا اور نمیر کو پوری جزئیات سمیت یاد تھا۔
وہ اٹھ بیٹھا۔
یہ صدیقہ ہی تھیں جنہوں نے اسے گناہوں کی پوٹلی اور ''نجانے کس کس کی اولاد'' کہا تھا۔ انہوں نے آغا جان کا دھیان ایک بار بھی نمیر آفندی کے معصوم چہرے کی طرف نہیں کرایا تھا۔ ایک ماں ہو کر وہ دوسری ماں کا ساتھ دینے کی بجائے مخالف کیمپ میں کھڑی زرنگار پر تابڑتوڑ حملے کرتی رہیں۔
بعض اوقات ہم انسان کو اپنے رویے' اپنے الفاظ سے ہی مار دیتے ہیں اور یہ موت عموماً''روحانی ہوا کرتی ہے۔
ان کے غلیظ الفاظ نمیر آفندی کے کانوں ہی نہیں دماغ میں بھی اترے اور نقش ہو گئے تھے۔
وہ پانی کا گلاس حلق میں انڈیل کر اٹھا اور کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا۔
باہر چلتی سرد ہوا سے درختوں کے پتے لہرا رہے تھے۔
انسان کے بعض گناہ ایسے ہوتے ہیں جو کسی نہ کسی صورت اس کی راہ میں آکھڑے ہوتے ہیں۔ پھر ان سے پہلو تہی ممکن ہی نہیں ہوتی۔ مجبوراً''ان گناہوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا ہی پڑتا ہے۔ تب اپنی بہت بھیانک شکل نظر آتی ہے انسان کو۔ وہ ایک ٹک اندھیرے میں گھور رہا تھا۔ اور ذہن میں بہت سی گڈمڈ آوازیں اور چہرے گھومتے تھے۔
ظالم اور پر تنفر آغا جان اور صدیقہ بیگم۔
جو شاید اپنے علاوہ کسی اور کو انسان سمجھتے ہی نہ تھے۔ سچ تو یہ تھا کہ اس گھر میں سے سوائے فاران آفندی کے کسی نے ان کا ساتھ دیا ہی نہیں تھا۔ اور اب وہ سب لوٹانے کا وقت آگیا ہے۔۔۔ وہ سب جو ان ہی لوگوں نے مجھے دیا ہے۔
وہ خود سے کیا عہد دہرا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ابھی سومیہ کو چھوڑ کر آیا تھا اور آکر بیٹھا ہی تھا کہ دندناتی ہوئی مہ ماہ اس کے سر پر پہنچ گئی۔
''یہ کیا بدتمیزی ہے موحد! تم اس طرح کا رویہ اختیار کر کے مجھ پر کیا ثابت کرنا چاہتے ہو؟''
وہ جو صوفے کی پشت پر سر ٹکائے آنکھیں موند کر ڈرائیونگ کی تھکاوٹ اتارنے کا سوچ ہی رہا تھا۔ بے اختیار سیدھا ہوا۔ وہ غصے میں تھی۔
''یہی کہ میں نے تمہارا موبائل واپس کر کے غلطی کی ہے۔ اور اس کی سزا اب تم مجھے ایسے دو گے۔'' اس نے اضافہ کیا۔
''میرے اس رویے کا سمپل سا مطلب ہے مہ ماہ اور وہ یہ کہ میں ایسا ہی ہوں۔'' وہ بالکل سنجیدہ تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

مہاہ تلملائی۔ "مائی فٹ۔ تم جیسے بھی ہو۔ مگر ہر کسی کے سامنے تمہیں میری انسلٹ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

"اکیلے میں اجازت ہے کیا؟" وہ معصومیت سے پوچھ رہا تھا۔ مہاہ تپ اٹھی۔ "ذرا سی فیور کیا دے لی۔ تم تو سر چڑھتے جا رہے ہو۔ معذرت کرلی تھی میں نے' صاف لفظوں میں بتا دیا کہ طلال ان باتوں کو پسند نہیں کرتا اور آئم سوری تو سے۔ تمہیں بھی وہ کوئی خاص پسند نہیں کرتا ہے۔" وہ بڑی صاف گوئی سے کہہ رہی تھی۔

"کبھی اسے بھی بتا دینا کہ میں اسے کیا سمجھتا ہوں۔" موحد نے عام سے انداز میں کہا تو اس کے تلوؤں لگی سر پہ جا بجھی۔

"شٹ اپ۔ تمہارے سمجھنے نہ سمجھنے سے کیا فرق پڑتا ہے اسے' وہ جانتا ہے کہ میں اسے کیا سمجھتی ہوں۔" اسے جھاڑتے ہوئے وہ "میں" پر زور دے کر بولی تھی۔

"اللہ رے... یہ انداز شعلہ بیان۔"

گویا مہاہ آفندی کا کسی کو خاص سمجھ لینا کوئی کمال ہی ہو۔ جو طلال نے حاصل کرلیا ہو۔

"تم چاہو تو میں تمہاری اس بات کی تالیاں بجا کر داد دے سکتا ہوں۔" وہ تحمل سے کہہ رہا تھا۔ مگر مذاق اڑاتا تو مہاہ نے محسوس کیا تھا۔

"تم برائے مہربانی صرف اتنا کرو کہ دوستی نہیں نبھا سکے تو دشمنی بھی مت نبھاؤ۔ اس قدر انسلٹنگ رویہ رکھو گے تو میں بھی کم نہیں کروں گی۔" وہ دانت پیس کر بولی تھی۔ انداز ایسا تھا جیسے اس سے پتا نہیں کتنی عاجز آچکی ہو۔

"دوستی تم نے ختم کی ہے مہاہ آفندی..." وہ کہتے ہوئے اٹھا اور اس کے مقابل آیا تھا۔ "اور جہاں دوستی نہ ہو وہاں پھر دشمنی ہی ہوا کرتی ہے۔"

"مگر میں دشمن بھی دیکھ بھال کر بنانا پسند کرتی ہوں۔ رشتے دار تو اللہ کی دین ہوتے ہیں کم از کم دشمن تو بندہ چن کر بنائے۔" وہ ترخ کر بولی۔ لاؤنج میں داخل ہوتی ثمرہ بری طرح ٹھٹکیں۔

"مہاہ... ذرا اپنی زبان کو لگام دینا بھی سیکھو۔ بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں تمہاری شادی میں۔ سسرال میں لڑکیوں کی اتنی تیز زبان برداشت نہیں کی جاتی۔" ثمرہ نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے چبھتے لہجے میں کہا تو وہ جہاں کی تہاں رہ گئی۔

مگر جواب نہ دینے کی پابندی تو مہاہ پر تھی۔ صدیقہ تو اس پابندی سے مستثنیٰ تھیں۔ کچن سے گویا اڑتی ہوئی باہر آئیں۔

"واقعی۔ اپنی چچی کی مثال اس کے سامنے ہے۔ تمہارا بھی تو یہی قصور تھا۔ اونچی آواز میں بولنا اور زبان چلانا۔ یونہی تو چودہ سال کا بن باس نہیں کاٹا تم لوگوں نے۔"

موحد نے آگے بڑھ کر غصے سے لال پڑتی ثمرہ کے شانوں پر فوراً بازو پھیلایا اور انہیں لیے ان کے کمرے کی طرف چل پڑا۔ مگر یوں کہ اس کی آواز صدیقہ بیگم اور مہاہ کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔

"کول ڈاؤن ماما! آپ جانتی تو ہیں آفندی ہاؤس والوں کی زبانیں کیسے زہر اگلا کرتی تھیں۔ چودہ سالوں میں ہمارا بن باس ختم ہوا ہے تو ضروری نہیں کہ ان کا زہر بھی ختم ہوا ہو۔ سو ریلیکس ہو جائیں۔"

"اف..." مہاہ تلملائی۔

"دیکھ لیا۔ اسی دن کے لیے منع کرتی تھی اسے منہ لگانے کو۔ جیسی ماں منہ پھٹ۔ ویسا ہی بیٹا بھی۔" صدیقہ بیگم تنفر سے بولی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"اب سوچ لیا ہے امی! زندگی بھر اس شخص کو منہ نہیں لگاؤں گی۔" مہپاره تنک کر بولی۔
بہت سی باتیں ہم یوں ہی منہ سے نکال دیا کرتے ہیں۔ مگر یہی باتیں کبھی کبھار قسمت سے میل کھا جاتی ہیں۔ اسی لیے پہلے سوچو، سمجھو اور پھر بولو۔

☼ ☼ ☼

"مہپاره کی شادی ہو رہی ہے نمیر۔" سومیہ نے جھجکتے ہوئے اسے اطلاع دی تھی۔
لحہ بھر کو وہ خاموش ہوا۔ پھر سرد مہری سے بولا۔ "جانتا ہوں میں۔ تم نے کیا یہی خبر دینے کے لیے کال کی تھی؟"
"میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اب تم بھی اپنا دل اور ذہن بدل لو۔ کیا موحد آفندی کے ساتھ بھی یہی سب نہیں ہوا۔ اگر وہ اپنا آپ، اپنا انداز بدل سکتا ہے تو نمیر آفندی کیوں نہیں؟" وہ جذباتی ہونے لگی۔
"موحد آفندی کا بدلنا بنتا ہے سومیہ۔۔۔ ہو سکتا ہے وہ ان کی جھوٹی محبتوں سے ہی پگھل جائے، مگر نمیر وقار آفندی، ایسے ان لوگوں نے میڈل سے نواز رکھا ہے، ناجائز اولاد کے میڈل سے۔ گندگی کی پوٹ۔ پتا نہیں کس کا گناہ۔" وہ تلخ تھا۔ زہریلا ہونے کی حد تک تلخ۔
"اللہ کا واسطہ بس کرو نمیر!" سومیہ کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچ لیا۔
"یہ تو کچھ نہیں ہے سومیہ۔ اس رات جو کچھ میں نے اور میری ماں نے ان بھیڑیے نما انسانوں کے سامنے کھڑے ہو کر سنا، وہ سب کسی پتھر سے کہا جاتا تو ان کی سخت دلی کے آگے وہ پاش پاش ہو جاتا، کسی جنگل میں وہ آگ لگتی تو سارا جنگل جل کر راکھ ہو جاتا۔ سومیہ! انہوں نے تو وہ سارا زہر وہ ساری سنگ دلی اور وہ ساری آگ ایک بے بس بیوہ، مجبور و مسکین ماں اور اس کے معصوم چودہ سال کے بچے پر انڈیل دی۔ وہ جل کر راکھ ہو گیا۔ مگر اس کا دل پتھر بن گیا ہے۔"
"ہمارا دین معاف کرنا سکھاتا ہے نمیر۔"
"آنکھ کے بدلے آنکھ اور ہاتھ کے بدلے ہاتھ بھی ہمارے دین ہی کا سبق ہے۔" وہ مطمئن تھا۔ مگر لہجہ سلگتا ہوا تھا۔
"معاف کرنے والے کا درجہ اس سے بھی بلند ہوتا ہے نمیر۔" وہ یوں ہی کبھی نرمی سے، کبھی پسپا ہو کر اور کبھی بے بسی سے اس کا ذہن صاف کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھی۔
"تو وہ لوگ حاصل کر لیتے یہ بلند درجہ، میں تو بس اب یہ سارے القابات ان لوگوں کو لوٹانا چاہتا ہوں۔" وہ عجیب سے سرخوشی بھرے انداز میں بولا جیسے سب کچھ طے کر لیا ہو۔
سومیہ تھرا کر رہ گئی۔
"نمیر پلیز! مت کرو ایسا کچھ۔ اگر موحد اپنا دل صاف کر سکتا ہے تو تم کیوں نہیں؟"
"اس کے اپنے مفادات ہیں سومیہ۔ موحد آفندی کا بدلنا اس کی مجبوری ہے۔ اس کی ماں ہے اس کے ساتھ اور نمیر وقار آفندی، یتیم، مسکین، اپنوں کا ٹھکرایا ہوا۔ اپنے وجود کی نفی لے کر پھرنے والا انسان۔ اور اس دنیا میں سب سے بڑی تکلیف یہی ہے سومیہ! کسی جیتے جاگتے انسان کے وجود کی نفی کرنا۔ سب کچھ ہوتے ہوئے بھی اسے کچھ نہ سمجھنا۔"
"تم آغا جان سے رابطہ تو کرو نمیر۔ ہو سکتا ہے ان کا دل پلٹ جائے۔" وہ بڑی آس سے کہہ رہی تھی۔
"ان کا دل موحد آفندی کے لیے بدل سکتا تھا، کیونکہ وہ فاران آفندی کا بیٹا ہے۔ مگر مجھے وہ میری ماں کے نام سے جانتے ہیں سومیہ۔ اس قدر ظالم ہیں یہ لوگ ایک چودہ سال کے بچے کے کانوں میں یہ پگھلا ہوا سیسہ ڈالنے والے،

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

www.paksociety.com

یہی لوگ ہیں کہ اس کی ماں ایک طوائف ہے۔ میں ان سب کو بھی معاف نہیں کر سکتا کبھی بھی نہیں۔"
اس کے لب و لہجے میں شعلے بھڑک رہے تھے۔
"ان کے دیے گئے زخموں کے نشان بہت گہرے ہیں سومیہ۔ تم نہیں جان سکتیں۔ چودہ سال ہو گئے۔ ان زخموں سے ابھی بھی خون رستا ہے اور ٹیسیں اٹھتی ہیں۔ میں پوری نیند سو نہیں پاتا کبھی بھی۔" وہ دکھ کے گہرے غار میں اترا بول رہا تھا اور سومیہ پگھلتا دل لیے یہ سب بڑے حوصلے سے سن رہی تھی۔ ہمیشہ کی طرح۔

✡ ✡ ✡

تزئین کا دل تو جیسے مر ہی گیا تھا۔ اس نے قسم کھالی تھی گویا مہاہ کی شادی کی شاپنگ نہیں کرے گی۔
"تم جیسی ہوتی ہیں بے وقوف لڑکیاں۔۔۔ جن کے ہاتھ آخر میں کچھ بھی نہیں آتا۔ اس مہو کو دیکھو شکل سے کیسی بے وقوف لگتی ہے۔ مگر اتنا اچھا رشتہ ڈھونڈ لیا اپنے لیے اس نے۔" سائرہ چچی دانت پیس پیس کر سارا غصہ تزئین پر نکال رہی تھیں۔ "اور ایک تم ہو۔ اللہ نے جیسے آنکھیں ہی نہیں دیں تمہیں۔ اس طلال سے لاکھ درجہ اچھا ہے اپنا موحد۔ مگر تمہاری تو دور نزدیک دونوں نظریں کمزور ہیں گویا۔"
"اُفوہ۔" تزئین نے بے قرار ہو کر تکیے سے منہ نکالا۔ "آج کی تقریر میں موحد کہاں سے آگیا درمیان میں؟"
"آغا جان نے سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا ہے اسے۔" وہ پرجوش سی ہو کر اس کے قریب کھسکیں اور رازدارانہ سرگوشی میں بولیں۔ "ذرا سی ہمت کرو تو یہ بازی ہم جیت سکتے ہیں تزئین! مہو سے ہزار گنا اچھی قسمت ہو سکتی ہے تمہاری۔" ان کا چہرہ تمتما رہا تھا۔
تزئین کی آنکھیں بجھ سے گئیں۔
(اور جسے قسمت ہی مہو جیسی چاہیے ہو وہ کیا کرے؟)
"مجھے نہیں اچھا لگتا موحد آفندی۔" وہ بے زار لہجے میں بولی تو چچی کی آنکھیں ابلیں گویا۔
"خدا کی مار۔۔۔ تو واقعی اندھی ہو گئی ہے تزئین۔۔۔ اپنے چچا وقار پہ پڑا ہے وہ۔ ہو بہو اور وقار آفندی میری ساس کا سب سے خوب صورت بیٹا تھا۔" سائرہ چچی جلبلا کر بولیں۔
دل تو چاہا بیٹی کو دو ہتڑ بھی لگا دیں (سر پر) تاکہ ذرا یادداشت کے ساتھ نظر بھی لوٹ آئے۔
"اوفوہ امی۔۔۔ اتنا خوب صورت شوہر کیا کرنا ہے میں نے۔ طلال جیسا بھی چلے گا۔" وہ جھنجلا کے حسرت سے بولی۔
وہ گہری سانس لے کر رہ گئیں۔ اب اللہ نے اولاد ہی بے وقوف دی تھی تو وہ جتنا مرضی سر کھپا۔۔۔ لیتیں۔ آہ بھر کے اٹھ گئیں۔
"اٹھو مہو۔۔۔ شاپنگ تو کر آؤ شادی کے لیے یا یہی سڑی بسی صورت لے کر شریک ہو گی۔"
"کون سا میری شادی ہے جو میں لاکھوں لٹاتی پھروں شاپنگ پر۔" وہ نروٹھے لہجے میں بولی تو سائرہ چچی بے اختیار بولیں۔
"ہو سکتا ہے ہو ہی جائے۔"
مگر وہ پھر سے تکیے میں منہ چھپا کر لیٹ گئی۔ فی الحال تو وہ ماتم منانے میں مصروف تھی۔ ابھی تو سیاہ کے علاوہ اور کوئی رنگ ہی ذہن میں نہ آتا تھا۔ سو فی الحال اس کا شاپنگ کرنے کا قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا۔
"جلدی کرو۔ آغا جان نے کہا ہے اسی پھیرے اپنی شاپنگ ختم کرو سب۔ کبیر بے چارہ بھی گھن چکر بنا ہوا ہے' گھر اور مارکیٹ کے چکروں میں۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"ابھی تو کافی ٹائم ہے۔ میں آخر میں اطمینان سے شاپنگ کرلوں گی۔ ابھی میرا بالکل بھی موڈ نہیں۔" وہ تکیے میں منہ دیے بولی تو وہ اسے گھورتی بڑبڑاتی چلی گئیں۔
تزئین کی آنکھوں کے کونے خوامخواہ ہی بھیگنے لگے۔

☼ ☼ ☼

گھر میں ڈھولک رکھ لی گئی تھی۔ ایویں شوق ہی شوق میں۔ بجانی چاہے کسی کو نہ آتی ہو۔ مگر ملاحہ اور فرزین اپنی دوستوں کو سرشام ہی جمع کرلیتیں۔ اور پہلے شادی کے گیت اور اس کے بعد الٹے سیدھے اوٹ پٹانگ گانے بنا کر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہوا جاتا۔
مہپاہ کے دل کی بستی تو ان دنوں گلاب اگا رہی تھی اور وہ خود بھی گویا ایک کھلتا ہوا گلاب ہی بنی ہوئی تھی۔ آنکھوں میں نیند بھرا خمار اور ہونٹوں پر کلیوں جیسی چٹکتی مسکراہٹ۔۔۔ اور یہ مسکراہٹ تو ان دنوں اس کے چہرے کا مستقل حصہ بن گئی تھی۔
من چاہے ہم سفر کا ساتھ ملنا تو نصیب کی بات ہوا کرتی ہے۔
ان دنوں موحد کو دیکھ کر تو وہ "ہونہہ" کہہ کر منہ پھیر لیا کرتی تھی۔ شکر کرتی یہاں سے جاکر۔ اس لڑاکا بدتمیز سے تو پیچھا چھوٹتا۔
"کیا شور مچا رکھا ہے گھر میں۔ ہر وقت کی دھما چوکڑی اور یہ فضول سا ڈھول۔ ہر وقت پیٹتی رہتی ہیں اس کو۔ سر میں درد رہنے لگا ہے میرے۔" وہ اونچی آواز میں بڑبڑاتا ہوا کچن میں داخل ہوا۔ سب کے لیے چائے بناتی مہپاہ کو بڑا مزا آیا۔
"دوسروں کی خوشیوں میں خوش ہونے والوں کے سر میں درد نہیں ہوا کرتا۔"
وہ مگ میں چائے انڈیلتے ہوئے اسی کے انداز میں گویا بڑبڑائی تو وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔
"مہمان ہو چار دنوں کی اس گھر میں۔ اس لیے اتنی عزت کر رہا ہوں۔ چائے دو مجھے۔ تمہاری ڈھولک نے ہی سر میں درد کیا ہے۔"
"مگر میں پھر بھی تمہاری اتنی عزت نہیں کروں گی۔ یہ چائے مہمانوں کے لیے ہے۔ جن کے سر میں درد ہے وہ خود سے بنالیں۔" وہ صفاچٹ کہہ کر دوسرے مگ میں چائے ڈالنے لگی۔
"ماما ٹھیک کہہ رہی تھیں۔ سسرال والوں کو بہت تنگ کرے گی تمہاری زبان۔" اسے گھورتے ہوئے موحد نے کہا تو وہ اپنا کام کرتے ہوئے پرسکون انداز میں بولی۔
"اللہ کا شکر ہے نہ تم میرے سسرالیوں میں شامل ہو اور نہ ہی چچی جان۔ تم لوگ بچ جاؤ گے میری زبان سے۔"
موحد کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔
"کیا پتا۔" وہ ہلکے سے کہہ کر چائے کا مگ اٹھانے لگا۔
مہپاہ نے اسے مگ اٹھانے سے روکا نہیں تھا۔ ٹرے اٹھا کر لاؤنج میں جانے کو تیار ہوئی تو ایک نظر کاؤنٹر سے ٹیک لگائے کھڑے موحد کو چائے کا گھونٹ بھرتے دیکھا۔ اس کی بڑبڑاہٹ اچھے سے سنی تھی۔
"مگر مجھے پتا ہے موحد آفندی! اس دنیا میں آخری شخص ہوتے تم جسے میں اپنے لیے پسند کرتی 'ہنہ'۔" وہ سلگ کر کہتی ٹھک ٹھک کرتی کچن سے نکل گئی تھی۔
موحد کی مسکراہٹ سمٹ گئی اور آنکھوں میں سرد مہری سی اترنے لگی۔ اس نے آگے بڑھ کر مہپاہ کی بنائی چائے سنک میں انڈیلی اور پانی کا نل کھول دیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

اور مہواہ آفندی نہیں جانتی تھی کہ بڑے بول بولنے والے کیسے اپنے ہی لفظوں کے جال میں پھنس جایا کرتے ہیں۔ اسی لیے تو خاموشی کو کلام سے بہتر کہا گیا ہے۔
تو کوئی ہے، جو سوچے سمجھے؟

✿ ✿ ✿

"خان... تمہارے ہاں شادیاں کیسے ہوتی ہیں؟"
وہ شاپنگ کر کے ابھی گاڑی میں ہی بیٹھی تھی۔ پاؤں دکھنے لگے تھے چل چل کر۔ تو باقی کی شاپنگ اگلے چکر کے لیے چھوڑ دی۔ مگر صدیقہ بیگم زیورات کی دکان پر تھیں اور فرزین اور سائرہ چچی اپنے جوتے دیکھ رہی تھیں۔ ایسے میں ملاحہ نے کبیر کا انٹرویو لینا شروع کر دیا۔
"انسانوں کی ہی ہوتی ہیں بی بی۔"
ملاحہ نے اسے ہلکا سا گھور کے دیکھا اور چڑ کر بولی۔ "تو میں نے کب چڑیا اور کوّوں کی شادی کے بارے میں پوچھا ہے۔ انسانوں کی ہی شادی کا کہہ رہی ہوں کہ کیسے ہوتی ہیں؟"
"آپ لوگوں کے جیسی ہی ہوتی ہیں۔"
وہ گردن گھما کر اس طرف دیکھ رہا تھا جدھر سے تائی جان اور چچی جان کی واپسی کی توقع تھی۔ انداز ملاحہ کو ٹرخانے والا تھا۔ وہ خوب جھنجھلائی۔
"ویسے کبیر... تمہارے ہاں سارے مرد تمہاری طرح سڑیل اور چپ گھنے سے ہوتے ہیں 'یا کچھ بہتر بھی ہیں؟" تپ کر پوچھا تو کبیر نے بے ساختہ ہنس کر بیک ویو مرر میں خفا خفا سی ملاحہ کو ایک نظر دیکھا۔
"زیادہ تر تو آپ کی طرح ہی ہیں باتونی۔"
"چلو شکر ہے۔ تم ہنستے تو ہو۔ ورنہ تو بالکل مشینی آدمی لگتے ہو۔ جی بی بی' جی بی بی کرتے ہوئے۔"
ملاحہ کا مزاج تھوڑا بہتر ہوا تھا۔ "ویسے مجھے بہت شوق ہے تمہارا گھر' تمہارا گاؤں دیکھنے کا۔"
لو جی... کبیر کے ہونٹ سکڑے۔ (ہنسنے کا اتنا بڑا تاوان؟)
"آپ آغا جان کے ساتھ آ جائیے نا۔ آپ لوگوں کی تو بہت ساری زمینیں ہیں وہاں۔ فارم ہاؤس ہے۔"
"میں تمہارے گاؤں اور تمہارے گھر کی بات کر رہی ہوں۔" ملاحہ نے زور دے کر اس پر گویا اس کی اہمیت واضح کی تھی۔ وہ چپ سا ہو کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگا۔
اس کی آنکھوں میں یاسیت اور آزردگی کے سارے ہی رنگ اترنے لگے تو سامنے شیشے میں اس کو دیکھتی ملاحہ آزردہ ہو گئی۔
"ہم غریبوں کے گھر کہاں ہوا کرتے ہیں ملاحہ بی بی۔ بس چار دیواری ہے اور چند مرلہ زمین' وہ بھی..." وہ آزردگی سے کہتے کہتے لب بھینچ گیا تھا۔ جیسے اگلی بات کہنے سے خود کو سختی سے روکا ہو۔
"وہ بھی کیا؟" وہ بے چینی سے پوچھنے لگی۔ اتنی لاابالی نہیں تھی جتنی کہ لگتی تھی۔
"کچھ نہیں... یوں ہی کہا۔" وہ فی الفور حواس میں لوٹا۔
"بے وقوف مت بنایا کرو کبیر خان۔" وہ بگڑی۔
"مجھے بنانے کی کیا ضرورت ہے بھلا۔" وہ سادگی سے بولا تو ملاحہ بل کھا کر رہ گئی۔
"تمہارا مطلب ہے کہ میں بنی بنائی بے وقوف ہوں؟" غرا کر پوچھا۔ تو وہ گھبرا سا گیا۔
"یہ میں نے کب کہا؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"اس سے کم بھی نہیں کہا کچھ۔ بے وقوف نہیں ہوں میں۔ فائنل ایر ہے گریجویشن کا۔"

وہ بگڑ کر بولی تو کبیر کا دل چاہا کانوں کو ہاتھ لگا ہی لے۔ مگر پھر مزید بات بگڑنے کا اندیشہ تھا۔ سو اس "چاہت" کو کسی اور وقت کے لیے ٹال ہی دیا۔

کبیر نے بہ آواز بلند شکر ادا کیا جب فرزین 'تائی جان اور چچی جان شاپنگ بیگز سے لدی ہوئی آتی دکھائی دیں تو وہ جلدی سے سامان ان کے ہاتھوں سے لے کر گاڑی میں رکھنے لگا۔ ملاحہ اپنی جگہ تلملا کر رہ گئی۔

"اف توبہ، تھک گئے آج تو۔" تائی جان اور چچی جان کا مشترکہ تبصرہ تھا۔ جس سے فرزین کو سخت اختلاف ہوا۔

"لو۔ شاپنگ سے بندہ تھکتا ہے یا خوش ہوتا ہے' اففف۔ مجھے اپنے سی گرین سوٹ کے ساتھ جو تامل گیا۔ آئم سچ۔"

"تمہیں کیا ہوا؟" اس نے بے زار بیٹھی ملاحہ کی پسلی میں ٹھوکا دیا تو وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"اس کو سوٹ کے میچنگ بندے، جو پسند نہیں آئے اسی لیے منہ بنا ہوگا۔" اگلی سیٹ پر سے تائی جان کا تبصرہ نشر ہوا تھا۔

"تو یہ کون سی چھوٹی بات ہے۔"

ملاحہ آزردہ سی باہر دیکھنے لگی۔ اس کے دل کا موسم ایسے ہی تھا۔ خزاں زدہ' اداس سا' اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے سوچا۔ اکثر دل ان ہی کے پیچھے بھاگتا ہے جو آپ کی ذرا بھی قدر نہیں جانتے۔

"لڑکیوں کو تو عادت ہوتی ہے۔ ذرا ذرا سی بات پہ دل ٹوٹ جاتا ہے ان کا۔" چچی جان مسکرائیں۔

"نازک دل ذرا ذرا سی بات پر ہی ٹوٹا کرتے ہیں امی حضور۔ بڑی بڑی باتیں تو حوصلے سے برداشت ہو جاتی ہیں۔" فرزین نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔

ملاحہ نے بے اختیار نظریں اٹھا کر سامنے شیشے میں دیکھا تو کبیر سے نگاہ مل گئی۔ وہ نظر چرا کر ونڈ اسکرین کے پار دیکھنے لگا۔

ان کے مابین "ان کہی" کا جو "حجاب" تھا۔ وہ اسے برقرار ہی رکھنا چاہتا تھا۔ تب ہی وہ ملاحہ کی بے ساختگی اور کچھ کہتی بولتی آنکھوں سے نظریں چرائے رہتا تھا۔

☆ ☆ ☆

"پارلر سے اپائنٹمنٹ لے لی ہے میں نے۔ دو ہفتے پہلے سیشن شروع ہو گا۔" مہپاہ انہیں مطلع کر رہی تھی۔

تزئین نے پورا منہ رسالے میں گھسیڑ لیا جیسے اس کا کسی بھی بات سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔

"دو ہفتے ہی تو رہ گئے ہیں آپی۔" ملاحہ نے بے ساختہ کہا۔

"وہی تو۔ کل سے جانا شروع کروں گی۔ تب ہی شادی کے دن تک کچھ رونق آئے گی چہرے پر۔" مہپاہ شرارت سے مسکرائی۔

"اوہو۔ ابھی طلال بھائی کا نام لے لو آپ کے سامنے تو اچھی خاصی رونق آجاتی ہے آپ کے منہ پر۔" فرزین نے اسے چھیڑا تو واقعی وہ سرخ ہو گئی۔

"ماشاء اللہ۔ ویسے ہی بڑی رونق ہے میری بیٹی کے چہرے پر۔" تائی جان آج کل مہپاہ پر خصوصی لاڈ لٹا رہی تھیں۔

تزئین نے ایک جھٹکے سے رسالہ بند کر کے میز پہ رکھا اور اٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ سب نے فطری حیرت سے ایک پل کے لیے رک کر اسے دیکھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"ہنہ۔۔۔" تائی جان نے سر جھٹک کر مہواہ کو دیکھا جیسے نظروں سے اشارہ کیا تھا۔
اور مہواہ تو کافی عرصے سے طلال کے لیے تزئین کی پسندیدگی سے واقف تھی۔ محض افسردہ ہو کر رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"کیا بات ہے۔ تم کیوں صبح سے منہ بنا کر پھر رہی ہو۔" رات لان میں ٹہلتے ہوئے فرزین نے ملاحہ کو پکڑ ہی لیا تھا۔
"کیا وجہ ہو سکتی ہے بھلا۔" وہ افسردہ تھی۔
فرزین سنجیدگی سے بولی۔ "تم بے وقوف ہو۔ تم نے دل لگایا ہی غلط جگہ پر ہے۔"
"محبت سوچ سمجھ کر کرنے والی چیز نہیں ہے فرزین۔ یہ تو خود بخود ہو جانے والا کام ہے۔" ملاحہ نے آہ بھری تھی۔
"آغا جان کے بارے میں سوچا ہوتا تو یہ کام خود بخود نہ ہوتا۔" فرزین نے چڑ کر کہا۔
"مانا کہ بندہ بہت ہینڈسم ہے۔ مگر ہے تو ملازم ہی نا۔"
"وہ ملازم نہیں ہے فری۔ آغا جان کے دوست کا پوتا ہے۔ کبھی وہ وقت بھی تھا کہ ان کے پاس بھی ایکڑوں زمین تھی۔ حالات انہیں اس نہج پر لے آئے کہ انہیں آغا جان کے پاس نوکری کرنا پڑی اور کبیر کو آغا جان بڑی اہمیت دیتے ہیں۔"
پتا نہیں وہ خود کو تسلی دے رہی تھی یا اسے۔
"صرف اہمیت ہی دیتے ہیں۔ داماد والا مقام تو نہیں دے سکتے نا۔" فرزین حقیقت پسند تھی۔
محبت نہ کرنے والے حقیقت پسند ہی ہوا کرتے ہیں۔ پردہ تو ان کی عقل پر پڑتا ہے۔ جو بحر محبت میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔
"تم نے سوچا نہیں کہ آگے کیا ہوگا؟" فرزین کو اس کی بے بس سی کیفیت پر ترس آتا تھا۔ "کبیر تک تو جانتا نہیں ہے کہ تم کس راستے پر تنہا چلتی جا رہی ہو۔"
"جانتا ہے فری۔۔۔ سب جانتا ہے۔ تب ہی تو میری آنکھوں میں دیکھتا نہیں ہے۔" ملاحہ نے تیقّن سے کہا۔
"ہاں۔۔۔ شریف تو بہت ہے۔" فرزین مسکرائی۔
"کیا فائدہ ایسی شرافت کا۔ جو آپ کو محبت کا اعتراف نہ کرنے دے۔"
ملاحہ سلگی۔ فرزین نے سوچتی نظروں سے اسے دیکھا۔
"پھر بھی ملاحہ کچھ تو سوچا ہی ہوگا۔ بالفرض کبیر کو بھی تم سے محبت ہو جاتی ہے تو پھر کیا کرو گے تم لوگ۔ آغا جان کو کیسے مناؤ گے؟"
"اف۔۔۔" ملاحہ نے جیسے فرض کر کے ہی مزا لیا۔ بچوں کی طرح مٹھیاں بھینچیں۔
"پہلے مجھے اس بات کی خوشی تو محسوس کر لینے دو کہ اسے بھی مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔"
فرزین نے ماتھے پر ہاتھ مارا۔ "پاگل ہو بالکل۔۔۔ کوئی بھی کام کرنے سے پہلے اس کے سائڈ افیکٹ دیکھے جاتے ہیں۔"
"مگر محبت میں صرف پازیٹو افیکٹس دیکھے جاتے ہیں۔" وہ مطمئن تھی۔
"کبیر بے وقوف نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے تم جن راہوں پر چل رہی ہو۔ مگر وہ اپنے مقام سے بھی واقف ہے اچھی طرح۔" فرزین نے حقیقت بتائی۔ جو واقعی سچ تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"وہ کوئی کمین نہیں ہے فری۔ آغا جان کے دوست کا پوتا ہے۔" وہ زور دے کر بولی۔
"مگر آغا جان اسے ملازم ہی سمجھتے ہیں ملاحہ۔۔۔ تم آغا جان کی نیچر سے اچھی طرح واقف ہو۔"
"کوئی نہیں۔ پورے گھر میں دس سال سے دندناتا پھر رہا ہے۔ آغا جان نے کبھی اعتراض نہیں کیا۔ اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ انہیں کبیر پر مکمل بھروسا ہے۔"
فرزین چلتی ہوئی اس کے آگے کھڑی ہوئی تو ملاحہ کو رکنا پڑا۔
"تمہارا نہیں خیال کہ کبیر اس بھروسے کو ٹوٹنے نہیں دے گا؟"
"جب محبت ہو جائے تو سود و زیاں نہیں دیکھا کرتے فری۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"
وہ مطمئن تھی۔ فرزین گہری سانس بھرتی پھر سے اس کے ساتھ چلنے لگی۔ دونوں ہم قدم تھیں مگر دونوں کی سوچیں الگ الگ سمتوں میں محو پرواز تھیں۔

☆ ☆ ☆

اس نے پارلر کے سامنے اتر کر کبیر کو واپسی کا ٹائم دیا اور پارلر میں چلی گئی۔ کبیر گاڑی ریورس کر رہا تھا جب اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے دیکھا' موحد کی کال تھی۔ وہ گاڑی روک کر کال اٹینڈ کرنے لگا۔
"کہاں ہو تم؟"
"میں ابھی مہہ بی بی کو پارلر لے کر آیا تھا۔"
"چھوڑ دیا اسے تو ذرا آفس کا چکر لگالو۔ آج سامان کی لوڈنگ ہو رہی ہے۔ میں آؤٹ آف سٹی ہوں تو تم ذرا جہاں زیب صاحب کے ساتھ مل کر دیکھ لینا اور بکنگ نوٹ کر لینا۔" موحد نے کہا۔ وہ کچھ عرصے سے یہ کام کبیر سے لے رہا تھا۔
"ایک گھنٹے بعد مہہ بی بی کو پارلر سے لینا بھی ہے مجھے۔" کبیر نے اسے بتایا۔
"بس اتنی ہی دیر کا کام ہے۔ تم بہ آسانی پہنچ جاؤ گے۔" موحد نے اسے تسلی دی۔
"چلیں ٹھیک ہے۔ میں فیکٹری پہنچتا ہوں۔" کبیر نے آمادگی ظاہر کرتے ہوئے ریورس کر کے گاڑی پارکنگ سے نکالی اور فیکٹری کے راستے پر ڈال دی۔
عین اس وقت جب کبیر کی گاڑی سڑک کا موڑ مڑی' اسی میک و ماڈل کی گاڑی پارلر کے سامنے آکر پارکنگ میں رک گئی۔ مگر اس میں ڈرائیور کبیر نہیں تھا۔ وہ لمبا تڑنگا سا شخص خوش شکل بھی تھا اور خوش لباس بھی۔ وہ موبائل کی اسکرین پر ٹائم دیکھنے کے بعد سیٹ پر مطمئن ہو کر بیٹھ گیا۔ جیسے کسی کے انتظار میں ہو۔
پارلر کے باہر انتظار؟
کبیر جیسی گاڑی کے ڈرائیور کے ہر انداز سے بہت سکون اور طمانیت جھلکتی تھی جیسے وہ اپنے ہر منصوبے کے بارے میں پر یقین ہو۔
مہاہ دیے ہوئے ٹائم پر پارلر سے باہر نکلی تو سامنے ہی پارکنگ میں گاڑی دکھائی دے گئی۔ شام کے سائے ڈھلنے لگے تھے۔ اس نے موبائل واپس بیگ میں ڈالا جو کبیر کو کال کرنے کے لیے نکالا تھا۔ وہ دس پندرہ منٹ پہلے ہی فارغ ہو گئی تھی۔ خیال یہی تھا کہ شاید کبیر ابھی نہ پہنچا ہو۔
بعض اوقات انسان کو کیسے صحیح خیال آتے ہیں۔ جیسے کوئی الہامی کیفیت۔
مگر شام کے گہرے پڑتے سائے میں بھی اس نے پہلی ہی نظر میں گاڑی کو دیکھ لیا تھا اور تیز قدموں سے گاڑی کی طرف بڑھی' چہرہ ہلکے سے نقاب کی زد میں کر لیا تھا۔ وہ دروازہ کھول کر گاڑی میں بیٹھ گئی۔ گاڑی کی اندرونی لائٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

وقتی طور پر جل کر دروازہ بند کرتے ہی بجھ گئی۔ گاڑی مین روڈ پر آگئی تھی۔ مہماہ نے سیٹ سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔ تو چھم سے طلال کا سراپا بند پلکوں کے پیچھے اتر آیا۔

دو ہفتے۔۔۔ محض دو ہفتے رہ گئے تھے اسے طلال کی زندگی میں شامل ہونے کے لیے۔۔۔ اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی کہ اچانک گاڑی کو لگنے والے جھٹکوں نے اسے ڈسٹرب کیا۔

"گاڑی دھیان سے چلاؤ کبیر۔۔۔ روڈ خراب ہے شاید۔" اس نے اونچی آواز میں کہا۔

کبیر کچھ نہیں بولا تھا۔ مگر جھٹکے بدستور جاری رہے۔ مہماہ کو خیال آیا' آتے ہوئے تو کوئی سڑک ایسی نہیں تھی جہاں سے وہ گزرے ہوں اور ایسے جھٹکے لگے ہوں۔

اس کی آنکھیں پٹ سے کھلیں۔ اسی وقت گاڑی رک گئی تھی۔

"کیا ہوا کبیر۔۔۔؟" مہماہ نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی کی اندرونی لائٹ آن کی۔ اسی وقت پچھلا دروازہ کھول کر کوئی اندر بیٹھا تو مہماہ کی بے اختیار چیخ نکل گئی۔

وہ مضبوط تن و توش کی کوئی عورت تھی۔ جس نے اسے کچھ سمجھنے کا موقع دیے بغیر ہاتھ میں پکڑا بے ہوشی کی دوا میں ڈوبا رومال اس کے منہ پر رکھ دیا تو ذرا سی مزاحمت کے بعد ہی مہماہ کا ذہن تاریکیوں میں ڈوب گیا۔

"کام ہو گیا ہے صاحب۔" اس عورت نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے آدمی کو بتایا تو اس کے ہونٹوں پر مطمئن سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے گاڑی دوبارہ سے اسٹارٹ کرتے ہوئے گاڑی کی اندرونی لائٹ پھر سے آف کر دی۔

مہماہ آفندی اپنی زندگی۔۔۔ اپنے محور سے نکل گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کی آنکھوں پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور دونوں ہاتھوں کو کمر کے پیچھے مضبوطی سے ٹیپ کے ساتھ باندھا گیا تھا۔ ہوش میں آتے ہی وہ خوف زدہ سی چیخنے لگی اور تب خاموش ہوئی جب دروازہ کھلنے اور چٹ کی آواز کے ساتھ لائٹ جلائے جانے کا احساس ہوا۔

"کون ہے؟" اس کے اعصاب جاگے۔

کسی نے اس کی آنکھوں پر بندھی پٹی کھولی اور اتار دی۔ تیز روشنی اس کی آنکھوں پر پڑی تو اس نے آنکھیں میچ لیں۔ پھر ایک دم سے آنکھیں کھول کر دیکھا تو لرز سی گئی۔ بے اختیار سمٹ کر پیچھے کو ہٹی اور دیوار کے ساتھ لگ گئی۔

لمبا تڑنگا' خوش شکل سا آدمی' مہماہ کو دیکھا بھالا سا لگا۔ مگر فوری طور پر یاد نہیں آیا کہ اسے کہاں دیکھا ہے۔ فی الحال تو یہی دہشت سوار تھی کہ وہ اغوا کر لی گئی ہے۔

"تم۔۔۔ کون ہو۔۔۔ مجھے کون لایا ہے یہاں۔۔۔؟" اس نے سوکھے حلق کے ساتھ پوچھا۔

وہ اس کی طرف تھوڑا سا جھکا تو مہماہ کے منہ سے بے اختیار ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"نمیر وقار آفندی۔۔۔ نام تو سنا ہی ہو گا؟"

مہماہ کے سر پر جیسے کسی نے پہاڑ توڑ دیا ہو۔ وہ پھٹی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ دماغ یکلخت ہی گھوم کر رہ گیا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نعیمہ ناز

مجھے مغربی پاکستان سے آئے ہوئے تقریباً" ایک سال ہو گیا تھا مگر یہاں تو جیسے زمین نے اور لوگوں نے میرے پیر جکڑ لیے تھے' حالانکہ میں آیا تو چند ماہ کے لیے تھا' اپنی پھوپھی اماں کے پاس' وہ بہت بیمار تھیں' ابا کے انتقال کے بعد تواتر سے ان کے خطوط میرے پاس آنے لگے ہر بار بس یہی تقاضا کہ ایک بار آ کر مجھ سے مل لو اپنی صورت دکھا جاؤ' زندگی کا کوئی بھروسا نہیں۔ اتنے سال اپنے بھائی کو بھی نہ دیکھ سکی وہ دنیا سے گزر گئے۔ کچھ دن کے لیے تم ہی آجاؤ۔

ان کے محبت اور جذبات سے بھرے خطوط سے میری ممانی پسیج گئیں۔ انہوں نے مجھے مشرقی پاکستان بھیجنے کا فیصلہ کر لیا۔

"بے چاری بوڑھی ہیں۔ بیمار ہیں' تمہارے سوا ان کا دنیا میں ہے ہی کون' تم کچھ دنوں کے لیے ہو آؤ۔"

Downloaded From
Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

انہوں نے بڑے پیار سے مجھ سے کہا تھا امی کا انتقال میرے بچپن میں ہی ہو گیا تھا۔ ممانی نے اپنی محبت اور شفقت کی آغوش میں مجھے سمیٹ لیا تھا ابا نے دوسری شادی نہیں کی وہ تنہائی پسند اور کم گو ہو گئے تھے' ان کا بس ایک ہی خواب تھا کہ میں پڑھ لکھ کر کسی قابل ہو جاؤں' میں پڑھائی میں اچھا تھا ان کا خواب پورا کیا اور ڈاکٹر بن گیا مگر ان کی یہ خواہش پوری ہوئی تو وہ زیادہ عرصہ نہیں جیے۔ ایک روز چپ چاپ خالق حقیقی سے جا ملے۔ نہ بیماری نہ کچھ اور بس بیٹھے بیٹھے دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ پھوپھی اماں کو بذریعہ خط اس سانحے کی اطلاع دی گئی پھر تو ان کے خطوط کا تانتا بندھ گیا بالآخر میں نے مشرقی پاکستان جانے کا فیصلہ کر لیا۔

"حالات ٹھیک نظر نہیں آ رہے' دیکھ بھال کے جاؤ۔" ماموں نے دبی زبان میں مشورہ دیا۔

"کیوں حالات کو کیا ہوا؟" میں نے حیران ہو کر انہیں دیکھا۔

یہ 1969ء چل رہا تھا ابھی 70ء کے الیکشن میں تقریباً" ایک سال باقی تھا۔ پھر میرا مزاج ایسا تھا کہ میں سیاست اور سیاسی حالات میں ذرا کم ہی دلچسپی رکھتا تھا اور ماموں اتنے ہی سیاست کے شوقین' اخبارات کا مطالعہ' ریڈیو سے رابطہ (بقول ممانی) روزانہ بی بی سی سنے بغیر حلق سے نوالہ نیچے نہیں اترتا تھا اور پوربی پاکستان اور پچھمی پاکستان کی خبریں سنے بغیر انہیں نیند نہیں آتی تھی۔

"کچھ یقین سے نہیں کہا جا سکتا مگر ہواؤں کا رخ بدلنے کو ہے۔" وہ ایسے ہی پہیلیاں بجھوانے لگے۔

"ارے ماموں! یہ سیاست دان اپنی سیاست چمکانے کے لیے لوگوں کو یونہی ڈراتے ہیں' اچھے بھلے حالات ہیں' آخر ہوا کیا ہے بھلا؟" میں نے ان کی بات کو چٹکیوں میں اڑایا اور جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔

پاسپورٹ کا کوئی کھڑاک نہیں تھا فقط ٹکٹ ہی لینا تھا۔

میں نے اپنے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی' میں اچانک پہنچ کر پھوپھی اماں کو سرپرائز دینا چاہتا تھا اور جب میں ضلع میمن سنگھ گاؤں ٹنگار و چاند پور پہنچ کر ان کے سامنے جا کھڑا ہوا تو انہیں اپنی آنکھوں پہ یقین نہیں آیا کہ ہزاروں میل دور سے میں آ گیا ہوں اور جب یقین آیا تو وہ مجھے گلے لگا کر فقط روتی ہی رہیں' یہ آنسو بچھڑنے والوں کی یاد میں بھی تھے اور بھتیجے سے ملنے کی خوشی کے بھی تھے۔ وہ بہت ضعیف ہو چکی تھیں مگر اس وقت تو ان میں ایسا جوش اور توانائی اچانک کہیں سے آ گئی تھی' وہ کھانا پکانے کی تیاریوں میں لگی ہوئی تھیں اور ان کی مدد کے لیے پورے محلے کی خواتین جمع تھیں جو مجھے دیکھنے اور ملنے کے شوق میں آئی تھیں۔ گاؤں بھر کے لوگ آ رہے تھے۔ ہزاروں میل دور پوربی پاکستان سے رحیمن بوا کا بھتیجا آیا ہے اور جب ان کو علم ہوا کہ میں ڈاکٹر ہوں تو وہ اتنی عقیدت اور محبت کے ساتھ مجھ سے مصافحہ کرتے جیسے میں کوئی بہت اونچی شے ہوں۔

دسترخوان بچھا' مچھلی کا سالن' بطخ کا گوشت' دال' ابلے ہوئے چاول (ھنتا بھات) اور کھیر' کھانے کے بعد رسیلے اناس کی قاشیں اور کٹھل پتا نہیں مجھے ہی بہت زوروں کی بھوک لگی ہوئی تھی اس وقت یا واقعی وہ کھانا اتنا مزے دار تھا کہ اس کا ذائقہ میں آج تک نہیں بھول سکا (بھولنے کو تو خیر میں کچھ بھی نہیں بھولا) کھانے کے بعد ایسا خمار چڑھا اور کچھ سفر کی تھکن میں جو سویا تو پھر علی الصبح مؤذن کی آواز پر ہی میری آنکھ کھلی۔ مجھے شروع سے ہی صبح سویرے اٹھنے کی عادت تھی دور طالب علمی میں صبح فجر کی نماز کے بعد میں پڑھائی کیا کرتا تھا' جاگنے کی وہ عادت اب بھی برقرار تھی۔

میں اٹھ بیٹھا اور اپنی آنکھیں ملنے لگا۔ نیم تاریکی میں کمرے کے خدوخال کچھ زیادہ واضح نہیں تھے مگر پھر بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ بڑا سا کمرہ مٹی کی بنی پتلی دیواروں اور پھونس کے چھپر کا تھا فرش بھی کچا مگر صاف ستھرا لپا ہوا تھا۔ جس اونچے سے تخت پر میں سویا تھا وہاں سے ٹانگیں نیچے لٹکائیں اور اتر آیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"اٹھ گئے بیٹا؟" پھوپھی اماں بھی اسی کمرے کے دوسرے کونے میں بچھے تخت پر لیٹی تھیں۔ "جی پھوپھی۔" میں نے کھڑے ہو کر دو چار انگڑائیاں لیں اور کمرے سے باہر آ گیا۔ اتنا بڑا صحن، میں نے صبح کی ٹھنڈی ہوا اور دھیرے دھیرے پھیلتے ٹھنڈے میٹھے اجالے میں ایک بار پھر دو چار زبردست انگڑائیاں لے کر خود کو وارم اپ کیا پھر میں نماز پڑھنے مسجد چلا گیا کل آتے ہوئے یہ مسجد میرے راستے میں پڑی تھی۔

پھر روزانہ میں وہاں کی سیر کرتا اور روزانہ وہاں کا جادو مجھ پہ چڑھتا جاتا دریا کے کنارے میں گھنٹوں بیٹھا رہتا۔ آتی جاتی کشتیاں دیکھتا رہتا سبزہ، کھیت ہریالی، ایک ایک چپہ، ایک ایک منظر قابل دید، پھوپھی اماں بے اولاد تھیں، پھوپھا کے انتقال کے بعد ان کے ایک رشتے کے بھتیجے کھیتوں اور فصلوں کی نگہبانی کر رہے تھے۔ شریف اور ایماندار تھے، پھوپھی اماں ان کی محنت سے بڑھ کر ان کو معاوضہ دیتی تھیں۔ وہ پھوپھی کے ساتھ ہی رہتے تھے سب لوگ انہیں عبدل چاچا کہتے تھے۔ میں نے بھی یہی کہنا شروع کر دیا۔ ان کی بیوی کا انتقال ہو گیا تھا ایک بیٹا تھا سیف الاسلام جس طرح کہانیوں کے جادوگر کی جان طوطے میں ہوتی ہے اسی طرح عبدل چاچا کی جان اپنے اکلوتے بیٹے سیف الاسلام میں تھی۔ سولہ سترہ برس کا وہ سانولا سا لڑکا بڑا پر کشش تھا۔ اپنے باپ کی طرح شریف اور سیدھا سادہ۔

مجھے کچھ ہی دنوں میں عبدل چاچا سے خاصا لگاؤ ہو گیا تھا انہوں نے مجھے نہ صرف پورا گاؤں گھمایا، دریا کی سیر کروائی بلکہ متعدد نت نئے ذائقوں اور چیزوں سے بھی روشناس کرایا۔ ایسے میٹھے رسیلے اور موٹے موٹے لال گنے میں نے کراچی میں کبھی نہیں کھائے تھے، کٹھل، انناس، اتنا کھاتا، اتنا کھاتا کہ پیٹ اور نیت دونوں بھر جاتے۔ آم پھوپھی اماں اور عبدل چاچا ٹوکرے بھر بھر کر میرے سامنے رکھ دیتے آم کے آگے بھلا کس کافر کا ہاتھ رکتا ہے۔

"آپ مجھے بھولو پہلوان بنا کر واپس بھیجیں گی۔" میں ان سے لاڈ کرتا اس وقت میں بہت دبلا پتلا تھا وہ ہنستی رہتیں اور مجھے کھلانے پہ اصرار کرتی رہتیں گاؤں کے کئی لوگوں سے اچھی واقفیت ہو گئی تھی میری پھوپھی اماں اور عبدل چاچا کو ٹوٹی پھوٹی اردو آتی تھی اور مجھے ٹوٹی پھوٹی بنگالی یوں ہمارا کام چل رہا تھا۔ ہاسٹل کے زمانے سے میرے تین بنگالی دوست تھے ان ہی سے میں نے بنگلہ زبان سیکھی تھی جو اب کام آ رہی تھی۔

کبھی شام میں عبدل چاچا کے ساتھ کشتی کی سیر پر نکل جاتا اور ہم دنیا جہاں کی باتیں کرتے رہتے۔ آج کل دریا چڑھا ہوا تھا۔ سول مچھلی اور اس کے چھوٹے چھوٹے بچے بڑی تعداد میں دریا میں نظر آ رہے تھے۔

شام کا سہانا سماں، فرحت بخش ہوا، کناروں پہ آنکھوں کو تراوٹ بخشتی ہریالی اور دریا کی مچلتی لہروں پہ ڈولتی کشتی، وہ میری زندگی کے خوب صورت ترین لمحات تھے۔ قریب سے ایک کشتی گزری، اس میں کئی لوگوں کے ساتھ یوسف چاچا بھی بیٹھے تھے، ہمیں دیکھ کر ان کے بوڑھے چہرے پہ مسکراہٹ آ گئی۔ انہوں نے دور سے ہاتھ ہلایا ہم نے بھی مسکرا کر جوابی ہاتھ ہلا دیے۔

"بے چارہ یوسف، بہوت برے حال میں ہے۔" عبدل چاچا نے ایک آہ بھری۔

"بے چارے کو بھات بھی نہیں ملتا، روٹی کھاتا ہے۔ بہوت گوریب (غریب) ہو گیا ہے۔" وہ دوبارہ بولے تو میں بے ساختہ مسکرا اٹھا۔

"روٹی کھانے والے غریب ہوتے ہیں؟"

"ہاں، یہاں گوریب (غریب) لوگ روٹی کھاتا ہے۔"

"پھر تو کراچی میں بہت غربت ہے، وہاں تو سب لوگ روٹی ہی کھاتے ہیں، چاول نہیں۔" میں نے مذاقاً ان سے کہا۔

"ہم نے تو سنا ہے وہاں بہت دولت ہے، بہت پیسہ ہے پوربی پاکستان میں، سونے کی سڑکیں اور چاندی کے فٹ پاتھ، کسی کے بھاشن میں سنا تھا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"نہیں چاچا! ایسی کوئی بات نہیں، غربت وہاں بھی ہے، غریب وہاں بھی ہیں۔ امیر غریب تو ہر جگہ ہوتے ہیں نا۔"

"ہاں ٹھیک کہا تم نے۔" انہوں نے سر ہلاتے ہوئے میری بات سے اتفاق کیا۔

مجھے آئے ہوئے تقریباً چار ماہ ہو چکے تھے، ماموں کا خط آیا تھا کراچی سے، انہوں نے واپسی کے بارے میں پوچھا تھا میرا ابھی دل تو نہیں چاہ رہا تھا پھر بھی میں نے انہیں لکھ دیا کہ میں ایک دو ماہ میں واپس آرہا ہوں مگر اس سے پہلے ہی شمس النساء مجھ سے ٹکرا گئی۔

بنگال کے جادو کی جیتی جاگتی تصویر، رسیلے ہونٹوں، کھلے نینوں اور روایتی بے حد حسین زلف بنگال رکھنے والی شمس النساء جس کی سانولی رنگت میں ایسا نمک گھلا تھا کہ اس پر سے نظریں ہٹائے نہیں ہٹتی تھیں۔ وہ میرے پھوپھا کے سگے بھائی کی بیٹی تھی، وہ لوگ ڈھاکہ میں رہتے تھے۔ اس کے والد وہاں اسکول ٹیچر تھے اور وہ خود کالج میں فائنل ایر کی طالبہ تھی۔

پھوپھی کی علالت کی خبر پا کر وہ دونوں باپ بیٹی کچھ دنوں کے لیے وہاں آئے تھے، مجھے عبدالمنعم صاحب سے مل کر بھی بہت اچھا لگا۔ تعلیم یافتہ اور سلجھے ہوئے دل و دماغ کے مالک نورالاسلام اور ٹیگور کے مداح اور اقبال کے عقیدت مند، دہلی کے پڑھے ہوئے تھے، بنگلہ تو تھی ہی ان کی مادری زبان، اردو، فارسی اور انگریزی پر بھی عبور حاصل تھا، ان کی علمی گفتگو کے آگے میں خود کو بونا خیال کرتا، میں ڈاکٹر ہی تو تھا اور بس، ان کی طرح ادب، شاعری اور فلسفے کے متعلق میری معلومات اور دلچسپی ذرا کم ہی تھی، مگر اسلام مسلمان اور پاکستان کے حوالے سے گفتگو کرتے تو میں اچھا خاصا بول لیتا تھا۔ وہ لوگ دو ہفتے کے لیے آئے تھے اور یہ دو ہفتے جیسے پر لگا کر گزر گئے۔

کبھی شمس النساء بھی ہماری گفتگو میں شریک ہو جاتی، میں پہلے اس سے متاثر ہوا پھر مجھے اس سے محبت ہو گئی۔ شاید کبھی محبت یوں بھی ہو جاتی ہے، فقط تھوڑے سے دنوں میں، مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں اس کو بہت دنوں سے، بہت پہلے سے جانتا ہوں، جیسے وہ کبھی اجنبی تھی ہی نہیں میرے لیے، جیسے وہ ہمیشہ سے میرے دل کے اتنی قریب میرے لیے اتنی خاص تھی۔ ان دنوں میں ایک ڈاکٹر سے ایک شاعر بن گیا تھا۔ میرے دماغ میں اس کے لیے ایسی ایسی شاعرانہ تشبیہات آتیں کہ میں خود بھی حیران ہو جاتا، یہ محبت انسان کو پاگل اور دیوانہ بنانے کے ساتھ ساتھ شاعر بھی بنا دیتی ہے۔ ان کی واپسی کا وقت قریب آرہا تھا اور مجھے ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے جسم سے جان نکلتی جا رہی ہے، ان کے جانے سے دو دن پہلے میں پھوپھی اماں سے حال دل کہہ بیٹھا، ان کے علاوہ کوئی نہیں تھا جو میری مدد کر سکتا، میری بات سن کر وہ اپنے پوپلے منہ سے مسکرا دیں اور دیر تک مسکراتی رہیں۔

"میں بات کرتی ہوں عبدالمنعم سے۔" انہوں نے مسکراتے مسکراتے ہامی بھر لی۔

بعد کے مراحل میری توقع سے زیادہ آسان ثابت ہوئے۔ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے گھر والوں سے مشاورت کر کے جواب دیں گے، ان کے جانے کے کچھ دنوں بعد ان کا خط آیا تھا، انہوں نے اثبات میں جواب دیا تھا اور مزید کہا کہ چھ ماہ بعد شمس النساء کے فائنل ایئر کے بعد وہ نکاح کر کے رخصت کر دیں گے۔ اس سے پہلے انہوں نے ماموں سے بھی خط و کتابت کی تھی اور مطمئن ہونے کے بعد یہ فیصلہ کیا تھا، بیٹی کے دور جانے کا قلق تھا مگر بہت زیادہ نہیں، ان کا ایک بیٹا کراچی میں رہتا تھا، وہ کالج میں لیکچرار تھا۔ شادی شدہ بال بچوں والا، عبدالمنعم کا سال میں ایک آدھ چکر وہاں کا لگ ہی جاتا تھا۔

میری خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، میرے ہاتھ تو جیسے ہفت اقلیم کی دولت لگ گئی تھی، میں ابھی مزید آٹھ دس ماہ یہیں تھا، سارا دن فارغ رہ رہ کر بور ہونے لگا تو اس بوریت کا حل بھی نکال لیا۔ گاؤں میں ڈسپنسری تھی مگر ڈاکٹر کوئی نہیں تھا ایک کمپاؤنڈر تھا وہ بھی کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

عرصہ پہلے چلا گیا تھا۔ میں نے وہاں کی صفائی ستھرائی کروائی' شہر سے ڈسپنسری کے لیے مطلوبہ سامان اور میڈیسن وغیرہ لایا اور صبح سے شام تک وہاں بیٹھنے لگا۔ گاؤں کے لوگ بہت خوش تھے۔

وہاں ڈاکٹر تو کیا کوئی حکیم بھی نہ تھا' علاج کے لیے گنگا پار جانا پڑتا تھا۔ اب سب کی یہ مشکل تو آسان ہو گئی تھی میرا وقت بھی کچھ آسانی سے کٹنے لگا تھا' مگر انہی دنوں ایک سانحہ ہو گیا' پھوپھی اماں معمولی علالت کے بعد انتقال کر گئیں۔ ان کے بعد عبدل چچا نے مجھے کھیتوں اور فصلوں کا کچھ حساب کتاب بتانے کی کوشش کی' مگر مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

"چچا یہ سب حساب کتاب آپ اپنے پاس رکھیں اور جو مناسب سمجھیں وہ کریں۔" میں نے نرمی سے ان سے کہا۔

"مگر بیٹے یہ سب اب آپ کا ہے۔" انہوں نے پھوپھی اماں کی وصیت کا حوالہ دیا۔

"جس زمین پر دن رات آپ نے محنت کی ہے' موسم کی سختیاں برداشت کی ہیں' وہ زمین میری کیسے ہو سکتی ہے' یہ سب آپ کا ہے' میں اپنی مرضی اور خوشی سے آپ کو دے رہا ہوں۔"

وہ حیران ششدر میری شکل دیکھ رہے تھے' پھر یکایک ان کے ہونٹ کپکپائے اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

"بہوت بڑا احسان....." انہوں نے میرے آگے ہاتھ جوڑے۔

"چچا یہ کیا کر رہے ہیں۔" میں نے ان کے بندھے ہوئے ہاتھ کھولے "بھتیجا ہوں آخر' چچا کہتا ہی نہیں سمجھتا بھی ہوں۔"

مجھے زمین کا یا دولت کا کوئی لالچ نہیں تھا۔ میری محبت' میری دولت شمس النساء تھی' وہ مجھے مل رہی تھی' مجھے بھلا اور کیا چاہیے تھا۔ پھر الیکشن کا شور و غوغا ہونے لگا' یہاں گاؤں میں تو خیر اتنا شور شرابا یا جوش و خروش نہیں تھا' تھوڑا بہت تھا' مگر کراچی سے ماموں کا بڑا تفصیلی خط آیا تھا' جس کا لب لباب یہی تھا کہ الیکشن کے بعد حالات خراب ہونے کی توقع ہے' تم روزانہ بی بی سی سن کر حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرو' اگر زیادہ کچھ گڑبڑ ہوئی تو وہاں سے نکلنے کی کوشش کرنا۔

"یہ ماموں بھی بس....." میں ان کا خط پڑھ کر مسکرا دیا۔

"بھلا الیکشن کا حالات سے کیا تعلق' انتخابات ہو جائیں گے' جو جیت جائے گا کرسی پر بیٹھ جائے گا اللہ اللہ خیر صلا' باقی رہے سیاسی معاملات تو ان کی گرما گرمی تو سال ہا سال ہی چلتی رہتی ہے۔" میں نے بڑے آرام سے سوچا تھا' مگر یہ تو بعد میں پتا چلا کہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہوتا جتنا کہ ہم سوچتے ہیں۔

میں نے سوچا کہ جو جیتے گا وہ اقتدار کی مسند پر فائز ہو جائے گا اور بس' مگر یہیں سے تو معاملہ سارا شروع ہوا یا پھر شاید بہت کچھ پہلے سے بگڑ چکا تھا اس معاملے نے جلتی پر تیل کا سا کام کیا الیکشن ہو گیا۔ مجیب الرحمٰن کی عوامی لیگ اکثریت میں آئی' مگر اقتدار کی مسند پر فائز نہ ہوئی میں اب ریڈیو باقاعدگی سے سن رہا تھا۔ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے' جب بھی کوئی بری خبر آتی خاص طور پر ڈھاکہ کی طرف سے میرا دل دہل جاتا' شمس النساء وہیں تو تھی۔

انہی دنوں عبدل چچا کو ملیریا نے جکڑ لیا' بیماری اتنی بڑھی کہ ان کا جانبر ہونا بظاہر مشکل نظر آ رہا تھا' مگر میں پوری تندہی کے ساتھ ان کے علاج میں مصروف ہو گیا' کئی بار شہر جا کر مطلوبہ دوائیاں لاتا' علاج' پرہیز میں نے دن رات ایک کر دیا تھا' ان کی زندگی ابھی باقی تھی سو وہ دوبارہ زندگی کی طرف لوٹ آئے' سیف الاسلام بھی اپنے باپ سے والہانہ محبت کرتا تھا' باپ کو دوبارہ اپنے پیروں پہ کھڑا دیکھ کر وہ میرا ایسا عقیدت مند ہو گیا تھا کہ بقول شخصے پاؤں دھو دھو کے پیتا' عبدل چچا ٹھیک ہوئے تو میں بیمار پڑ گیا اس دن مجھے 102 بخار تھا' میں میڈیسن کھا کر کچھ دیر آرام کی غرض سے لیٹا تھا کہ باہر سے شور شرابے اور آہ و بکا کی آواز سنائی دی'

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کچھ دیر تو میں یونہی سنتا رہا پھر باہر نکل آیا۔

"کیا بات ہے؟" گھر کے صحن میں عبدل چچا اور سیف الاسلام کے ہمراہ ایک اجنبی مرد اور عورت کھڑے ہوئے تھے' مرد کے بازوؤں میں ایک چار پانچ سال کا بچہ تھا آنکھیں بند چہرہ زرد اور کملایا ہوا۔

"شوب' شوب (صاحب' صاحب)۔" وہ دونوں بیک وقت بنگلہ میں شروع ہو گئے' وہ بیک وقت رو بھی رہے تھے اور بول بھی رہے تھے' میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا' بخار سے خود میرا سر بھی چکرا رہا تھا۔ زیادہ دیر کھڑا ہونا بھی محال تھا۔

"یہ لوگ بولتے ہیں کہ ان کا بچہ بہت بیمار ہے' کئی روز سے بخار نہیں اتر رہا ہے دوسرے گاؤں سے آئے ہیں علاج کروانے۔" عبدل چچا نے آگے بڑھ کر ان کی ترجمانی کی۔

میں نے ان سے کہا کہ ڈاکٹر صاحب خود بیمار ہیں' دوائی کھا کر سو رہے ہیں تھوڑی دیر یہیں بیٹھ کر انتظار کر لو' تو شور مچانے لگے' رونے لگے۔" انہوں نے مزید بتایا۔

میں نے آگے بڑھ کر بچے کا ماتھا چھوا' نبض چیک کی' بخار بہت تیز تھا بچے کا نازک بدن اور چہرہ جیسے جل بھن رہا تھا۔

"سیف السلام! ڈسپنسری کا تالا کھولو' ان لوگوں کو لے کر چلو' میں آرہا ہوں۔" میں نے سیف السلام سے کہا' ڈسپنسری کی صفائی' کھولنا بند کرنا اور چھوٹے موٹے دوسرے کام' وہی کرتا تھا۔

"مگر آپ کو تو بہت تیز بوخار (بخار) ہے۔" عبدل چچا کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"ہاں چچا مگر بچے کا بخار مجھ سے بھی زیادہ تیز ہے۔"

میں نے لباس تبدیل کیا اور ڈسپنسری چلا گیا۔ بچے کو چیک کر کے فوری طور پر کچھ ضروری میڈیسنز دیں' والدین کو کچھ ہدایات دیں اور اگلے روز آنے کو کہا۔

"کیا ضرورت تھی پھر بلانے کی' دوا دارو کر دیا بہوت ہے۔" ان کے جانے کے بعد عبدل چچا بڑبڑائے۔

"جب تک بچہ ٹھیک نہیں ہو گا بار بار بلانا تو پڑے گا۔"

"چھوڑو ان کے حال پہ' ہندو ہے سالا' نظر نہیں آرہا تھا کیا۔" وہ نہ جانے کیوں برہم ہو رہے تھے۔

"وہ پہلے انسان ہے' پھر کچھ اور ہم ڈاکٹر بن کر حلف اٹھاتے ہیں کہ انسان کی خدمت کریں گے نہ کہ صرف مسلمان کی۔" میں نے نرمی سے انہیں سمجھایا۔

"آپ نہیں جانتا ان لوگوں کو' ہم جانتا ہے' یہ کینہ رکھتے ہیں اپنے من میں' رکھنے دو ہم تو نہیں رکھتے ناں۔" میں نے بات ہی ختم کر دی۔

میرا بخار تو اگلے دن ٹھیک ہو گیا تھا مگر اس بچے کو صحت یاب ہونے میں دو تین ہفتے لگ گئے۔ بچے کو صحت یاب پا کر دونوں میاں بیوی ہاتھ جوڑ جوڑ کر میرا شکریہ ادا کرتے رہے' اولاد بھی کیا شے ہے' ان کے جانے کے بعد میں نے سوچا۔

اولاد کی خوشی' سکھ اور آرام کی خاطر انسان کیا کیا جتن کرتا ہے۔ اپنی سدھ بدھ اپنے آپ کو کھو بیٹھتا ہے' میرے خیالات کی رو عبدل چچا کی طرف مڑ گئی۔

جیسے عبدل چچا' وہ تو جیسے سیف الاسلام کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے' آج کل وہ اس کا رشتہ طے کرنے کی باتیں کر رہے تھے' اس کی شادی کا ذکر کرتے وقت وہ اتنے پرجوش' اتنے خوش ہوتے کہ لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ بیٹے کا بیاہ' اس کی دلہن پھر پوتے پوتیاں' وہ بھی میری ہی طرح خواب دیکھنے کے قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ میرے خوابوں میں تو وہ ساحرہ تھی جو اپنی فسوں گر آنکھوں سے وہ منتر پھونک کر گئی تھی کہ میں اس تصور سے اس خیال سے آزاد ہی نہیں ہو تا تھا۔

یکایک ماموں کے لگاتار خطوط آنے لگے' تشویش اور فکرات سے بھرے "جتنی جلدی ممکن ہو سکے واپس آجاؤ حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں مکتی باہنی چن چن کر قتل عام کر رہی ہے۔ جو لوگ پاکستانی ہیں یا پاکستان کے حق میں ہیں' جیسے بھی بن پڑے تم وہاں

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سے نکلنے کی کرو‘ کچھ پتا نہیں کل کو کیا حالات ہوں۔ پاک فوج کو بھیجا گیا ہے حالات کنٹرول میں کرنے‘ مگر بس کچھ بھی نہیں کہا جا سکتا اُن کا خط ایسی ہی تشویش ناک باتوں اور میری واپسی کے تقاضے سے بھرا ہوا تھا‘ مگر میں اکیلے کیسے واپس جا سکتا تھا؟ شمس النسا کے بغیر‘ میں نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی‘ میں نے خود ڈھاکہ شہر جانے کا فیصلہ کیا مگر عبدل چچا نے سختی سے مجھے روکا۔

"حالات بہت خراب ہیں‘ عبدالکریم بھائی کا بیٹا ڈھاکہ سے واپس آگیا ہے‘ بہت لوگوں کو مار دیا ہے‘ تم تو ویسے بھی پورب پاکستان کے ہو‘ منہ کھولتے ہی پکڑے جاؤ گے۔" انہوں نے مجھے ڈرایا مگر میں اور بے چین ہو گیا‘ شمس النسا بھی تو اسی شہر آشوب میں مقیم تھی‘ میں کیسے اس کی طرف سے فکر مند نہ ہوتا۔ میرا دل مجھے وہیں کھینچ رہا تھا۔ بالآخر میں نے ڈھاکہ جانے کا فیصلہ کر لیا مگر اس سے پہلے اچانک ایک خط میرے لیے آیا‘ شمس النسا کا خط تھا۔

"سمجھ میں نہیں آتا بات کہاں سے شروع کروں۔ حالات اتنی تیزی سے اور اک دم سے یوں تبدیل ہوں گے میں نے سوچا بھی نہ تھا۔ وہ باتیں‘ وہ خدشات جنہیں ابا کے منہ سے سن کر میں سوچتی تھی کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ مگر وہ سب بدترین خدشات‘ بدقسمتی سے حقیقت کا روپ دھار رہے ہیں‘ بنگلہ دیش کی تحریک زور پکڑتی جا رہی ہے‘ میں نے کالج جانا بھی چھوڑ دیا ہے۔

ہندو اساتذہ اپنی زہریلی زبانوں سے نوجوان ذہنوں کو زہر آلود کر رہے ہیں‘ مغربی پاکستان اور فوج کے خلاف زہریلا مواد پھیلایا جا رہا ہے اسی معاملے پر ابا کی کئی بار اسکول کے ہندو اساتذہ سے بحث ہو چکی ہے۔

ایک روز عشا کی نماز کے بعد کچھ لوگوں نے ابا کو پکڑ کر بہت بری طرح مارا پیٹا اس جرم میں کہ وہ علیحدگی کی مخالفت کیوں کرتے ہیں پاکستان کی حمایت کیوں کرتے ہیں‘ ابا کا جسم لہولہو ہو گیا۔ جان تو بچ گئی مگر ایسی کہ بس سانسیں چل رہی ہیں‘ ابا نے یہ خط لکھوایا ہے اور کہا ہے کہ وہ جیسے ہی صحت یاب ہو کر سفر کے قابل ہوئے تو مجھے لے کر چاند پور آئیں گے آپ ہرگز ہرگز یہاں آنے کی کوشش مت کیجئے گا‘ یہ التجا ابا کی طرف سے بھی ہے اور میری طرف سے بھی۔"

شمس النسا کا خط میں نے اتنی بار پڑھا‘ اتنی بار پڑھا کہ مجھے حفظ ہو گیا۔ میں روزانہ صبح فجر کے بعد گنگا کنارے گھاٹ پر پہنچ جاتا اور جانے کیا کیا سوچتا رہتا۔

دریا کی لہروں میں وہ روانی اور مستی نہیں تھی جو پہلے تھی۔ ہواؤں کی شوخ اٹھکھیلیاں بھی جیسے ماند پڑ گئی تھیں‘ کھیتوں میں کھڑی فصلیں اب سرمستی میں ویسے نہیں جھومتی تھی جیسے کبھی جھوما کرتی تھیں شاید حالات صرف انسانوں پر ہی اثر انداز نہیں ہوتے بلکہ ہر شے پہ اثر انداز ہوتے ہیں چاہے وہ چہچہاتے پرندے ہوں‘ مسکراتی ندیاں اور گنگناتے دریا ہوں‘ جھومتی فصلیں اور لہراتے پیڑ پودے ہوں‘ سبھی کچھ جیسے مرجھا رہا تھا‘ کملا رہا تھا‘ حالات کشیدہ ہوتے جا رہے تھے‘ جو آگ پورے مشرقی پاکستان میں پھیل رہی تھی اس کی تپش اب اس گاؤں میں بھی محسوس ہونے لگی تھی‘ گاؤں کے لوگ اچھے تھے‘ بے چارے سیدھے سادے امن پسند‘ محبت کرنے والے مگر شرپسندوں کا ٹولہ ہر جگہ پہنچنے لگا تھا‘ عبدل چچا اور سیف السلام دونوں ہی میرے لیے بہت فکر مند تھے‘ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم تینوں ہی ایک دوسرے کے لیے بہت فکر مند تھے۔

عبدل چچا اپنے بیٹے کو اپنی نگاہوں سے ایک منٹ کے لیے بھی اوجھل نہیں کرنا چاہتے تھے‘ سیف الاسلام نوجوان تھا‘ جذباتی تھا‘ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں تھا مگر باشعور تھا‘ محب وطن تھا‘ ہندو ہمیں استعمال کر رہے ہیں‘ وہ مسلمانوں سے پاکستان کا بدلہ لینا چاہتے ہیں۔ 1947ء کا بدلہ‘ آزادی کا بدلہ‘ وہ ایسی ہی بہت سی باتیں کھلے عام کرتا تھا‘ میں اور عبدل چچا اسے سمجھاتے تھے‘ منع کرتے تھے کہ جوش سے نہیں ہوش

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سے کام لو اور پھر سچ تو یہ ہے کہ میں بہت غیر جانبدار ہو کر سوچتا تو سارا قصور غیروں کا ہی نظر نہیں آ رہا تھا' جس کا جو حق تھا اسے دے دیا جاتا تو شاید یہ سلگتی ہوئی چنگاری یوں اک دم شعلہ نہ بنتی' اغیار کو موقع ملا اس شعلے کو مزید بھڑکانے اور آگ پھیلانے کا۔

کراچی سے میرا رابطہ بالکل ختم تھا' مجھے یقین تھا کہ ماموں جان نے خطوط بھیجے ہوں گے مگر یہاں تک نہیں پہنچے' ڈھاکہ سے بھی کوئی خیر خبر نہیں تھی۔

"مکتی باہنی کے لوگ یہاں تک پھیل گئے ہیں۔ سب کو خبر ہے کہ آپ پاکستانی ہے۔ مغربی پاکستان سے آیا ہے' آپ احتیاط سے کام لیں۔" عبدل میرے لیے بہت فکر مند تھے۔

"پاکستانی تو آپ بھی ہو عبدل چچا بلکہ اس خطے کا ہر شخص پاکستانی ہے۔ آخر یہ بھی تو مشرقی پاکستان ہے نا۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا تھا' مگر میں یہ سوچنے پر ضرور مجبور ہو گیا تھا کہ کتنی عجیب بات ہے' مغربی پاکستان میں رہنے والے لوگوں کو ہم پاکستانی پکارتے ہیں اور مشرقی پاکستان کے باشندوں کو بنگالی کہہ کر پکارتے تھے' سردیاں شروع ہو چکی تھیں' گاؤں میں رات ویسے بھی جلدی ہو جاتی ہے اور سردیوں میں تو سرشام ہی سب کچھ سنسان ہو جاتا تھا اس دن ڈسپنسری میں حسب معمول سیف الاسلام نے لالٹین روشن کی اور میرے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"اب تو شاید ہی کوئی آئے گھر چلیں؟" سوئٹر پہنے سر پہ ٹوپا گلے میں مفلر لپیٹے وہ پھر بھی بغلوں میں ہاتھ دے کر بیٹھا تھا ہوا بھی تو غضب کی تھی بے حد سرد جسم کو کاٹ دینے والی (آہ' اس وقت یہ خیال تو بالکل ہی نہیں آیا کہ سچ مچ ہی جسم کٹ جائے گا)

"چلتے ہیں یار ذرا دیر رک جاؤ۔" میں یونہی بیٹھا تھا پاؤں پھیلائے' اندر اک آگ سی دہک رہی تھی۔ سردی کا احساس تک نہیں تھا مجھے' دریاؤں کی سرزمین پر اتنی تیزی اور شدت کی آگ پھیل رہی تھی کہ اتنے

دریاؤں کا پانی بھی اس آگ کو بجھانے میں ناکام تھا۔

مجھے اس پھیلتی ہوئی انارکی اور آگ کی بھی فکر تھی اور یہ بھی کہ کہیں شمس النسا اس آگ کی لپیٹ میں نہ آجائے' میں کل سے سوچ رہا تھا اور میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا کہ بس ایک دو روز میں عبدل چچا کو بتائے بغیر یہاں سے خاموشی کے ساتھ ڈھاکہ روانہ ہو جاؤں گا اگر ان کو ذرا سی بھی بھنک پڑ جاتی تو دونوں باپ بیٹا کبھی بھی مجھے یہاں سے نکلنے نہیں دیتے' میرا دل بہت گھبرا رہا تھا۔

"ایسا کرو یار' تم گھر چلو' میں ابھی آتا ہوں۔" میں اکثر اسے پہلے گھر بھیج دیا کرتا تھا۔

"آپ؟" وہ ہچکچایا۔

"میں بس ابھی تھوڑی دیر میں آتا ہوں۔" میں کچھ دیر اکیلے اپنے آپ کے ساتھ وقت گزارنا چاہتا تھا۔

وہ چلا گیا میں اپنے خیالوں کے ساتھ جانے کتنی دیر اکیلا بیٹھا رہا۔

عبدل چچا میری وجہ سے جاگ رہے ہوں گے۔ میں نے سوچا تو اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ گھر پہنچا تو حسب معمول وہ میرے انتظار میں جاگ رہے تھے۔

"سیف الاسلام کہاں ہے؟" انہوں نے مجھے اکیلے دیکھا تو مضطرب ہو کر سوال کیا۔

"اسے تو میں نے بہت دیر پہلے بھیج دیا تھا۔" میں نے بے اختیار جواب دیا۔

یہ سنتے ہی ان کا چہرہ یکایک زرد پڑ گیا۔

"وہ تو یہاں نہیں پہنچا۔" وہ متوحش ہو کر بولے۔

"نہیں پہنچا؟ تو پھر کہاں گیا۔" میں لالٹین لے کر تیزی سے باہر نکلا اسی راستے پہ جس پر سے ہم روزانہ ڈسپنسری سے گھر آتے تھے پورے گاؤں میں سناٹا اور ہو کا عالم تھا سوائے کتوں کے بھونکنے اور گیدڑوں کی آوازوں کے جو رات کے سناٹے کو دور دور تک چیر کر رکھ دیتیں' اس سرد اور اندھیری رات میں وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک گھر کا دروازہ کھٹکھٹا کر اپنے بیٹے کے بارے میں پوچھ رہے تھے' کھیتوں' کھلیانوں کو ٹٹول رہے تھے صبح ہو گئی مگر سیف الاسلام کا سراغ نہ ملنا تھا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

نہ ملا۔ اگلے دن شام میں اس کا خون آلود مفلر اور ٹوپی چند لڑکوں کو ملی انہوں نے لا کر ہمیں دکھائی۔

"ہاں یہ اسی کی ہیں۔" عبدل چچا نے ان کے ہاتھوں سے وہ مفلر اور ٹوپا جھپٹ لیا۔

"میرا سیف الاسلام۔" وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے' پچھلے چھتیس گھنٹوں سے وہ مسلسل جاگ رہے تھے' رو رہے تھے' بوڑھے اور کمزور انسان کی طاقت کب تک ساتھ دیتی' بالآخر جواب دے گئی۔

"مکتی باہنی والے لے گئے ہیں اٹھا کر۔" گاؤں کے ایک لڑکے نے آہستہ سے مجھے اطلاع دی میرا دل غم اور صدمے کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گیا۔

عبدل چچا ہوش میں آ گئے مگر ان کی نظریں ہر وقت دروازے پر ٹکی رہتی تھیں جیسے کوئی معجزہ ہو جائے گا اور سیف الاسلام معمول کے مطابق مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گا' میں زبردستی کچھ کھلا دیتا تو تھوڑا سا کھا لیتے ورنہ لیٹے لیٹے جانے کیا بڑبڑاتے رہتے' چار دنوں میں ہی ان کی حالت ایسی ہو گئی تھی جیسے صدیوں کے بیمار ہیں اپنے طور پر گاؤں کے لڑکوں کی مدد سے سیف الاسلام کا پتا لگانے کی کوشش کر رہا تھا مگر ہر کوشش بے سود اور ناکام' سب کا کہنا یہی تھا کہ مشکل ہی ہے کہ وہ اب زندہ ہو' اس کی لاش بھی مل جائے تو بہت ہے۔

عبدل چچا کو بھی دھیرے دھیرے کچھ احساس ہونے لگا تھا۔

"اس کی لاش ہی مل جائے' میں جنازہ پڑھ کر اپنے ہاتھوں سے دفنا تو دوں شاید کچھ صبر آ جائے۔" وہ ضبط کی کڑی منزلوں سے گزر کر مجھ سے مخاطب ہوئے۔

"اللہ سے خیر کی دعا کرو چچا وہ بہتر کرے گا۔" میں نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

میں نے ڈھاکہ جانے کا خیال دل سے نکال دیا تھا۔ عبدل چچا کی حالت ایسی نہیں تھی کہ میں انہیں اکیلا چھوڑ کر کہیں جا سکتا۔

اور اگر زندگی رہی اور نصیب میں ہوا تو شاید کبھی کسی موڑ پر ہم مل جائیں میں نے اپنے کرلاتے ہوئے دل کو تسلی دیتے ہوئے سوچا۔

آج اتنے سالوں بعد جب زندگی کا سفر اختتام کی طرف گامزن ہے میں یہی سوچتا ہوں کہ شاید ہمارے نصیب میں ایک دوسرے کا ملن لکھا ہی نہیں تھا۔ کیوں کہ اس تاریک دن کے بعد — ہماری تاریخ کا سیاہ ترین باب لکھا گیا۔

مؤرخ بیان کرتے رہیں گے' ہم جیسے لوگ تو شاید صرف ماتم کرنے کے لیے ہوتے ہیں' کبھی جدا ہونے والے وطن کے حصے پر کبھی اپنے پیاروں پر۔

سقوط ڈھاکہ کے بعد میں ڈھاکہ گیا۔ شمس النسا کے گھر' وہاں تالا تھا پڑوس سے سلام ہوا کہ عبدالمنعم چچا کے انتقال کے بعد شمس النسا' خالہ کے ساتھ کھلنا چلی گئی تھی۔

کھلنا میں کہاں؟ میں نے پورے محلے میں ایک ایک سے پوچھا مگر کسی کو کچھ معلوم نہ تھا' میں وہاں سے مایوس واپس آ گیا' واپس اسی جگہ جہاں پہلی بار وہ ساحرہ مجھے ملی تھی اور ویسے بھی فی الوقت میرا پاکستان جانا بہت ہی مشکل تھا جب آیا تھا تو اپنے ہی وطن کے ایک حصے میں آیا تھا' مگر اب واپسی کا سفر بہت کٹھن ہی نہیں بہت کربناک بھی تھا' دو سال تک میں انتظار کرتا رہا مگر شمس النسا کا نہ کوئی خط آیا اور نہ کوئی خیر خبر۔

دو سال بعد میں نے واپسی کے سفر کی تنہائی اور جن مشکلات اور صعوبتوں سے گزر کر میں واپس آیا' وہ ایک الگ داستان ہے' ماموں جان کے پاس پہنچا تو ان پر جیسے شادیٔ مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔

اتنے سالوں سے ان سے کوئی رابطہ نہیں تھا' اپنے تئیں سب نے مجھے مردہ سمجھ لیا تھا کراچی پہنچ کر میں سب سے پہلے شمس النسا کے بھائی کے پاس گیا تاکہ اس کی کوئی خیر خبر مل سکے مگر ناکامی نے یہاں بھی میرا منہ چڑا دیا۔

وہ لوگ یہاں سے جا چکے تھے' واپس بنگلہ دیش یا کہیں اور' کسی کو کچھ معلوم نہیں تھا' بے نیل و مرام میں واپس لوٹ آیا۔

گزرے چالیس' بیالیس سالوں میں اتنے بڑے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سانحے پر احساس زیاں کی شدت وقت کے ساتھ ساتھ کم ہوتی گئی ہے۔ آج کی نسل کی اکثریت شاید ٹھیک سے واقف بھی نہ ہو کہ سولہ دسمبر انیس سو اکہتر کو کیا ہوا تھا کیوں ہوا تھا؟ کیسے ہوا تھا اور قصور اس نسل کا بھی نہیں ہے، پچھلی نسل نے اپنی غلطیوں کو واقعی غلطی سمجھ کر سبق سیکھا ہوتا تو نئی نسل کو بھی سکھایا ہوتا، احساس زیاں کی تلخی کو شدت کے ساتھ سوچا ہوتا تو اپنی اگلی نسل تک کچھ تلافی پہنچائی ہوتی، شاید ہم خود بھی اپنے فرائض سے غافل رہے، کسی کو کیا دوش دیں۔

آج کل کے ٹی وی پروگرام میں سقوط ڈھاکہ کو ڈسکس کرتے ہوئے سنتا ہوں اور مواقع کی طرح سولہ دسمبر بھی ایک ایونٹ بن گیا ہے۔ اس دن کی مناسبت سے بحث و مباحثے کے پروگرامز پیش کیے جاتے ہیں جس میں کئی بقراط اپنی زبان دانی کے جوہر دکھاتے ہیں ان میں کچھ بقراط ایسے بھی ہیں جن کے نزدیک قیام پاکستان ہی سراسر غلط تھا، جو لوگ گاندھی کو مہاتما گاندھی اور قائداعظم کو جناح صاحب کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایسا ہی کوئی بقراط کسی پروگرام میں سقوط ڈھاکہ کی ساری ذمہ داری صرف اور صرف بنگالیوں پر ڈال رہا تھا اور یہ ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا تھا کہ بنگالی محب وطن تھے ہی نہیں، وہ

تعصب رکھتے تھے اور شروع سے ہی ان کی پلاننگ تھی ایک علیحدہ ملک بنانے کی۔

میں یہ سب بکواس سنتا رہا اور سوچتا رہا کیا واقعی؟ کیا واقعی وہ لوگ محب وطن نہیں تھے؟ میں سب کی بات نہیں کر تا نہ کر سکتا ہوں، مگر کیا وہ بنگالی محب وطن نہیں تھے جنہوں نے جیے بنگلہ کے بجائے پاکستان زندہ باد کا نعرہ لگایا اور پھر جیے بنگلہ کا نعرہ ان کے سینوں پر خنجر کی نوک سے لکھا گیا۔ وہ بنگالی جنہوں نے علیحدگی کی مخالفت کی اور اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے اور وہ محصورین جو اپنی دوسری تیسری نسل کے ساتھ آج بھی کیمپوں میں بدترین زندگی گزار رہے ہیں جنہوں

نے بنگلہ دیش تسلیم نہیں کیا جو آج بھی پاکستان کا سبز پرچم اپنے گھروں پہ لہراتے ہیں اور اسی جرم کی پاداش میں وہاں کی حکومت انہیں قبول کرنے سے انکاری ہے اور یہاں کی حکومت، کس کے پاس فرصت ہے ایسے بے کار اور فالتو معاملات پہ توجہ دینے کی۔

اور میں آج بھی سوچتا ہوں تو میری آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔

وہ عبدل چچا بھی تو محب وطن تھے جن کے اکلوتے بیٹے کی اطلاع سترہ دسمبر کے دن ملی تھی گاؤں کے لڑکے خبر لے کر آئے تھے۔

سیف الاسلام کی لاش دو ٹکڑے کر کے وہ لوگ پھینک گئے تھے۔

عبدل چچا نے بڑے حوصلے سے اندوہناک خبر سنی تھی اور اتنے ہی حوصلے سے انہوں نے کہا تھا۔

"اس کو وہیں دفنا دو۔"

میں سن کر ششدر رہ گیا تھا۔ کہاں تو وہ نیم پاگل سے ہو گئے تھے کہ کسی طرح اس کی لاش کا ہی سراغ مل جائے تو وہ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیوی کی قبر کے برابر میں دفنا دیں تاکہ انہیں صبر تو آجائے، مردوں پہ صبر آجاتا ہے۔ کھوئے ہوؤں پہ، بچھڑے ہوؤں پر نہیں آتا۔

میں نے ان سے کہا تو وہ خاموش ہو گئے، بہت دیر تک خاموش رہے پھر بولے تو ان کے لہجے کا کرب اور آواز کا درد میں آج تک نہیں بھول سکا۔

انہوں نے مجھ سے کہا۔

"جب دیش ہی دو ٹکڑے ہو گیا تو بیٹے کے دو ٹکڑے لے کر کیا کروں گا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

غزالہ روشن

Downloaded From Paksociety.com

الارم کی تیز آواز پر سمرین ہڑبڑا کر اٹھی' ادھر ادھر ہاتھ مار کر سیل فون ڈھونڈا' تاکہ الارم بند کر سکے۔ سامنے دیوار گیر گھڑی ساڑھے سات بجا رہی تھی۔ عمر پہلے ہی اٹھ چکا تھا اور شاید نہا رہا تھا۔ سمرین کسلمندی سے واپس بستر پر لیٹ گئی۔ رات کو ہونے والی دعوت کے باعث وہ بے انتہا تھکی ہوئی تھی اور ابھی بھی اس کا بستر چھوڑنے کا قطعا" دل نہیں چاہ رہا تھا۔ بچوں کی تو چھٹیاں تھیں اور وہ یہ چھٹیاں منانے نانی کے گھر گئے ہوئے تھے' سو اس طرف سے تو راوی چین ہی چین لکھتا تھا' مگر عمر کو تو آفس جانا تھا۔ سو اس کو ناشتا بنا کر دینا تھا۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آنا اب بند ہو چکی تھی۔

سمرین نے مندی مندی آنکھیں کھولیں اور اٹھ کر منہ دھونے چل دی کہ عمر اگر باتھ روم سے باہر آکر اسے یونہی لیٹا دیکھتا تو اس کو تھکا ہوا جان کر ناشتا بنانے سے منع کر دیتا اور ایسے ہی آفس چلا جاتا اور یہ سمرین کو گوارا نہ تھا۔ عمر بہت خیال کرنے والا محبت کرنے والا شوہر تھا اور سمرین نے بھی کبھی اس نرمی و محبت کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھایا تھا۔

وہ عمر اور عمر سے منسلک رشتوں کو پورا احترام دیتی تھی۔ کل بھی اس کی نندان سے ملنے آئی تھی' تو سمرین نے پوری دعوت ہی کر ڈالی تھی۔ وہ ہمیشہ اپنی نندوں کو یہ احساس دلانا چاہتی تھی کہ ماں' باپ کے نہ ہونے کے باوجود بھی ان کا میکہ برقرار ہے اور اس میں کامیاب بھی تھی۔ منہ دھو کر جب وہ کچن میں آئی تو سنک میں پڑے برتنوں کے ڈھیر کو دیکھ کر اسے کوفت نے آگھیرا۔

"اف! یہ تو یاد ہی نہیں رہا تھا کہ کل رات برتن نہیں دھوئے تھے اور شفیع بھائی نے چائے مانگی تھی تو چائے بنا کر دینے کے بعد چائے کی پتیلی بھی یونہی چھوڑ دی تھی' اف! اس کو تو اس ڈھیر میں ڈھونڈنا اور پھر دھونا ایک عذاب ہی ہے۔ چلو کسی اور پتیلی میں چائے بنا لیتی ہوں۔"

کیبنٹ کھولا تو ایک بڑی پتیلی کے علاوہ سب چھوٹی پتیلیاں ندارد تھیں۔

"اف! اب اتنی بڑی پتیلی میں ہی چائے بنانی پڑے گی۔" چائے چڑھا کر توا نکالا شکر تھا کہ وہ گندا نہیں تھا۔ اس پر جلدی جلدی تافتان کے دو ٹکڑے گرم کیے' کھیر نکالی' رات کا بچا سالن گرم کرنے کے لیے فرائنگ پین دستیاب نہ تھا' سو اس کو بھی توے پر ہی ڈال کر کام چلایا۔ عمر کچن میں آیا تو حیران ہو کر بولا۔

"ارے' یہ تم اتنی صبح اتنی بڑی پتیلی میں کیا پکا رہی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہو؟"

سمرین کچھ شرمندہ ہو گئی' پھر رک کر بولی۔ "وہ عمر! کل رات بہت تھک گئی تھی تو برتن یونہی چھوڑ دیے تھے ہم بھی چائے بنانے کے لیے یہی پتیلی مل سکی۔"

"چلو ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں۔ تم نے رات میں کچھ زیادہ ہی اہتمام بھی تو کر ڈالا تھا اور یہ ابھی بھی اتنا کچھ کیوں نکال دیا۔ ناشتے پر مجھے بس چائے دے دو۔ ابھی تو رات کا کھانا ہی ہضم نہیں ہوا ہے یار۔"

سمرین نے جلدی سے چائے کپوں میں نکالی' اس کے اصرار کے باوجود عمر نے نافتان کے ایک دو نوالے ہی کھائے اور آفس چلا گیا۔

اسے رخصت کر کے سمرین اندر آئی تو پہلے اس نے سوچا کہ وہ دوبارہ سو جائے' مگر جب بکھرا ہوا کچن اور برتنوں کا ڈھیر یاد آیا تو کمر کس کے کچن میں گھس گئی۔

"اف۔۔۔ کہاں سے شروع کروں۔ برتنوں کا ایک ڈھیر ہے یہ تو' چلو پہلے سنک تو خالی کروں برتن دھو کر' تاکہ پتیلیاں رگڑنے کی جگہ تو ہو۔"

سمرین کو سرا مل گیا تو اس نے آہستہ آہستہ برتن دھونے شروع کیے۔ شیشے کا ڈنر سیٹ' گلاس' جگ وہ سب احتیاط سے دھو دھو کر رکھتی گئی۔ پھر پتیلیاں مانجھیں' برتنوں کو اسٹینڈ پر خشک ہونے کے لیے رکھا۔ سلیب صاف کی اور جب سب کچھ سمیٹ کر وہ باہر آئی تو گھڑی گیارہ بجا رہی تھی۔ صفائی کے لیے آنے والی ماسی کے آنے میں ابھی کچھ وقت تھا' سو جلدی جلدی بکھری چیزیں سمیٹ کر رکھیں' تاکہ صفائی ٹھیک سے ہو سکے۔ پھر اپنے لیے ناشتا بنا کر وہ آرام سے ٹی وی کھول کر کے بیٹھ گئی۔

آج اسے کھانا پکانے کی فکر نہ تھی کہ رات کا بہت کچھ بچا ہوا رکھا تھا۔ عمر اور سمرین دونوں ہی بہت فراخ دل تھے۔ کسی بھی آئے گئے کو محض چائے یا شربت پر ٹرخا دینا ان کے گھر بے انتہا معیوب سمجھا جاتا تھا۔

سمرین جب بیاہ کر آئی تو اس نے اپنی ساس سے یہ سارے طور طریقے سیکھے۔ اس کی ساس مہمان کو اللہ کی رحمت گردانتی تھیں اور اس کی خاطر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑتی تھیں۔ حد تو یہ تھی کہ محلے کی عورتیں بھی اگر آ جاتیں تو چائے یا شربت کے ساتھ ان کے آگے بھی ایک دو لوازمات رکھے جاتے تھے۔

اب ظاہر ہے اتنی آؤ بھگت ہو گی تو پھر لازمی ملنے ملانے والوں کا تانتا تو بندھا ہی رہے گا۔ لہٰذا سارا دن ہی تقریباً" آنا جانا لگا رہتا تھا۔

عمر کے علاوہ سمرین کی ساس کی دو بیٹیاں اور تھیں اور جوان کے حسن اخلاق اور رکھ رکھاؤ کے باعث بہت ہی اعلا اور معزز گھرانوں میں بیاہی گئی تھیں اور خود سمرین کے گھر والوں نے بھی اسی بنیاد پر رشتہ قبول کیا تھا کہ کھاتا پیتا' وضع دار اور فراخ دل گھرانہ آج کل کہاں نصیب ہوتا ہے۔ پھر یہ کہ گھر میں بس ایک ساس اور دونوں میاں' بیوی ہی ہوتے کوئی لمبی چوڑی سسرال کا بھی جھنجٹ نہیں تھا۔

اب یہ الگ بات تھی کہ گھر میں رہنے والوں کے تو کام اتنے نہ تھے جتنے کے باہر سے آنے والوں کی خاطر داریوں کا بھاری کام۔ ہر وقت کچن میں لوازمات تیار ہو رہے ہوتے' ٹرے سج کر باہر جا رہی ہوتی اور پھر بچے ہوئے لوازمات کو ٹھکانے لگانا اور برتن دھونا اور سمرین دنیا کا ہر کام بخوشی کرنے کو تیار ہوتی تھی' مگر برتن دھونے سے اس کی جان جاتی تھی۔ برتن دھونا اسے دنیا کا زہر ترین کام لگتا تھا۔

وہ چار بہنیں تھیں اور وہ سب سے چھوٹی' تو "عموماً" ہوتا یہی تھا کہ کھانا پکانے کا کام بڑی باجیاں کرتیں اور اس کو برتن صاف کرنے' دھونے کا کام دے دیا جاتا۔ شروع میں تو وہ یہ کام بھی شوق سے کر لیتی تھی۔ مگر آہستہ آہستہ اسے احساس ہوا کہ تعریفیں تو صرف پکانے والی کی ہوتی ہیں۔ صاف ستھرے برتن کہاں سے آئے اور پھر واپس کس نے صاف کر کے رکھے' یہ کون دیکھتا ہے۔ سو رفتہ رفتہ اس کو برتن دھونے سے چڑ ہونے لگی۔

اب بڑی بہنیں یا امی اس کو برتن دھونے کا کہتیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیم ُالحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماےراحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

بھی تو وہ ان سنی کر جاتی تھی۔ کالج پہنچی تو ایک اور بہانہ سیکھ لیا کہ "برتن دھونے سے میرے ہاتھ خراب ہو جاتے ہیں۔" کچھ یہ کہ اس کے ہاتھ واقعی تھے بھی بہت خوب صورت' دودھیا گلابی رنگ لیے ہوئے' مخروطی انگلیوں والے۔ لڑکیوں کی دیکھا دیکھی لمبے ناخن بھی رکھنے شروع کر دیے اور پھر ان پر رنگ برنگی نیل پالش لگانا بھی شروع کر دیا تو مانو چار چاند ہی لگ گئے۔

بہرحال یہ چونچلے اس وقت تک ہی رہے' جب تک بڑی بہنوں کی شادیاں نہیں ہو گئیں' ان کی شادی کے بعد گھر لامحالہ سمرین کو ہی سنبھالنا پڑا۔ امی کو معلوم تھا کہ وہ برتن دھونے سے کتنا چڑتی ہے تو اکثر برتن وہ خود ہی دھو دیتیں' مگر اب سمرین کو خود شرم آتی تھی کہ وہ ماں سے کام کروائے' تو یہ بے زاری بھی کہیں پس منظر میں ہی چلی گئی' جب بہنیں آتیں تو وہ یہ کام سنبھال لیا کرتی تھیں بقول ان کے۔۔۔۔

"ہمیں تو برتن دھونا آسان لگتا ہے' بہ نسبت یہ بڑی بڑی دیگیں چڑھانے کے۔" اور سمرین ہنس دیتی تھی۔

جب اس کا رشتہ طے ہوا تو اس کی بڑی بہنوں نے اس کو یہی کہہ کر چھیڑا تھا کہ۔۔۔۔

"لو بھئی تمہارے لیے رشتہ ہی ایسا آیا ہے کہ جہاں کام کا زیادہ بوجھ ہی نہ ہو گا۔ گھر میں لوگ ہی کتنے ہیں۔ لگتا ہے برتن نہ دھونے کی بڑی صدق دل سے دعائیں کی تھیں۔"

مگر ہائے کسی کو کیا پتا تھا کہ تقدیر نے سمرین کے لیے کیا منتخب کر کے رکھا ہوا ہے۔ امی کے گھر تو دو چار برتن دھونے میں بھی جان جاتی تھی اور یہاں کچن میں دو چار برتنوں کے علاوہ سب ہی برتن دھلنے کے لیے ہر وقت سنک میں موجود رہتے تھے۔ ساس کھانے سے زیادہ کھلانے کی شوقین تھیں' سو جو پکتا پتیلی بھر کر پکتا اور اسی حساب سے بٹتا بھی اور کھلایا بھی جاتا۔ غریبوں کے ہاں بھی برتن بھر کر بھیجا جاتا کہ بقول ساس کے۔۔۔۔

"ان کی بھی عزت نفس ہے' تھیلی میں ڈال کر دیا تو لگے گا مانو کسی جانور کو کھانا ڈال رہے ہیں۔"

محلے کے اکثر لوگ برتن دھو کر واپس بھیجنے کو بدشگونی مانتے تھے کہ اس طرح دوستی اور محبت ختم ہو جاتی ہے' تو وہ برتن بھی سمرین کو ہی دھونے پڑتے تھے۔ محلے داری کی مہمان داری کے علاوہ جب بھی اس کی نندیں آتی تھیں تو لازما" دعوت شیراز" کا ہی اہتمام ہوتا تھا۔

کھانا بنانے سے لے کر کھلانے تک نندیں پوری طرح سمرین کا ہاتھ بٹاتی تھیں' مگر جیسے ہی کھانا ختم ہوتا تھا' نندوں کے شوہر گھر جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے تھے اور پھر وہی بات کہ سارا صفائی کا کام سمرین ہی کرتی تھی۔ یہ ہرگز نہ تھا کہ سمرین کی سسرال کوئی گری پڑی بخیل ذہنیت رکھنے والی سسرال تھی یا کوئی ایسی سسرال جہاں بہو کو نوکرانی سمجھ لیا جاتا ہے۔ گھر میں کام کرنے کے لیے جز وقتی ملازم بھی موجود تھے' جن میں ایک لڑکا باہر سے سودا سلف لانے اور دیگر چھوٹے موٹے کام نپٹانے کے لیے تھا' صفائی کے لیے بھی ماسی آتی تھی جو کپڑے بھی دھویا کرتی تھی۔ اب اتنی سہولیات میسر ہونے پر بھی اگر کوئی یہ رونا روئے کہ اس کو برتن نہیں دھونے' تو اس کو انتہا درجے کی تعیش پرستی ہی کہا جائے گا' سو سمرین بھی تمام تر کوفت اور چڑنے کے باوجود کچن کا تمام کام خاموشی سے سنبھالتی تھی' کیونکہ بقول اس کی ساس۔۔۔۔

"گھر کے باورچی خانے کو جس صفائی ستھرائی اور سلیقے سے گھر کی عورت سنبھال سکتی ہے کوئی نوکرانی نہیں سنبھال سکتی۔ خدا جانے کہاں کہاں' کس کس کے گھر کیا کیا کام کر کے آئی ہو' ہاتھ بھی صاف ہوں یا نہ ہوں اور اسی طرح ہمارے لیے کھانا پکا دے' برتن دھو دے' نہ بھئی۔"

جب تک ساس حیات رہیں سمرین کا پورا ہاتھ بٹاتی رہیں' مگر اب جب دو سال پہلے وہ فوت ہو گئیں تو سمرین کو کچن کا کام بالخصوص برتن دھونا کچھ زیادہ ہی کھلنے لگا تھا۔ مہمان داری گو کہ کم ہو گئی تھی' مگر ختم نہیں ہوئی تھی اور نندیں جب جب آتی تھیں تو وہ خود کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی۔ نہ جانے اور کتنی دیر وہ انہیں سوچوں میں ڈوبی رہتی' اگر کام والی ماسی کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ساتھ پڑوس میں رہنے والی زنیو کی بھی آمد نہ ہوجاتی۔
"ارے یہ تم ایسے ملگجے حلیے میں کیوں بیٹھی ہو بھئی، طبیعت تو ٹھیک ہے؟ تھکی تھکی سی لگ رہی ہو۔"

خوب صورت لان کے سوٹ میں ملبوس، ہم رنگ جیولری اور خوشبوؤں میں بسی زنیو نے اس پر سوالوں کی بوچھاڑ ہی کرڈالی۔ سمرین نے ایک نظر اپنے حلیے پر ڈالی اور کچھ شرمندہ ہو کر بولی۔
"بس یار! کل دعوت تھی نا تو صبح کچن سمیٹتے سمیٹتے اور برتن دھوتے دھوتے یہ حالت ہو گئی۔ بس میں ابھی نہانے ہی جارہی تھی۔"
"ارے یار تم برتن اور کچن کے لیے بھی کام والی رکھو نا۔ تمہیں تو ویسے ہی چڑ ہے برتن دھونے سے اور اب تو تمہاری ساس بھی نہیں ہیں، جان چھڑاؤ اس مصیبت سے یار۔ آج کل کون کرتا ہے یہ جھاڑو برتن۔" زنیو نخوت سے بولی۔
"نہیں میں جھاڑو تو نہیں لگاتی، مگر کچن میں میری ساس کو نوکرانیوں سے کام کروانا پسند نہیں تھا اور عمر بھی اس کے حق میں نہیں ہیں۔" سمرین خفیف ہو گئی۔
"ٹھیک ہے بھئی، تم مت رکھو کچن کے لیے نوکرانی، مگر برتن دھونے کے لیے تو رکھو، حال دیکھو اپنا۔ ابھی تک کپڑے گیلے ہو رہے ہیں تمہارے اور اپنے ہاتھ دیکھو، کتنے رف ہو رہے ہیں اور ناخن تو میں نے تمہارے لمبے کبھی دیکھے ہی نہیں ہیں۔ بھئی ہم اب اس عمر میں اپنی کیئر نہیں کریں گے تو کب کریں گے۔ تم نوکرانی کو ڈیٹول میں ڈبکی لگوا کر برتن دھلوالیا کرنا، بس تم اب ڈھونڈو کوئی کچن کے کام کے لیے۔" زنیو ہنستے ہوئے بولی۔
"اچھا بھئی، اب مجھے چھوڑو، یہ بتاؤ کیسے آنا ہوا؟"
سمرین خود پر قابو پاتے ہنستے ہوئے بولی تو زنیو نے بھی موضوع بدل دیا اور سمرین نے ٹھان لی کہ آج تو وہ عمر سے بات کر کے ہی رہے گی۔

☆ ☆ ☆

"یہ تمہیں اچانک برتن دھونے کے لیے ماسی رکھنے کی سوجھی کیا ـــــ؟ تمہیں پتا ہے نا امی کو پسند نہیں تھا یہ اور تم پر بس یہ ایک ہی تو ذمہ داری ہے۔" عمر حیران تھا۔
"دیکھیں عمر! میں جانتی ہوں کہ امی کو پسند نہیں تھا اور میں نے ان کی پسند ناپسند اور خواہش کا ہمیشہ احترام کیا اور امی نے بھی ساس نہیں ماں بن کر ہی میرا خیال رکھا۔ سچ تو یہ ہے کہ جب تک امی تھیں۔ ساری ذمہ داریاں تو انہوں نے ہی اٹھائی ہوئی تھیں۔ گھر چلانا، آئے گئے کو دیکھنا، ملنا ملانا، دینا دلانا، بچوں کو بھی زیادہ تر وہی سنبھالتی تھیں، میں تو بس ان کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ ان کے جانے کے بعد ایک دم یہ ساری ذمہ داری مجھ پر آگئی ہے۔ پہلے پہل تو مجھے احساس نہیں ہوا، مگر اب میں ان کی کمی بہت زیادہ محسوس کرتی ہوں، بڑے بھی کسی سایہ دار درخت سے کم نہیں ہوتے ہمیشہ زندگی کی کڑی دھوپ سے بچاتے ہیں۔"
سمرین کی آواز بھیگ گئی۔ اس نے جو کہا تھا، اس میں کوئی جھوٹ نہیں تھا۔ عمر کی ماں نے اسے بھی بس ماں ہی کی طرح اپنے گھر میں رکھا تھا۔
"پھر عمر! اب بچے بھی بڑے ہو رہے ہیں۔ ان کی پڑھائی بھی مشکل ہوتی جارہی ہے۔ اگر اتنا زیادہ آنا جانا نہیں ہوتا تو میں شاید کہتی بھی نہ یہ آپ سے، مگر اب مجھے کچن میں ہیلپ چاہیے اور پھر یہ کہ مجھے برتن دھونے ویسے بھی نہیں پسند۔ آج زنیو نے بھی مجھے اتنی باتیں سنائی ہیں۔"
"اوہ، اچھا تو یہ جوش زنیو صاحبہ نے دلایا ہے آپ کو۔" عمر ہنستے ہوئے بولا۔ "چلو بھئی جو تم چاہو مگر قابل اعتبار ملازمہ رکھنا۔"
سمرین تو خوشی سے جھوم ہی اٹھی۔ عمر کی اجازت کے بعد اب اسے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ اگلے ہی دن اس نے زنیو کو ہی ملازمہ کے بارے میں کہہ دیا تھا اور زنیر نے مستعدی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اگلے ہی دن ایک تیرہ، چودہ سالہ بچی کو بھیج دیا تھا۔
شمیم عرف شمو سانولی رنگت، تیکھے نقوش اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

صاف ستھرے لباس میں ملبوس تھی۔ سمرین نے اسے کام سمجھایا تو اس نے جس پھرتی اور صفائی سے سارا کچن سمیٹا۔ وہ اش اش کر اٹھی اور یوں شمو نے کچن اور برتنوں کی ذمہ داری اٹھالی، سمرین بہت خوش تھی۔

شمیم نہ صرف برتنوں اور کچن کی صفائی کرتی تھی۔ بلکہ وہ انتہائی پھرتی اور مستعدی سے کئی دوسرے چھوٹے چھوٹے کاموں میں بھی اس کا ہاتھ بٹا جاتی تھی۔ سمرین کو اکثر اس پر ہنسی بھی آتی تھی۔ جب وہ اونچی آواز میں گانے گاتے لیزی کے ساتھ برتن دھوتی جاتی تھی، ایسا لگتا تھا اس کے اندر کوئی بجلی بھر گئی ہے۔

اتنی اچھی ملازمہ پاکر اب سمرین کو نہ آئے گئے مہمانوں کی خاطر داریاں بری لگتی تھیں نہ ہی آئے دن کی دعوتیں کہ اب برتنوں کا ڈھیر لمحوں میں دھل دھلا کر مخصوص جگہ پر پہنچ جاتا تھا۔ انہی دنوں سمرین کے ایک کزن کی شادی ہوئی تو اس کے گھر والوں سمیت سمرین نے اسے دعوت دے ڈالی۔ دعوت بے انتہا شان دار رہی، کئی کھانے گھر پر تیار ہوئے، کئی باہر سے منگوائے گئے۔

شان دار ضیافت کے بعد جب سب رخصت ہوگئے اور سمرین سب کچھ سمیٹ کر کمرے میں آئی تو بڑی پرسکون تھی۔ آج برتنوں کا ڈھیر کچن میں پڑا تھا، مگر اسے تھوڑی دھونا تھا، وہ بڑی گہری نیند سوئی۔

۞ ۞ ۞

"تم اتنے برتن دھو کر تھکتی نہیں ہو؟ بے زاری نہیں ہوتی کہ گھر کے برتن بھی دھو پھر باہر والوں کے بھی؟ اور تمہارا تو کنبہ بھی بڑا ہے تو برتن بھی زیادہ ہوتے ہوں گے؟"

سمرین ظہر کی نماز کے لیے وضو کرکے پانی پینے کچن میں آئی تو لہک لہک کر گاتی اور برتن دھوتی شمیم سے سوال کر ہی ڈالا جو کئی دن سے اس کے دماغ میں تھا۔

"نہیں باجی جی! ہمارے ہاں برتن کا کیا سوال۔۔۔ برتن ان کے گندے ہوتے ہیں جن کے ہاں قسم قسم کے کھانے بنتے ہوں۔ ہم تو جی روٹی پر چٹنی، یا سالن رکھ کر کھا لیتے ہیں۔ ہمیں تو پوری روٹی نہیں نصیب ہوتی کبھی جی، آدھی پونی روٹی کے لیے برتن بھانڈوں کا کیا سوال۔۔۔ کبھی کبھی کوئی تھیلی میں ڈال کر کھانا بھیج دیتا ہے تو میرے، جو دس بہن بھائی ہیں نا ایسے جناوروں کی طرح جھپٹتے ہیں کہ زمین سے ہی اٹھا کر کھانا پڑتا ہے۔ لو باجی جی۔۔۔ آپ بھی مخول کر دے او۔۔۔"

شمو آگے بھی جانے کیا کیا بولے جارہی تھی، مگر سمرین کے ذہن میں تو ایک ہی جملے کی بازگشت تھی کہ۔۔۔

"برتن ان کے گندے ہوتے ہیں جن کے ہاں قسم قسم کے کھانے بنتے ہوں، آدھی پونی روٹی کے لیے برتن بھانڈوں کا کیا سوال۔۔۔" وہ لرز گئی۔

"میرے اللہ! میں ساری عمر اس چیز سے چڑتی رہی کہ برتن گندے کیوں ہوتے ہیں، مجھے دھونے کیوں پڑتے ہیں؟ میں نے یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں کہ میرے گھر رزق ہے تو برتن جھوٹے ہو رہے ہیں۔ مجھے برتنوں سے بھرے سنک سے نفرت ہوتی تھی، میں ان برتنوں میں کھائے گئے رزق کی شکر گزار نہیں ہوتی تھی۔ اگر مجھے رزق ملنا بند ہو جائے تو یہ برتن تو پھر صاف ہی رہیں گے۔ اللہ مجھے معاف کرے۔"

اس نے چاروں طرف نظر گھمائی، بریانی، قورمے اور کئی دوسری پکوانوں کی پتیلیاں رکھی ہوئی تھیں، کچھ بھری ہوئی، کچھ خالی، جنہیں شمو بڑی محنت سے صاف کر رہی تھی۔ عطا ہی عطا، رزق ہی رزق، کشادگی ہی کشادگی، فراوانی ہی فراوانی، آج اسے یہ برتن برے نہیں لگ رہے تھے، بلکہ نعمت لگ رہے تھے۔ سمرین نے فریج کھولا۔ دو بڑے ڈونگوں میں کھانا بھرا اور شمیم سے کہا۔

"شمیم! یہ کھانا تم لے جانا اور برتنوں میں ڈال کر کھانا اور یہ ڈونگے دھو کر مت لانا۔"

اور حیران کھڑی شمیم کو کچن میں چھوڑ کر باہر نکل آئی۔ ابھی اسے ظہر کی نماز کے ساتھ شکرانے کے نوافل بھی پڑھنے تھے۔

۞

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

مصباح علی

جاناں کی سنگت

Downloaded From paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

www.paksociety.com

صبح کے چھ بجے تھے۔ بھابھی فوزیہ نے حسب معمول بڑبڑاتے ہوئے' کونے کھدروں سے میلے کپڑے سمیٹ' ایک ڈھیر جمع کر اور واشنگ مشین لگائی۔ بمشکل ایک کھیپ لی۔ ٹب میں نل کھول دیا اور باقی کپڑے مشین میں ڈالے۔ جیسے ہی چکر چلا گھوں کی دو آوازوں کے ساتھ ہی پٹک۔ یعنی بتی چلی گئی۔

"اوہ! ستیاناس جائے واپڈا والو۔۔۔ سارا پاکستان ستے کا مارا ہوا ہے۔ سوائے ان بدبخت واپڈا والوں کے' کیا منکر نکیر کا حساب درست ہو گا جو ان منحوسوں کا ہے' مجال ہے جو سوئی آگے پیچھے ہو جائے۔" ماتھے پر تیوریاں سجا کر اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتیں۔

واش بیسن پر دانت مانجھتی روما کو دیکھ کر لفظ اندر ہی اندر مکا بازی کرنے لگے۔ غالباً" وہ زور سے ہاتھ پر ہاتھ مارا ہنستی ہوئی دہری ہو رہی تھی۔ سفید جھاگ کے چند قطرے منہ سے ٹپک گئے۔ مجال ہے جو شرمندہ ہو' بس انگوٹھے نچا رہی تھی۔ بھابھی فوزیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ چہرہ سرخ' آنکھیں خونخوار' جی چاہا اس کڑوی مولی کو دانتوں سے چبا کر تھوک دیں۔

"اللہ کرے اس پیسٹ سے تیرے دانت جھڑ جائیں' بڑی ہنسی آ رہی ہے میری بے بسی پر۔۔۔"

رنگ تو ویسا نہ ہوا مگر جب وہ نہانے گئی۔ سر پر شیمپو ملا' آدھا بدن گیلا' آدھا سوکھا اور جناب ٹنکی میں پانی ختم ہوا اور بتی چلی گئی۔ اس نے بہتیرا دروازہ پیٹا' چیخی چلائی "خدا کے واسطے کچھ کرو۔" مگر بھابھی کے کان پر جوں نہ رینگی اور جوں رینگتی بھی کیسے ان کا دل تو لڈیاں ڈال رہا تھا۔

"لے لے نہانے کے مزے۔"

کچھ دیر بعد دروازے سے منہ جوڑ کر کہا۔ "تو کس نے کہا تھا روز روز لیپا پوتی کر کے غوطے کھانے کو' اب بیٹھی رہ آرام سے' جب لائٹ آئے گی موٹر چلا دوں گی۔"

"ہائے بھابھی' اتنا ظلم!" وہ کرلائی۔ آنکھیں شیمپو نے لال کر دیں اور جسم پر صابن کی چیونٹیاں کاٹنے لگیں۔ وہ اپنی حالت پر رو دینے والی تھی۔ اماں کو گھر پر چین نہ تھا۔ سارے محلے میں پھرکی کی طرح گھومتی تھیں۔ محلے کے بچوں نے تو نام ہی "پھرکی اماں" رکھ دیا تھا۔ اس وقت بھی اپنے روزمرہ دورے پر تھیں۔ اگر گھر میں ہوتیں تو کچھ کرتیں۔ بہت دیر بعد بھابھی کو ترس آ ہی گیا اور عین چولہے کے پاس بھری رکھی چند بوتلیں اٹھائیں بالٹی میں انڈیل' دروازے کی اوٹ

ناولٹ

اس کی ہنسی قہقہے میں بدل گئی۔ غالباً" اس کا کئی دن کا پرانا ادھار بھابھی کی طرف نکلتا تھا اور وہ منتظر تھی۔ "کاش بھابھی بھی میری طرح بے بس ہوں اور میں دل کھول کر مذاق بناؤں۔"

اس دن وہ کئی گھنٹوں سے منہ اور سر پر ایلوویرا کا پیلا چپچپا ماسک لگائے کئی گھنٹے بیٹھی رہی۔ آج کل اسے جلد چمکانے کا خبط تھا اور اسی وجہ سے بھابھی اندر اندر کلس رہی تھیں کتنی بار دل میں سوچا۔

"اللہ کرے ایسا ہی رنگ ہو جائے تیرا' دنیا دیکھ دیکھ خوف کھائے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

سے اندر گھسیڑیں۔ چلو کچھ پانی بہا کر کپڑے پہننے کے قابل تو ہو۔ بندہ اللہ واسطے بھی کچھ کر ہی دیتا ہے۔

"ہائے! بھابھی یہ تو بہت گرم ہے۔"

"تو میں کیا کروں؟ پھونکیں مار مار کر نہا لے۔ اچھا ہے اسٹیم کا کام بھی ہو جائے گا۔"

حالانکہ روم ٹمپریچر کی چند بوتلیں بھی رکھیں تھیں، مگر اس نند بھاوج کے جلاپے کا کیا کرتیں۔ اندر ہی اندر خوب خوش ہوئیں۔ "چل بچو پانی سے زیادہ آج پسینے سے غسل کر۔"

روما جیسے تیسے خیر باہر آ ہی گئی اور دل میں پکا ارادہ تھا کوئی ایسا موقع ملے۔ بھابھی نے تو گرم پانی دیا تھا۔ وہ باقاعدہ ابال کر دے گی۔ وائے ری قسمت! ایسا موقع تو نہ ملا مگر مذاق اڑانے کا یہ بھی موقع اچھا تھا۔ سارا دن گیلے کپڑوں کا پھیلاوا اسمیٹتی رہیں۔

وہ کلی کر کے اترا کر بولی۔ "لگتا ہے بھابھی، ٹرانسفارمر سڑ گیا، کچھ دیر پہلے پٹاخے کی آواز آئی تھی۔"

"جا دفع ہو کلموہی، تیری زبان سڑے، منہ میں خاک۔"

"منہ میں تو برش ہے۔۔۔ اور اب کلیاں کر کے سارا پانی ختم کروں گی۔" اس کی پیسٹ کھلی آواز پر بھابھی نے گھور کر دیکھا پھر گردن جھٹک کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"یہ پڑھائیں گے، دشمن کے بچوں کو۔۔۔ کم بختوں کو خود تو پڑھنے میں موت آتی ہے۔" انہوں نے زور سے کہتے ہوئے سوئے بچوں پر سے چادریں کھینچیں۔

"اٹھ جاؤ ڈھیٹوں! اسکول کھل گئے تمہارے۔"

چھٹیاں ختم ہونے کی خبر بچوں کے لیے ناگہانی آفت سے کم نہ تھی۔ کسمساتے، آنکھیں ملتے، جمائیاں روکتے، ریں ریں کرتے روبوٹ ایک ایک جھانپڑ کھا کر بیٹری فل ہو گئی، صرف بیس سے تیس منٹ لگے تھے انہیں بستر سے نکال، منہ دھو دھلا، تیار ہو کر وین تک جانے میں۔

"لنچ اپنا ہی کھانا، دوسروں کا مت ٹھونس لینا۔"

فوزیہ بھابھی کی یہ روزانہ ہانک ہوتی تھی۔ ایسے ندیدے بچے تھے، اپنا لنچ تو راستے میں ہی ہڑپ کر جاتے پھر دوسرے بچوں کا صاف کرتے۔ کسی کا چوری چھپے، کسی کا مانگ کر، کسی کے ترلے ڈال کر کھا جاتے۔ روزانہ شکایت آتی تھی، آج حسن کا لنچ کھا لیا۔ آج علیشہ کا اڑا لیا۔ آج ٹیچرز میس میں گھس گئے۔ خدا جانے افریقی جنگلوں سے چھٹے تھے یا جنات کی کھٹی تھی۔ پیٹ میں مرغی کے معدے فٹ تھے ہر لکڑ پتھر ہضم۔ خیر یہ ایک معمول کا مسئلہ تھا۔

قسمت بھابھی پر مہربان ہوئی۔ بجلی جلدی آ گئی۔ مشین کا چکر چلا، بچوں کو بھیج بھابھی کمرے میں آ گئیں۔ بھائی جان کچھ دیر پہلے اٹھے تھے اور کہنی ٹی وی ٹرالی پر ٹکا کے نظریں اسکرین پر جمائے "ابھی تو پارٹی شروع ہوئی ہے۔" کے میوٹ والیم پر تھرکتے بدن للچائی نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بند والیم کا بھی فائدہ نہ ہوا۔ چھاپہ مار ٹیم نے یک لخت دھاوا بول دیا۔

"یہ کیا دیکھ رہے ہیں؟"

سوکھے سے بھیا ایک دم ہی اچھل گئے۔ "وہ۔۔۔ وہ میں ریموٹ ڈھونڈ رہا تھا۔"

"کیوں؟ بھابھی ہاتھ نچا کر بولیں۔ "اس نے کہیں چھپا لیا ہے، جو نظریں اس کے لباس کو چھید رہی ہیں۔"

بھائی جان اتنے کھسیانے ہوئے نگاہ اوپر اٹھتی ہی نہ تھی۔ ابھی تو بھابھی نے اور عزت افزائی کرنی تھی کہ روما دستک دے کر اندر آ گئی۔

"بھابھی ذرا جلدی فارغ ہو جانا، مجھے بازار جانا ہے۔"

"بھیا کی جان خلاصی کر ان کی ایکسرے سے تیز نگاہ میں تمام تر تجسس سمٹ آیا۔ اپنی پہلے سے چھوٹی آنکھوں کو مزید چھوٹی کر کے بغور اسے دیکھ رہی تھیں۔ کئی دن سے اس کی سرگرمیاں خاصی مشکوک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہوتی جارہی تھیں۔ سانولی جلد پر اتنی بلیچ ملی گئی کہ رواں گولڈن کے بجائے سفید ہوگیا' ابرو بے حد باریک ترچھے' رنگے بال بالکل بھٹے کی بھوری دم یا سوکھے گھاس پھوس سے مشابہہ' فیشل کر' کر جلد شاپر سے بھی پتلی کرلی تھی بس پھٹنے کی کسر رہ گئی تھی۔ انہوں نے اسے سر سے پاؤں تک گھورا اور طنزیہ بھنوئیں نچاتی تھیں۔

"کیا بات ہے... کس چکر میں...؟" بھابھی بخشنے والی کہاں تھیں۔ جہاں تک انہیں یاد تھا کچھ عرصہ پہلے تک تو وہ ہل کر پانی نہ پیتی سارا دن چارپائی توڑتی رہتی تھی۔ کوئی کام بتادو تو ملک الموت گھسیٹتا نظر آتا تھا اور آج کل یوگا کر کے سارا بدن اکڑا لیا تھا' جلد کی دشمن الگ اوپر سے یہ بازار کی پھیریاں...؟

بھی ڈرنے والی نہیں تھی۔ لبوترے منہ کو مزید لٹکا کر بولی۔ "کس چکر میں کیا... موسم بدل رہا ہے' شاپنگ کرنی ہے۔"

"کیوں تیری زندگی میں پہلی بار بدل رہا ہے... یا آخری بار۔" آخری جملہ انہوں نے دل میں مگر بہت دل سے کہا تھا۔

"بھابھی! آپ یہ بتائیں میں آپ کا ویٹ کروں... یا جاؤں..."

"اوہ بھائی..." بھابھی سے پہلے بھیا بول پڑے۔ "کیوں ویٹ مشین سے دشمنی ہے' لڑائی تمہاری جنازہ اس کا نکلے۔"

اس سے پہلے کہ بھابھی کا غصہ بھیا پر نکلے انہوں نے اپنی بائیک کی چابیاں اٹھا کر بھاگنے میں عافیت جانی۔ بھابھی نے پیچ و تاب کھا کر روما کو گھورا۔ وہ بھی پھس پھس کرتی باہر نکل گئی۔

✡ ✡ ✡

فوزیہ کی شادی اپنے ماموں کے گھر ہوئی تھی۔ قسمت کی دھنی سارے گھر پر راج کررہی تھی۔ ایک تو خود زبان دراز اوپر سے میاں ڈبو۔ ان ہی کی شادی پر ہلکے پھلکے معاشقے کے بعد روما کی بات ان کے بھائی وسیم سے طے ہوگئی تھی۔ کچھ عرصہ پہلے تک خط' کارڈ' سستے تحائف کا سلسلہ جاری رہا۔ وسیم کی موجودگی میں وہ کھلکھلاتی پھرتی اور وہ پروانہ بنا منڈلاتا جھومتا اور فوزیہ دانت کچکچا کر رہ جاتی۔ اور اماں کی آو بھگت ہی الگ ہوتی۔

"وسیم بیٹا یہ کھالے' وہ پی لے۔"

اور تب تک فوزیہ کے نخرے بھی خوب برداشت ہوتے رہے۔ ہوتے ہوتے پانچ سال گزر گئے تھے۔

پھر اماں اکثر ہی پوچھنے لگیں۔ "تمہاری ماں کب آرہی ہے تاریخ طے کرنے۔"

وہ مناسب بہانہ ڈھونڈ کر ٹال دیتی مگر دل میں ٹھان رکھی تھی۔ ان کی شادی کرواتی ہے میری جوتی... نند بن کر سینے پر مونگ دل رہی ہے' بھاوج بن کر تو بھائی کو بھی لے اڑے گی... جب تک بالوں میں چاندی کے تار نہیں نکلیں گے' تب تک تو سوچیں بھی نا۔

مگر پچھلے ہفتوں میں کچھ تبدیلی سی آگئی تھی۔ نہ اماں وسیم کی آمد پر۔ بچھ بچھ جاتیں نہ روما کے پچکے گالوں سے دو انچ کی بتیسی باہر جھانکتی۔ بلکہ اس کے آنے پر کمرے میں گھس جاتی اور کانوں میں بہرے ہونے کی علامت ٹوٹیاں (ائیر فون) لگالیتی۔ نہ آواز آئے نہ شرمندگی ہو۔ بھابھی خاموشی سے یہ سب برداشت کررہی تھیں۔ لیکن وہ کوئی عام خاتون نہیں تھیں کہ سامنے کی بات دیر سے سمجھ آئے۔ وہ اڑتے پرندے کو دیکھ کر بتادیتی تھیں میل ہے یا فی میل۔ ایک بار ہمسائی کی بکری کو دیکھ کر کہہ دیا۔

"خالہ فکر نہ کرو... اس عید پر بکرا مفت آنے والا ہے۔"

"معشیت الٰہی مہینے بعد بکرا تشریف لے بھی آیا' خالہ تو مرید بن گئیں۔ اپنی چھوٹی بہو کو بھی ہمراہ لے آئیں۔ خیر سے امید سے تھی۔ اب کیا ڈاکٹروں کے پاس الٹراساؤنڈ پر پیسے لگانے مفت کے۔ پیرنی موجود ہے۔ آنکھوں کے اشارے سے پوچھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"اس کے کیا؟"
اس نے خوب پھیل کر کہا تھا۔ "پہلے پھلوں کا ٹوکرا مٹھائی کھلاؤ۔"
غریب خالہ نے جیسے تیسے کر کے فرمائش پوری کی۔ پہلے ہی بے چاری کی تین پوتیاں تھیں۔ اب خوش خبری نے بدن میں توانائی بھر دی۔ لیکن چند ماہ بعد وہی توانائی خالہ، بھابھی پر نکال کر گئی تھیں۔ پھل، مٹھائی واپس لی سولی مفت میں ہینو اسٹائل بھی بدل گئی تھیں۔ لیکن بھابھی کی فیس آرا فطرت اینٹھی نہیں تھی۔ فوراً "تکے لگاتیں اور تہ تک پہنچ ہی جاتی تھیں۔ روما تو پھران کی نند اور مستقبل کی بھاوج تھی۔ عقدہ کھلنے میں دیر نہ لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ دن ڈھلتے ہی بازار کے لیے نکلی تھیں۔ روما ہر گلی کی سیل میں تھی۔ چھنی چھنی ٹائٹس، اونچی اونچی کھلی شرٹس، میچنگ کیچو، پونیاں، نیل پالش، لپ اسٹک، پرس لیکن جب جوتوں کی سیل پر رکی اور لونگ بوٹ پسند کرتے دیکھا تو بھابھی سے رہا نہ گیا۔ دونوں بھنوئیں سکیڑ کر تفتیشی انداز میں پوچھا۔
"اتنی گرمی میں تو فوجی بوٹ پہنے گی، دماغ چل گیا تیرا۔"
"بھابھی فیشن بھی کسی بلا کا نام ہے کہ نہیں۔"
وہ لیدر کے بوٹ کی زپ کھول کر اس میں پاؤں پھنسا رہی تھی جب بھابھی نے جواب دیا۔ "تو کسی بلا سے کم ہے، جو ایک اور تجھ پر چڑھ دوڑنے کو تیار ہے۔"
اس نے ان کی بات قطعاً" دل پر نہ لی بلکہ بارہ سو کی جوتی کا بھاؤ تاؤ کروانے لگی۔
اماں نے پورے پانچ ہزار دیے تھے اور گھر واپسی تک پرس میں پانچ روپے بھی نہ بچے تھے۔ آخر یک دم فیشن کی کیا سوجھی۔ اور امی، جان دے دیں پیسے نہ دیں۔ اپنی چار دن کی دوا پورے دس دن یہ کہہ کر چلاتی تھیں۔
"تو بتاؤ! اگر ڈاکٹر نے کہہ ہی دیا چار دن کی خوراک ہے تو کیا مان بھی لوں..... پہلے چار دن کیپسول کھاؤں گی، دو دن آرام... اگلے چار دن سیرپ..... ہو گئے دس دن پورے۔"
اسے کس چکر میں اتنی رقم تھمادی۔ انہوں نے اپنی سوچوں کی لگامیں تھامیں اور گھوڑے دوڑا دیے آخر منزل تک پہنچ ہی گئیں۔
"تو یہ بات ہے۔"

☼ ☼ ☼

انہوں نے صبح اٹھتے ہی پہلا کام اپنی اماں کو فون کیا تھا۔ سلام دعا، خیر خیریت تو بعد میں پوچھنی بھی یاد رہی یا نہیں بس چھوٹتے ہی پوچھا تھا۔
"وسیم کہاں ہے؟"
"کہاں جانا ہے اس نے..... وہی نوکری کی تلاش میں تھوڑے (ٹھوکریں) کھا رہا ہو گا۔ بتیرا پیٹتی تھی اچھا پڑھ لے، اگر چار نمبر زیادہ آجاتے تو ہاتھوں ہاتھ نوکری ملتی... پر ناں جی، میری یہاں سنتا ہی کون ہے..... یہ اپنے پچھلوں کا لڑکا۔ اسے مل بھی گئی فیکٹری میں اور وہ جو ہے اپنا نذیر اس کے بہنوئی کے....."
"اماں بس بھی کرو۔" فوزیہ اماں کی دہائیوں سے چڑ جاتی تھی۔ ذرا سی بات پوچھو، بین ڈال سارے محلے کی خبریں نشر کر دیتی تھیں ماسوائے اصل بات کے۔
"کر لیا ہے اس کے لیے نوکری کا بندوبست..... میں نے۔"
"ایں..." اماں نے حیرت سے فون کو دیکھا..... "تو نے کر لیا۔ تیرے سے ککر کا ڈھکن نہ کھلے، دفتر کہاں سے کھول لیا... یاد ہے ناں سامنے والوں کا ککر کھولنے کے چکر میں تو نے پھاڑ دیا تھا۔ اور وہ....."
"اف میرے خدایا!"
اسے شدید کوفت ہوئی بنا پیکج کے بڑھتی کال۔ وہ زور دے کر بولی۔ "اماں میری بات غور سے سنو! اسے لنڈے سے دو چار اچھی سی پینٹ شرٹیں دلوا کر ہر روز

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

میری طرف بھیج دیا کرے..... اور ہاں وہ جو ملنگوں کی
طرح اس نے بال رکھے ہوئے ہیں نا انہیں کسی نائی
سے رنگوا کر کنڈل ڈلوالے..... پیسے میں دے دوں
گی..... اور ہاتھوں میں وہ جو آج کل لڑکے تسبیحاں
ڈال رہے ہیں' بلکہ تم اپنی ہی بل دے کر ڈال دینا۔ بڑا
فیشن ہے' ذرا ہیرو بن کر آئے۔"

"تو فلم بنانے لگی ہے کیا..... !! تیرے سے تو ہانڈی
میں مسالا پورا نہیں ڈلتا فلم میں کہاں سے ڈالے گی؟؟"

"اماں' بس بھی کرو۔"

"بس کیوں کروں..... اب پوچھوں بھی نا آخر چکر کیا
ہے..... اے کہیں تو میرے بچے کو ملنگ بنا کر دربار پر تو
نہیں بٹھائے گی بھنگوانے کے لیے..... نا بابا نا..... بھیک
منگے سے میرا بے روزگار لنڈورا ہی بھلا....."

"آئے ہائے اماں۔" اس نے ماتھا پیٹا۔ "سب
بتادوں گی تمہیں' یوں سمجھ لو لاٹری نکلنے والی ہے اس
کی' قسمت کھل جائے گی۔ ڈالروں میں کھیلے گا
ڈالروں میں' عیش کے دن آجائیں گے۔" وہ ایک
سانس میں بول رہی تھی "جب دوسرے فائدے کا
سوچ رہے ہیں۔ تو ہم کیوں پیچھے رہیں۔"

اب اسے لمبی ہوتی کال کی بھی فکر نہیں تھی۔

غالباً" بہت جلد بھائی ڈالرز کی برسات کرنے والا تھا اور
اماں کو ہمیشہ سے ہی فوزیہ کی صلاحیتوں پر اعتماد تھا۔ آخر
زور دے کر بلا رہی ہے کچھ تو بھلا ہوگا۔ اگلے دن ہی
سارا بازار چھان بیٹے کے لیے شاپنگ کی اور بیٹی کی
طرف روانہ کیا۔ بدرنگی سی نیلی پینٹ پر ڈبل شرٹ'
دھوپ کا سیاہ چشمہ' گلے میں زنجیر نما چین ہیرو نما سے
بھائی پر فوزیہ صدقے واری جارہی تھی۔

پھر کندھے پر دھپ لگائی۔ "تجھے کہا تھا' بال رنگوا کر
کنڈل ڈلوالے..... تو کٹوا کر آگیا۔"

"اگر نہ کٹواتا ناں تو آتے جاتے لوگوں نے چندہ
دے دینا تھا۔"

"ہائے ہائے' اللہ نہ کرے۔" بہن کے دل پر ہاتھ
پڑا تھا۔ پیار کرتی اندر لے گئی۔

برابر کمرے سے پرانے زمانے کی ہالی ووڈ ہیروئن
مکمل تیار ہو کر سامنے آگئی تھی۔ آج ذرا نگاہوں میں
نہ جچ رہی تھی بلکہ دونوں ہی ایک دوسرے کو اندر تک
کھٹک رہے تھے ایک دوسرے کی کمینی لالچی فطرت
دل میں ابال اٹھا رہی تھی۔ چہرے کی مصنوعی
مسکراہٹ اٹھتے ابال پر پانی کے چھینٹے کی طرح پڑتی.....

غالباً" آج رفیق چچا اپنی بیوی اور دو عدد بچوں کے ساتھ
عرصہ دراز بعد کینیڈا سے واپس آرہے تھے۔ انہوں
نے فون پر بتایا تھا کہ وہ اپنے بچوں کے سلسلے میں بہت
پریشان ہیں۔

یقیناً" رشتوں کی پریشانی ہوگی یہ ان سب کا قیاس
تھا' اب ایسی صورت حال میں رشتے اپنے دیس میں ہی
تلاش کیے جاتے ہیں اور وہ کسی' بلکہ بننے کے لیے سر
کے بل تیار ہوگئے تھے۔ جس دن سے اماں نے دیور کی
آمد کا سنا۔ روما کے کانوں میں یہ صور پھونکا کہ
"چھچھورے وسیم سے منگنی جائے بھاڑ میں گرین
کارڈ پکڑو۔" وہ اسی دن سے اپنی جلد کی خود ہی دشمن
بن گئی۔

صبح شام فیشل' بلیچ' اٹن پیٹ کم کرنے کی
ورزشیں کرکے تھکے آکڑ گئے۔ گردن نہ ہلتی۔ پہلے
ورزش کرکے جسم آکڑایا پھر اماں سے تیل کی مالش کا
رگڑا' اوپر سے گوبھی' کدو کے سوپ الگ مگر شوق کا
کوئی مول نہیں۔ ہمہ وقت سوتے جاگتے خود کو
کینیڈا میں دیکھتی اپنی شکل میں مکمل انگریزن دکھائی
دینے لگی تھی خیالوں کی رو تو اس قدر بھٹکی کہ اپنی ساری
نسل انگریز نما چلتی پھرتی دکھائی دیتی اس نے خاصی
کوشش سے انگریزی جھاڑنا سیکھ لی تھی۔

سب مرحلے بخیر و خوبی انجام پارہے تھے۔ بس پہلا
مرحلہ بہت مشکل تھا یعنی چچا' چچی وہ خیر جائیں جہنم میں
ان کے بیٹے جونی (جنید جس کا نام اس نے خود خیالوں
میں بگاڑ لیا تھا) کو پسند آجائے وہ مر مٹے اس پر۔ یہ سب
کرنے کے لیے وہ سر توڑ بلکہ منہ پھوڑ کوششیں کررہی
تھی۔ نہ صرف بھوری ہونے کی بلکہ انگلش بولنے'

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

کھانے پینے کے طور طریقے سب کچھ۔ اچھی بھلی انگلیاں چاٹ چاٹ کر چاول کھانے والی روٹی بھی چھری کانٹے سے کھانے لگی۔ فوزیہ بھابھی سے برداشت نہ ہوا۔ وہ رعونت سے بولیں۔

"اگر اس سے تیری زبان کٹ گئی نا' باہر والے تو کیا یہاں کے بھی پسند نہیں کریں گے۔۔۔ گونگی کو۔" روما جواب نہ دے ممکن ہی نہیں۔

"اور وہ جو آپ کا بھائی ہے ناں۔۔۔ چھچھوراوسیم بلکہ چھوہاراوسیم۔۔۔" اس نے چھوہارے پر خوب زور دیا تھا۔ "سب جانتی ہوں کس چکر میں روز پھیریاں مار رہا ہے' اندھیرے میں کالا چشمہ لگائے پھرتا ہے' اندھا سمجھ کر موہنی (منیبہ) دیکھے گی تو کیا تھوکے گی بھی نہیں۔"

"ہم نے تھکوانا بھی نہیں۔" بھابھی ہاتھ لہرا کر آئیں۔ "سینے سے لگانا ہے۔"

"ہونہہ۔۔۔!" اس نے تنفر سے گردن جھٹکی۔ "سینہ ہے آپ کے کن کھجورے جیسے بھائی کے پاس' لگانے کے لیے۔"

"اوہو۔۔۔" بھابھی نے آستین چڑھالیں۔ "تو بڑی پرستان سے پلٹی لگ رہی ہے' دور تک بل بتوڑی۔"

"میرا منہ نہ کھلوانا بھابھی' ورنہ بھاگ جاؤ گی۔"

"اتنی بدبو آرہی ہے تو نہ کھول کم بخت کو۔"

"بھابھی۔۔۔" وہ دانت جما کر بولی۔ "زیادہ رانا ثناء اللہ مت بنو۔"

"تو تو جیسے گھنگھنیاں ڈالے ممنون حسین بنی ہے نا۔۔۔ کم نہیں ہے کسی سے۔ استغفراللہ' شکر ہے میرے معصوم بھائی کی جان چھوٹ رہی ہے تجھ سے' وہ کہاں تک مقابلہ کرتا۔"

پھر تو لفظوں کی ایسی دھینگا مشتی شروع ہوئی کہ بس گریبان پکڑنے کی کسر رہ گئی تھی اور بھابھی کے دونوں بچے جلسے کے مظاہرین بنے ہاتھ اٹھا اٹھا کر۔

"ممامما۔۔۔ پھپھو پھپھو۔۔۔" نعرے مار رہے تھے آخر میں بھابھی کا سارا زور ان ہی معصوموں پر ٹوٹا۔ غالباً" نعرے بازی کے دوران وہ سالن کی ساری اچھی اچھی بوٹیاں نکال کر کھا گئے تھے اور ساتھ کھیر کے ڈونگوں کی بادامی ہوائیاں بھی۔ اب دہری مصیبت ٹھہری تھی۔ ایک تو مہمانوں کے لیے بچا کچا کھانا بچا تھا دوسرا فریج میں گوشت ختم' کچھ دیر تو بھابھی نے اپنی قسمت کو کوسا کیوں اس منحوس کے منہ لگی تھی۔ آئندہ اس چڑیل سے کلام تک نہیں کروں گی پھر اپنی تازی تازی کھائی قسم پر خود ہی لعنت بھیجی۔

"چڑیل۔۔۔ بندریا ہے تو اپنے لیے' مجھے کیا۔"

کڑوا سا منہ بنا کر قدرے بدلے لہجے میں پکارا تھا۔

"او۔۔۔ مس یونیورس! ادھر آکر لہسن پیاز چھیل دے۔۔۔ میں ذرا چوک سے مرغی لے آؤں۔" عام حالات میں تو روما کبھی بھی نہ اٹھتی جتنی کچھ دیر پہلے ان کی ٹھنی تھی۔ مگر اس وقت معاملہ اپنی عزت کا بھی تھا۔ بچا کھچا کھانا جونی کے سامنے بے عزت کرواسکتا تھا اور کینیڈا کا خواب' خواب ہی رہ جاتا۔ وہ منہ کے زاویے بگاڑتی فوراً" اٹھی' کچن میں آگئی۔ ہاتھوں پر شاپر چڑھا' لہسن پیاز چھیلنا شروع کردی۔

وسیم اسی وقت گھر میں داخل ہوا تھا۔ غالباً" ان کی گولہ باری کے پہلے مرحلے میں ہی وہ وہاں سے کھسک گیا تھا۔ اسے پورا یقین تھا اب یہ جلدی تھمنے والی تو ہے نہیں مبادا توپوں کا رخ میری طرف ہی ہوجائے۔ جب آپا کو چوک کی جانب بڑھتے دیکھا تو کالر جھاڑ خود اندر داخل ہوگیا۔ اسے کچن میں مصروف دیکھ کر وہ ادھر ہی آگیا تھا۔

گلا کھنکھار کر کچھ دیر کھڑا رہا مگر اس نے توجہ نہ دی پھر آگے بڑھ' شلف پر رکھی پیالی سے بادام اٹھا کر چھری سے کترنے لگا۔ اور کن انکھیوں سے اسے بھی دیکھ رہا تھا۔ وہ کئی دن سے اس سے بات کرنا چاہتا تھا مگر موقع نہ ملتا تھا۔ آج گنوانا نہیں چاہتا تھا۔

"آہم" کر کے شروع ہوا۔

"تم اگر بھوری بندریا بننے کی کوشش نہ بھی کرو' تب بھی خوب صورت ہو اور مجھے پسند بھی۔ مگر کیا کروں یار' یہاں تو کوئی کام مل نہیں رہا پھر گرین کارڈ کی اٹریکشن کم بخت ہر جذبے پر غالب آجاتی ہے' مجبوری

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہے معاف کرو بنا۔

"بھوری بندریا۔" پر اس نے نتھنے پھلائے تھے اور غرائی تھی۔

"مجھے بھی کسی وقت یہ سوکھے چھوہارے جیسا منگیتر دل جان سے قبول تھا۔۔۔ مگر کینیڈین پارک اور سڑکیں پکار رہی ہیں مجھے۔۔۔ اس لیے معذرت۔"

"تم۔۔۔ وہاں جا کر سڑکیں دھوؤ گی۔۔۔!" وسیم کو تعجب ہوا۔

"دھوؤں گی نہیں بلکہ ان پر گاڑی دوڑاؤں گی۔۔۔ اور تم وہ گاڑی دھویا کرو گے۔۔۔ ہونہہ۔"

"خیر یہ تو وقت فیصلہ کرے گا کون وہاں کیا کرتا ہے۔"

وسیم نے مطلب کی بات کی اور ان کے بیچ یہ طے ہوا تم میرے معاملے میں ٹانگ اڑانا نہ ہی میں تمہارے میں اڑاؤں گا۔ بلکہ اک دوجے کی راہ ہموار کریں گے۔ ہاں البتہ مستقبل میں سوچا جا سکتا ہے کہ وہاں جا کر کیا کرنا ہے۔ بھئی ایک شادی دماغ سے اور ایک دل سے بھی ہو سکتی ہے۔ وہ خاموشی سے وسیم کی پلاننگ سنتی رہی پھر قدرے خفگی سے بولی۔

"ضروری نہیں ہے کینیڈا جا کر بھی میری ترجیحات میں کوئی شامل ہو۔"

"او میڈم۔۔۔" اس نے چھری شیلف پر پٹخی اور چڑ کر بولا۔ "مجھے بھی وہاں چھپکلیاں پالنے کی ہرگز خواہش نہیں ہوگی۔"

"یہ چھپکلی کسے کہا ہے؟" ہانڈی چھوڑ وہ لڑاکا عورتوں کی طرح تنی کھڑی تھی۔ جواباً اس نے صاف گوئی سے کام لیا۔

"تمہیں اور کسے۔۔۔"

"اپنا آپ دیکھا ہے' تارکول جیسا۔۔۔ تمہارے جیسے کو تو میں گیٹ کیپر بھی نہ رکھوں۔"

"میں تو جیسے تمہیں ماسی بنانے کے لیے مرا جا رہا ہوں۔۔۔"

"منہ دھو رکھو۔"

"تم بھی دھو رکھو۔"

یوں جی کل ہی مک گئی۔ دونوں نے اپنے اپنے حسن کی قسم کھائی کہ اگر جوئی' موہنی کو متاثر نہ کر دیا تو اپنے نام بدل لیں گے۔ بھلے دل سے دونوں اس نئے بننے والے رشتے پر قطعاً" راضی نہ تھے مگر ضد اور پھر کینیڈا کا خواب' دونوں نے دل میں اٹھتی ٹیسوں پر بالکل کان نہ دھرے۔

☆ ☆ ☆

رفیق چچا بڑی سی ٹیکسی میں اپنی فیملی سمیت اترے تھے۔ بھیا انہیں ایئرپورٹ پر لینے گئے تھے اور اب سب گھر والے پھولوں کی بارش میں ان کا استقبال کر رہے تھے۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ تھی۔ خود غرضی کی بھی' کسی حد تک اپنائیت کی بھی۔ البتہ روما اور وسیم اس میں بھی قاصر ہی رہے۔ انہوں نے بہت مسکرانے کی کوشش کی لیکن کلیجہ اچھل اچھل منہ کو آتا۔ فوزیہ بھی دھک سے رہ گئی جب ان کے برفانی گینڈے نما بچے جنید اور منیبہ کو دیکھا۔

خون خشک' آنکھیں ابل پڑیں۔ اتنے بھاری بھرکم۔۔۔ کم از کم تین تین من کے تو ہوں گے ہی۔ باہر سے سب کے ہاں اچھے بھلے انسان نما مہمان آتے ہیں اور ان کے ہاں سرکس نما کہ چھپاؤ بھی تو نہ چھپیں۔ یک لخت اوس سی پڑ گئی۔ گرین کارڈ سگنل نے پھر سے جوش مارا۔

"بھاڑ میں جائے کم بختوں کا وزن' اپنے ہی پیروں پر اٹھاتے ہیں۔"

اور لگ گئے سب خدمتوں میں۔ وسیم اور روما کو بھی ان کی اماؤں نے کسی نہ کسی طرح راضی کر ہی لیا تھا۔ اماں الگ خوش مزاجی کے مظاہرے کرتیں' بھابھی الگ اور وہ دونوں بیچارے بھی نہ چاہتے ہوئے بجھ بجھ جاتے۔

رفیق چاچا کو آئے کئی دن گزر گئے تھے۔ ان سے ملنے آنے والے رشتے داروں کی آمد کا تانتا بھی اب خاصا تھم چکا تھا۔ اب گھر میں صرف گھر والے تھے یا پھر ان کی اکلوتی بڑی بہن فوزیہ کی امی۔ انہوں نے پہلے دن ہی اعلان کر دیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

"میرا بھائی جتنے دن رہے گا' میں تو یہاں ہی رہوں گی' غلام حسین کے سالے کا بیٹا جب بھی آتا ہے اس کی بیوی۔۔۔"

"ہاں ہاں اماں۔ آپ رہو آپ کو کون منع کر رہا ہے۔" بھابھی فوزیہ نے ان کی بات کاٹ کر فوراً" ان کے رہنے کی تائید کی تھی۔ گھر میں چونکہ صرف وہی غیر تھیں' رش نہیں تھا۔ بھابھی نے وسیم سے کہہ دیا۔

"وسیم جانی! موہنی کو اپنے شہر کی سیر کرواؤ نا۔۔۔۔ اسے بھی تو یہاں کا کلچر پتا چلنا چاہیے' کتنے محبت کرنے والے لوگ ہیں۔۔۔۔ اس شہر کے۔"

"بھیا کھانا کھا رہے تھے۔ رومال سے منہ پونچھتے' تمام حلاوت بالائے طاق رکھ' صفائی سے کہا۔

"بے شک۔۔۔ لیکن میری بائیک پر نہ لے جانا' پنکچر ہو جائے گا۔ آگے ہی پیسے نہیں ہیں ٹھیک کروانے کے۔"

اماں نے ڈپٹا' ساس نے گھرکا اور بھابھی دانت کچکچاتی رہیں' نگران کی بلا سے۔ بھئی اپنی عاشقی اپنی جیب سے' اٹھتے ہوئے مشورہ دے رہے تھے۔

"آٹو رکشے پر لے جاؤ' انہوں نے کہاں ایسی سواری دیکھی ہوگی۔"

"اگر وہ پھنس گئی' نکالے گا کون۔۔۔۔؟"

وسیم کی سرگوشی پر روما کو مسکراہٹ چھپانا مشکل ہو گیا تھا۔ بھابھی اندر تک تلملائیں اور مصنوعی مٹھاس آواز میں بھرتے ہوئے سمجھایا۔

پیدل جاؤ نا۔ چلنے پھرنے سے ایک تو ویٹ لوز ہوتا ہے' واک ہو جائے گی اور پھر موقع ملتا ہے ایک دوسرے سے باتیں کرنے کا' سمجھنے کا۔ کیوں موہنی جانی۔"

اس نے موبائل پر گیم کھیلتے ہوئے تائیداً" سر ہلایا پھر کوئی اور پیج کھول کر بیٹھ گئی۔ غالباً" اسے ان کی باتوں میں کچھ خاص دلچسپی نہیں ہوئی تھی۔

اماں نے روما کو الگ خدمت گزاری پر لگا رکھا تھا۔ چچا' چچی کی کم جونی (جنید) کی زیادہ۔ انگریزی بولنے اور آگے پیچھے منڈلانے کی خاص ہدایات تھیں۔ اماں نے تو یہاں تک آرڈر دیا تھا۔

"جونی کے سارے کام آج سے تم کرو گی۔"

"آئے ہائے اماں۔۔۔!!!" وہ سٹپٹا گئی۔ "سب کام؟"

"کم بخت! سب نہیں اس کے سونے' جاگنے' کھانے پینے' کپڑے لتے کا تم نے دھیان رکھنا ہے۔ کیا کھانا ہے' کیا پہننا ہے' کیا کیا پسند ہے۔۔۔"

"تو یوں کہو نا کہ اس کے باڑے (اصطبل) اور کھرلی (ناند) کا ذمہ میرے اوپر ہے۔"

اس کے انداز کی ناگواریت پر اماں نے جھانپڑ جڑا۔

"منحوس! اس بیل کے ساتھ عیش بھی تو' تو ہی کرے گی' تب یاد کرے گی اماں کے مشورے۔"

اماں کے مشوروں پر وہ چار و ناچار عمل کر رہی تھی۔ یہ چند دن بعد کی بات تھی جب وہ اس کے استری شدہ کپڑے اس کے کمرے میں رکھنے گئی۔ وہ بیڈ پر لیٹا فلم دیکھ رہا تھا۔ کپڑے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"ویسے ہمیں یہاں آنے کا فائدہ ہو گیا' ہمیں کوئی کام کرنا نہیں پڑ رہا۔ آپ جتنی خوب صورت ہیں' اس سے زیادہ خوب صورت کام کرتی ہیں۔"

وہ تو یہ جملے سن کر جانے خوش ہوئی تھی یا نہیں۔

اماں حسب عادت پیچھے پیچھے آتی دروازے میں سر جوڑے کھڑی تھیں۔ سنتے ہی خوشی سے اچھلتی اچھلتی رکیں۔

"تو جی گل ہی مک گئی' کڑی تے پسند آ گئی۔ چٹ منگنی پٹ بیاہ اور فٹافٹ کینیڈا۔" اور اس دن تو اماں کا دل دھڑ دھڑ کر کے سوکھی پسلیاں توڑ جھولی میں گرنے کو تھا جب رفیق چچا نے ان سے کہا۔

"بھابھی' مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں' ہاں تو کرو۔" خوشی میں ان کے منہ سے پانی بھی ٹپکنے کو ہو گیا۔ بڑی بہن یعنی فوزیہ کی والدہ مہینے بھر سے یہیں براجمان تھیں' سنتے ہی اندر تک کڑواہٹ سے بھر گئیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"بھائی میرا اور باتیں بھاوج سے' ساری دنیا کے بھائی اپنی بہنوں سے مشورے کرتے ہیں' پیغام بھجواتے ہیں مگر یہاں..... یہ تو شروع دن سے ہی بے دید ہے۔" ان کے اندر حسد کی کشتی جاری تھی اور چچا نے شاید ان کا چہرہ پڑھ لیا یا پھر آپا کی عادت سے واقف تھے کہ بال کی کھال اتار لیتی ہیں۔ ایک بار شروع ہو جائیں تو چپ کروانا مشکل۔ اسی لیے دھیمے سے کہہ دیا۔

"بھابھی ابھی نہیں' پھر کسی مناسب وقت پہ کروں گا۔"

بس جناب اتنی سی بات ہوئی تھی اور اماں کے پاؤں زمین پر نہ ٹکتے سارے محلے میں نشر کر دیا۔ "میری روما کینیڈا جانے والی ہے' میں تو خود وہیں چلی جاؤں گی' یہاں تو مکھی مچھر ہی جان نہیں چھوڑتے' بغیر مچھر دانی کے کیسی سہانی نیند آئے گی..... اے میرے اللہ۔" سینے پر ہاتھ رکھ جھوم جھوم گئیں۔

روما کو بھی صبر آ گیا۔ "چلو کینیڈا کی سیر ہاتھی کے ساتھ ہی سہی۔" ویسے تو اس کا جی چاہتا تھا کہ رندا لے کر جونی کے چہار اطراف پھیر دے..... کچھ تو ماس جھڑے۔ بس یہ جی ہی چاہتا تھا' عمل نہ کر سکی۔

اور فوزیہ کی اماں صبح شام ہاتھ مل رہی تھیں۔

"بھابھی سے تو بات طے ہونے والی ہے' مجھ سے جانے کب کرے گا۔"

اماں کچن میں دودھ پتی چیک کرنے آئی تھیں جو خاص طور پر چچا کے لیے تیار کی جا رہی تھی۔ ایک الائچی منہ سے توڑ کر بیچ میں ڈالی' میٹھا چیک کیا۔ فوزیہ کی اماں بھی دوپٹا کانوں پہ' اڑستی پیچھے پیچھے آ گئیں۔

اور پکارا۔

"بھابھی!"

اماں نے بھرپور رعونت سے گردن پھیری جیسے کینیڈا کی خاتونِ اول منتخب ہو چکی ہوں۔

"کیا ہے.....؟"

آپا کو ذرا فرق نہیں پڑا بھابھی کے خاتون اول بننے کا' ان کی تو بس یہ خواہش تھی ان کے وسیم کو بھلے مردود یا سوئم ہی بنوا دو پر بنوا دو۔ وہ پیار بھرے انداز میں بھابھی کے کندھے پر ہاتھ رکھے شیرنی ٹپکانے لگیں۔

"بھابھی جب بھیا روما کا رشتہ مانگیں تو تم وسیم کا موہنی کے لیے ڈال دینا۔"

"اے رقیہ! تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ میری روما گوری چٹی' دبلی پتلی' اونچی لمبی' جو دیکھے پسند کرلے اور کہاں تیرا کالا کلوٹا' سوکھا چھوہارا وسیم۔ سجے گا بھلا موہنی کے ساتھ۔"

آپا کو ان کی بات پر بے حد غصہ آیا۔ جی چاہا چٹی چائے کی پتیلی ان ہی پر الٹا کر دھمالیں ڈالے یا پھر ان کی پچھلی سات کالی نسلیں خوب چمگادڑ جیسی تشبیہات کے ساتھ یاد کروا دیں مگر اس وقت مسئلہ اپنے بیٹے کے مستقبل کا تھا۔ پیٹ میں بھلے بل پڑے' مروڑ اٹھے مگر چہرے پر شکن تک نہ لائیں۔

"بھابھی! یتیم بچہ ہے میرا' اس کا بھلا کرو گی تو اللہ سے بھلا پاؤ گی..... جمعے کی تقریر میں مولوی کفایت اللہ نے یتیموں پر....."

"اے اچھا' اچھا رقیہ۔" اماں نے فوراً انہیں روکا بیشتر اس کے کہ وہ پورا یتیم نامہ کھول لیں۔ "تم دم تو لو' کروں گی' ضرور کروں گی اپنے وسیم کی بات۔ کیوں نہیں کروں گی بھلا' میرا بھی بچہ ہے وہ۔"

پھر دم بھی سری پاؤں کا دم ہی ہو گیا جو کھلنے میں ہی نہ آتا تھا۔ اماں نے کتنی کوششیں کیں۔ رفیق کو گھیر گھار کر موضوع کی طرف لاتیں۔ جہاں انہیں تنہا بیٹھے دیکھا۔ لفظوں کا رن وے تیار کرنے لگ جاتیں۔ بچوں کے رشتے' شادی' ان کا مستقبل' اڑوس پڑوس کی مثالیں۔

چچا نے سرد آہ بھری۔ "بس بھابھی! ہم بھی بچوں کی طرف سے پریشان ہیں۔"

"لے تجھے کیا پریشانی' اپنے چاروں طرف رشتے ہیں تو اشارہ تو کر۔"

"بھابھی جان' صرف رشتے ہی تو نہیں اور بھی کچھ دیکھنا ہے۔" اماں سمجھ داری کا مظاہرہ کرتیں رازدارانہ انداز میں قدرے اور قریب سرکیں' بھیا کچھ دیر پہلے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہی دکان سے لوٹے تھے ہاتھ منہ دھو سیدھے ادھر آگئے۔ مونڈھا کھینچ قریب بیٹھ گئے جیسے چچا اہم اعلان کرنے لگے ہوں۔

"بھابھی کینیڈا کے حالات اب زیادہ اچھے نہیں رہے خاص کر پاکستانیوں کے لیے سکھ تو وہاں خوش رہ رہے ہیں لیکن ہم پاکستانی اف۔۔۔ ہمیں ایسے گھورتے ہیں جیسے ہم بم لیے پھر رہے ہوں جہاں جی چاہے ذلیل کر کے رکھ دیتے ہیں ایسی ایسی تلاشی لیتے ہیں کیا ذکر کروں۔"

وہ پھر گویا ہوئے۔

"ہم نے تو پھر صفائیاں کر کے گوروں کے کتے نہلا کے جیسے تیسے گزارا کر ہی لیا مگر یہ نئی نسل یہ سب کرنے والی نہیں اسکولوں میں تو اتنا مسئلہ نہیں تھا مگر کالج یونیورسٹیوں میں توبہ توبہ۔۔۔ جنید کی تو کئی بار وہاں لڑائی بھی ہو چکی ہے اسی لیے سب کچھ سمیٹ سماٹ یہاں شفٹ ہونے کا سوچا۔ کچھ جمع پونجی ہے سوچ رہا ہوں کوئی چھوٹی موٹی دکان ڈال لیتا ہوں جیسے وہاں سوکھے برگر باسی بسکٹ کھانے کو مل رہے تھے ویسے تو یہاں بھی کھالیں گے پر عزت تو ہوگی۔"

بھابی کی آنکھیں ان کے ہر جملے پر سکڑتی ہاتھوں پر ٹھہر گئیں۔ سخت محنت کش کھردرے ہاتھ۔

"پیسہ جمع کرنے کی دھن میں اپنی توانا عمر پردیسیوں پر لٹا کر پھرتی واماں۔ ہونہہ! یہ اپنی مٹی ہی کا ظرف ہے جو بڑھاپے کی کمزور جان کو بانہوں میں سمیٹ لیتی ہے اور جوان و توانا بے روزگاروں کے اکڑے قدم بھی اپنے سینے پر برداشت کرتی ہے اور یہ تو پھر جس قسم کی ننگی عزت افزائی کے بعد آئے انہیں بھی پناہ دے ہی دے گی۔"

چچا کچھ دیر توقف سے بتا رہے تھے۔ "جنید کا رشتہ میں نے اپنے ایک پرانے دوست کے گھر گجرات میں طے کر رکھا ہے اور منیبہ کے لیے بھی ایک دو جگہ بات چل رہی ہے۔ بھابی اگر آپ کی نظر میں منیبہ کے لیے کوئی اچھا لڑکا ہے تو ضرور بتائیں وہ بھی دیکھ لیتے ہیں بس لالچی نہ ہوں جہیز وغیرہ کے لیے زیادہ سرمایہ نہیں ہے میرے پاس۔"

اماں کا تو سنتے ہی ہارٹ فیل ہونے کو تھا۔ لوڈ شیڈنگ کے سبب پہلے چاچا کو تیز تیز۔ ہاتھ کا پنکھا جھل رہی تھیں۔ وہ ہاتھ یک لخت گود میں جا گرا۔ جی چاہا پنکھے کی ڈنڈی چاچا کی کھوپڑی میں ٹھونک دیں۔ دل ہی دل میں گالیاں کوسنے دینے شروع کردیے۔

کم بخت! پہلے نہیں پھوٹ سکتا تھا۔ ٹٹ پونجیا آرہا ہے خوامخواہ خاطریں کیں اتنی رقم مہمان داری پر لگائی صرف اس کے لیے اوپر کے پورشن کو سیٹ کروایا۔ سب کچھ اکارت چلا گیا اچھا بھلا بلا ہر دفع ہو گیا تھا۔ اب آگیا پانچ مرلے کے گھر میں بھیڑ بڑھانے کو چار چار بندوں کی جگہ تو ایک سانڈ سا بچہ لیتا ہے اکیلا کل کلاں گھر میں سے حصہ بھی مانگے گا بدبخت بدنصیب کینیڈا کو ٹھوکر مار کر آگیا کیا تھا دیتا رہتا تلاشی کون سا جان سے مار رہے تھے کم از کم ہم تو سکھ سے رہتے اور وسیم۔ ہائے ہائے اسے نظر انداز کر کے اس چھچھورے کا دل بھی میلا کیا کہاں جاؤں کیا کروں محلے والے الگ پوچھیں گے۔ اماں کا غم کسی طور کم نہ ہو رہا تھا یہاں تک کہ ان کے لائے ہوئے تحائف کپڑے اور جوتے ان ہی کے سر میں بجانے کو بے حد دل چاہا۔

بھابھی فوزیہ یہ ساری مسہری مونڈھا کانفرنس دروازے سے کان لگائے بہت غور سے سن رہی تھیں البتہ ان کی اماں دوا کھانے کے بعد نیند کے غلبے میں تھیں اور اس سب سے فیض یاب ہونے سے رہ گئیں ورنہ وہ تو بھائی کی ایسی دھجیاں اڑاتیں کہ اللہ کی پناہ۔ آخر ایک مہینے سے اپنا گھر بار چھوڑے بیٹھی تھیں اور جو چھوٹی موٹی نوکری وسیم ان دنوں کر رہا تھا وہاں بھی اسے جانے نہ دیا۔

"کیا کرے گا یہ غریبوں والی نوکری کر کے کینیڈا جا کر اپنا سپر شٹور (اسٹور) کھولنا جس طرح خلیل کے بہنوئی نے کھول لیا تھا اور۔۔۔" اور جانے کیا کیا کس کس نے کھول لیا تھا۔ لیکن اس وقت بھابھی کا جی اپنا یا پھر ماموں کا سر کھولنے کو کر رہا تھا جیسے ہی انہوں نے سنا کینیڈا ہمیشہ کے لیے چھوڑ آئے تو منہ سے نکلا۔

"لکھ لعنت!"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اور جب کنگال معاشی حالت کا رونا کان میں پڑا تو باقاعدہ بند دروازے کو پنجہ دکھایا اور منہ بگاڑ کر بولیں۔
"تھوڑی سی جمع پونجی ہے وہ بھی دکان کے لیے۔ ہونہہ، اس موہنی کے لیے رشتہ ہم دیکھیں۔ وہ کنگلی سفید ہتھنی میرے بھائی کے لیے رہ گئی ہے' درفتے منہ۔ وہاں ہی کریں جہاں ایک دو دیکھ رکھے ہیں۔"
وہ انہیں غائبانہ گالیوں سے نواز رہی تھیں اور جوڑ جوڑ درد سے اکڑ رہا تھا۔ غالباً" ان کی آمد سے پہلے اماں نے ساری صفائی ان ہی سے کروائی تھی۔ انہوں نے بھی خوش ہو کر خوب جوش و خروش سے کی۔ کمرے میں لگی سبز کائی کو برش سے خوب رگڑا۔ جب صاف نہ ہوئی تو کھلا تیزاب منگوا کر صاف کیا تھا۔ تیزاب کے ننھے منے چھینٹے اور دھسک جو اس وقت قطعاً" محسوس نہ ہوئی تھی اس وقت گلے میں پھندے کی صورت اٹک گئی تھی۔ بچے ہوئے تیزاب کی بوتل کو انہوں نے خونخوار نظروں سے دیکھا۔
جی چاہا ماموں مامی پر الٹ آئے۔ کتنے دن سے خدمتیں کروا رہے ہیں۔ پھوٹے ہیں تو یہ "لٹ پٹ کر آئے" پچھتاوے نے الگ ڈیرا ڈال لیا۔ "روما کے سامنے جو بڑے بڑے دعوے کر رکھے تھے 'بدبخت خوب مذاق اڑائے گی۔" چلو وہ کون ساج کر کے آئی ہے' ہوا تو اس کے ساتھ بھی وہی جو ہمارے ساتھ ہوا۔ یہ سوچ کر دل کو قدرے تسلی ہوئی۔
"ہم نے کون سا رشتہ ختم کر دیا تھا' منگنی کا سامان تو دونوں ندیدے کمینے کب کا استعمال کر چکے' کون سا پلٹایا ہے۔"
وہ دروازے سے سر جوڑے جانے مزید کیا سوچ رہی تھیں کہ اچانک سے وسیم اور روما انتہائی بوکھلائے ہوئے گھر میں داخل ہوئے۔ "وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ موہنی' جونی گم ہو گئے۔"
وہ بیک زبان بولے تھے۔ غالباً" اس دن موسم صبح سے ہی خوش گوار تھا۔ موہنی جونی کا اندرون بازار دیکھنے کو بہت دل چاہ رہا تھا۔ ویسے بھی ملتان کی عمارتیں اور تاریخی دروازوں فصیلوں کے بارے میں بہت سن رکھا تھا۔ موسم خوش گوار دیکھ کر پروگرام بنا لیا۔ اس وقت تک اماں' بھابھی سب نچھاور تھے۔ کچھ رقم تھما کر انہیں ٹیکسی میں قاسم بیلا سے حرم گیٹ تک جانے کی ہدایت کی تھی۔
حرم گیٹ کا گہرا بازار پر رونق کھچا کھچ بھرا' کہیں ٹھیلے' کھٹے ریڑھیاں تو کہیں چھوٹی چھوٹی دکانیں مال سے کم بندوں سے زیادہ بھری ہوئیں کبوتر گلی میں سے گھس کر روما چوڑی بازار کی طرف مڑ گئی۔ چھوٹی چھوٹی تنگ تنگ گلیاں تھیں حسب عادت روما وسیم ہر سیل پر رک رہے تھے۔ رنگین دوپٹوں پر پچاس فی صد سیل لگی تھی۔ وہ وہاں رک گئی۔ وسیم برابر چھٹے پر بینٹس دیکھنے لگا۔ پھر ان کی بلا سے۔ بم پھٹے قیامت آئے' آگ لگے' ایسی جگہ تو انہیں اپنا ہوش نہیں رہتا تھا۔ ان کا کیا دھیان رکھتے۔ اتنا یاد تھا وہ ایک سی ڈیز کی ریڑھی پر رکے تھے پھر ریلہ دیکھتے جانے کہاں سے کہاں نکل گئے۔ وسیم اور روما جب دونوں چیزوں میں نقص نکال اور مہنگائی پر دکان داروں کو صلواتیں سنانے لگے۔
"تمہارے ساتھ باہر کے مہمان دیکھ کر تمہارے دماغ زیادہ ہی عرش پر پہنچ گئے۔ اتنی قیمت۔"
اس وقت وہ کینیڈین یاد آئے تھے اور مڑ کر انہیں دیکھا پھر تو ہر جگہ دیکھا۔ سارا بازار چھان لیا۔ نوٹوں کے ہاروں والی دکانیں' ٹھنڈی کھیر کے ٹھیلے' سہروں کے پھٹے' موبائل شاپس' جوتی' جیولری' گارمنٹس سب کھنگالیں۔ سوئی تو تھی نہیں جو نہ ملتی۔ جب تھک گئے تو گھر کی طرف دوڑ لگائی تھی۔
بھابھی فوزیہ نے سنتے ہی ایسی آواز نکالی جیسے چیونگم کا پٹاخہ بجا ہو۔ "وہ کہاں گم ہو سکتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں چھوڑ جائے گا کوئی نہ کوئی' الگ ہی چمک رہے ہوں گے سفید بھینسے سے۔"
وسیم' روما نے حیرت سے اک دوجے کو دیکھا کہ انہیں کیا ہو گیا۔ کچھ دیر پہلے تک تو وہ جگر جان تھے اور اب سفید بھینسے اور جب وسیم نے بتایا۔ "آپا آپ کا پپو اور ببلی بھی ان ہی کے ساتھ ہیں۔"
بھابھی کا دوہتڑ سینے پر پڑا تھا۔ "ہائے بدبختو! میرے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بچے کہاں چھوڑ آئے' ستیاناس ہو تمہارا! اپنی عاشقی معشوقی میں میرے معصوموں کا دھیان بھی نہ رکھا۔۔۔ مردودوں۔"

ان کے شور شرابے پر سارا گھر اکٹھا ہو گیا۔ یہاں تک کہ ان کی اماں بھی دوائی کے اثر سے باہر آگئیں اور اپنے عزیزوں' پڑوسیوں کے بچوں کے حادثات و اغوا کی ایسی ایسی کہانیاں سنائیں کہ فوزیہ غش کھا کھا گرنے کو تھی۔ سب لوگ پریشان تھے اور خود تلاش کرنے کا پلان بنا رہے تھے کہ اتنے میں چچا کا موبائل تھرتھرایا۔ انہوں نے بٹن دبا کان سے لگالیا۔

"آپ کے کینیڈین مہمان ہمارے قبضے میں ہیں' دس ہزار امریکی ڈالرز لے کر چوک سلطان النگ آجاؤ' بندے لے جاؤ۔"

فون کھٹ سے بند۔ یک مشت اتنی رقم! اچھی زور سے رونے لگیں۔ بھابھی نے دہلتے ہوئے اپنے زیور کا بھاؤ لگانا شروع کیا۔ بھیا سر کھجاتے اپنی چھپائی ہوئی سیونگ سوچ رہے تھے۔ رفیق چچا نے کام کی بات کی تھی۔

"ہمیں اس طرح پریشان ہونے کے بجائے' پولیس میں اطلاع دینی چاہیے' پولیس آخر ہوتی کس لیے ہے۔"

فوزیہ کی اماں تو سنتے ہی ایک فٹ اچھلی تھیں۔

"او' فیقے! تجھے نہیں پتا یہاں کی پولیس ویلس کا۔۔۔" پھر انہیں اپنے اس رشتے دار کا قصہ یاد آگیا جنہوں نے بچے کی گمشدگی کی اطلاع پولیس میں کی تھی' بے چاروں نے تاوان بھی بھرا اور روصولی میں بچے کی نعش ملی۔

"وسیم۔۔۔!" بھابھی فوزیہ نے بازو لہرا کر نعرہ مارتے ہوئے بھائی کو پکارا تھا۔ "اماں کو دوائی پلا کر سلا دے ورنہ میں ہمیشہ کے لیے سو جاؤں گی۔"

"بھابھی حوصلہ رکھو۔ مل جائیں گے سب۔"

اس عرصے میں روما پورے خلوص کے ساتھ بھابھی کے قریب آئی اور انہیں اپنے ساتھ لگایا تھا۔

"دفع ہو منحوس۔" انہوں نے اسے جھٹک دیا۔

"تمہاری لاپروائی نے یہ دن دکھایا ہے۔"

"کوئی رونے پیٹنے' بین ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔" اماں جو بہت دیر پہلے سے ہی رفیق چچا کے انکشافات پر جلی کلسی کھڑی تھیں نخوت بھرے انداز میں فرما رہی تھیں۔ "اغوا کار کہاں تک کھینچیں گے ان بلڈوزروں کو' تھک ہار کر خود ہی چھوڑ جائیں گے۔"

"ہائے اماں! اتنی سنگدل مت بنو۔" فوزیہ نے پھر ماتم شروع کر دیا۔ "تمہارے پوتا پوتی بھی ان کے ساتھ ہیں۔۔۔ ہائے میرے لال۔"

"ہاں تو تیری تربیت پر پورا بھروسہ ہے مجھے' اغوا کاروں کا منہ نیلا پیلا کر دیں گے تیرے لال اگر کھانے کو کچھ نہ دیا تو۔"

دراصل اماں کو فی الوقت چچا کی باتوں سے جو دکھ تھا سو تھا' مگر بچوں کی بھوکی فطرت پر جو کچھ برسوں ان کے ساتھ ہوا اس کا دکھ نہیں گیا تھا۔ ساتھ والی خالہ نے قیمہ بھرے کریلے پکائے تھے۔ ایک ڈونگا خاص طور پر رفیق چچا کے لیے بھجوایا کہ چلو پردیس سے آئے ہیں' دیسی کھانوں کی ضیافت بھی اڑالیں۔ اماں نے ڈونگے سے دو تین کریلے نکال کر ایک گلاس میں چھپا فریج کی فروٹ باسکٹ میں چھپا دیے تھے۔ اس لیے کہ بے وقت کی بوڑھی بھوک میں خاموشی سے کھالوں گی۔

رات کے بارہ بجے جب انہوں نے گلاس نکالا تو کریلے کے خالی خول ان کا منہ چڑا رہے تھے۔ انہیں سو فی صد یقین تھا ہو نہ ہو یہ ان ندیدوں کا ہی کام ہے۔ اگلے دن مان بھی گئے۔ ان خالی چھلکوں کی کڑواہٹ اس وقت اماں کے لہجے میں در آئی۔

"ایسی ندیدی فطرت کے بچے جنہیں نانی دو دن سے زیادہ نہ رکھ سکے اغوا کار بے چارے کہاں تک سنبھالیں گے۔ ہاتھ جوڑ کر چھوڑ جائیں گے ان یاجوج ماجوج کی اولاد کو۔"

"اماں' میری غیرت کو گالی نہ دو۔۔۔ وہ خالص میری اولاد ہیں۔" بھیا کی غیرت جوش میں آئی تھی جو اماں کا دھموکا کھا کر دبک گئی۔

"تو کم بخت اسی لیے کہتی ہوں ان کے پیٹوں کا علاج کروالے کیڑے اب تک سانپ بن گئے ہوں گے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

گھر میں مچے اس ہنگامے کو چچا رفیق اور چچی صالحہ حیرت سے دیکھ رہے تھے البتہ باقی سب کے لیے معمول کی بات تھی۔

اماں کا قیافہ درست نکلا تھا۔ دکھی دل پر ویسے ہی الہام اترتے ہیں۔ اماں نے سچ کہا تھا خود ہی چھوڑ جائیں گے ایسا ہی ہوا۔

دراصل وہ ریڑھیوں پر رکتے رکاتے ایک تنگ گلی کی جانب مڑ گئے۔ تھوڑا سا آگے تک چلنے پر سامنے النگ دکھائی دے رہا تھا۔ یہ تو ان کے لیے عجیب منظر تھا۔ بازار کے اندر گلی، گلی میں پرانے زمانے کی تنگ سیڑھیاں اور سیڑھیوں کے آخری کنارے پر کھلی سڑک کی روشنی۔

النگ اصل میں مغل بادشاہوں نے تعمیر کروائے تھے۔ شہر کے چہار اطراف فصلیں بنا کر چھوٹے چھوٹے طاقچے نما سوراخ رکھ دیے تھے۔ ان کے وہ طاقچے اس وقت چھوٹے سے دروازے کے طور پر استعمال ہوتے تھے فصیل پر چڑھنے کے لیے سیڑھیاں بنوائی گئیں تھیں۔ اس وقت جنگیں گھوڑوں پر ہوتی تھیں اور سدھائے ہوئے گھوڑے بہ آسانی فصیل عبور کر لیتے تھے۔ جب النگ کے طاقچے اور شہر کے گیٹ بند کر دیے جاتے تو دشمن کی فوجیں داخل نہیں ہو سکتی تھیں اور النگ میں شہر کی زندگی معمول کی طرح چلتی رہتی۔ دشمن مخمصے میں رہتا کہ شہر بند ہے' لیکن اس وقت وہ خود چکر میں آ گئے تھے۔ غالباً" جب گلی میں داخل ہوئے تو دروازے نما طاقچے کی روشنی سے سوہن حلوے کی مشہور دکان کا بڑا سا بورڈ زمین سے جڑا نظر آ رہا تھا۔

بچے چھوٹے اور قدرے نالائق تھے 'بورڈ تو کیا پڑھتے لیکن اس دکان کے قریب مستقل کھڑی قلفی کی لال سفید ریڑھی کی شناخت پکی تھی۔ انہوں نے نظر پڑتے ہی کھانے کا شور مچا دیا۔ جنید اور منیبہ کے لیے وہ جگہ خاصی دلچسپ اور ایڈونچر سے کم نہ تھی۔ وہ ان کی انگلی پکڑ کر ان تنگ سیڑھیوں کو عبور کر گئے۔ سیڑھیاں پار کرتے ہی وہ اس بازار سے خاصے دور آ گئے تھے۔ کھلی سڑک گاڑیوں' وین' رکشوں کا رش اور سوہن حلوہ خرید' کھاتے کھاتے چل سو چل خاصے آگے نکل گئے۔ پھر تو انہیں نہ آگے کی سمجھ میں آئی نہ پیچھے کی۔

وہ پراسرار سیڑھیاں بھی بہت سی نکل آئیں۔ جانے وہ کون سی والی سے اوپر چڑھے تھے۔ ادھر دیکھ ادھر دیکھ۔ پپو' ببلی سے پوچھا کہ شاید انہوں نے وہاں کوئی کھانے پینے کی چیز کی نشانی رکھی ہو' مگر ان کا دھیان تو باہر سوہن حلوے پر تھا۔ تنگ آ کر انہوں نے ایک ٹیکسی کو روکا اور قاسم بیلا کا جو ٹوٹا پھوٹا ایڈریس معلوم تھا' بتا کر بیٹھ گئے۔ ان کے حلیے اور باتوں سے ٹیکسی والے کو خوب اندازہ ہو چلا تھا کہ باہر سے آئے ہیں۔ باتوں باتوں میں تصدیق بھی کر لی۔ ڈالرز کی چمک بھی بڑی بری شے ہے اس نے فوراً" ایک پلان ترتیب دے لیا تھا مسئلہ صرف انہیں گھر لے جا کر اتارنا تھا۔ اس نے بڑی فخریہ آفر کی تھی۔

"باجی! آپ کو تاریخی چیزیں دیکھنے کا بڑا شوق ہے' میرا گھر دیکھو' بڑا تاریخی ہے۔ ابا کے ابا نے بنوایا تھا اور حالت سے تو لگتا ہے ان کے بھی ابا نے بنوایا ہوگا۔ اور بیوی وہ تو یادگار تاریخی ہے' مگر اتنی نہیں ہے' جتنی پرانی لگتی ہے۔"

اس نے اپنے گھر اور محلے کے ایسے تاریخی قصے سنائے۔ ہندوؤں کے زمانے کی کبھی نہ ختم ہونے والی داستان گھڑ دی۔ وہ بھی مارے تجسس کے چند گھڑی کے لیے اس کے گھر کی گلی میں رک گئے۔ کچھ ویران اور بوسیدہ علاقہ تھا اور لمبی سی گلی بمشکل تین چار فٹ چوڑی ہو گی۔ اکھڑی اینٹوں سے بنی پرانی طرز کی گلی' پرانے پرانے مکانات' آگے بڑھے ایک دروازے کو ہلکا سا دھکا دے کر گندہ سا پھٹا پرانا پردہ اٹھا' وہ اندر داخل ہو گیا' وہ سب بھی ڈرتے ڈرتے گھر آ گئے تھے۔

دل میں انگلش فلموں' ناولز کا ایڈونچر جوش مار رہا تھا البتہ پپو' ببلی صرف اس لیے پرجوش تھے کہ مہمان بن کر جا رہے ہیں کچھ اچھا کھانے کو ملے گا۔ کھانے کو تو پھر ایسا ملا کہ یاد ہی کرتے۔ اس نے ان کے اندر داخل

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہوتے ہی فوراً" کنڈی لگالی اور بیوی کو جلدی جلدی سارا معاملہ بتادیا تھا وہ منہ پر انگلی دھرے حیران تھی۔
"اے گورے گنے (اتنے) جھلے... موٹے دنبوں کی عقل بھی موٹی۔"
ڈرائیور نے انہیں ڈرا دھمکا کر جنید کے موبائل سے رفیق چچا کا نمبر ملایا اور تاوان گانٹھ دیا۔ جونی موہنی تو خوف زدہ ہو کر ایک چارپائی پر بیٹھ گئے اور دل ہی دل میں اپنی حماقت کو کوستے رہے اور پو' بیلی کچھ دیر تو خاطرداری کا انتظار کرتے رہے پھر آہستہ اور پھر زور سے پکارنے لگے۔ بھلا ان چٹوروں کی نیت چائے پاپوں سے بھرنے والی تھی؟ وہ تو پیسٹری' پیٹس' کوکیز کے خیالوں میں اندر آئے تھے۔ انہوں نے جو رونے پیٹنے میں قیامت خیز ہوٹر بجائے توبہ توبہ۔
کچھ دیر تو ڈرائیور اور اس کی بیوی انہیں ڈراتے دھمکاتے رہے' مگر ہر جھڑکی پر ان کی آواز مزید بلند انہیں چپ کرواکر وہ تنگ آگئی اور چلا کر میاں سے بولی۔
"کہاں صومالیہ سے اٹھا کر لے آئے ہو' کم بختوں کو... میری شکل دیکھ دیکھ کیرنے (بین) ڈال رہے ہیں۔ دفعان کرو منحوسوں کو۔ چھوٹے چھوٹے قریب قریب گھر' اگر پولیس آگئی تو لینے کے دینے پڑجائیں گے۔"
بے چارہ نیا نیا وارداتیا تھا فوراً" ہی ڈر گیا۔ سب کو دو دو تھپڑ لگائے جونی کا موبائل' چھین موہنی کا پرس چھین دھکے مارتا گاڑی تک لے گیا اور قاسم' بیلا کے ایک سنسان چوک پر اتار دیا جامن کے درخت کی کسیلی سی خوشبو نتھنوں میں پہنچتے ہی بچے اپنا علاقہ پہچان گئے۔ یہاں سے دو گلیاں چھوڑ کر آم کا درخت اس سے آگے پھر ہماری گلی انہوں نے سارا رستہ سمجھا دیا۔ اور بھوک سے بلکتے روتے پیٹتے وہ دھاڑ سے گھر کے دروازے میں داخل ہوئے تھے۔
وہ دونوں کئی دن تک ایک دوسرے سے خاصے کتراتے رہے۔ غالباً" ان پر رفیق چچا کے شفٹ ہونے کا سارا عقدہ کھل چکا تھا۔ جہاں سفید گینڈوں سے جان چھٹنے پر دل سے خوش تھے۔ وہیں اندر ہی اندر خاصی شرمساری بھی تھی۔ اک دوجے کے سامنے جانے پر اپنا لالچی دل آئینہ دکھانے لگتا۔ ایک دوسرے سے معذرت کے لیے کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھے اور موقع اللہ نے دے ہی دیا۔
آج جنید کی منگنی تھی۔ اماں نے طبیعت کی خرابی کے باعث گجرات جانے سے انکار کردیا۔ غالباً" ان کا صدمہ ابھی تک کم نہ ہوا تھا۔ چند جوڑوں اور روکھے پھیکے سامان والی منگنی میں فوزیہ جائے' سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ فوزیہ کی اماں اور بھیا تیار تھے۔ فوزیہ کی جگہ وسیم اور اماں کی جگہ روما نے نمائندگی کرنی تھی۔ وہ ہلکی پھلکی تیار ہوئی۔ بالوں کو جوڑے کی شکل دے رہی تھی کہ وہ پیچھے آکھڑا ہوا۔ کچھ دیر آئینے میں دیکھتا رہا پھر بولا۔
"میں تم سے بے حد شرمندہ ہوں' یقین مانو مجھے اماں اور آپی نے زبردستی راضی کیا تھا ورنہ کہاں تم کہاں وہ کینیڈین گائے۔"
"میں بھی تم پر کبھی اس بیل کو فوقیت نہ دیتی اگر اماں باہر کے خواب نہ دکھاتیں۔"
"اچھا...!" وہ تحیر سے بولا۔
"پھر اپنے ان بھوری بندریا جیسے بالوں کی قسم کھاؤ۔ آئندہ کوئی تمہیں امریکا کا بھی لالچ دے' مگر مجھے نہیں چھوڑوگی۔"
وہ لفظ بھوری بندریا پر کڑھ کر رہ گئی اور پھر قدرے تحمل سے کہنے لگی۔ "میرا تم سے وعدہ ہے' مگر تم بھی اپنے سوکھے چھوہارے جیسے بدن میں' چپکے پاپڑ جیسے دل کی قسم کھاؤ۔ آئندہ گرین کارڈ کا لالچ بھی تمہیں ڈگمگا نہ سکے گا۔"
وہ اس کے القاب پر آنکھیں پھیلائے مصنوعی خفگی سے بولا۔
"دیکھو! تم میری توہین کررہی ہو۔"
"تو تم نے کون سا میرے اعزاز میں ترانہ پڑھا ہے۔"
"تم...!!!" اس نے انگلی اٹھائی۔
"تم بھی...!"
جواباً" وہ اسے گھورتی کھلکھلا رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہاجرہ ریحان

"وہ دل کی بری نہیں ہے... اگر غصے میں کبھی کچھ کہہ دے تو تم نظرانداز کردیا کرو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر مجھ سے الجھنے نہ آجایا کرو۔"

بھائی صاحب یہ فرماتے ہی اپنے آئی فون پر نظریں جماکر بیٹھ گئے اور یہ شریفانہ انداز میں تخلیہ کی پکار تھی' یعنی کہ دفعان ہوجاؤں۔ شکل گم کرلوں۔ میں خاموشی سے کمرے سے نکل آئی۔

یہ بھی خوب کہا بھائی صاحب نے... ویسے تمام شادی شدہ بھائی... خاص طور سے محبت کی شادی کرنے والے حضرات' اپنی بیوی کے لیے اپنے گھر والوں کو کچھ ایسا ہی کہتے ہیں۔ ان کی بیگم جب ان کی بہن یا ماں کے سامنے بڑے زور و شور سے اپنی پسند سے حاصل کیے گئے شوہر کے خاندان پر بھرپور کیچڑ اچھال کر دل کی بھڑاس نکال لیتی ہیں' نجانے کون سے قصور کی سزا دے چکی ہوتی ہیں تو شکایت پہنچنے پر یہ بھائی صاحب کچھ ایسا ہی فرمان جاری کرتے ہیں...

"میری بیوی زبان کی تھوڑی تیز ہے مگر دل کی بری نہیں..."

میں کہتی ہوں' ہوجاؤ بری' دل میں بھرلو کینہ۔ سب سے نفرت کرو' ہر کسی کو دشمن سمجھو' مگر خدارا زبان میٹھی کرلو۔ کیونکہ زبان کے گھاؤ بہت جان لیوا ہوتے ہیں... اور کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی زبان سے نکلے تیر' دل میں پھانس کی مانند چبھ جاتے ہیں۔ ایسی سوئیاں بن جاتے ہیں' جو جسم کے جس حصے میں چبھتی ہیں' پہلے اسے مفلوج کرتی ہیں پھر آہستہ آہستہ پورے جسم سے جان نکال دیتی ہیں۔ اس بھاگتی دوڑتی' ہنستی کھیلتی دنیا میں ایسے بے جان سانس لیتے انسان کا وجود' کیسا بے موقع' بے معنی لگتا ہے۔

خاص طور سے وہ انسان جو نظربٹو کے طور پر ساتھ ہو۔

جی ہاں کچھ رشتے' ہم صرف نظربٹو کے طور پر ساتھ لٹکائے پھرتے ہیں ورنہ ہمیں ان کی قطعاً" کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایسے رشتے صرف اس لیے نبھائے جاتے ہیں کہ یہ ہمیں بری نظر سے بچائے رکھتے ہیں' جیسے کوئی سفید پیاز' لو چلتی دوپہر میں ساتھ لیے پھرے کہ لو سے بچالے گی۔ اسی طرح کے یہ نظربٹو رشتے ہوتے ہیں' جو صرف نظربد دور رکھنے کا سب سے آسان اور مفت علاج ہوتے ہیں۔ یہی رشتے جو آپ کے طعنے تشنے اور بلاوجہ کے الزام بڑے صبر سے سہتے ہیں' آپ کی ذرا سی تکلیف سہہ نہیں پاتے اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوجاتے ہیں اور جب تک آپ تکلیف ودکھ سے نجات نہیں پالیتے یا صبر نہیں کرلیتے یہ سجدے میں گرے رہتے ہیں۔

"دعا کیجیے گا۔"

آپ بس اتنا کہہ کر نکلتے ہیں اور یہ پورا دن دعائیں کرتے گزار دیتے ہیں... ان کے آنچل اپنے لیے نہیں آپ کی چھوٹی چھوٹی خواہش پر اللہ کے سامنے حق اور بڑے مان سے پھیلے رہتے ہیں۔ ایسے رشتوں میں ماں اور بہن سرفہرست ہیں اور ایک خاص لفظ "بیوہ" کے اضافے سے ان نظربٹو رشتوں میں چار چاند لگ جاتے ہیں اور میں اس چار چاند کی سند لیے ایک جوان بیوہ بہن' اپنی اوقات پہچانتی تھی۔ اس لیے بھابھی سے الجھنے کا سوچتی تک نہیں تھی... مگر اب کیا کہوں کہ زمانہ بدل گیا ہے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

لیکن کبھی کبھی نظر بٹو کی قسمت بھی ستارہ بن کر چمکنے لگتی ہے۔ ——————— کر نظر بٹو زمین پر لوٹنا، پیروں کی ٹھوکر کھاتا، کوئی پتھر، جو کبھی بھی نرگس ہونے یا بننے کی امید نہ رکھتا ہو اسے بھی دیدہ ور مل جائے...... اچانک کوئی مہربان ہو جائے۔

اور اللہ تو کہتا ہے کبھی کوئی بات جو ہمیں اپنے لیے اچھی نہ لگ رہی ہو، ہو سکتا ہے اس میں ہمارے لیے کوئی اچھائی ہو، یعنی وہ سچی حق بات جب ظہور پذیر ہوتی ہے تو ہمیں بری یا ناپسند ہو سکتی ہے، لہٰذا اس طرح سوچنے میں کوئی برائی بھی نہیں، مگر پھر سمجھ داری سے اس کو پرکھنا بھی بے حد ضروری ہے، کوئی بھی لمحہ، واقعہ یا حادثہ بلاوجہ نہیں ہوتا۔ اس کے پیچھے پوری کائنات نے جال بچھایا ہوتا ہے اور ہم نظر بٹو اس قدر عقلمند کہاں کہ جو ہو چکا...... اس پر غور و فکر کر کے تہہ

Downloaded From paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

تک پہنچ سکیں' لہٰذا کبھی کبھی بس اللہ کی مرضی کہہ کر دل کو بہلا لینے کا خیال برا نہیں' بلکہ صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے' مگر عادت' کسی بھی حالت میں ہو' اچھی نہیں ہوتی اور شاید یہی رب کریم کا۔ کرم ہے کہ جب وہ ہمیں عادی ہوتا دیکھتا ہے تو اچانک ہی وہ سچی' اچھی بات کا اعلان فرما دیتا ہے۔

تو وہ اچھی سچ بات اس لمحے میں جب وہ ظہور میں آکر اپنا آپ منواتی ہے تو آپ ایک دم چکرا کر رہ جاتے ہیں۔ ہمیں اپنی سڑی بدبودار اور بے کار حالت کچھ اس قدر پیاری ہو چکی ہوتی ہے کہ اس اچانک تبدیلی کے خوف سے ہی لرزنے لگتے ہیں اور سب کچھ اپنے سامنے ہوتے دیکھ کر نظریں چرانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ آپ کو نظر بٹو کی نوکری سے نکال دینے کا اشتیاق گھر والوں پر غالب آجاتا ہے۔ آپ پوچھ بھی نہیں پاتے کہ میرے پیارے بھائیوں' بہنوں میں نے کیا گناہ کیا' اپنی نوکری کو دل و جان سے پیار کیا' ہمیشہ اپنی روکھی سوکھی پر شاد رہی' تم لوگوں سے کبھی کچھ نہیں مانگا۔ میں تو بہت ہی ذمہ داری سے اپنی نوکری کے تمام فرائض سرانجام دیتی رہی ہوں۔۔۔ تو کیوں۔۔۔ آخر کیوں مجھے نوکری سے نکال رہے ہو؟ میرے چار چاند مجھ سے کیوں چھین رہے ہو۔۔۔۔؟

اور یہ جو "گن" ہے اس کے پھیر میں سب آتے ہیں۔۔۔ جو نہیں چاہتے وہ بھی کر جاتے ہیں' توصیف صاحب کو میں نے کبھی بھی اس نظریے سے نہیں دیکھا تھا اور وہ بے چارے پلکیں اٹھاتے ہی نہیں تھے کہ مجھے اندازہ ہوتا کہ ان کی نظریں یا نظریات کہاں کہاں کی سیر کر رہے ہیں لہٰذا جب ان کا رشتہ میرے لیے آیا تو میں حیران رہ گئی دل میں کہیں کسک ہوئی

کہاں میں انگریزی ادب میں ایم اے' ایک اچھے انگریزی اسکول میں انگریزی ادب کی ٹیچر اور کہاں توصیف صاحب' ایک میڈیکل اسٹور میں کام کرنے والے۔ گو وہ ایک چار منزلہ ڈپارٹمنٹل اسٹور تھا اور یقیناً" توصیف صاحب کی تنخواہ بھی اچھی ہوگی۔ مگر میں تو مہینے ڈیڑھ مہینے میں ہی اسٹور کا چکر لگاتی تھی اور

توصیف صاحب سے اپنی جلد کی بیماری کی دوائی لیتی تھی۔ کبھی سر درد کی گولیوں کا اضافہ' بس دو چار جملوں کی ہدایات' ایسے میں کوئی انسان کس قدر آپ کو جان سکتا ہے؟ یا پسند کر سکتا ہے؟ کیا یہ محض ظاہری شکل و صورت پر مر مٹنے کی بات ہو رہی ہے یا پھر اس کے پیچھے کوئی باقاعدہ جال پھینکا گیا ہے؟ دل میں کئی بار یاد کرنے کی کوشش کی کہ آخر ان کو میرے بارے میں اس قدر معلومات کہاں سے ملیں اور خاص طور سے اس بات کا یقین کس نے دلایا کہ ان کا رشتہ اگر آیا بھی تو ہمارے ہاں سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی؟

کسی نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ توصیف صاحب کو تمام معلومات بھابھی کے چھوٹے بھائی نے پہنچائی ہیں جو توصیف صاحب کے ساتھ اکثر دیکھا جاتا تھا۔ بھابھی صاحبہ جن کو اپنے خاندان پر بہت مان تھا توصیف صاحب سے کسی بھی طرح کے تعلق یا راہ و رسم کے شک پر ہی چڑ جاتیں' گو دل کی اچھی ہی رہتیں مگر زبان کی بہت بری ہو جاتی تھیں یوں میں نے زیادہ کریدنا مناسب نہیں سمجھا۔

ویسے بھی وہ میرے منہ سے اپنے چھوٹے بھائی کے بارے میں کوئی بھی بات سننا گوارا ابھی کہاں کرتی تھیں۔ ان کو شک تھا کہ میں ان کے چھوٹے بھائی کو ان کی شادی کے شروع کے دنوں سے ہی متنفر کر چکی ہوں۔ وہ مجھے بھائی بہن کے درمیان تفرقہ کی وجہ گردانتی تھیں۔ کئی سال ہوئے میں بھی ان کے چھوٹے بھائی سے ہاتھ اٹھا چکی تھی۔ کچھ بھابھی صاحبہ کے ہر وقت کے طعنے اور کچھ اپنی ناکامی' نالائقی اور نا اہلی نے بھی کسی سے ملنے ملانے کے قابل نہ چھوڑا تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ وہ میرا اچھا' سمجھ دار مگر بہت ہی ننھا سا دوست تھا۔ اب پتا نہیں کیسا دکھتا ہوگا؟

بھابھی صاحبہ کا چھوٹا بھائی اب اتنا چھوٹا بھی نہیں رہا تھا۔ ہاں جب بھابھی شادی کر کے ہمارے گھر تشریف لائی تھیں تو ہم سب یکسر مختلف صورتوں اور حیثیتوں کے مالک تھے۔ میں نے اپنی پسند سے ایم

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اے انگریزی ادب میں داخلہ لیا ہی تھا۔ اور حوصلے جوان تھے۔ اس زمانے میں بھابھی صاحبہ زبان کی بھی بری نہیں تھیں۔ امی حیات تھیں۔ دو یا تین بھائی بہن نمٹائے جا چکے تھے اور اپنے گھروں میں آباد تھے۔ گھر میں کمرے زیادہ اور لوگ آہستہ آہستہ کم ہوتے جا رہے تھے۔ امی کا لنگر خانہ بدستور جاری و ساری تھا جس کے باعث اکثر ہی کوئی نہ کوئی رشتہ دار گھر کا مہمان ہوتا۔ گھر کا کاروبار بہت اچھے انداز میں چل رہا تھا۔

بھابھی صاحبہ جب بھی میکے جاتیں تو ان کو لینے آنے والوں میں ـــ ان کا یہ چھوٹا بھائی ہمیشہ شامل رہتا۔ سیدھا' معصوم سا نویں جماعت کا طالب علم تھا۔ بھابھی صاحبہ اس وقت زبان کی بری نہیں ہوئی تھیں مگر ان کے مزاج کی تلخی گاہے گاہے ظاہر ہوتی تھی۔ آخر کو وہ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھیں اور اپنے والد کے بے جا لاڈ پیار سے (میری نظر میں) کافی بگڑی ہوئی تھیں۔

ایک دن کچھ یوں ہوا کہ انہوں نے گھر سے گاڑی منگوائی۔ ان کو شاپنگ پر جانا تھا اور ہمارے گھر کی واحد گاڑی ان کے شایان شان نہ تھی۔ گاڑی کو آتے تھوڑی تاخیر ہوگئی۔ حسب معمول چھوٹا بھائی ڈرائیور کے ساتھ آگیا تھا۔ اس نے یونیفارم تک نہیں اتارا تھا' شاید اسے اسکول سے لے کر ڈرائیور سیدھا ہمارے گھر چلا آیا تھا۔ میں اس دن چھٹی کر کے بستر کو بڑی مشکل سے چھوڑ کر لاؤنج میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔

اکثر سوچتی ہوں کہ کاش! ہمیں کسی خاص لمحے کے وجود میں آنے سے ذرا پہلے بس یہی کوئی ایک دو لمحہ پہلے ہی اطلاع مل جائے۔ ایسے کسی خاص لمحے کو آتا اگر دیکھ لیں تو اپنے بچاؤ کے لیے کچھ کرلیں گے کیونکہ بے خبری میں جب ہم بہت ہی مگن بیٹھے کسی اور ہی سوچ میں گم ہوتے ہیں۔ یہ لمحے ظہور پذیر ہو جاتے ہیں اور ہم اکثر اوقات ہی بلاوجہ کے چشم دید گواہ بن کر رہ جاتے ہیں۔ تو میں اس لمحے کو آتا نہ دیکھ سکی تھی اور بے خبری میں جکڑی گئی تھی۔ بھابھی صاحبہ بج دھج کر لاؤنج میں شیرنی کی طرح ٹہل رہی تھیں کہ چھوٹا بھائی گھبرایا ہوا سا داخل ہوا۔

"باجی! سوری' میں پریکٹیکل کر رہا تھا کیمسٹری کا تو دیر ہوگئی۔ میں سیدھا آپ کے پاس ہی آگیا اسی لیے۔"

چھوٹا بھائی گھبراہٹ میں باقاعدہ ہکلا تا جلدی جلدی بول گیا مگر بھابھی صاحبہ کی تشفی نہ ہو سکی۔ انہوں نے آگے بڑھ کر ایک زوردار طمانچہ چھوٹے بھائی کے گال پر جڑ دیا اور پرس اٹھا کر کہتی نکل گئیں۔

"اب تم خود ہی جانا واپس گھر میں نہیں چھوڑوں گی فضول انسان۔"

گو ہم چھ بھائی بہن اپنی اپنی اکڑ میں ایک دوسرے سے لڑتے بھی تھے اور اکثر امی یا ابو کو لڑائی میں فیصلہ یا انصاف کے لیے بلا لیا جاتا تھا مگر پھر بھی ایسا کبھی نہیں ہوا تھا کہ کسی بھائی یا بہن نے بڑے یا چھوٹے پر ہاتھ اٹھایا ہو۔ امی کو جب غصہ آتا تو وہ خوب مار لگاتی تھیں مگر وہ تو بس امی ہی تھیں۔ باقی کوئی بھی کبھی بھی کہیں بھی اس طرح ذلیل نہیں کیا جا سکتا تھا۔

میں تو اپنے آپ سے اس سے شرمندہ ہو گئی تھی کہ اس کی شرمندگی کا کیا سوچتی رفو چکر ہونے کے خیال کے بعد دوسرا خیال چھوٹے بھائی کے اسکول سے بھوکے آنے کا ہوا۔ بے چارا بچہ ابھی تو اسکول سے تھکا ماندہ آیا ہے۔ میں نے ایسا ہی ظاہر کیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اور اس کو اپنے پاس بٹھا لیا اور ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ اس کی نظریں جھکی رہیں اور وہ پشیمان سا ایک طرف دبکا بیٹھا رہا۔ دبلا پتلا سا ڈیل ڈول لمبائی میں کچھ مجھ سے نکلتا ہوا قد' چہرے پر گو کہ بالوں کے چند ایک خاکے سے ابھرے تھے مگر بچوں کا سا بھولپن موجود تھا۔ میں نے اسے بہلایا اور کھانا کھانے پر راضی کر لیا۔

امی ہمیشہ کی مصروف اس کو پیار محبت دے کر اپنے کام میں لگ چکی تھیں۔ اب وہ مکمل طور پر میرے حوالے تھا۔ اسے اکیلے لاؤنج میں چھوڑنے کو دل نہ مانا۔ مجھے اس پر بڑا ہی رحم آتا جا رہا تھا۔ لہٰذا اس کے ساتھ ہی خود پر جبر کر کے بیٹھی رہی اور تھوڑی ہی دیر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

میں ہمیں مشترکہ طور پر پسندیدہ ناول نگار ابن صفی کا سہارا مل گیا۔ میرے پاس ابن صفی کی تمام ہی کتابیں موجود تھیں' وہ بڑا متاثر ہوا' شیخی بھگارنے کے لیے میں اسے اپنے کمرے میں لے گئی اور کتابوں میں گم ہونے پر ہمیں وقت کا احساس تک نہ ہوا۔

مجھے اندازہ ہوا کہ چھوٹا بھائی عام لڑکوں کی طرح لاابالی یا صرف کھیل میں مگن نہیں رہتا بلکہ بہت سمجھ داری سے کھیل اور کتابوں دونوں میں انصاف کرتا ہے۔ ہماری دوستی ہوگئی اس زمانے میں ہر گلی ہر محلے میں ایک چھوٹی سی لائبریری ہوا کرتی تھی' جس پر نئی آنے والی ابن صفی اور ان ہی کی طرح لکھنے والوں کے ناولوں اور ڈائجسٹوں کو بروقت لینے کے لیے ہر وقت رش لگا رہتا تھا' ہمارے محلے کی لائبریری تھی تو اچھی' مگر میرے پہنچتے پہنچتے میری پسندیدہ کتاب کوئی نہ کوئی لے جا چکا ہوتا اور میں بار بار چکر نہ لگا پاتی تھی' ایسے میں چھوٹا بھائی کام آنے لگا' وہ نہ صرف ہمارے محلے کی لائبریری کا چکر کاٹتا بلکہ اپنے محلے سے بھی لے کر آجاتا۔ اکثر کسی کتاب کے اچھا ہونے کا سنتا تو میرے لیے مجھ سے پوچھے بغیر لے آتا اور کیا چاہیے' مجھے تو چھوٹا بھائی خوب بھا گیا تھا' موبائل فون تو موجود نہ تھے لہٰذا ایک دو دن میں ہی ملاقات ہوتی' وہ زیادہ تر اسکول سے میرے پاس آجاتا میں موجود نہ ہوتی تو ایک منٹ بھی گھر پر نہ ٹکتا لوٹ جاتا میں محبت سے پیش آتی تھی امی عزت دیتی تھیں بھائی صاحب کو اس کا وجود نظر نہیں آتا تھا۔

میرے نام کے ساتھ باجی کے اضافے کے ساتھ مجھے پکارتا تھا۔ ایک دو بار اس کی کچھ عادتوں کو ٹوکا تو اس نے سدھار لیں۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میری بات کو اہمیت دیتا ہے۔ اپنے دوستوں کی باتیں اسکول اور پھر کالج کے سپنے' مستقبل میں کیا کرے گا' کیسا بنے گا' مجھے سناتا تو مجھے خود پر بڑا فخر محسوس ہوتا کہ کوئی ہے جو مجھے اس قدر قابل سمجھتا ہے کہ اپنی ہر بات بتاتا ہے۔

یوں ہونے لگا کہ جس محفل میں ہمارا اور بھابھی صاحبہ کا خاندان شامل ہوتا چھوٹا بھائی میرے ساتھ ساتھ لگا رہتا میں بھی اس زمانے میں اپنی دھن میں کسی کی پروا کم ہی کرتی تھی ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح گھل مل کر بیٹھ جاتے تھے جیسے پرانے دوست صدیوں بعد ملے ہوں' بھابھی صاحبہ کی تلخی مجھ سے بڑھنے لگی مگر اس وقت وہ کچھ نہیں کر سکتی تھیں کہ امی حیات تھیں اور میں نظر بٹو کی نوکری پر فائز نہیں ہوئی تھی' اور پھر وہی ہوا جو خیر سگالی' خوش دلی اور خلوص کے ساتھ بیٹھے دو لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے کوئی تیسرا ان کے درمیان شیطان کی طرح آن ٹپکتا ہے۔

فائنل سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ رشتہ آگیا اور ہمیشہ کی طرح امی نے جلد از جلد میری کہانی بھی نمٹا دی۔ شادی کے دنوں میں خوشی کے باوجود دکھی سی رہتی اور شاید منہ پر بارہ بجتے سب کو نظر آتے تھے مگر سب خاموش تھے' مجھے کوئی شکایت نہیں تھی بس کسک تھی کہ لڑکیوں کو اس قدر محبت دے کر خود سے علیحدہ کر دینے کی یہ رسم بہت جان لیوا ہے' چھوٹا بھائی میری اداسی پر مجھ سے زیادہ اداس تھا' ایسا لگتا جیسے میں کالا پانی کی سزا پر جا رہی ہوں میں اسے اداس دیکھتی تو مسکرا دیتی۔ اس کو بہلاتی کہ وہ میرے پاس شوہر صاحب کے ہاں بھی آسکتا ہے' وہ اب ایک اچھے سے کالج میں فرسٹ ایئر کا طالب علم تھا۔

اور ایک بار پھر سے وہ ان دیکھا' انجانا' مخصوص لمحہ دبے قدموں میرے سر پر آن گرا اور میں کچھ بھی نہ کر سکی' فرق اتنا ہے کہ اس بار میں چشم دید گواہ تو تھی ساتھ میں مقتول بھی تھی مجھے اندازہ بھی نہ ہو سکا کہ کب بھابھی صاحبہ نے میری اور چھوٹے بھائی کی گہری دوستی پر میرے سسرال میں کچھ اس طرح بات پھیلائی تھی کہ ولیمہ میں چھوٹا بھائی آنکھوں میں محبت بھرے جذبات اور ہاتھوں میں پھول لیے میرے قریب آیا تو شوہر صاحب نے اسے اسٹیج پر ہی سب کے سامنے بری طرح جھڑک دیا۔

"کیا مسئلہ ہے بھئی تمہارا' اس طرح کسی غیر خاتون سے ہاتھ ملایا جاتا ہے کیا؟ جاؤ دوسرے لڑکوں کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ساتھ بیٹھو!"

میں دنگ رہ گئی اور چھوٹا بھائی گڑبڑاتا اسٹیج سے فوراً" اتر کر ہال سے غائب ہو گیا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ وہ میرا سگا بھائی نہیں ہے مگر مجھے سگی بہن کی طرح ہی عزت دیتا ہے اور پھر میری شاید آدھی عمر سے بھی کم اس کی عمر ہو گی' مجھے اس سے بہت انسیت ہے۔"

میں نے گھر پہنچ کر رات کی تنہائی میں شوہر صاحب کو سمجھایا۔ اللہ بخشے شوہر صاحب اچھے انسان تھے مجھے خوش رکھنے کی پوری کوشش کرتے تھے مگر جوان کی سمجھ میں آچکا تھا وہ برداشت نہ کر سکے بھابھی صاحبہ کی بات مجھ تک پہنچائی' مجھے اور دکھ ہوا کہ میرے متعلق میرے ہی سسرال میں بھابھی صاحبہ نے ہم سب سے چھپ کر کس قدر غلط باتیں کیں

دوسرے تیسرے دن میکے گئی تو امی اور بھائی صاحب نے بھی واقعہ کا نوٹس لیتے ہوئے مجھے سختی سے ہدایات جاری کر دیں کہ اگر میرا شوہر چھوٹے بھائی سے ملنے پر خوش نہیں تو مجھے بھی خود پر قابو پانا چاہیے میں چپ ہو گئی.....

ایک دوست کے بچھڑنے کا غم کیسا ہوتا ہے؟ وہ بھی یوں کہ آپ نے دوست کے بے قصور ہونے پر بھی خود سے اسے الگ کرنے کا "ایک طرفہ فیصلہ صادر کر دیا ہو' چھوٹا بھائی' ایک دو بار مجھے کبھی میرے میکے یا پھر کسی دعوت میں مل بھی جاتا تو میں اسے نظرانداز کرتی میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ میرے پاس آئے اور پھر مجھے اسے کہنا پڑے کہ میں اس سے بات کرنا نہیں چاہتی لہٰذا ہر ممکن حد تک اس کے ساتھ سردمہری برتنے لگی اسے خود بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ اب وہ بھی تو ایک لمبا صحت مند سمجھ دار نوجوان ہو چکا تھا' مگر پھر بھی وہ دنیا کی تنگ نظری اور تنگ دلی کو سمجھا نہیں تھا' پتا نہیں اس دن اسے میری اس قدر ضرورت کیوں تھی۔

وہ جانتا بھی تھا کہ اب ہم ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے مگر پھر بھی میرے میکے پہنچنے کی خبر پر چلا آیا اتفاق سے بھابھی صاحبہ اپنے میکے گئی ہوئی تھیں' ہم سب کھانے پر بیٹھے ہی تھے کہ اس کے آنے پر خوشگوار ماحول پر اوس پڑ گئی۔ وہ کسی کے بولنے سے پہلے ہی مجھے مخاطب کر چکا تھا۔

"مجھے آپ سے اکیلے میں بات کرنی ہے' بہت ضروری' پلیز' بس چند لمحے' پلیز۔"

وہ اس طرح گھگھیایا کہ میں پریشان ہو کر جھٹ سے نوالہ چھوڑ چھاڑ کھڑی ہو گئی جیسے کہہ رہی ہوں کہ "چلو"

میرے دل میں اس کی جگہ ابھی تک ویسی ہی موجود تھی جیسے کمرہ امتحان میں کوئی خالی کرسی' خالی نشست جس کو بیٹھنا تھا وہ غیر حاضر تھا اور اس کی جگہ پر کوئی دوسرا کبھی بھی نہیں بیٹھ سکتا کہ وہ نشست' خالی کرسی بس اس کے لیے ہی وجود میں لائی گئی تھی ہم اپنے دلوں میں کیسی کیسی خالی نشست لیے ان کے حقیقی مالکوں کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور وہ کبھی نہیں ملتے' مل بھی جائیں تو وقت گزر چکا ہوتا ہے۔ میری حالت کو دیکھتے ہوئے شوہر صاحب سے برداشت نہ ہوا۔

"نکلو یہاں سے' یہ میرا سسرال ہے ورنہ ابھی دھکے دے کر نکالتا ہوں' چلو بھاگو یہاں سے۔" شوہر صاحب کا پارہ چڑھنے لگا تو بھائی صاحب اور باقی سب مرد حضرات بھی حرکت میں آ گئے۔ امی نے بیچ بچاؤ کرایا۔

"ارے ارے بچہ ہے' کیا ہو گیا ہے تم سب کو؟"

پھر امی چھوٹے بھائی کو سمجھا کر گھر سے باہر چھوڑ آئیں' میرا دل ڈوب رہا تھا اور شوہر صاحب کا مزاج ساتویں آسمان پر پہنچ چکا تھا۔ امی اور گھر والوں کے سامنے تو سب ٹھیک رہا مگر گھر پہنچ کر انہوں نے مجھے خوب لتاڑا کمرے میں پہنچتے ہی وہ شروع ہو گئے۔ میں سب کچھ سن تو رہی تھی مگر میرا دھیان صرف چھوٹے بھائی پر لگا ہوا تھا۔ اللہ جانے اسے کیا بات کرنی تھی وہ کس قدر گھبرایا ہوا تھا اور کیسا مایوس لگ رہا تھا' پتا نہیں گھر میں اس سے کوئی بات کیوں نہیں کرتا کہ وہ اپنے دل کی کہہ سن کر سکون حاصل کر لے۔

میں اس کے لیے صدق دل سے جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئی۔ مجھے جائے نماز پر روتا دیکھ کر شوہر صاحب بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نرم پڑ گئے۔ گو مجھے ان کے غصے کی کوئی پروا نہ تھی۔ میں تو چھوٹے بھائی کے لیے۔ اللہ کے سامنے رو دھو رہی تھی میں شوہر صاحب کو اپنے اور چھوٹے بھائی کے پاک صاف رشتے پر کبھی بھی مطمئن نہ کر سکوں گی اور نہ میں دنیا یا شوہر صاحب پر تنگ نظری کا کوئی الزام ہی دھر سکتی ہوں۔۔ دنیا اور اس کے باسی ایسے ہی ہیں جس بات کو سمجھ نہیں پاتے اسے غلط قرار دے کر خود کو بہلا لیتے ہیں اور دماغ استعمال کرنے سے کتراتے ہیں مگر میں اللہ کے سامنے تو کھلے دل سے اپنے دوست کے لیے پریشان ہو سکتی ہوں۔ وہ میرا اللہ تو جانتا ہے ہماری نیت اور دل کے حال سے واقف ہے۔

مجھے دکھ تھا تو اتنا کہ اگر اس رات میں نے چھوٹے بھائی کو مایوس نہ کیا ہوتا تو وہ خودکشی جیسا انتہائی قدم نہ اٹھاتا۔ اس کو انتہائی نگہداشت میں کئی دن گزارنے پڑے بڑی تکلیف اٹھائی اور میں ایک دن بھی اس سے ملنے کا تصور تک نہیں کر سکی مجھے اپنی بزدلی پر صدمہ تھا اور شرمندگی بھی زیادہ شرمندگی اس بات پر کہ خبر ملتے کے ساتھ ہی جو میری حالت غیر ہوئی اور سسرال میں سب کے سامنے بھی آنسوؤں پر قابو نہ کر سکی تو چہ میگوئیاں کچھ اندر ہی اندر غیبت شکایتیں۔

امی دوڑی آئیں سب کو اطمینان دلایا مجھے بھی سختی سے ہدایات دیں اس کے بعد دن بہت کٹھن گزرے میں چھوٹے بھائی کے متعلق سنی سنائی اڑتی پڑتی خبروں کا پیچھا کرتی رہتی مگر پھر ہم دوبارہ نہ مل سکے۔ وہ پڑھائی مکمل کرنے باہر چلا گیا اور میں بھی اپنی زندگی سے الجھ گئی۔ کیسے کیسے کھیل کھیلتا ہے یہ وقت مجھے بھی زمین پر رولتا واپس میکے میں پہنچ گیا۔۔۔

شوہر صاحب کے اچانک حادثے اور پھر ان کے انتقال پر میرے لیے تعزیتی پیغام بہت تھے مگر کوئی باقاعدہ ساتھ دینے والا نہ ملا کوئی غم خوار نہ ہوا اور کیسی عجیب بات ہے کہ جس انسان کے دکھ میں ہم نے اسے سننے کی کبھی کوشش نہ کی ہو کسی سے اپنے دکھ پر اپنا غم خوار بن جانے کی تمنا کرتے ہیں ہمیں ذرا شرم نہیں آتی میں میکے آ گئی اور پھر جب نظر بٹو کے رتبے پر فائز ہو گئی تو کبھی کبھی دل میں مجھے چھوٹے بھائی کا خیال آتا تھا کیا پتا وہ بھی میری خبریں اسی طرح لوگوں کی نظروں سے بچ کر پوچھتا پھرتا ہو گا۔ اسے پتا چلا ہو گا تو اس نے کیا سوچا ہو گا؟

ہو سکتا ہے کہ خس کم جہاں پاک کہہ کر قہقہہ لگایا ہو یا ہو سکتا ہے تنہائی میں دکھ منایا ہو توصیف صاحب کے ساتھ چھوٹے بھائی کی دوستی کا مجھے معلوم ہوا تو مجھے ایک دم غصہ آ گیا برا آیا مجھ بے چاری پر رحم آرہا ہے مجھے احسان کر رہا ہے کہ تم نے تو ساتھ نہ دیا میں ابھی تک تمہارا بھلا سوچتا ہوں۔ پہلے انکار کرنے کا سوچا مگر پھر اپنے گھروں میں آسودہ اور خوشحال بھائیوں اور بہنوں کا خیال آ گیا اور پھر ہم نظر بٹو وقت پڑنے پر بڑی آسانی سے اپنی ذات کی نفی بھی تو کر سکتے ہیں۔ میں نے خود پر قابو کیا گزرے زمانے کو یاد کیا جب میں نظر بٹو نہیں تھی اور خود پر اپنی زندگی پر مان کرتی تھی مگر اب یہ ماورائی تخیلات کتنے دن تک دل بہلاتے گئے ایک ہی جھٹکے نے سب کچھ چھین لیا تھا اور بچا ہی کیا جس کے لیے حفاظت پر مامور سوچ کے گھوڑے دوڑاتی پھروں سو میں نے تھک ہار کر سر خم کیا۔ ویسے بھی کچھ کہنا سننا وہاں ہوتا ہے جہاں سماعتیں منتظر ہوں زبانیں نشتر نہ چلاتی ہوں۔

توصیف صاحب خلاف توقع ایک اچھے انسان ثابت ہوئے اپنے بڑے بھائی کے ساتھ دو منزلہ مکان میں رہتے تھے۔ ہمارا اوپر کا پورشن تھا جو کہ آدھا بنا ہوا تھا لہٰذا دن بھر خوب دھوپ سے واسطہ رہتا۔ آرام وہ نہیں تو بہت زیادہ بے آرامی بھی نہیں تھی وہ تین کمرے اپنی ملکیت تھے۔۔۔ یوں پیا گھر مجھے ایک بار پھر سے بھا گیا تھا مگر شہلا۔۔۔؟

اور وہ بھی کیا لمحہ ہوتا ہے جب آپ اپنی ہی جگہ پر اپنا ہی کام کرتے کسی اور کو ملاحظہ کرتے ہیں توصیف صاحب کی ایک سترہ اٹھارہ سال کی دبلی پتلی نحنی سی لڑکی تھی جس کو دیکھتے ہی مجھے اس پر بہت رحم آیا شہلا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

توصیف صاحب کی اکلوتی بیٹی توصیف صاحب کے
بڑے بھائی اور ان کے خاندان کے لیے نظر بٹو تھی چند
دن تو سب کو پرکھنے اور غیر جانب داری سے گزارا
کرنے میں لگائے پھر مجھے غیرت آنے لگی
یہ شہلا کو نوکر کی طرح چھوٹے چھوٹے کام کے
لیے بلاتے ہیں؟ شہلا پودوں میں پانی کیوں دے' پانی کی
موٹر کیوں چلائے' بند وہ ہی کیوں کرے' مہمانوں کو
چائے ہمیشہ وہی کیوں بنا کر دے' کہیں جانے سے چند
منٹ پہلے تک وہ ہی سب کے کپڑے کیوں استری کر
کے دے' رات کو دیر سے آنے والے اس کو فون کر
کے نیچے آکر دروازہ کھولنے کو کیوں کہتے ہیں؟ اور ایسے
بہت سے سوال۔ جو میں توصیف صاحب سے کرتی
جاتی۔ وہ بے چارے کبھی ندامت سے سر جھکاتے
کبھی ہنسی مذاق میں اڑا دیتے۔

ایک دن میں اسکول سے تھکی ہاری گھر میں داخل
ہوئی ہی تھی کہ جیٹھانی صاحبہ کی چیخ و پکار سن کر
سیڑھیوں کے پاس ہی رک گئی۔ وہ شہلا پر برس رہی
تھیں۔ ذرا سی دیر میں ہی اندازہ ہو گیا کہ قصور یہ تھا کہ
دودھ والا آیا تھا اور دیے بغیر لوٹ گیا شہلا شاید اوپر تھی
جبکہ اصولاً" اسے نیچے ہونا چاہیے تھا تاکہ دودھ لے
سکے۔

میں ہمت کر کے اندر لاؤنج میں چلی گئی جہاں یہ
سب تماشا چل رہا تھا جیٹھانی حلق پھاڑ پھاڑ کر چلاتی چلی
جا رہی تھیں۔ شہلا اسی قدر کونے میں دبکی چلی جا رہی
تھی' خود کو بے بس پاتی میں تو خود ایک نظر بٹو کے رتبے
سے ابھی چند دن ہوئے ترقی پا کر اس باعزت مقام تک
پہنچی تھی اور پھر ماں کا اپنی اولاد کے لیے دشمن کے
سامنے سینہ سپر ہونا یا ممتا جیسے کسی جذبے سے تو میں
آج تک ناآشنا ہی تھی لیکن وقت ایک بار پھر اپنی چال
چل گیا جیسے کسی پری نے غیب سے میرے سر پر جادو
کی چھڑی گھمائی اور میں نے بے اختیار بڑھ کر شہلا کو
بانہوں میں بھر لیا۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ اللہ کو مجھ
سے کیا درکار تھا۔ وہ مجھ نظر بٹو جیسے انسان سے کیا کام
کروانا چاہتا تھا۔

میرے اس عمل پر جیٹھانی کو بریک لگ گئے شہلا
سسکی بھر کر مجھ سے چمٹی کھڑی تھی۔ میں اسے اسی
طرح خود سے چمٹائے اوپر لے آئی۔

"اب تم ان لوگوں کا کوئی کام نہیں کرو گی' پوچھیں تو
صاف کہہ دینا کہ امی نے منع کر دیا ہے' ان سے بات
کر لیں سمجھیں؟"

میں اپنے سخت اور بارعب لہجے کو سن کر خود ہی
حیران رہ گئی تھی۔ شہلا کی حیرانی کو کیا خاطر میں لاتی۔
بھئی میں تو اپنی نوکری سے ہمیشہ ہی وفادار رہی ہوں' کام
پسند ہو نہ ہو کرتی پوری جانفشانی اور محنت سے ہوں'
لہٰذا اب شہلا کی ماں کا کام بھی دنیا دیکھے' رات میں
توصیف صاحب کو سارا احوال سنایا تو ان کے دل میں
پہلی بار شاید میرے لیے اطمینان اور اعتماد پیدا ہوا۔

انہوں نے جھجکتے ہوئے بتایا کہ میری بھابھی
صاحبہ کا چھوٹا بھائی شہلا کو بہت پسند کرتا ہے' لڑکا جلد
ہی نوکری کے سلسلے میں کینیڈا جا رہا ہے اور جانے سے
پہلے شہلا سے بات پکی کرنا چاہتا ہے' مگر توصیف
صاحب بات بڑھاتے ڈرتے ہیں۔ میں نے حیرانی سے
پوچھا "جب انہوں نے میرے لیے پیغام بھیجا تھا تو ان
کو ڈر کیوں نہیں لگا تھا؟"

"وہ دراصل... مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ بہت مختلف
شخصیت ہیں۔ آپ میں غرور نہیں محبت دیکھتی ہیں
رتبہ' شکل و صورت نہیں' ہمدرد ہیں' مشکل میں ہیں
مگر پھر بھی ہمت سے جی رہی ہیں۔ آپ کے ساتھ میں
اور میرے ساتھ آپ اچھے سے نباہ کر لیں گے"

انہوں نے اپنے ازلی جھجکتے لہجے میں جواب دیا
میرے دل پر لگ گئی۔ میں کہاں کی ہمدرد' کہاں کی
ہمت والی ہوں میں تو وقت پڑنے پر دوستوں کو تنہا
چھوڑ جاتی ہوں۔ رتبہ' شکل و صورت' محبت' خلوص
کیا' میں تو کچھ بھی نہیں دیکھتی۔ بھاگنے پر آؤں تو سب
کچھ ہی نظر انداز کر کے بھاگ کھڑی ہوتی ہوں۔
توصیف صاحب کچھ سوچتے ہوئے پھر گویا ہوئے تو میں
چونک کر متوجہ ہو گئی۔

"آپ کو شاید پتا ہو گا کہ ایک لڑکے نے ایک بار پہلی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

کوئی آٹھ نو سال پہلے خودکشی کی کوشش کی تھی' آپ جانتی ہیں وجہ کیا تھی؟"

میرا دل ڈوبنے لگا' سانس بے قابو ہو گیا۔ کیا پھر وہی کہانی دوہرائی جائے گی۔ کیا پھر مجھے آزمایا جائے گا۔

"دراصل میں لڑکا بات کرنے میں ہکلاتا ہے۔ اس کمزوری کی وجہ سے بہت احساس کمتری تھا' مجھ سے دوستی کی وجہ یہی تھی کہ میں نے اسپیچ تھراپی میں کورس کیا ہوا تھا اور کبھی ایک ڈاکٹر کے پاس کام کرتا تھا جہاں ایسے ہی بچے آتے ہیں۔ خودکشی کے اقدام پر اس کو ڈاکٹروں نے باقاعدہ بحالی صحت یعنی (Rehabilataion) کے لیے ہمارے پاس بھیجا تھا گو کہ عمر کا اتنا چھوٹا نہیں تھا مگر مجھے یہ بچہ بہت سہما ہوا اور ڈرا ڈرا سا لگا۔ گھر میں بڑے بھائی بہن بہت مذاق اڑاتے تھے اور اس بے چارے کا دل دکھاتے تھے۔ ماں باپ کے رویوں میں لاپروائی تھی۔ میں محبت سے پیش آیا تو وہ مجھ سے مل گیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں اس نے خود کو سنبھال لیا اور پڑھنے باہر چلا گیا۔"

توصیف صاحب سانس لینے رکے ہی تھے کہ میرے خیالات کی رو بہہ نکلی۔

ہکلاتا ہے؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ میرے سامنے تو کبھی بھی نہیں ہکلایا۔ ہم نے کتنی ہی باتیں کی۔ کئی بار ایک دوسرے کے ساتھ کئی کئی گھنٹے رہے اور کتنی ہی بار ہم دونوں پڑھی ہوئی کتابوں کے اوپر اپنی رائے دیتے۔ اس کے لہجے کی ہکلاہٹ آج تک مجھے کیوں نہ محسوس ہوئی۔ نہیں میں نہیں مان سکتی' وہ ایک بار بھی میرے سامنے نہیں ہکلایا' وہ تو بڑی رواں اور شستہ اردو میں بات کیا کرتا تھا۔

"دراصل میں اس دن بھی اس کی اکلوتی بڑی بہن یعنی آپ کی بھابھی صاحبہ نے بڑا ظلم کیا تھا کہ اسے بہت کھری کھری سنا کر اس کے ہکلانے پر مذاق اڑایا تھا۔ خیر یہ سب تو وہ کرتی ہی تھیں مگر اس دن وہ کچھ زیادہ ہی جذباتی ہو گیا تھا۔ گھر میں اکیلا تھا۔ تو بس ایسے میں کوئی سننے والا' سمجھانے والا مل جاتا تو شاید اسے ایسا قدم نہ اٹھانا پڑتا' مگر کم عمر تھا ناں تو بس کچھ زیادہ ہی دل پر لے گیا۔"

یہ کہتے ہوئے توصیف صاحب نے مجھے بغور دیکھا اور میں سمجھ گئی کہ اب وہ لمحہ آنے کو ہے۔ شاید پہلی بار مجھے اس مخصوص لمحے کے آنے سے پہلے خبر ہو گئی تھی۔ میں تیار ہو گئی۔ خود کو ہوشیار کر لیا' پھر سے چشم دید گواہ' میں ہی بننے جا رہی تھی۔ پتا نہیں مقتول بھی میں ہوں یا....

"اسے کچھ کچھ آپ کا بھی دکھ تھا۔"

توصیف صاحب نے دھیرے سے ٹھہر ٹھہر کر بات مکمل کی۔

"میرا؟" میرے منہ سے تو نکل گیا تھا مگر میں جانتی تھی کہ سچ کا ایک پہلو تو یہ بھی ہے۔

"ہاں! آپ کوئی غلط مطلب نہ نکالیں۔ اس نے بتایا تھا مجھ سے کچھ نہیں چھپاتا' آپ دونوں کی دوستی' ایک دوسرے کے ساتھ کتابوں پر تبصرے' سب کچھ بتاتا رہا ہے اور پھر اس نے بڑی ہی عجیب بات بتائی۔"

توصیف صاحب پھر سے رک کر مجھے دیکھنے لگے۔ میں نے نظریں جھکا لیں۔۔۔ وہ پھر بولے۔

"اس نے بتایا تھا کہ آپ کے ساتھ وہ کبھی بھی نہیں ہکلایا۔ پہلی ہی ملاقات سے جیسے آپ کے ساتھ ہوتے ہوئے اس کی خوداعتمادی بحال ہو جاتی تھی' تمام الفاظ جیسے خود بخود اس کی زبان سے پھسلتے چلے جاتے۔ وہ خود بھی بڑا حیران ہوتا' پھر چند دنوں بعد اسے آپ سے بات کرنا اچھا لگنے لگا اور آپ سے ملنا ضروری سمجھنے لگا۔"

میں ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔ ہم بہت سے لوگوں سے ملتے ہیں ہر کوئی ہماری کوئی نہ کوئی ضرورت پوری کر رہا ہوتا ہے۔ کبھی جان کر کبھی انجانے میں اصل قدر دان تو وہ ہے جو اپنی ضرورت پورا کرنے والے کو نہ صرف پہچان لے بلکہ اس کا احسان مند بھی ہو۔ وہ تو ایسا ہی کوئی قدر دان نکلا مگر میں کس قدر کند ذہن نکلی کہ ابھی تک نہیں سمجھ پائی تھی میں۔

بے چین ہو گئی اور جلدی میں محفل برخاست کرنا چاہتی تھی کہ توصیف صاحب نے ایک اور انکشاف کر دیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"شہلا اس سے ٹیوشن لیتی تھی' کبھی کبھار کوئی کتاب وغیرہ کے تبادلے بھی ہوئے ہوں گے' جب اس نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ میاں تم تو اس قدر اونچے خاندان کے پڑھے لکھے' خوب صورت جوان اور کہاں ہم بے چارے زمین سے لگے ہوئے فقیر تو اس نے جذباتی ہو کر بتایا کہ' زندگی میں دوسری بار اس کی خود اعتمادی بحال ہوئی ہے' آپ کے وقت میں وہ مجبور تھا' کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا' مگر اب۔"

توصیف صاحب خاموش ہوئے تھے کہ میرے منہ سے نکل گیا۔

"زمانہ بدل گیا ہے۔" ہم دونوں مسکرا اٹھے۔

ایک دو دن بعد شہلا سے اس کی مرضی معلوم کر کے میں ڈرتے ڈرتے بھائی صاحب کے گھر پہنچ گئی۔ شروع کے چند لمحے اچھی آؤ بھگت کی گئی اور پھر سب اپنے کام دھندوں میں لگ گئے۔ میں بھابھی صاحبہ کے پاس پہنچ گئی۔ ان کو احوال بتایا۔ چھوٹے بھائی کی پسند بتائی' شہلا کی تعریف کی' سلجھی ہوئی' پڑھنے میں بھی تیز' شکل وصورت میں بھی اچھی اور کیا چاہیے؟

بھابھی صاحبہ پھر سے زبان کی بری ہو گئیں' مجھے کھری کھری سنانے لگیں۔

"شکل دیکھی ہے ان لوگوں نے آئینے میں' اوقات بھول گئے ہیں وہ لوگ اپنی' میرے معصوم بھائی کو محبت کے جال میں پھانس لیا ہے۔ ورغلا کر اب شادی بھی کرنا چاہتے ہیں۔ ہم جیسے لوگ اتنا نہیں گرتے۔" وہ نخوت سے شروع ہو چکی تھیں۔

مجھے بڑی حیرانی ہوئی' خود محبت کی شادی کر لیں تو ٹھیک' اپنے بھائی سے کوئی لڑکی محبت کی شادی کرنا چاہے تو ورغلایا گیا ہے' پھانس لیا ہے جیسے سنگین الزام' وہ خاندان جو نند کے لیے بالکل ٹھیک لگا' اپنے بھائی کے لیے چھوٹا کمتر ہو گیا؟

وہ جو کہتے ہیں کہ مسلمان کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ اپنے بھائی بہن کے لیے بھی وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے' مگر یہ سب تو کہانیوں کی باتیں ہیں' زندگی کے اصول کچھ اور ہی ہیں' بھائی صاحب کے کمرے سے ناکام مایوس سر جھکائے نکل ہی رہی تھی کہ بھابھی صاحبہ آتی نظر آئیں' میں نے خود کو سنبھالا نوکری کا سوال ہے بھابھی صاحبہ بولیں۔

"جا رہی ہو؟ کھانا کھا کر جاتیں؟ اچھا چلو جیسے تمہاری مرضی' بس اتنا کہنا ہے کہ توصیف بھائی کو سمجھا دینا' ہمارے خاندان اور ان کے خاندان میں کافی فرق ہے' یہ رشتہ ممکن نہیں۔"

میں اپنی نوکری وفاداری سے کرتی ہوں' اپنا کام بروقت' ہر حال میں پورا کرتی ہوں اور اب میری نوکری نظر بٹو کی نہیں بلکہ ایک ماں کی تھی اور شاید ایک دوست کی بھی' میں نے گلا کھنکھار کر ممتا اور دوستی کے زعم میں جواب دیا۔

"ہاں خاندان میں فرق واضح ہے' مگر خاندان کا ایک جیسا ہونا' شکل وصورت کا اچھا ہو' پیسہ' جائیداد' یہ سب کوئی ناپنے کا آلہ نہیں ہیں جو ناپ تول کر جڑنے والے انسانوں کو بتادے کہ اس کے ساتھ تمہارا صحیح جوڑ ہے۔ یہی تمہارا دوست بننے کا اہل ہے' یہی تمہاری روح کو دوام بخشے گا' وہ بس ایک نظر' بے خیالی میں کہا گیا کوئی جملہ یا پھر کسی کے ساتھ سے خود اعتمادی محسوس کرنا۔ کچھ بھی ہو سکتا ہے' اور کچھ ایسے قدر دان بھی اسی دنیا میں پائے جاتے ہیں جو اپنی ذات کو مکمل کرنے والے کو دل سے لگانا اور آنکھوں میں بسانا جانتے ہیں' اتفاق ہی سمجھیں کہ آپ کا چھوٹا بھائی ایسے ہی قدر دانوں میں شامل ہے' میں آپ سے اجازت لینے نہیں آئی تھی میں تو صرف اطلاع دینے آئی تھی کہ آپ کا خاندان' شادی کی تیاری شروع کر دے۔"

بھابھی پر کیا گزری' یہ دیکھنے کے لیے میں وہاں رکی نہیں تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"یہیں پہ تو رکھے تھے اب نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں۔"

وہیل چیئر کو گھسیٹتے ہوئے انہوں نے بیڈ روم سے کچن تک کا فاصلہ طے کیا تھا۔ کچن میں رکھے مائیکرو ویو کے اوپر ہاتھ پہنچنا مشکل تھا مگر جیسے تیسے کر کے پہنچ ہی گیا تھا۔ ان کے ہاتھ سے وٹامن کی شیشی لڑھک کر نیچے جا گری تھی مگر مطلوبہ چیز میسر نہ آسکی، انہوں نے کچن کی مختلف درازوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔

صائمہ اقبال

معافی

Downloaded From paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ڈھونڈوں۔" سر پر ہاتھ مارتے ہوئے تاسف کا اظہار کیا۔ اب ان پر چڑچڑا پن طاری ہونے لگا تھا۔

"یہاں بھی نہیں تو کہاں ہو سکتی ہے دوا۔"

انہوں نے وہیل چیئر گھسیٹ کر دوبارہ کچن سے بیڈ روم تک کا سفر طے کیا تھا۔ داہنی طرف کی دراز وہ پہلے ہی کھنگال چکے تھے ایک بار پھر اسی کی تلاشی لی جا رہی تھی۔

"ہائے۔" ٹانگ میں درد تو تھا ہی اب پیٹ میں بھی اینٹھن ہونے لگی تھی۔ اتنی دیر سے وہ درد کی دوا ہی کی تلاش میں تھے۔ جو ابھی تک مل کے ہی نہ دی تھی۔

"فریحہ کو فون کرتا ہوں" آکر دیکھ لے یا کم از کم میرے لیے کیپسول ہی لیتی آئے۔"

انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کا نمبر ملایا۔ دیر تک بیل ہونے کے بعد بھی فون نہیں اٹھایا گیا تھا فون بج بج کر خود ہی بند ہو گیا تھا۔ دوسری طرف وہی سکون تھا جس کے وہ عادی تھے۔

"اس نے بتایا تو تھا کہ اس کی کانفرنس ہے اور وہ امریکہ جا رہی ہے۔ مصروف ہو گی، شاید خود ہی فون کر لے۔"

انہیں یاد آیا کہ دو دن پہلے ہی تو ان کی فریحہ سے بات ہوئی تھی۔ "کیسا بھلکڑ ہوتا جا رہا ہوں۔"

خود کو کوستے ہوئے انہوں نے فون بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پٹخ دیا۔

"ہائے مر گیا۔" درد کی شدید لہر نے ایک دم ہی ان کو تڑپا دیا تھا۔ وہیل چیئر بیڈ کے ساتھ جوڑتے انہوں نے خود کو بیڈ پر گرا لیا۔ وہ اونچی آواز میں بچوں کی طرح واویلا کر رہے تھے۔ شام تک اس درد میں ناقابل بیان حد تک اضافہ ہو چکا تھا۔ مگر فریحہ کا فون ابھی تک نہیں آیا تھا۔

"اب کیا کروں، اسٹیو کو ہی فون کرتا ہوں۔" انہوں نے سیل ہاتھ میں پکڑا۔

"یا تھوڑی دیر اور انتظار کر لوں شاید ——

"لعنت ہے بھئی۔ اب کیا کروں، کہاں —— درد کم ہو جائے۔"

انہیں ہسپتال اور اس کے ماحول سے نفرت تھی اسی لیے وہ آخری حد سے بھی آگے جا کر اس درد کو برداشت کرنا چاہتے تھے۔

☆ ☆ ☆

لندن کے اس مصروف علاقے میں زیادہ تر ایشیائی آباد تھے۔ انہوں نے اپنی تنہائی ہی کی وجہ سے یہاں گھر خریدا تھا۔ گلاس ونڈو سے نظر آتا باہر کا منظر اور گزرتے لوگ ان کا دیکھنا مشغلہ تھا، کتنی کتنی دیر وہ اس کھڑکی میں بیٹھے نیچے دیکھتے رہتے۔ شوگر کی وجہ سے ایک ٹانگ سے محروم ہو چکے تھے اور دوسری ٹانگ میں درد ناقابل برداشت حد تک بڑھ گیا تھا۔

"فریحہ! تمہارے ڈاکٹر ہونے کا مجھے کیا فائدہ ہوا۔" درد سے تڑپتے ایک شکوہ ان کے لبوں سے آزاد ہوا تھا۔ ان کی بیٹی ڈاکٹر تھی اور وہ دوا کو ترس رہے تھے۔

فریحہ شادی شدہ تھی۔ اس نے ان کی مرضی کے خلاف ایک بال بچوں والے آدمی سے شادی کر لی تھی ۔ دو بچوں کا باپ ان کی بیٹی کو خوش رکھ رہا تھا یا نہیں لیکن وہ خود بالکل خوش نہیں تھے۔

وقت اپنے آپ کو دہراتا ہے اور دہرا رہا تھا۔ انہوں نے بھی تو فائزہ سے دوسری شادی کی تھی۔ فائزہ سے ان کی ملاقات لندن میں ایک سیمینار میں ہوئی تھی اور پہلی ملاقات ہی میں دل ہار بیٹھے تھے، فائزہ سے دوسری شادی کے وقت ان کی پہلی شادی سات سال پرانی ہو کر کھڈے لائن لگ چکی تھی، ان سات سالوں میں ان کے صرف دو چکر پاکستان کے لگے تھے۔

نعیمہ ان کے والدین کی پسند اور ان کی فرسٹ کزن تھی جسے انہوں نے کبھی بھی قابل اعتنا نہ سمجھا تھا اور بیوی بن کر تو اس نے ساری کشش ہی کھو دی تھی۔ نعیمہ ان کے والدین کی خدمت گزار تھی اور جتنا عرصہ وہ پاکستان رہے اس نے ان کو مکمل آرام پہنچانے کی کوشش کی تھی مگر انہیں خدمت گزار بیوی سے چڑ تھی ۔ کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی دائرے میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

گھومتی بے کشش ہستی، جس کے اندر تک پیاز، لہسن اور مسالوں کی بو رچ بس گئی تھی۔ اس کے پاس جانا انہیں ہمیشہ ناگوار گزرا کرتا۔ انہیں اپنے گھر کے قریب بنے ہوٹل کا چھوٹا یاد آجاتا جس کے کپڑوں سے مسالوں کی ایسی ہی مہک آیا کرتی تھی۔ ان کی بیوی بھی ایک ایسا چھوٹا ہی تھی جو بغیر تنخواہ کے ان کے ماں باپ کی خدمت کر رہی تھی۔

لندن آکر جہاں ان کا رہن سہن بدلا تھا وہیں ان کی ناک نے مختلف خوشبوؤں کی پہچان میں بھی پی ایچ ڈی کرلی تھی بالکل گوروں کی طرح۔ قریب سے گزرنے والے کسی دیسی کے کوٹ سے کس طرح کی بو آرہی تھی ان کی ناک کو فوراً پتا چل جاتا تھا۔

"کیپسول کا پتا تو میں نے خود بیڈ کے دوسری طرف کی دراز میں رکھا تھا۔"

انہوں نے پرامید نظروں سے بیڈ کے دوسری طرف دیکھا اور پھر رینگتے رینگتے بیڈ کی دوسری جانب چلے گئے۔ اور واقعی کیپسول کا وہ پتا انہیں بیڈ کی تیسری دراز میں پڑا مل گیا۔ ایک بار پھر رینگتے وہ داہنی جانب آ گئے۔

"اُفوہ۔" "ایک بار پھر اٹھنا پڑے گا۔"

گلاس اور جگ دونوں خالی تھے، پانی لانے کے لیے ایک بار پھر انہیں اٹھنا تھا۔ درد کی ٹیسوں کو نظرانداز کرتے ایک بار پھر وہیل چیئر پر بیٹھ کر انہوں نے کچن تک کا سفر کیا تھا۔

"شکر ہے۔ اب تھوڑی دیر میں طبیعت بہتر ہو جائے گی۔" پانی لے کر انہوں نے کیپسول نگل لیا اور خود کلامی کرتے ہوئے ایک بار پھر بیڈ روم میں آ گئے۔

بیڈ پر لیٹ انہوں نے سونے کی کوشش کی مگر ان کا ذہن جانے کہاں بھٹک رہا تھا۔

فائزہ سے پہلی نظر کی محبت ہوتے ہی نعیمہ ان کے دل سے ہمیشہ کے لیے اتر گئی تھی۔ فائزہ کو ان کی پہلی شادی، پہلی عورت سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ فائزہ کی دو بہنیں تھیں جو شادی شدہ تھیں سو شادی میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ فائزہ اپنے فیصلوں میں بالکل ان کی طرح خود مختار تھی۔

سوچتے سوچتے نہ جانے کب آنکھ لگی تھی کہ درد کی تیز لہر نے انہیں بیدار کر دیا۔ دوا بھی درد ختم کرنے میں ناکام رہی تھی۔ اب درد ان کی برداشت سے باہر تھا۔ شاید اب بیساکھیوں کے سہارے چلنا بھی موقوف ہونے والا تھا۔ اب فون کرنا ضروری ہو گیا تھا۔

"ہیلو اسٹیو! میری ٹانگ میں بہت درد ہے میں نے دوا بھی لی مگر کئی گھنٹے گزر گئے کوئی فرق نہیں پڑا درد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ فریحہ لندن میں نہیں ہے تمہیں ایمبولینس کا انتظام کرنا پڑے گا۔"

اسٹیو ان کا کیئر ٹیکر تھا جو ہفتے میں چار دن ان کے پاس آتا تھا۔ اسٹیو کے آنے کے بعد کے کچھ گھنٹے ان کے دن کے بہترین گھنٹے ہوا کرتے تھے۔

"شاید اس طرح درد کچھ بہتر ہو جائے۔"

تکیے کے سہارے اونچا ہو کر بیٹھنے کی کوشش کرتے وہ بے دم سے ہو گئے تھے۔ تکیہ نکال کر انہوں نے خود کو بیڈ پر ایک بار پھر گرا لیا۔

"ہیلو!"

وہ عالم بیداری میں تھے یا عالم بے ہوشی میں، پرانی باتیں رہ رہ کر یاد آرہی تھیں۔ ان کا ذہن پاکستان سے آنے والی کئی سال پہلے کی کال میں گم تھا۔ یہ ان کی دوسری شادی کی تیسری سالگرہ تھی۔

"ابا کا آج صبح انتقال ہو گیا۔ آپ کو بار بار یاد کرتے رہے اور پھر اچانک......"

اس مسالوں کی بو بھی رچی عورت کے اندر اس کے باپ کی محبت نہ جانے کب رچ بس گئی تھی۔

بھرائی ہوئی آواز کی بدولت وہ جملہ مکمل نہ کر پائی تھی۔ فون اس کی اماں کو منتقل کیا جا چکا تھا۔ ان کی ذمہ داریاں پوری کرتے کرتے وہ خود کو بھول گئی تھی۔ وہ عورت جسے انہوں نے دس سالوں میں دس بار بھی یاد نہیں کیا تھا۔ ان کے وہ وعدے بھی پورے کر رہی تھی جو انہوں نے سرے سے کبھی اس سے کیے ہی نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تھے۔

"اماں! فائزہ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ آخری ہفتہ چل رہا ہے۔ ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ بچہ اور ماں دونوں بہت کمزور ہیں' کسی وقت بھی اسپتال جانا پڑ سکتا ہے۔"

ماں کی روتی آواز ان کے جملوں سے یک دم بند ہو گئی تھی۔ بوجھل خاموشی طاری تھی جب دوسری طرف سے ابھرنے والی آواز نے ان کو ایک دم ہی شرمندہ کر دیا تھا۔

"اچھا پتر! ٹھیک ہے' اللہ خیر کرے۔"

ان کی بہت ساری باتوں کے جواب میں ایک جملہ اور پھر فون رکھ دیا گیا تھا۔ کچھ عرصہ پہلے ہی تو ان کی دوسری شادی کا راز فاش ہوا تھا۔ ان کے دوست منیب کے کزن نے ہی ان کے گھر بتایا تھا۔

اور وہ اپنے باپ کے مرنے پر بھی پاکستان نہیں گئے تھے۔ کچھ دن رہنے والی شرمندگی بیٹی کی پیدائش کے ساتھ ہی رخصت ہو گئی تھی۔ ننھی فریحہ کا پہلا لمس ابھی بھی ان کے بوڑھے ہاتھوں میں جوان تھا۔ ٹانگ کے درمیان تکیہ رکھ کر انہوں نے خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

"اسٹیو آنے والا ہو گا۔"

عالم ہوش میں یہ ان کی آخری سوچ تھی۔

✡ ✡ ✡

"آر یو او کے۔ کیا آپ ٹھیک ہیں؟"

ایمبولینس جھٹکا کھا کر رکی تھی۔ نہ جانے پوچھنے والا کون تھا ان کے بیدار ذہن نے وہ جملہ سنا تھا۔ اسٹریچر گھسیٹا جا رہا تھا' ہسپتال کی وہی لمبی راہداری' اسٹریچر گھسیٹتے وارڈ بوائز اور ہسپتال اور اس کے ماحول سے نفرت کرنے والا شخص' انہوں نے سر جھٹک کر خود کو اس راہداری کی لمبائی سے باہر نکالنا چاہا۔

"کیا آپ ٹھیک ہیں اماں۔"

اور وہ اس راہداری سے نکلنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ کئی سال پہلے کا منظر ان کے ذہن میں اب بھی تازہ تھا۔ ہاں وہ خود ہی تو پوچھ رہے تھے۔ اماں نے انہیں بصد اصرار بلایا تھا۔

"سہیل! ایک بار بس ایک بار اپنی شکل دکھا دے میری آنکھیں ترس گئی ہیں تجھے دیکھنے کے لیے۔ اب تو نظر بھی کمزور ہو گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ نظر آنا بند ہو جائے۔ ایک بار آجا میرے پتر!"

کیسی التجا تھی ان کی ماں کے لہجے میں اور پھر نہ جانے کیا ہوا تھا۔ وہ کس موڈ میں تھے کہ ایک ہفتے کے اندر اندر ساری تیاری مکمل کر کے وہ ان کے پاس تھے۔

"میری آنکھوں کی روشنی تو تو تھا میرے بچے' پھر آنے میں اتنی دیر کیوں لگا دی۔"

جھریوں بھرے ہاتھوں والی عورت ان سے لپٹ کر رو رہی تھی۔ نہ جانے کس کس موقع کے لیے سنبھالے گئے آنسو تھے جو ان کو دیکھتے ہی بے اختیار ہو گئے تھے۔ آنسو ان کی شرٹ میں جذب ہوتے رہے۔ ماں کو تھپکتے ان کی نگاہیں دور کھڑی عورت سے ملی تھیں۔ اس کی یاسیت بھری نگاہوں میں نہ جانے کیا تھا کہ خود ان کی نظریں جھک گئی تھیں۔ اجنبی عورت' جو ان کی بیوی تھی' ان کی ماں کے ساتھ رہتے رہتے نہ جانے کب ان ہی کے جیسی لگنے لگی تھی۔

"بس اماں! اب میں آگیا ہوں نا۔" ادن کی تسلیوں نے ماں کو بہلا لیا تھا۔

"Can you hear me." ("کیا آپ مجھے سن سکتے ہیں۔")

دور سے آتی آواز کتنی قریب تھی۔ انہوں نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔ جوان ڈاکٹر ان پر جھکا ان سے پوچھ رہا تھا انہوں نے آہستگی سے سر ہلا دیا۔

"کہاں کہاں درد ہے؟"

ان کی سوجی ہوئی زخم شدہ ٹانگ کا معائنہ کیا جا رہا تھا۔ ڈاکٹر ٹانگ کے مختلف حصوں کو ٹھونک بجا کر چیک کر رہا تھا۔ جہاں جہاں درد تھا وہ سر ہلا کر بتاتے جا رہے تھے۔ اب انہیں کتنے دن تک یہاں رہنا تھا اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ان کے بعد نہ جانے وہ یہ ٹانگ لے کر گھر جاسکیں گے یا پھر۔۔۔

انہوں نے اپنا دھیان پھر کسی اور جانب لگانا چاہا۔ کمرے سے فرار ہونا اتنا آسان تو نہیں تھا۔ ہسپتال کی مخصوص ــــ بو نتھنوں میں گھسی چلی آرہی تھی۔

"اماں! اتنا کھانا کون کھائے گا؟"

یہ پاکستان میں ان کے قیام کے پہلے دن کی پہلی شام تھی۔ کھانے پر اتنا اہتمام دیکھ کر وہ حیران رہ گئے تھے۔ وہ سب کھانے جو انہیں کبھی پسند ہوا کرتے تھے، ٹیبل پر موجود تھے۔ قورمہ، بریانی، کباب، نان، سلاد اور نہ جانے کیا کیا۔

فائزہ لیگل ایڈوائزر تھی۔ بہت مصروف رہا کرتی، گھر میں اس کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر تھا فریحہ کی پیدائش کے بعد فائزہ اپنے آپ کو بندھا ہوا محسوس کرنے لگی تھی اور اس کے کچھ مہینے کی ہونے پر اس کو ڈے کیئر چھوڑ کر اس نے اپنی یہ مشکل بھی آسان کرلی تھی۔ اس کی دفتری سرگرمیاں پھر زور و شور سے جاری ہوگئی تھیں۔ کھانا عموماً "باہر سے کھایا جاتا تھا" اس لیے اتنا اہتمام دیکھ کر انہیں بہت حیرت ہوئی تھی۔

"نعیمہ سارا دن لگی رہی ہے تیری پسند کی چیزیں بنانے میں۔"

اماں نے نعیمہ کی جانب اشارہ کیا جو سکڑ سمٹ کر میز کے کونے میں چھپنے کی کوشش میں مصروف تھی۔ نہ جانے اس وقت کیوں وہ انہیں ایک چھوٹی سی بچی لگی تھی جو مہمانوں کے آنے پر چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ایک دم ہی ان کے اندر شکر گزاری کا احساس بیدار ہوا تھا۔

"پتر! اب تو نعیمہ کو بھی ساتھ لے جا۔ اس نے بڑی مشکل کاٹی ہے۔ بڑی ہی بی بی کڑی ہے۔ اس نے ہماری اتنی خدمت کی ہے کہ اگر اپنی دھی بھی ہوتی تو اتنا نہ کرتی۔ تیرے ابا اور میرا خیال رکھتے رکھتے خود کو بھول گئی، ساری عمر برباد کردی اس نے ہمارے لیے، اس کی بہن اور بھائی تو کئی بار اس کو الگ ہونے کا کہہ چکے اور کئی بار تو خود میں نے بھی اس نمانی کو کہا۔ اگر یہ اس کی سزا ہے تو اب یہ سزا ختم کردے۔ سزا کی بھی تو کوئی مدت ہوتی ہوگی، بس کر پتر! اب بس کر دے، خدا سے ڈر۔"

ان کی ماں اس عورت کی محبت میں پور پور ڈوبی ہوئی تھی، جس سے انہوں نے بلاوجہ نفرت کی تھی۔

"تجھ سے اتنی محبت کرتی ہے۔۔۔ اسی لیے تو اب تک تیرے نام پہ بیٹھی ہے۔" وہ نہ جانے کہاں چلی گئی تھی۔ کمرہ اس کے وجود سے خالی تھا۔

"اچھا اماں! لے جاؤں گا۔"

اور ماں نے بے یقینی سے اسے دیکھا تھا۔

بیڈ کے کنارے پر ٹکی وہ عورت جسے لوگ ان کی بیوی نعیمہ کے نام سے جانتے تھے ان کے لیے اتنی ہی اجنبی تھی جتنی دوسری کوئی عورت ہو سکتی تھی۔ سالوں کا مہیب و طویل فاصلہ ان دونوں کے بیچ حائل تھا۔ کئی منٹ تو ان کو سوچنے میں لگے تھے کہ اسے مخاطب کیسے کیا جائے شاید وہ بھی ایسی ہی کسی بے چینی کا شکار تھی۔ اپنے نام کی طرح پرانے خیالات کی مالک عورت، نئے کپڑوں میں ملبوس بلاوجہ الماری میں سر گھسیڑے کھڑی تھی۔

"مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

دل میں ابھرنے والی سوچ پر دل یکدم فخر سے بھر گیا تھا۔

"ہاں تو مجھ سے محبت ہی کی جاسکتی ہے۔"

ان کا اپنی ذات پر فخر تھا کہ ختم ہونے میں ہی نہ آتا تھا۔ وہ ایک شاندار مرد تھے۔ اونچے لمبا خوب رو، اعلا تعلیم یافتہ اور تعلیم یافتہ تو وہ بھی تھی۔ کبھی خوب صورت بھی تھی مگر اس کی خوب صورتی انہیں بھلا کب متاثر کر سکی تھی۔

"آپ کو کچھ دن تک ہسپتال میں ہی رہنا پڑے گا۔" اور یہ بات تو وہ پہلے ہی جانتے تھے۔ ان کی ٹانگ کا معائنہ اور ٹیسٹ کرنے کے بعد انہیں وارڈ میں شفٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کر دیا گیا تھا۔ نہ جانے کون سی دوا تھی۔ جس سے اب درد کی شدت تھم گئی تھی۔ ٹانگ اب بے حس سی تھی۔ سیدھے لیٹ کر وہ چھت کو تکنے لگا۔

"نا جانے اسٹیو ان کو چھوڑنے یہاں تک آیا تھا یا پھر ویسے ہی ایمبولینس کو فون کر دیا تھا۔"

ایک لمبا سانس لیتے ان کا دھیان پھر پرانے زمانے کے نام والی مسالوں میں بسی عورت کی جانب مڑ گیا تھا' آج کل وہ بے حد یاد آیا کرتی تھی۔ جس کو انہوں نے کبھی اپنے آس پاس' اپنی زندگی میں گھسنے نہ دیا تھا' بلا روک ٹوک ان کے خیالوں میں گھسی چلی آتی تھی اور وہ اسے روک بھی نہ پاتے تھے۔

"کھانا بہت اچھا تھا۔ بہت عرصے بعد اتنا اچھا کھانا کھایا۔"

کمرے میں چھائی خاموشی ان کے بہت سوچنے کے بعد ترتیب دیے گئے جملے سے ٹوٹی تھی۔ الماری میں کئی منٹ سر گھسیڑے کھڑے رہنے کے بعد اب وہ بیڈ کے انتہائی دوسرے کنارے پر بیٹھی کوئی رسالا کھنگال رہی تھی۔

"شکریہ۔"

کئی سیکنڈ ان کی طرف دیکھنے کے بعد اس نے کہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہلکورے لیتا غم انہیں پہلے کبھی کیوں نظر نہیں آیا تھا۔ کتنے ہی سیکنڈ وہ بھی اس کی آنکھوں میں جھانکتے رہے۔ مڑی ہوئی لمبی پلکوں والی آنکھوں کو کبھی غور سے دیکھا ہی نہ تھا۔ وہ بنا جرم کے سزا کاٹ رہی تھی۔

"پتر! اب بس کر دے۔"

ماں کا کہا جملہ اب بھی ان کے کانوں میں گونج رہا تھا۔

"اسے ساتھ لے جا اب پتر! اس نے بڑی "مشکل" کاٹ لی۔"

لیکن لندن میں' ان کی زندگی میں اس کی جگہ تو کہیں بھی نہیں تھی۔ نہ پہلے نہ آج تو وہ اس کو کہاں لے جاتے۔

"اسے طلاق دے کر آزاد کر دینا چاہیے۔"

ان کی پر سوچ نظریں ابھی تک اسی پر ٹکی تھیں۔ اس سوچ پر ان کا اپنا ضمیر چلا اٹھا تھا۔

"اب اتنے سالوں بعد جب اس کے بالوں میں چاندی کی چمک تھی۔ یہی فیصلہ تم نے پہلے کیوں نہ کیا۔"

ان کا ضمیر آج بار بار انہیں کچوکے لگا رہا تھا۔

"اماں ابا اکیلے تھے تو ان کے لیے۔" سوال و جواب کا دور چل رہا تھا۔

"وہ تو تمہاری ذمہ داری تھی' تمہارے ماں باپ بھی تمہاری ہی ذمہ داری تھے تو تم نے خود کیا کیا اور اب۔۔۔"

"و کس منہ سے اس کا سامنا کر رہے ہو سہیل احمد!"

اور ایک بار پھر وہ ہسپتال کے اسی کمرے میں واپس آ گئے تھے۔

☆ ☆ ☆

"ہماری بہن کو تم نے لاوارث سمجھ رکھا ہے۔ کتنے سال ہو گئے اسے تمہارے نام پر بیٹھے ہوئے اور ابھی بھی۔۔۔"

نعیمہ کا بھائی رفاقت علی ان سے ملنے آیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ بول رہا تھا۔ اس کا گھر تھوڑی ہی دور تھا۔ نعیمہ کی بہن بھی آئی تھی۔ دونوں اپنے گھر میں مگن تھے۔ نعیمہ کی ویران آنکھیں خاموش رہتے ہوئے بھی بولتی رہتی تھیں۔ اس نے کبھی کسی سے کوئی شکوہ نہ کیا تھا مگر بھائی جب بھی اسے دیکھتا۔ اس کی ساری ہستی ہل جاتی۔

"تم نے شادی کر لی' ہم نے پھر بھی صبر کیا لیکن یہ کب تک ادھر بیٹھی رہے گی اور اب کتنے سال کے بعد آئے ہو تم۔"

دوسری شادی کے بعد رفاقت نے فون کر کے انہیں سخت باتیں سنائی تھیں لیکن وہ سب اب قصہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بار نہ تھیں۔ وہ انہیں بھول چکے تھے۔ اب بھی ان کے سامنے بیٹھے خاموشی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔

"اس بار تم اسے ساتھ لے کر جاؤ گے۔"

رفاقت نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں تنبیہہ کی۔ اس کی آنکھوں میں ان کے لیے نفرت ہی نفرت تھی۔ اتنی نفرت انہوں نے آج تک اپنے لیے کسی کی آنکھوں میں نہیں دیکھی تھی۔

"میں نے تو نہیں کہا تھا کہ اپنی بہن کی شادی میرے ساتھ کرو' یہ تمہارے اور میرے ماں باپ کا مشترکہ فیصلہ تھا اس میں میرا کیا قصور ہے۔ میری پسند نا پسند کی فکر کسے تھی۔"

وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوچ رہے تھے۔

"ایک ایسی عورت کو میرے سر پر مسلط کر دیا گیا جو سرے سے مجھے کبھی اچھی ہی نہیں لگی اور ابھی بھی قصور میرا ہی ہے۔" ان کی سوچ اتنی ہی خود پسند تھی جتنے وہ خود تھے۔

"وہ' آہ' درد سے مر رہا ہوں میں' کوئی ہے؟"

ٹانگ میں جیسے آرے چلنے لگے تھے۔ درد حد سے بڑھ گیا تھا' رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔ وقت کا حساب رکھنا بھی چھوڑ دیا تھا انہوں نے۔ بیڈ کے ساتھ لگے بٹن پر ہاتھ دھرتے ہی انہوں نے دروازے کی جانب دیکھنا شروع کر دیا۔

"میری ٹانگ میں' بہت درد ہے' بے حد اذیت ناک مجھے بس اس سے نجات دلا دو' کوئی ایسی گولی دے دو کہ سب ٹھیک ہو جائے۔"

نرس کو دیکھتے وہ بے اختیار ہو گئے تھے۔ اس کے آنسو ان کا چہرہ بھگو رہے تھے۔

"اچھا اچھا ابھی ٹھیک ہو جائے گا۔" نرس ان کو تسلی دے کر چلی گئی تھی۔

"یہ لے لو کچھ دیر بعد سکون مل جائے گا۔ صبح آپ کے ٹیسٹ کی رپورٹس آئیں گی تو ڈاکٹر دیکھ کر کچھ فیصلہ کریں گے۔"

نرس نے کچھ دوائیاں پانی کے ساتھ ان کی جانب بڑھا دیں۔ انہیں نگلنے کے بعد وہ نرس کو جاتا دیکھتے رہے۔

"اسے بھلا میری کیا فکر ہو گی۔ ایک لاوارث بوڑھے سے کسی کو کیا ہمدردی ہو سکتی ہے۔ دو سیکنڈ بھی ٹھہرنا گوارا نہیں کیا اس نے' کیسے چلی گئی۔ ہونہہ۔"

خود ترسی کی کیفیت اور منفی سوچیں امڈ امڈ کر آتی تھیں اور وہ ان ہی کے دھارے پر بہتے چلے جاتے تھے۔

"فکر' ہمدردی۔" ان دونوں لفظوں نے انہیں جکڑ لیا تھا بالکل ایک آکٹوپس کی طرح "فکر اور ہمدردی" جیسے لفظوں کے مفہوم سے ناواقف شخص آج دوسروں سے توقع کر رہا تھا کہ وہ اس سے ہمدردی کریں اور اس کی فکر کریں۔

☼ ☼ ☼

"بھائی جان! مجھے کہیں نہیں جانا آپ کو اور اماں کو چھوڑ کر' سہیل کئی بار مجھے لے جانے کا کہہ چکے ہیں مگر میں خود جانا نہیں چاہتی میں آپ کے بغیر کہیں بھی سیٹ نہ ہو پاؤں گی۔ میں آپ کو پہلے بھی کئی بار بتا چکی ہوں۔"

نعیمہ کی آواز دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے کیسے موقع پر ان کا دفاع کیا تھا' ان کی ڈھال بن کر کھڑی تھی۔ اپنے بھائی کے سامنے انہیں عزت دے رہی تھی' جس سے کبھی انہوں نے رتی بھر ہمدردی تک نہیں کی تھی۔ جسے انہوں نے کبھی عزت نہ دی تھی' وہ ان کی عزت کے لیے اپنے سگے بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی تھی۔

اس نعیمہ کو تو انہوں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ تو کوئی اور ہی عورت تھی۔ جس عورت کو وہ اپنی بیوی کے طور پر جانتے تھے' وہ تو کبھی اونچی آواز میں سر اٹھا کر بات ہی نہ کر سکی تھی۔ منمناتے شاید اسے بھی اپنی آواز سنائی دیتی ہو گی کہ نہیں۔

جہاں وہ حیرت زدہ تھے۔ وہیں ان کی اماں بھی حیرت

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

زدہ تھیں اور رفاقت حسین بغیر کچھ کہے دروازے سے باہر نکل گیا تھا۔ اور وہ سارا دن انہوں نے اس عورت کو سوچتے ہوئے گزارا تھا۔

وہ بہت تھوڑے دنوں کے لیے آئے تھے۔ اماں بار بار پوچھتیں "پھر کب آؤ گے؟"

ان کا بس نہ چلتا کہ انہیں روک لیں لیکن وہ ان کو پہلے ہی نہیں روک سکی تھیں تو اب کیسے روک لیتیں۔

"اماں! میں جلدی ہی واپس آؤں گا اور فریحہ اور فائزہ کو بھی لے کر آؤں گا۔"

وہ روز تسلیاں دیتے مگر ماں کو جانے کیسی بے اعتباری تھی۔ "نہ جانے میرے مرنے پر بھی آئے گا کہ نہیں۔"

اور وہ ان کے اس بار کے آنے پر ہی مر گئی تھیں۔ انہوں نے اپنی بہتی آنکھوں کو بہنے دیا اور کروٹ بدل کر اسی منظر میں کھوئے رہے۔ یہ ان کے واپس جانے سے ایک دن پہلے کی صبح تھی۔ اماں سوئی کی سوئی رہ گئی تھیں۔ رات کیسی بے چینی سے ان کو دیکھ کر چھوتی رہی تھیں۔ شاید وہ انہیں جاتا نہ دیکھ سکتیں' اس لیے خود رخصت ہو گئی تھیں۔ اور وہ نعیمہ کو جلدی بلانے کے جھوٹے وعدے کرتے اگلے ہی دن لندن آ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

واپس آنے کے بعد ان کی وہی مصروفیات شروع ہو گئی تھیں۔ ننھی فریحہ ان کی دلچسپیوں کا مرکز تھی۔ آفس سے آنے کے بعد ان کا بہت سا ٹائم فریحہ کے ساتھ گزرتا تھا۔ فائزہ کی وہی روٹین تھی' آفس' آفس اور بس آفس۔ میٹنگز' وفد' کانفرنس' سیمی نار سب کچھ ویسا کا ویسا تھا' کچھ بھی تو نہ بدلا تھا۔ فائزہ مزید بچے پیدا کرنے کے لیے تیار نہ تھی اور اب انہیں اس کی مصروفیات سے چڑ ہونے لگی تھی۔ ٹیپ ٹاپ سے رہنے والی عورت کیوں بری لگنے لگی تھی۔ اسے اپنے سوا کبھی کچھ نظر ہی نہ آیا تھا۔ شوہر کی محبت بیٹی کی محبت کو دفتری فائلوں کے سب سے نیچے رکھے' نہ جانے وہ کون سی دنیا فتح کرنا چاہتی تھی۔ پہلے کبھی کبھار کی ہونے والی لڑائیوں میں اب شدت آ گئی تھی۔

"گھر کو دیکھنا صرف عورت کی ذمہ داری تو نہیں ہے۔ تم بھی تو ہو پھر میں ہی اپنے کیریئر کی قربانی کیوں دوں' تمہاری بھی اولاد ہے۔ جتنی اسے میری ضرورت ہے' اتنی ہی تمہاری بھی ہے۔ اگر ایسی ہی ستی ساوتری کی ضرورت تھی تو مجھ سے شادی کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ میں اپنا کیریئر داؤ پر ہرگز نہیں لگاؤں گی۔" نخوت سے کہتے ہوئے اس نے میز پر رکھا جوس کا گلاس اٹھا کر منہ سے لگا لیا۔

"تو نہ لگاؤ داؤ پر لیکن کچھ ٹائم تو تم نکال ہی سکتی ہو اپنی اولاد کے لیے۔ کبھی تو گھر کو دیکھ لیا کرو۔ میری تو خیر کبھی کسی چیز کی پروا تمہیں نہیں رہی۔ فریحہ ہی کی فکر کر لو۔"

"کیا ہوا ہے فریحہ کو؟ اچھی بھلی ہے اور میں نہیں دیکھتی تو کون دیکھتا ہے اسے۔" اس نے ایک شان بے نیازی سے فرش پر کھیلتی فریحہ کی جانب اشارہ کیا تھا۔

"اس کی صحت دیکھو' کتنی کمزور ہے۔ کبھی فلو تو کبھی بخار۔"

"سب بچوں کو ہو جاتا ہے' یہ فلو کوئی موذی مرض نہیں ہے۔ اب تمہارے لیے میں گھر میں جھاڑو پوچھا کرنے سے تو رہی۔" دوبدو جواب دیتے ہوئے کہیں سے بھی تو پڑھی لکھی نظر نہ آتی تھی۔ اور پھر یہ لڑائیاں طول پکڑنے لگی تھیں۔

اور وہ اس مسالے میں کسی عورت کو وہیں چھوڑ کر بھی' ساتھ لے آئے تھے۔

نہ جانے وہ کہاں تھی؟ کس حال میں تھی؟ انہوں نے تو مڑ کر ایک فون تک کرنا گوارا نہ کیا تھا۔

"کیا کہوں گا کہ میں تمہیں یہاں نہیں بلوا سکتا۔"

اور بہت سے سال فائزہ اور ان کی اسی کھینچاتانی میں گزر گئے تھے۔ انہوں نے فریحہ کو ہاسٹل داخل کرا دیا تھا۔ کم از کم اس کی جانب سے بے فکری ہو گئی تھی۔ ان کی لڑائیوں سے وہ متاثر ہو رہی تھی اور یہ بہت ضروری تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

فائزہ اور وہ دو اجنبیوں کی طرح رات گئے گھر آتے تھے اور رات کے وہ چند گھنٹے بھی سکون سے گزرنے مشکل ہو جاتے تھے۔ فائزہ کا عہدہ بڑھ گیا تھا' ساتھ ہی ذمہ داریاں بھی بڑھ گئی تھیں۔ ان ہی بھاگتے دوڑتے دنوں کے ساتھ ریس لگاتے نہ جانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ خود ان کے تجربے کا ان کی قابلیت کا ڈنکا بجنے لگا تھا۔ پورے لندن میں ان سے بہتر وکیل کوئی نہیں تھا۔ فریحہ اٹھارہ سال کی تھی جب فائزہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور وہ جانبر نہ ہو سکی۔ اس کی موت سے ان کی زندگی میں صرف ایک فرق آیا تھا اب رات گئے اجنبیوں کے لڑنے کی آواز کے بجائے مہیب خاموشی ہوا کرتی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے ایک ہی بار کیوں نہیں مار دیتے؟ کیوں بار بار کند چھری سے ذبح کرتے ہو۔ ایک ٹانگ تو پہلے کاٹ ڈالی ہے اور اب دوسری! ایک ہی بار زہر کا انجکشن لگا دو' سکون کی نیند سلا دو مجھے۔ ایک مرے ہوئے شخص کو بار بار کیوں مارتے ہو۔"

فریحہ کانفرنس سے واپس آگئی تھی۔ ڈاکٹرز نہ جانے کتنی دیر آپس میں تبادلہ خیال کرتے رہے تھے اور فیصلہ وہی ہوا تھا جس کا انہیں پہلے سے ڈر تھا۔ ان کی ٹانگ کا ناقابل برداشت درد اب ان کی یہ ٹانگ بھی لے جانے والا تھا۔ زخم پھیلتا جا رہا تھا اور اب اس سے نجات ضروری تھی۔

"ڈیڈ پلیز' سمجھنے کی کوشش کریں۔"

ان کا واویلا ہسپتال کے کوریڈور تک سنائی دے رہا تھا۔ فریحہ خود پریشان تھی اور اس پریشانی و فکر مندی کا اظہار اس کے چہرے سے ہو رہا تھا۔

"ڈیڈ! آپ ٹھیک ہو جائیں گے۔ بالکل ٹھیک' آپ کو درد بھی نہیں ہو گا' کل آپریشن ہو جانا چاہیے پہلے ہی۔"

"فریحہ تم تو ڈاکٹر ہو' تم تو انجکشن لگا سکتی ہو' میں تنگ آگیا ہوں اس زندگی سے مجھ پر ایک احسان کر دو۔" وہ بچوں کی طرح بلکنے لگے۔

اور وہ بھی تو رو رہی تھی۔

"اس زندگی سے تو موت بہتر ہے۔"

روتے روتے وہ نہ جانے کیا کہتے جا رہے تھے۔

انہوں نے اپنی اکلوتی بیٹی کو دیکھا جو نظریں جھکائے فرش کو گھورے جا رہی تھی۔

"ابھی آتی ہوں ڈیڈ!"

شاید اس کے لیے وہاں ٹھہرنا مشکل ہو گیا تھا۔ ان کا واویلا کسی کام نہ آسکا تھا۔ ان کی دوسری ٹانگ ان کا ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ طویل بے ہوشی کے بعد ان کی نگاہیں چھت سے ہٹ کر ہی نہ دیتی تھیں۔ وہ خاموش تھے جیسے ٹانگ کی جگہ ان کی زبان کاٹ دی گئی ہو۔

"ڈیڈ!" سوپ لے لیں۔"

وہ ان کے پاس بیٹھی ان سے باتیں کر رہی تھی۔ ان کے آفس کی باتیں' اچھے دنوں کی یادیں لیکن انہیں تو کچھ بھی سنائی نہ دے رہا تھا۔ وہ چھت سے۔ نگاہیں نہ ہٹا پا رہے تھے۔

"السلام علیکم۔"

وہ ابراہیم تھا' فریحہ کا شوہر۔ وہ بالکل ان ہی کے جیسا تھا۔ اس کا حال اور ان کا ماضی کتنا ملتا جلتا تھا۔ وہ بے تاثر نگاہوں سے اسے تکتے رہے۔

"اب آپ کیسے ہیں؟"

ابراہیم نے نرمی سے انہیں مخاطب کیا مگر انہوں نے منہ دوسری جانب پھیر لیا۔ اسے وہ کوئی جواب نہیں دینا چاہتے تھے۔ ایک بار پھر وہ اس کمرے سے کٹ کر رہ گئے تھے۔

"بیوگی کی زندگی گزارنے والی عورت کی زندگی کیسے گزرتی ہو گی۔ شوہر کو یاد کرتے کرتے اس نے اپنی جوانی برباد کر لی تھی۔ اب کیسی ہو گی۔" ہاں وہ ایک شوہر کے ہوتے ہوئے بھی بیوہ تھی۔ آنسو تھے کہ بہے چلے جا رہے تھے۔

"بچے کے لیے ترسی ہو گی۔" ان کا دل چاہا وہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔

"ڈیڈ! اب آپ میرے ساتھ چل رہے ہیں۔ میں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

آپ کو بہت مس کر رہی تھی۔" ان کی لاڈلی بیٹی ان کو بہلا رہی تھی۔

"ہاں، ٹانگ کٹنے کے بعد اتنی ہمدردی تو بنتی ہی ہے۔" انہوں نے تنفر سے سوچا، انہیں وہ پچھلے سارے دن یاد آگئے تھے جب وہ روز فریحہ کو فون کرنے کے بعد اس کے فون یا میسج کا انتظار کرتے رہے تھے لیکن اس نے ایک کال تک کرنا گوارا نہ کیا تھا۔

"مجھے کہیں نہیں جانا۔ بس یہیں رہنا ہے کچھ دن۔"

منہ موڑے موڑے انہوں نے فریحہ سے کہہ دیا تھا۔

ہسپتال میں رہنا انہیں شدید ناپسند تھا مگر اس کے ساتھ جانا اس سے بھی زیادہ ناپسند تھا۔ اس شخص کو دیکھتے ہی نہ جانے کیوں اپنا آپ زیادہ برا لگنے لگتا تھا۔ شدید نفرت ہونے لگتی تھی خود سے۔

"نہ ہی انہیں کوئی سمجھا سکا تھا اور نہ ہی وہ اسے سمجھا سکتے تھے کہ دوسری شادی کرنے کے باوجود ہر چیز میں توازن رکھا جا سکتا ہے۔"

ان کی سوچیں وقت کی قید سے آزاد تھیں کوئی ہے نہیں ہے۔ اس سے انہیں کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ اور ایک بار پھر انہیں ہسپتال سے نجات مل گئی تھی۔ فریحہ انہیں روز دیکھنے آتی تھی، کبھی کبھار ابراہیم بھی دیکھنے آجاتا تاجوان کے لیے بہت ناگوار وقت ہوا کرتا۔

"نہ جانے کہاں چلی گئی۔ یہیں پر تو تھی۔"

ہسپتال سے واپس آئے تیسرا دن تھا جب انہیں نعیمہ بے طرح یاد آئی تھی۔ دن گزرا رات اتر آئی اور یہ کیفیت تھی کہ زائل ہونے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔ لمبی پلکوں والی آنکھیں بار بار اٹھ رہی تھیں۔ انہیں تکتیں اور پھر جھک جاتیں۔ نہ جانے یہ لکا چھپی کب تک جاری رہی تھی۔ اسے یاد کرتے کرتے وہ سو گئے تھے۔ صبح بھی وہی کیفیت تھی۔ اپنے عمر کے ساٹھ ویں سال، جب ان کی شادی پینتیس سال پرانی ہو چکی تھی وہ اپنی بیوی کی محبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ ان کا حال بالکل نوجوان لڑکے جیسا ہو گیا تھا۔ جو نیا نیا محبت کا شکار ہوا ہو۔ وہ نعیمہ کی تصویر ڈھونڈ رہے تھے جو مل کے نہیں دے رہی تھی۔ وہ آخری بار جب پاکستان گئے تھے تو نہ جانے کیسے ان کے بیگ میں آگئی تھی شاید ان کے کپڑوں کے ساتھ اور انہوں نے لاپروائی سے اسے کہیں ڈال دیا تھا۔

"مگر کہاں؟"

اب ڈھونڈنے سے بھی نہیں مل رہی تھی۔

"اب کیسے اور کہاں ڈھونڈوں؟"

آج کل ان کا سب سے اہم مسئلہ یہی تھا۔ باقی سب چیزیں اس تصویر کے سامنے ہیچ ہو گئی تھیں۔ فریحہ آئی تھی بیٹھ کر کافی دیر تک ان سے باتیں کرتی رہی تھی اور وہ کھوئے کھوئے سے اسے سنتے رہے تھے۔

"نہ جانے کب واپس جائے گی۔"

انہیں تو صرف ایک ہی فکر کھائے جا رہی تھی۔

"اگر نہ ملی تو؟"

اور اس سے آگے ان سے سوچا ہی نہ گیا۔

فریحہ کے جانے کے بعد ایک بار پھر تلاش شروع ہوئی اور آخر کار انہیں یاد آگیا تھا کہ وہ تصویر اگر کہیں ہو سکتی تھی تو اسی سفری بیگ میں اور اب انہیں کل تک کا انتظار کرنا تھا۔

"اسٹیو آئے گا تو اس سے کہوں گا وہی لا کر دے گا بیگ مجھے۔"

رات کروٹیں بدلتے گزری تھی۔

اور اب تصویر ان کے ہاتھوں میں تھی۔ لگتا تھا جیسے انہیں ہفت اقلیم مل گئی ہے۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ نارنجی کپڑوں کا عکس اس کے چہرے پر تھا اور ہونٹوں پر نخاطب مسکرا رہا تھا۔ وہ خوب صورت تھی۔ اس کی شرمیلی مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ لے آئی۔

"بھلا کب اتری تھی یہ تصویر؟" انہوں نے سوچنے کی کوشش کی۔

"شاید شادی کے بعد جب پہلی بار نعیمہ کی بہن نسیمہ کے گھر گئے تھے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

www.paksociety.com

انہیں وہ دن یاد آ ہی گیا تھا۔ ان کی شادی کا دسواں دن تھا جب اس نے انہیں یاد دلایا تھا۔

"آج نسیمہ آپا کے گھر دعوت میں جانا ہے۔" ان کے پاس کھڑی عورت من، من کر رہی تھی۔

"کیا او نچا بولو؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔"

ان کے زور سے بولنے پر وہ خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اور پہلے جو بات اس نے روانی سے کہی تھی اب اسے ادا کرتے ہوئے وہ تین جگہ اٹکی۔

"وہ...نسیمہ آپا کے.... گھر دعوت ہے۔"

اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں اور انہوں نے صرف چند سیکنڈ اس کی جانب دیکھا تھا۔

ان دنوں وہ قانون کی ڈگری ممتاز نمبروں سے حاصل کرنے کے بعد مزید تعلیم کے لیے انگلینڈ جانے کی تیاریوں میں مگن تھے۔ ابا اور اماں ان کی شادی پر مصر تھے۔ شادی اور وہ بھی نعیمہ سے جو بی۔ اے کرنے کے بعد گھر داری میں مصروف تھی۔ انہوں نے ایک دو بار کوشش کی تھی کہ ابا اور اماں باز آجائیں اور وہ بغیر کسی بیڑی کے وہاں سے نکل آئیں مگر ان کی ایک نہ چلنے دی گئی۔ شادی کی تیاریوں میں ان کا حصہ صفر تھا وہ تو اپنے انگلینڈ جانے کی تیاریوں میں مگن تھے۔

نعیمہ روایتی سرخ لباس میں ان کے کمرے میں موجود تھی۔ دلہناپے کا روپ اور نعیمہ کی چھب پر وہ صرف کچھ دیر کے لیے مبہوت ہوئے تھے۔ دلہن اور وہ بھی ان کی دلہن انہیں سب کچھ بھول گیا تھا۔ آخر کو وہ بھی انسان ہی تھے۔ اس سے دور کیسے رہتے مگر پھر رات گئی بات گئی اور ان کی دلچسپی صرف اپنے جانے تک محدود ہو کر رہ گئی۔ نہ وعدہ نہ کوئی وعید نہ تعریف نہ توصیف بس وہ تو جانے کے دن گن رہے تھے۔ نعیمہ ان کے آگے پیچھے پھرتی مگر انہیں کوئی فرق نہ پڑتا۔

فریحہ کا رکھا سوپ انہوں نے گھونٹ گھونٹ پیا تھا اور سارا وقت وہ اس تصویر کو دیکھتے رہے تھے۔

"نہ جانے اب کیسی ہو گئی ہو گی۔"

حیرت کی بات تھی اب اس کے تصور کے ساتھ نہ مسالوں کی بو کا تصور تھا نہ اورک لہسن کی بو کا۔

"کل فون کروں تو کیا وہ اٹھائے گی۔"

لیکن فون کرنے کی ہمت وہ کہاں سے لاتے اس سے کیا کہتے۔

"کیا وہ اب بھی مجھ سے محبت کرتی ہو گی۔" سوپ کا پیالا ایک طرف رکھنے کے بعد وہ صرف اسے سوچ رہے تھے۔

جو کچھ انہوں نے اس کے ساتھ کیا تھا اس کے بعد بھی انہیں محبت کی توقع تھی۔ ماں کے مرنے کے بعد انہوں نے ایک فون تک کرنا گوارہ نہ کیا تھا۔ نہ جانے وہ کہاں تھی کس حال میں تھی۔

وہیل چیئر گھسیٹتے وہ گلاس ونڈو کے سامنے رک گئے۔ بارش کی موٹی بوندیں کھڑکی پر گر رہی تھیں۔ سب کچھ دھندلا گیا تھا۔ باہر ٹریفک اسی طرح رواں دواں تھا۔ لوگ آجا رہے تھے۔ رکے تو صرف وہ تھے اور ایسے رکے تھے کہ چلنے کا امکان ممکن ہی نہیں رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ ان کے انگلینڈ آنے سے ایک دن پہلے کی رات تھی۔ ابھی شادی کو ایک مہینہ ہی تو ہوا تھا اور وہ صبح سے کونوں کھدروں میں سر گھسیڑے روتی پائی جاتی۔

"آپ چلے جائیں گے تو وقت کیسے گزرے گا۔" وہ اپنا بیگ پیک کر رہے تھے اور وہ ان کے سر پر کھڑی تھی۔

"کیسی بے عقل لڑکی ہے۔ اتنی سرد مہری کے باوجود مجھ سے گرم جوشی کی توقع رکھتی ہے۔"

انہوں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ نیلے لباس میں روئی روئی آنکھیں لیے وہ انہیں تک رہی تھی۔

"اماں ابا ہیں نا یہاں اور پھر تمہارا گھر بھی تو پاس ہی ہے۔"

کوئی وعدہ نہ تھا نہ انہوں نے کیا تھا نہ کرنے کا ارادہ تھا اور وہ پھر بھی رو رہی تھی ان کے لیے رو رہی تھی۔ اور وہ ماضی سے چلتے چلتے حال میں آکر رک گئے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

بارش کے ساتھ ساتھ شاید وہ بھی رو رہے تھے۔ وہ عجیب رات تھی۔ وہ ساری رات پاکستان میں اماں ابا اور نعیمہ کے ساتھ پھرتے رہے تھے۔ خوش باش ' ہواؤں میں اڑتے 'نعیمہ ان کے بچوں میں گھری بیٹھی تھی۔ وہ بچے جن کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔ جو خواب میں ہی پیدا ہو کر عدم سدھار گئے تھے۔ ان کی قبریں انہوں نے اپنے ہاتھوں سے تیار کی تھیں۔ وہ رو رہے تھے۔

پھر منظر تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ لندن کی جامع مسجد میں تھے مسجد کے وسیع صحن میں رکھا جنازہ نہ جانے کس کا تھا ہر طرف خاموشی تھی۔ نہ رونے کی آواز نہ بین کرنے کی آواز۔ ایسا کون تھا جس کے مرنے پر ایک بھی آنسو بہانے والا نہ تھا، کوئی رونے والا ہی نہ تھا ابھی تک واضح نہ ہو سکا تھا کہ مرا کون ہے۔

کوئی ابراہیم کو آوازیں دے رہا تھا۔ فریحہ تھی جو مولانا صاحب کے پاس کھڑی ابراہیم کو بلا رہی تھی۔ سفید کپڑوں میں لپٹا شخص درمیان میں رکھا تھا۔ مولانا شاید وہی کہہ رہے تھے جو انہوں نے بارہا سنا تھا۔

"اگر آپ کفن دفن کے پیسے دینا چاہیں تو ٹھیک ہے ' ورنہ فنڈ سے سارا انتظام کیا جا سکتا ہے۔"

اور تب ان پر انکشاف ہوا تھا کہ وہ خود اپنا جنازہ دیکھ رہے ہیں۔ ان کی میت پر رونے والا کوئی نہیں ' ان کی بیٹی صرف فرض پورا کر رہی تھی۔ انہوں نے ایسے بہت سے جنازے دیکھے تھے۔

دیار غیر کی موت ایسی ہی تو ہوتی ہے۔ اور پھر منظر بدل گیا تھا۔ وہ دونوں ٹانگوں کے ساتھ چلتے چلتے نعیمہ کے پاس چلے گئے تھے۔ نعیمہ دلہن بنی تھی اور وہ بہت خوش تھے اتنے خوش کہ شاید ہی کبھی زندگی میں اتنے خوش ہوئے ہوں گے اور پھر ان کی آنکھ کھل گئی تھی۔ اب شاید خواب میں خوش ہونا بھی ان کی قسمت میں نہیں تھا۔

کتنی ہی دیر وہ چھت کو گھورتے رہے تھے ' کمرے میں کلاک کی ٹک ٹک کے سوا صرف ان کی سانسوں کی آواز تھی۔ ایک ہی رات میں انہوں نے کیا کچھ نہ دیکھ لیا تھا۔ اور اب مہیب اداسی اور خاموشی تھی جو اندر تک اتر رہی تھی۔ باقی رات 'بہت سوچنے پر بھی کوئی خیال 'کوئی لمس 'کوئی لمحہ ان کے پاس نہ پھٹکا تھا۔ اگلے دن کی صبح انہیں فریحہ کا انتظار تھا۔

"فریحہ! میری ایک خواہش پوری کر دو۔ مجھے ایک بار پاکستان لے جاؤ۔ چاہے کچھ دن کے لیے ہی سہی مگر میں وہاں جانا چاہتا ہوں۔"

فریحہ بہت دن سے ان میں تبدیلی دیکھ رہی تھی مگر اس کی وجہ جاننے سے قاصر رہی تھی۔ ان کی پہلی بیوی اور شادی کے بارے میں وہ جانتی تھی مگر ان کی تبدیلی کا تعلق ان کی بیوی سے ہو سکتا تھا ' یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

"ڈیڈ! آپ کی حالت اس قابل نہیں ہے کہ آپ اتنا لمبا سفر کریں اور آپ کی سرجری کو ابھی بہت زیادہ ٹائم نہیں گزرا۔ آپ کو ریسٹ کرنا چاہیے۔" ایک لمبی سانس لینے کے بعد اس نے اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔

"میری حالت بالکل ٹھیک ہے ' مجھے کچھ بھی نہیں ہوا۔ بس اسے میری خواہش سمجھ کر پورا کر دو۔"

"لیکن آپ اکیلے کیسے جائیں گے؟ اتنا لمبا سفر۔"

اس نے پرسوچ نظروں سے انہیں دیکھا اب وہ رکنے والے نہیں تھے۔

"تم چلو نا میرے ساتھ ' ایک بار بھی پاکستان نہیں گئی ہو۔" کیسی التجا تھی ان کے لہجے میں ' اس کا دل پسیج گیا تھا۔

"ڈیڈ! یہ اتنا آسان نہیں ہے۔"

"آسان ہو یا مشکل ' بس مجھے جانا ہے اور کچھ دن کے اندر اندر ' پلیز۔" ایک دم ہی وہ ڈٹ گئے تھے اور آخر میں پھر منت پر اتر آئے۔ ان کے لیے پاکستان جانا جیسے زندگی اور موت کا مسئلہ تھا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر تھا۔

"اچھا کچھ کرتی ہوں۔" فریحہ نے ان کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے تھے۔

"بس کچھ دن کے اندر اندر انتظام کر لو ' مجھے زیادہ انتظار نہ کروانا۔"

اور ان کی بات پر فریحہ انہیں غور سے دیکھتی رہی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تھی۔

"میں انتظار کروں گا کب مجھے خبر سناتی ہو۔"

وہ دروازے سے باہر نکل رہی تھی جب ان کی آواز اس نے پیچھے سے سنی تھی۔

☆ ☆ ☆

"اسٹیو! مجھے شاپنگ کرنی ہے۔"

اسٹیو حیران تھا۔ دوسری ٹانگ کٹنے کے بعد وہ توقع کر رہا تھا کہ بوڑھا شخص حد سے زیادہ چڑچڑا ہونے والا ہے مگر یہاں تو ہر چیز الٹی ہو گئی تھی' وہ چڑچڑا ہونے کے بجائے خوش تھا۔ اس کی خوشی کی وجہ اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ ایک عرصے کے بعد آج وہ شاپنگ کے لیے جانا چاہتا تھا۔

"اوکے سر!" اسی حیرانی میں وہ اسے شاپنگ سینٹر لے گیا تھا۔ لیڈیز جوتے' بیگز' پرفیومز نہ جانے کیا کچھ خرید لیا تھا انہوں نے اور اسٹیو کی حیرانی اپنے عروج پر تھی۔

"شاید ایک ہفتے کے بعد میں پاکستان جاؤں۔"

"وہ اچھا۔" اسٹیو نے ایک لمبا سا اچھا کہہ کر سر ہلا دیا تھا۔

"اب مجھے جیولری شاپ لے چلو۔"

اسٹیو انہیں Steven Stone (اسٹی ون اسٹون) لے آیا تھا۔ ننھے جگمگ جگمگ کرتے ہیرے اس انگوٹھی کو نایاب بنا رہے تھے۔ کتنی ہی دیر وہ اسے پکڑے بیٹھے رہے تھے۔

"نہ جانے اس کی انگلیوں میں کیسی لگے گی۔"

بہت سال پہلے کی نعیمہ ان کی سوچوں میں مسکرا رہی تھی۔ انگوٹھی خرید کر وہ سرشار سے گھر آ گئے۔ ساری شاپنگ انہوں نے فریحہ سے مخفی رکھی تھی۔ پاکستان جانے سے پہلے کے وہ دن ان پر بہت بھاری گزرے تھے۔

"اب نہ جانے کیسی دکھتی ہو گی۔ مجھ سے لڑے گی مجھے برا بھلا کہے گی۔ اس کی زندگی کو میں نے برباد کر دیا۔ لیکن میں اس سے ساری کوتاہیوں کی معافی مانگ لوں گا۔ اسے اپنی محبت کا یقین دلاؤں گا۔"

"محبت!" کوئی ان کے اندر ہنسا تھا (لنگڑی محبت) ان کے اندر سے آتی آواز نے ان کی خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا۔ ان کی نظر اپنی ٹانگوں پر جا کر ٹھہر گئی۔

"جب اسے تمہاری ضرورت تھی اس وقت تو تم نے اسے محبت کے قابل نہ سمجھا اور اب چلے ہو محبت کا ڈراما رچانے۔"

"آرام کرو' اب چھوڑو پاکستان جانے کی باتیں' زندگی جیسے چل رہی ہے اسے ایسے ہی چلنے دو۔"

"اس کا بھائی یاد ہے تمہیں' اب تو شاید تمہیں مار ہی دے گا۔ کیوں ذلیل ہونے کے لیے بے تاب ہو رہے ہو۔ تمہاری بیٹی بھی تمہارے ساتھ ہو گی۔"

انہیں ٹھنڈے پسینے آنے لگے۔

یہاں تو جانے سے پہلے ہی عدالت لگ گئی تھی جا کر کیا ہو گا۔

"نعیمہ ہے نا تمہارا سب سے بڑا سہارا' وہ تمہارا ہی ساتھ دے گی۔"

یہ دل کی آواز تھی اور وہ کچھ مطمئن ہو گئے تھے۔

ان دس دنوں میں انہوں نے واہموں' خیالوں' خوشیوں اور نہ جانے کن کن جذبوں کو محسوس کیا تھا۔ بالکل ایک بیس پچیس سالہ لڑکے کی طرح جو پہلی بار اپنی محبوبہ سے ملنے جا رہا تھا۔ وہ نروس ہو رہے تھے۔ اتنے نروس تو وہ فائزہ سے ملاقات پر بھی نہ ہوئے تھے۔ الوہی جذبوں کی لے پر رقص کرتے کرتے ان کی نظر اپنی ٹانگوں پر چلی جاتی اور سارے جذبے ٹھنڈے ٹھار ہو جاتے۔

دسویں دن وہ فریحہ کے ساتھ اپنے گھر کے سامنے تھے۔ گھر کو لگا تالا ان کا منہ چڑا رہا تھا۔ کب کی سنبھال کر رکھی گئی چابی فریحہ کو دیتے وہ ابھی بھی اسی کو سوچ رہے تھے۔

"شاید اپنی بہن یا بھائی کے گھر گئی ہو گی۔"

"مجھے اپنی چچازاد بہن کے گھر جانا ہے فریحہ۔"

ان سے صبر کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

"ڈیڈ! سامان رکھتے ہیں۔ تھوڑا ریسٹ کر لیں' اس

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کے بعد چلیں گے۔" فریحہ ان کی وہیل چیئر گھسیٹ کر اندر لے آئی۔ ان کا بیڈ روم گرد سے اٹا ہوا تھا۔

"یہاں بیٹھنا تو مشکل لگ رہا ہے۔ ڈیڈ کیوں نا کسی ہوٹل میں بکنگ کروالیں۔ یہاں مشکل ہو جائے گی۔"

وہ تھوڑے پریشان ہو گئے تھے۔

"ہوں "اچھا!" نہ جانے وہ کیا سوچ رہے تھے۔ کوئی بھی بحث و تکرار نہیں کی تھی۔ وہ دو گھنٹے انہوں نے نہایت مشکل سے گزارے تھے۔ نسیمہ کے گھر کے سامنے ان کا دل کانوں میں دھڑک رہا تھا۔ صرف گیٹ کھلنے کی دیر تھی ہاتھ پسینے سے گیلے ہو رہے تھے۔

"جی!" نوجوان لڑکا ان سے پوچھ رہا تھا۔

"نسیمہ باجی سے ملنا ہے۔"

"آپ کون؟"

"میں سہیل احمد ہوں۔" انہیں اپنی آواز کسی گہری کھائی سے آتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

"جی اچھا!" انہیں وہیں چھوڑ کر وہ اندر چلا گیا تھا۔

"امی آپ سے ملنا نہیں چاہتیں 'انہوں نے آپ کے لیے یہ دیا ہے۔"

نوجوان نے آگے بڑھ کے ایک زردی مائل سفید کاغذ ان کی جانب بڑھا دیا۔

"سنو!" وہ گیٹ بند کر کے جانے لگا تھا تو وہ اسے پکار بیٹھے۔

"نعیمہ ہیں؟ ان کو ہی بلا دو 'ان سے کہو' سہیل احمد ان سے ملنے آیا ہے۔ لندن سے۔"

اس نے بڑی عجیب نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ نہیں ہیں۔" اس کا لہجہ بھی اس کی نظروں کی طرح عجیب تھا۔

فریحہ ابھی تک خاموش تماشائی کا سا کردار ادا کر رہی تھی۔ سفر نے اسے بے حد تھکا دیا تھا۔

"نہیں ہے تو کہاں ہے۔ رفاقت بھائی کی طرف ہو گی' ہے نا۔" حیرت سے پوچھتے ہوئے انہوں نے خود ہی سوال کیا تھا اور خود ہی جواب دیا تھا۔

"نہیں وہ وہاں بھی نہیں ہیں۔" اب نوجوان کے لہجے میں افسردگی اتر آئی تھی۔

"وہ وہاں پر ہیں جہاں سے کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔ کئی سال پہلے ان کا انتقال ہو چکا اور میری اماں کہہ رہی ہیں کہ آپ یہاں سے چلے جائیں اور اب کبھی لوٹ کر نہ آیے گا۔"

وہ اطلاع دے کر اندر جا چکا تھا۔ اگر وہ کھڑے ہوتے تو شاید گر جاتے مگر گرے ہوؤں کے لیے اور نیچے گرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ان کے ہاتھ میں کھلا خط تھا جس میں صرف ایک ہی سطر تحریر تھی۔

"سہیل احمد میں نے تمہیں معاف کیا۔"

اور وہ دھاڑیں مار کر رونے لگے۔

✡

مشہور و مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، اردو بازار، کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

کرن نعمان

میرے خیال کا پیکر

جیسے ہی جہاز کے پہیوں نے اسلام آباد کے رن وے کو چھوا' اس کے احساسات خوشی بن کر اس کے چہرے پر چمکنے لگے اور آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"میرے دیس کی مٹی بہت زرخیز ہے ایمل سخت سے سخت دل' برسوں کی خشک آنکھیں بھی نم ہو جاتی ہیں وہاں۔" آنکھوں میں نمی محسوس ہوتے ہی اسے

Downloaded From paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

مکمل ناول

پاپا کی بات یاد آگئی اور پاپا کی یاد آتے ہی اس کے دل پر افسردگی سی چھاتی چلی گئی۔
جیسے ہی وہ سامان کی ٹرالی دھکیلتی ہوئی ایئرپورٹ کی عمارت سے باہر آئی تو یخ بستہ ہوا کے تھپیڑوں نے اس کا استقبال کیا۔ اپنے پیاروں کو ریسیو کرنے آنے والوں میں اسے بہت جلد اقبال انکل کا چہرہ نظر آگیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے۔ انکل اقبال نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور خیریت دریافت کی۔ پھر اس کے ہاتھ سے ٹرالی لے کر اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ رات کے آٹھ بج چکے تھے پر اسلام آباد کی سڑکوں پر گہما گہمی تھی' جلد ہی وہ اقبال انکل کے گھر پہنچ گئے۔ یہ ایک چھوٹا اٹالین طرز پر بنا ہوا بنگلہ تھا۔ جیسے ہی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی اقبال انکل نے ہارن بجا کر اپنی آمد کا اعلان کیا۔ وہ گاڑی سے اتر رہی تھی تو اس نے مرکزی دروازے سے رخسانہ آنٹی اور شہرین کو ایک ساتھ باہر آتے دیکھا۔
رخسانہ آنٹی نے اسے دیکھ کر دور سے ہی اپنی بانہیں وا کردیں' وہ کچھ جھجک کر ان کی طرف بڑھی اور انہوں نے اپنے بھاری بھرکم وجود میں اسے ایسے سمو لیا جیسے مرغی اپنے پروں میں چوزے کو لے لیتی ہے۔ اسے ایک بہت ہی پیاری ممتا بھری مہک ان کے وجود سے اٹھتی محسوس ہوئی۔ انہوں نے اس کا چہرہ اپنے

Downloaded From Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہاتھوں میں لے کر بہت پیار سے اسے دیکھا اور اس کا ماتھا چوم لیا۔

"تمہارے ماں باپ کا سن کر بہت افسوس ہوا بیٹی۔ تمہاری ماں کو تو دیکھا نہیں پر باپ بہت ہی نفیس اور اچھے انسان تھے۔ خدا انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔" ماں باپ کے ذکر پر اس کے چہرے پر آئی مسکراہٹ مدھم ہوگئی۔ یہ محسوس کرکے شہرین فوراً آگے بڑھی۔

"ماں جی! اجازت ہو تو میں بھی مل لوں۔" اور یہ کہتے ہی وہ ایمل سے لپٹ گئی۔

"شہرین بیٹا! باہر سردی بہت ہے' ایمل کو اندر لے چلو۔" انکل اقبال نے گاڑی کی ڈگی سے اس کا سامان باہر نکالا۔

"ہاں بیٹا! چلو اندر چلو۔" رخسانہ آنٹی اور شہرین اسے اپنی بانہوں کے حصار میں گھر کے اندر لے آئیں۔

آج رات وہ ان لوگوں کی مہمان تھی' کل صبح اسے اپنے اپارٹمنٹ میں شفٹ ہو جانا تھا۔ رات گئے تک وہ انکل اقبال' رخسانہ آنٹی اور شہرین سے باتیں کرتی رہی۔ کسی بھی پاکستانی فیملی سے ملنے کا یہ اس کا پہلا تجربہ تھا۔ وہ پاکستان پہلی بار آئی تھی۔ نیویارک میں بھی ان کا پاکستانی کمیونٹی سے زیادہ میل جول نہیں تھا۔ اس کے پاپا چند پاکستانیوں سے ملتے جلتے تھے۔ پر وہ انہیں کبھی بھی اپنے گھر نہیں لے کر آتے تھے۔ انکل اقبال بھی امریکہ آتے تھے تو ان کے گھر کبھی نہیں آتے تھے۔ ہمیشہ ہوٹل میں ہی ٹھہرتے تھے۔ پاپا کی ڈیتھ سے چھ ماہ قبل جب وہ امریکہ آئے تو پاپا ایمل کو ہی ان سے ملوانے ہوٹل لے گئے تھے۔

انکل اقبال اس کے پاپا کے بیسٹ فرینڈ اور پاکستان میں ان کے پڑوسی تھے۔ اس کے پاپا اقبال انکل پر بہت بھروسا کرتے تھے اور اسی بھروسے پر وہ ایمل کی تمام ذمہ داری انہیں سونپ گئے تھے۔ انکل اقبال نے بھی دوست ہونے کا حق نبھایا تھا۔ اس کے ماما' پاپا کی اچانک حادثاتی موت کے بعد سے لے کر اب تک وہ مستقل اس سے فون اور انٹرنیٹ کے ذریعے رابطے میں تھے۔ اس نے پاکستان میں مستقل رہائش کا فیصلہ کیا تھا اور اس کے لیے تمام انتظامات اس کی مرضی کے مطابق اقبال انکل نے ہی کیے تھے اور آج جب وہ اپنے اسی فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے پاکستان آئی تھی تو ان کی فیملی نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں شہرین سے اس کی خاصی بے تکلفی ہوگئی تھی۔ رخسانہ آنٹی نے اس کے لیے بہت مزے دار کھانا بنایا تھا اور بے حد اصرار اور محبت سے کھلایا بھی تھا۔ انکل اقبال اسے ایک سے بڑھ کر ایک اپنے اور اس کے پاپا کے بچپن کے قصے سنا رہے تھے اور کچھ شرارتیں تو ان کی ایسی تھیں کہ شہرین اور ایمل ہنس ہنس کر دہری ہوئی جا رہی تھیں۔

"آپ مردوں کے قصے بھی ختم ہونے میں نہیں آتے' کب سے اپنی اور فرہاد بھائی کی باتیں بتا بتا کر بچیوں کو ہنسا رہے ہیں' اب مجھے بھی ایمل سے کچھ اس کی ماں کے بارے میں پوچھنے دیں کہ وہ کیسی تھیں' ان کی عادت کیسی تھی' فرہاد بھائی خود تو ہر سال آتے تھے' پر بھابھی کو کبھی ساتھ نہیں لائے۔ میں کہتی تھی کہ بھابھی کو بھی کبھی پاکستان لے کر آئیں تو یہ ہی کہتے تھے۔ بھابھی اگلی بار آؤں گا تو ساتھ لاؤں گا اور پھر اگلی بار بھی یہ ہی کہتے تھے کہ اگلی بار آؤں گا تو ساتھ لاؤں گا۔ تم بتاؤ ایمل! تمہاری ماما اور تم کبھی فرہاد بھائی کے ساتھ آئیں کیوں نہیں۔" گرم گرم چائے پیتے ہوئے رخسانہ آنٹی نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا تھا' پر ان کا سوال سن کر ایمل کے چہرے پر ایک تاریک سایہ سا رینگ گیا۔

اس نے چور نظروں سے اقبال انکل کی طرف دیکھا تھا تو وہ بھی اسے بہت سنجیدگی کے ساتھ گہری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ ان کے اس طرح دیکھنے پر اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ نہ جانے وہ اس کے اور ماما کے بارے میں کیا کیا جانتے ہوں گے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"وہ... آنٹی... ایکچوئلی ماما بہت مصروف اور سوشل وومین تھیں اور میں زیادہ تر اپنی پڑھائی میں مصروف رہی' اس لیے پاپا کے پاکستان کے پروگرام میں کبھی انہیں جوائن نہیں کرسکے۔ بس یہی بات تھی۔" اس نے اقبال انکل کی نظروں سے اپنی شرمندگی چھپاتے ہوئے کہا۔

"ایمل' تمہاری ماما مسلمان تھیں۔" شہرین نے شوق سے پوچھا۔

اس سوال پر وہ چند لمحے شہرین کی طرف دیکھتی رہ گئی' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس سوال کا کیا جواب دے۔ "نہوں" کہہ کر اس نے جان چھڑائی۔

"ان کا اسلامی نام کیا تھا' میں نے تو فرہاد بھائی کے منہ سے مارٹینا ہی سنا ہمیشہ۔" رخسانہ آنٹی نے کچھ حیرت سے کہا۔

"ان کا مسلم نیم سارہ تھا آنٹی!" اس سوال کا جواب ایمل کو چند لمحے سوچنا پڑا تھا۔ شاید وہ خود بھی بھول چکی تھی کہ ماما کا کوئی مسلم نام بھی تھا۔ "اچھا بھئی... اب ایمل کو آرام کرنے دو۔ باقی باتیں صبح کرلینا' رات کافی ہوگئی ہے اور پھر اتنے لمبے سفر کی تھکن بھی ہوگی۔" اقبال انکل کی اس سوال جواب کے بیچ مداخلت پر اس نے شکر گزار نگاہوں سے ان کی طرف دیکھا۔ شاید انہیں اس کی اذیت کا اندازہ ہوگیا تھا۔

رات چاہنے کے باوجود بھی وہ سکون سے سونہ سکی' پلکوں کے پیچھے تلخ یادوں کی پرچھائیاں اسے تڑپاتی رہیں۔ دل کا درد آنسو بن کر آنکھوں سے بہتا رہا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ ناشتے کے بعد انکل اقبال اور شہرین کے ساتھ اپنے اپارٹمنٹ میں آئی تھی۔ یہ اپارٹمنٹ اسلام آباد کے ایک پوش ایریا میں واقع 8 منزلہ بلڈنگ مارگلہ ٹاور میں فورتھ فلور پر تھا۔ پچھلی بالکنی میں سے مارگلہ ہلز کا دلکش منظر اسے بہت اچھا لگا۔ یہ اپارٹمنٹ اس کے پاپا نے پانچ سال پہلے اس کے نام سے خرید اتھا اور جب انہوں نے اس کے پیپرز اسے دیے تو اس نے برا سا منہ بنا کر وہ پیپرز ان سے لیے ضرور تھے' پر انتہائی غیر ضروری چیز جان کر اپنی وارڈ روب کی دراز میں پھینک دیے تھے۔ ان پانچ سالوں میں اس نے پانچ بار بھی ان کاغذات کو نہ چھوا ہوگا' پر پاکستان آتے وقت اس کے سامان میں سب سے ضروری اور قیمتی چیز اس اپارٹمنٹ کے پیپرز ہی تھے۔

اگلے تین دن وہ شہرین کے ساتھ مل کر اپنے دو بیڈ رومز کے اس لگژری اپارٹمنٹ کو ضروری چیزوں سے آراستہ کرتی رہی تھی۔ اقبال انکل کی مدد سے اس نے ایک سیکنڈ ہینڈ گاڑی بھی خرید لی تھی۔ اگلا مرحلہ اس کی جاب کا تھا۔

آنے سے پہلے اس نے اپنے ڈاکومنٹس اقبال انکل کو بھجوا دیے تھے۔ انہوں نے کچھ جگہوں پر اس کے لیے اپلائی کیا ہوا تھا اور پھر ایک ملٹی نیشنل کمپنی سے اسے جاب کی آفر بھی آگئی۔

☼ ☼ ☼

آج اسے پاکستان میں آئے آٹھ ماہ سے زائد ہوگئے تھے۔ وہ صبح سویرے اٹھنے کی عادی نہیں تھی' پر پاکستان آنے کے بعد وہ بہت سویرے اٹھ جاتی اور باقی سارے دن میں کوئی نماز پڑھے نہ پڑھے فجر کی نماز ضرور پڑھتی تھی۔ صبح کے وقت اسے مارگلہ کی پہاڑیوں کا منظر بہت بھلا لگتا۔ پہاڑوں پر اترنے والی دھند اسے اپنے وجود میں اترتی محسوس ہوتی۔

"ہر صبح نیویارک پر چند لمحوں کے لیے ایسی دھند اترتی ہے "امی" جو اس شہر کو اپنی آغوش میں گھیر لیتی ہے۔ تم دیکھو تو دیوانی ہوجاؤ۔"

"سچ..." کسی کی سرگوشیاں اس کے آس پاس سرسرائی تھیں۔

ان تکلیف دہ یادوں سے وہ لاکھ چاہنے کے باوجود بھی جان نہیں چھڑا سکی تھی۔ آفس میں اس کا وقت اچھا گزرتا تھا۔ آفس سے واپس آتے ہوئے وہ کھانے پکانے کا ضروری سامان لے آتی تھی۔ اپارٹمنٹ میں

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

آکر اپنے لیے چائے بناتی' کچھ دیر ٹی وی دیکھتی' پھر اپنی پسند کی کوئی ڈش بناتی۔ کھانا کھانے کے بعد، پچھلی بالکنی میں آجاتی اور مارگلہ کی پہاڑیوں پر بنے چند گھروں سے پھوٹتی روشنی دیکھتی رہتی۔ دیوں کی طرح ٹمٹماتی یہ روشنیاں بہت بھلی لگتی تھیں۔

آج بھی وہ ان روشنیوں پر نگاہ جمائے یادوں میں گھری کھڑی تھی کہ اچانک اسے فضا میں تمباکو کی مہک محسوس ہوئی۔ یہ ایک برانڈڈ سگار کی مہک تھی جو اس کے پاپا بھی پیتے تھے۔ جانی پہچانی خوشبو محسوس کرکے اس کا چونکنا لازمی تھا۔ اس نے بالکنی میں لگی لوہے کی گرل سے باہر جھانک کر دیکھا تو اسے اپنے بائیں ہاتھ پر بنے اپارٹمنٹ کی گرل کے ساتھ کھڑا ہوا ایک تاریک ہیولہ سا نظر آیا۔ وہ جب سے یہاں آئی تھی' یہ اپارٹمنٹ خالی پڑا ہوا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ والے دو اپارٹمنٹ آباد تھے۔ ایک میں کوئی میاں' بیوی تھے اور دوسرے میں بال بچوں والی فیملی تھی۔ یہاں سب اپنے آپ میں مگن رہتے تھے۔ لوگ زیادہ ایک دوسرے سے ملنا جلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ اس لیے وہ آج تک کسی دوسرے اپارٹمنٹ میں نہیں گئی تھی۔ اسی لیے اسے یہ بھی پتا نہیں تھا کہ ساتھ والے خالی فلیٹ میں کب کون آکر آباد ہو گیا۔

ہوا کے رخ کے ساتھ آنے والی سگار کی مہک کو وہ اپنے اندر اتار رہی تھی۔ چند لمحوں بعد وہ خوشبو آنا بند ہو گئی۔ جو بھی وہاں کھڑا تھا اب واپس اندر جا چکا تھا۔ وہ بھی اپنے کمرے میں سونے کے لیے آگئی۔

☆ ☆ ☆

خلاف معمول آج اس کی آنکھ دیر سے کھلی۔ فجر کی نماز بھی نکل گئی۔ جلدی جلدی معمولات نپٹا کر وہ آفس جانے کے لیے تیار ہوئی اور پرس سنبھال کر اپارٹمنٹ سے باہر آگئی۔ جیسے ہی وہ دروازہ لاک کرنے کے لیے پلٹی' ساتھ ہی بائیں ہاتھ والے اپارٹمنٹ سے کوئی باہر آیا۔

"او کے ماں' اللہ حافظ۔ دعا کرنا۔" بہت ہی خوبصورت آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی' اس نے گھوم کر دیکھا تو چند لمحے دیکھتی ہی رہ گئی۔

سانولا مگر پرکشش رنگ' سلیقے سے تراشی ہوئی گھنی مونچھیں' چھ فٹ سے نکلتا قد' چوڑا سینہ' گرے پینٹ کے ساتھ وائٹ شرٹ اور اوپر بلیک کوٹ' ایک ہاتھ پینٹ کی جیب میں اور دوسرے میں موبائل لیے وہ بے حد پرکشش شخصیت لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔

تب ہی وہ ہوش میں آئی اور اسے یاد آیا کہ اسے بھی تو نیچے جانا ہے۔ ایک بار لفٹ نیچے چلی گئی تو اسے اوپر آنے میں ٹائم لگے گا' یہ سوچ کر وہ تیزی سے لفٹ کی طرف بڑھی۔ لفٹ کے نزدیک پہنچ کر اس کی رفتار کچھ اور تیز ہو گئی۔ یہاں تک کہ وہ لفٹ میں کھڑے واحد شخص سے ٹکراتے ٹکراتے بچی۔

"اوہ! سوری۔۔۔" اس کی خجالت بھری آواز لفٹ میں ابھری۔

"دیٹس او کے۔" بندے نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔

ایمل نے اپنا رخ دروازے کی طرف کر لیا۔ ساتھ کھڑا بندہ بھی اس سے ایک فٹ کے فاصلے پر دروازے پر نظریں جمائے کھڑا تھا۔ پر جیسے ہی دروازہ کھلا' دونوں ہی جھجک کر قدم نہ بڑھا سکے۔ پھر اس کے ساتھ کھڑے شخص نے مؤدب انداز میں اسے دیکھتے ہوئے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ ایمل نے مسکراتی نظر اس پر ڈالی اور "تھینکس" کہتی لفٹ سے باہر آگئی۔

تھوڑے فاصلے پر چلتے دونوں پارکنگ میں آئے اور اپنی اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ احتیاط کے ساتھ پچھلی گاڑیوں کی رو سے اپنی گاڑی نکالتے ہوئے اس نے اپنے سامنے سے سلور ہنڈا اکارڈ کو نکلتے ہوئے دیکھ کر سوچا۔

"واہ بھئی۔۔۔ بندہ اور گاڑی دونوں ہی شان دار ہیں۔"

اتوار کا دن اس کا اقبال انکل کی طرف گزرتا تھا یا پھر شہرین اس کی طرف آجاتی تھی۔ دونوں خوب باتیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کرتیں، اپنی پسند کی موویز دیکھتیں۔ شاپنگ کے لیے چلی جاتیں۔ اکثر اقبال انکل اور رخسانہ آنٹی بھی آجاتے، پھر وہ سب مل کر کسی پکنک سپاٹ کی طرف نکل جاتے یا کسی ریسٹورنٹ میں ڈنر کے لیے چلے جاتے۔

پر اس اتوار نہ تو وہ اقبال انکل کی طرف جاسکتی تھی اور نہ ہی شیرین اس کے پاس آسکتی تھی، کیونکہ وہ دن پہلے ہی وہ لوگ رخسانہ آنٹی کے کسی قریبی عزیز کی اچانک وفات پر جہلم جاچکے تھے۔ رخسانہ آنٹی کا سارا میکہ جہلم میں آباد تھا۔ سو آج وہ اپنے اپارٹمنٹ میں ہی بور ہو رہی تھی۔ شام میں اس نے سوچا کیوں نہ قریبی پارک میں ہی چلی جائے۔ مارگلہ ٹاورز کے قریب ہی بہت خوب صورت، بچوں کا چھوٹا سا پارک تھا۔ آج موسم بھی بہت خوش گوار تھا۔ اس نے قریبی اسٹال سے کولڈ ڈرنک اور اسنیکس خریدے، پھر ایک بینچ پر بیٹھ کر چھوٹے بچوں کو کھیلتے کودتے دیکھنے لگی۔ پنک فراک پہنے ایک بہت چھوٹی بچی جس نے شاید ابھی ابھی چلنا سیکھا ہوگا۔ پھولوں کے قطعے کی طرف لپک رہی تھی۔ وہ بار بار گرتی اور اس کی ماں بار بار بھاگ کر اسے اٹھاتی، اس خوب صورت منظر کو وہ بہت محویت سے دیکھ رہی تھی کہ اچانک قریب سے ابھرنے والی نسوانی آواز نے اسے چونکا دیا۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے سر گھما کر دیکھا تو اس کے بینچ کے قریب ہی ایک بزرگ خاتون لائٹ براؤن ساڑھی کے اوپر آف وائٹ شال لپیٹے وہیل چیئر پر بیٹھی نظر آئیں۔

وہ ایک دم سنبھل کر بیٹھی اور مسکرا کر جواباً بولی۔

"ہیلو۔"

"سوری۔۔۔ میں نے تمہیں ڈسٹرب کردیا۔" بزرگ خاتون نے دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں۔۔۔ وہ تو میں۔۔۔ بس ویسے ہی وہ چھوٹی بچی بہت پیاری لگ رہی تھی تو میں بس اسے دیکھتی چلی گئی۔" ایمل نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہوں۔۔۔ اور میں تمہیں دیکھتی چلی گئی۔ ماشاء اللہ بہت پیاری ہو۔"

اپنی تعریف سن کر ایک شرمیلی مسکان اس کے لبوں کو چھوگئی۔ "تھینکس"

"کیا نام ہے تمارا۔۔۔" خاتون نے پیار سے اس کا نام پوچھا۔

"ایمل۔۔۔ ایمل فرہاد۔۔۔"

"ایمل۔۔۔ بہت پیارا نام ہے، پڑھتی ہو؟" وہ شاید اسے کالج اسٹوڈنٹ سمجھ رہی تھیں۔

"جی نہیں۔۔۔ میں ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتی ہوں۔"

"گڈ۔۔۔ یہاں کہیں قریب ہی رہتی ہو؟"

"جی، مارگلہ ٹاور میں۔۔۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"اچھا... میں بھی وہیں رہتی ہوں۔"

"اوہ ریئلی... پر میں نے کبھی آپ کو وہاں دیکھا نہیں۔" اس نے حیرت سے پوچھا۔ "میں ابھی چند دن پہلے ہی وہاں شفٹ ہوئی ہوں۔"

"اچھا... تو وہاں سے یہاں تک آنے میں آپ کو کافی پرابلم ہوئی ہوگی۔" اس نے ان کی وہیل چیئر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ اصل میں مارگلہ ٹاور سے اس پارک تک آنے کے لیے دو رویہ بڑی سڑک کراس کرنی پڑتی تھی۔

"نہیں... ایسی کوئی مشکل تو نہیں ہوئی' ویسے بھی میں یہاں اپنے بیٹے کے ساتھ آئی ہوں۔"

"اوہ..." اس نے غیر ارادی طور پر ادھر ادھر نظر گھما کر ان کے بیٹے کی ان کے پاس موجودگی محسوس کرنا چاہی۔

"میرا بیٹا پیٹرول بھروانے گیا ہے' آتا ہی ہوگا۔"

"آتا ہوگا نہیں' آگیا۔" ایک خوب صورت مردانہ آواز ان کے پیچھے سے ابھری۔ ایمل نے سر اٹھا کر دیکھا تو چند لمحے دیکھتی رہ گئی۔ یہ تو وہی تھا۔

"جی ماں... آپ بور تو نہیں ہوئیں۔" انہوں نے پیار سے اپنی ماں سے پوچھتے ہوئے جوس کا کین کھول کر اپنی ماں کو دیا اور ایک نزدیکی بینچ پر بیٹھ گئے۔

"نہیں... میں نے اپنی بوریت دور کرنے کے لیے اپنی ایک ساتھی چن لی۔" بزرگ خاتون نے پیار سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آں ہاں... السلام علیکم۔" ان کے بیٹے نے دلچسپی سے ایمل کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"وا... وعلیکم السلام۔" جواب دیتے ہوئے اسے خاصی شرمندگی ہوئی' کیونکہ وہ عمر میں اس سے خاصے بڑے تھے۔ اسے سلام میں پہل کرنی چاہیے تھی۔

"ریٹائرڈ میجر جہاں زیب احمد۔" انہوں نے اپنا تعارف کرایا۔

"ایمل فرہاد۔" جواب میں اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا نام بتایا۔

"جہاں زیب! یہ بچی بھی مارگلہ ٹاور میں رہتی ہے۔"

"آں ہاں... جب ہی یہ چہرہ مجھے کچھ جانا پہچانا لگ رہا ہے۔" میجر صاحب کی گہری نگاہیں ایمل کا جائزہ لے رہی تھیں۔ "مارگلہ ٹاور میں کون سے فلور پر کون سا اپارٹمنٹ..." انہوں نے ایمل سے پوچھا۔

"فورتھ فلور پر 408۔"

"ارے ماں! بھئی یہ تو ہماری پڑوسن نکلی۔"

"واقعی... گڈ... پھر آؤ نہ کبھی ہماری طرف..." میجر صاحب کی ماں نے ایمل کو کھلے دل سے دعوت دے ڈالی۔

"جی ضرور... اچھا آنٹی! اب میں چلتی ہوں۔" اس نے اپنا ہینڈ بیگ اٹھاتے ہوئے اجازت طلب کی۔

"اچھا... پر آنا ضرور..." ایک بار پھر انہوں نے پرزور دعوت دی' جس کے جواب میں ایمل کے چہرے پر ایک بھرپور مسکراہٹ آئی اور وہ بغیر کچھ بولے گیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ یہ دیکھے بنا کہ اس کی مسکراہٹ میجر صاحب کے گرد ایک حصار کھینچ چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کاشان یار... تمہیں یاد ہے' بچپن میں... میں تمہیں سبز آنکھوں والی ایک فیری کی کہانی سناتا تھا۔"

"جی یاد ہے اور وہ فیری جسے مسکرا کر دیکھ لیتی تھی' اس پر جادو ہو جاتا تھا۔ وہ اپنی مسکراہٹ سے لوگوں کو پتھر کا بنا دیتی تھی۔"

"ہاں وہی... پر آج میں نے سچ مچ کی 'سبز آنکھوں والی اپنی مسکراہٹ سے دلوں پر جادو کرنے والی جیتی جاگتی فیری دیکھی ہے۔"

"مائی گاڈ بابا! تو کہیں اس نے آپ کو تو پتھر کا نہیں بنا دیا۔"

"ہاہاہا... نہیں یار... یہ ذرا اور طرح کی فیری ہے۔ یہ پتھر نہیں بناتی' بلکہ پتھر دلوں میں جان ڈال کے انہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

دھڑکنا سکھاتی ہے۔"
"اوہو۔۔۔ تو لگتا ہے آپ کے پتھر دل پر اس فیری کا جادو چل گیا ہے۔"
"ارے نہیں۔۔۔ اب ایسا بھی نہیں' پر میں سوچ رہا ہوں تم اس کی مسکراہٹ کے جادو سے بچ نہ سکو گے۔"
"اچھا تو یہ بات ہے۔۔۔ چیلنج؟" اور پھر دونوں طرف دونوں نے قہقہہ لگایا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے میجر صاحب لندن میں موجود اپنے بیٹے سے انٹرنیٹ پر بات چیت کر رہے تھے۔

آج کام زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ آفس سے کافی لیٹ آئی تھی اور آتے ہی لاؤنج کے صوفے پر ہی لیٹ گئی۔ قریب تھا کہ اس کی آنکھ لگ جاتی پر ڈور بیل کی آواز پر مجبوراً" اسے اٹھنا پڑا' دروازہ کھولتے ہی اسے اجنبی صورت نظر آئی۔
"یہ جی سفینہ بیگم نے بھیجا ہے آپ کے لیے۔" اس آدمی نے شیشے کا پیالہ۔۔۔ اس کی طرف بڑھایا۔
"کون سفینہ بیگم۔۔۔؟" اس نے باؤل لینے کی بجائے حیرت سے پوچھا۔ "وہ جی یہ ساتھ والے اپارٹمنٹ میں رہتی ہیں' میجر جہاں زیب کی والدہ۔ میں ان کا ملازم ہوں شکیل۔" اس نے سفینہ بیگم کے ساتھ ساتھ اپنا تعارف بھی ضروری سمجھا۔
"اوہ۔۔۔" اسے پارک میں ہونے والی ملاقات یاد آگئی۔ اس نے باؤل لے کر شکریہ کہلا دیا۔ باؤل میں کھیر تھی' اس نے ریک میں سے چمچہ نکالا اور باؤل میں ہی کھانا شروع ہو گئی۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ کل وہ بھی کچھ بنا کر ان کی طرف بھجوائے گی۔ پر اگلے تین دن مصروفیت زیادہ ہونے کی وجہ سے وہ کچھ اچھا بنا ہی نہ سکی۔ انکل اقبال کی فیملی واپس آگئی تو ایک رات کے لیے ان کی طرف چلی گئی۔ اگلے دن آفس جانے سے پہلے وہ اپنے اپارٹمنٹ واپس آئی تھی' کچھ ضروری چیزیں لینے کچن میں آئی تو شیلف پر رکھے باؤل پر نظر پڑی۔
"اوہ۔۔۔ شٹ۔۔۔ یہ ابھی تک نہیں جا سکا۔ چلو پھر آج کچھ بناتے ہیں سفینہ آنٹی کے لیے۔" اس نے دل میں ارادہ کر لیا۔
آفس سے واپسی پر وہ پکانے کا کافی سارا سامان لے آئی اور پھر اس نے بڑی محنت سے اسٹکس تیار کیں۔ انہیں باؤل میں ڈال کے اچھی طرح دوپٹہ اوڑھ کر کے اپارٹمنٹ سے باہر آگئی۔ اس کا ارادہ تھا کہ باؤل ان کے ملازم کے حوالے کر کے وہ واپس آجائے گی' پر دروازہ کھولنے والی شخصیت میجر جہاں زیب کی تھی۔
نگاہ ملتے ہی دونوں کے منہ سے آہستہ سے نکلا۔
"اوہ۔۔۔"
"السلام علیکم۔" اس نے جھٹ میجر صاحب کو سلام کیا۔ پہلی بار کی شرمندگی یاد تھی۔
"وعلیکم السلام۔" انہوں نے سلام کو کھینچتے ہوئے جواب دیا۔
"وہ۔۔۔ میں۔۔۔ یہ۔۔۔" اس نے باؤل والا ہاتھ آگے کیا۔
"پلیز۔۔۔ ویلکم۔۔۔" میجر صاحب نے اس کی بات سنی ان سنی کر کے نہایت مسرت کے ساتھ ہاتھ کے اشارے سے اسے اندر آنے کی دعوت دی۔
چند لمحے سوچنے کے بعد وہ ہچکچاتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور اپنے پیچھے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ تھوڑا سا آگے آکر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ پورے لاؤنج میں کوئی بھی نہیں تھا۔ اسے خیال آیا' کہیں میجر صاحب اکیلے ہی نہ ہوں اور۔۔۔ اور۔۔۔
"سفینہ آنٹی کہاں ہیں؟" اس نے فوراً" پلٹ کر جلدی سے پوچھا۔ میجر صاحب کی مسرت اس کے چہرے پر تحریر تشویش دیکھ کر سنجیدگی میں بدل گئی۔ انہوں نے نرمی سے اس کے ہاتھ سے باؤل لے لیا۔
"گھر میں ہی ہیں' اپنے بیڈ روم میں۔۔۔ ڈاکٹر سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

روٹین چیک اپ کروا رہی ہیں۔ شکیل۔۔۔!" ساتھ ہی انہوں نے اس کے عدم تحفظ کے احساس کو کم کرنے کے لیے اپنے ملازم کو بھی آواز دے ڈالی۔

"بیٹھو۔۔۔" انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کے بیٹھتے ہی وہ خود بھی بیٹھ گئے۔ "اس میں کیا ہے؟ کیا بنا کر لائی ہو؟" انہوں نے ڈش کا ڈھکن اٹھایا۔

"یہ اسٹیکس ہیں۔ وہ ایکچوئلی مجھے پاکستانی روایتی ڈشز بنانی نہیں آتیں' اس لیے۔۔۔" اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ مزید کیا بولے۔

"کیوں بھئی۔۔۔ پاکستان میں رہتی ہو اور پاکستانی ڈشز ہی بنانا نہیں آتیں۔" انہوں نے باؤل میں سے ایک چھوٹا سا پیس لے کر اپنے منہ میں ڈالا۔

"جی سر! بلایا آپ نے۔۔۔" اس کے جواب دینے سے پہلے ہی ان کا ملازم آگیا۔

"ہاں۔۔۔ دیکھو ماں فارغ ہوئیں یا نہیں؟"

"جی سر!" شکیل سر کے اشارے سے ایمل کو سلام کر کے ایک کمرے میں چلا گیا۔

"ویسے یہ جو کچھ بھی تم نے بنایا ہے' اچھا مزے دار ہے۔"

"تھینکس۔۔۔" اس نے کچھ شرماتے ہوئے ان کی تعریف قبول کی۔

چند لمحوں بعد ہی ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور وہیل چیئر پر سفینہ آنٹی باہر آئیں۔ وہ انہیں دیکھ کر کھڑی ہو گئی' ان کے پیچھے ایک لیڈی ڈاکٹر بھی تھی۔ ایمل نے انہیں سلام کیا۔

"ارے تم۔۔۔ آؤ بھئی۔۔۔ کیسی ہو۔" سفینہ بیگم نے خوشی سے کہا۔

"جی ڈاکٹر! کیا رپورٹ ہے؟" میجر صاحب بھی کھڑے ہو چکے تھے۔ "ایوری تھنگ از فائن۔ شی از پرفیکٹلی آل رائٹ۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"گڈ۔۔۔ پلیز جوائن اَس۔۔۔"

"تو تھینکس۔۔۔ پھر کبھی سہی' ابھی ذرا جلدی میں ہوں۔" ڈاکٹر واقعی جلدی میں تھی۔ اس لیے "فوراً" ہی دروازے کی سمت بڑھ گئی۔

"ماں! میں ڈاکٹر مریم کو نیچے تک چھوڑ کر آتا ہوں' ٹھیک ہے۔" ڈاکٹر کے پیچھے میجر صاحب بھی اپارٹمنٹ سے باہر چلے گئے۔

"ایمل بیٹا کھڑی کیوں ہو؟ بیٹھو نا۔" سفینہ بیگم نے ایمل کو کھڑے دیکھ کر کہا۔

ایمل اس سارے منظر کو خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔ سفینہ بیگم کے اصرار پر بیٹھ گئی۔

"اور سناؤ۔۔۔ کیسی ہو؟"

"ٹھیک ہوں' میں آپ کے لیے یہ لائی تھی۔" اس نے ڈش کی طرف اشارہ کیا۔

"تم نے بنایا ہے یا تمہاری ماں نے۔۔۔" انہوں نے ڈش شکیل کے حوالے کرتے ہوئے پوچھا۔

"جی میں نے ہی بنایا ہے' میری ماما کچھ نہیں بنا سکتیں۔"

"کیوں۔۔۔؟" انہیں حیرت ہوئی۔

"پچھلے سال ایک روڈ ایکسیڈنٹ میں میرے ماما اور پاپا دونوں کی ڈیتھ ہو گئی نیویارک میں۔۔۔" اس کے لہجے میں اداسی اتر آئی تھی۔

"او بیٹا! آئم سوری۔" انہوں نے آگے کو جھک کر اس کے کاندھے کو ہلکے سے تھپتھپایا۔ "اب تمہارے ساتھ کون رہتا ہے' میرا مطلب کوئی بھائی' بہن یا دیگر رشتے دار وغیرہ۔"

"آنٹی میں اپنے ماما' پاپا کی بس ایک ہی بیٹی ہوں اور باقی رشتے داروں سے کوئی خاص ملنا جلنا نہیں۔ ویسے یہاں قریب میں ہی میرے پاپا کے دوست رہتے ہیں اقبال انکل' وہی پاکستان میں میرے کیئر ٹیکر ہیں۔"

"اچھا۔ اچھا ویسے اس روز میں نے تمہیں دیکھا تو تمہارے چہرے میں مجھے یورپین جھلک نظر آئی تھی۔ خاص طور پر تمہاری سبز آنکھوں میں۔۔۔"

"جی۔۔۔ میری ماما امریکن تھیں اور پاپا پاکستانی۔۔۔"

"ہوں۔۔۔ تمہیں دیکھ کر لگتا ہے تمہاری ماں بہت

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

خوب صورت عورت ہوں گی۔" ان کی بات سن کر ایمل کے چہرے پر چھائی مسکراہٹ تشویش بھری سنجیدگی میں بدل گئی وہ اندر ہی اندر گھبرا گئی کہ اب نہ جانے یہ کیا کچھ پوچھیں گی۔

"جی۔۔۔" بدقت تمام اس کے منہ سے نکلا' پھر اس نے فوراً" ہی بات کا رخ موڑ دیا۔ "آنٹی آپ کی یہ پرابلم پیدائشی ہے یا حادثاتی۔۔۔" اس نے وہیل چیئر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"یہ سب پندرہ سال پہلے ایک حادثے میں ہوا۔ میں اور تہمینہ اسلام آباد سے ایبٹ آباد جارہے تھے کہ ایک موڑ مڑتے ہوئے سامنے سے تیز رفتار بس آگئی۔ ڈرائیور نیا تھا' وہ سچویشن سمجھ نہیں پایا اور کچھ زیادہ ہی گاڑی کنارے کی طرف موڑ دی۔ نیچے گہری کھائی تھی' تہمینہ اور ڈرائیور موقع پر ہی دم توڑ گئے اور میں بدنصیب بچ تو گئی' پر میری دونوں ٹانگیں ناکارہ ہو گئیں۔ بس جب سے اس وہیل چیئر کا ساتھ ہے۔ جہاں زیب مجھے لندن لے گیا تھا' بہت علاج کرایا۔ پر ان بے جان ٹانگوں میں جان نہ پڑ سکی۔" یہ بتاتے ہوئے سفینہ بیگم کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔

"اوہ! سوری آنٹی! انجانے میں میں نے آپ کا دل دکھادیا۔" اسے یہ سب سن کر بہت افسوس ہوا تھا۔

"کوئی بات نہیں۔ یہ باتیں تو اپنوں کو یاد کرنے کا بہانہ بن جاتی ہیں۔"

"تہمینہ آپ کی۔۔۔" اسے تجسس ہوا۔

"بہو تھی میری' جہاں زیب کی بیوی۔"

"اچھا۔۔۔ تو پھر۔۔۔ میجر صاحب نے شادی نہیں کی دوبارہ۔۔۔"

"نہیں۔۔۔ میں نے بہت کہا' آج تک کہتی ہوں' پر وہ مانتا ہی نہیں' تہمینہ میرے دیور کی بیٹی تھی۔ جہاں زیب اور تہمینہ ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے۔ خاندان میں سب ہی اس رشتے پر خوش تھے۔ ہم بہت دھوم دھام اور ارمانوں سے تہمینہ کو بیاہ کر لائے تھے۔ شادی کے بعد بھی دونوں کی محبت دن بہ دن بڑھتی ہی گئی' پر نہ جانے کس کی نظر کھاگئی میرے ہنستے بستے گھر کو۔ شادی کے آٹھ سال بعد اس حادثے نے جہاں زیب کی دنیا ہی اجاڑ دی۔ بہت سمجھایا اسے کہ دوسری شادی کرلے' پر وہ کہتا ہے محبت ایک بار ہوتی ہے اور میں اپنے حصے کی محبت کرچکا۔"

"یا اللہ! ایسی محبت کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔" میجر صاحب کا دکھ اسے اپنے اندر اترتا ہوا محسوس ہوا۔ اسی اثنا میں اس کے موبائل کی بیل بج اٹھی' دیکھا تو شہرین کا مسیج تھا۔

"فوراً" نیچے آجاؤ۔ ڈنر کے لیے جانا ہے۔ ہم سب تمہارا انتظار کررہے ہیں۔" مسیج پڑھتے ہی وہ اٹھ گئی۔

"اوکے آنٹی! میں چلتی ہوں۔ اقبال انکل کی فیملی میرا ویٹ کررہی ہے پارکنگ میں۔۔۔"

"اوکے بیٹا! بہت اچھا لگا تمہارا آنا۔ پھر کسی وقت دوبارہ چکر لگانا۔"

"شیور آنٹی۔۔۔!" جیسے ہی وہ واپسی کے لیے پلٹی' اسی وقت۔ میجر صاحب اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے۔

"کہاں بھئی۔۔۔ اتنی جلدی جارہی ہو بیٹھو نا' ابھی۔۔۔"

"جی وہ ایکچوئلی۔۔۔" میجر صاحب پر نظر پڑتے ہی اس کے احساسات عجیب سے ہوگئے۔

"جہاں زیب! ایمل کے انکل اس کا نیچے انتظار کررہے ہیں۔"

"اوکے۔۔۔ چلو پھر نہیں روکتے۔" ایمل دھیرے سے مسکرا کر اپارٹمنٹ سے باہر آگئی۔

اس دن کے بعد سے وہ سفینہ بیگم کے گھر نہیں گئی تھی' پر ایک کام وہ غیر ارادی طور پر روزانہ کرتی تھی' رات کا کھانا کھا کر عشاء کی نماز پڑھ کر وہ بالکنی میں آجاتی اور سگار کی خوشبو کو دھیرے دھیرے اپنے اندر اتارتی رہتی۔

☼ ☼ ☼

"واچ مین۔۔۔ واچ مین۔۔۔" وہ پیدل ہی پارکنگ سے نکل کر بلڈنگ کی پچھلی طرف آئی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"لیس میڈم۔۔۔" واچ مین اسے دیکھ کر بھاگا ہوا آیا تھا۔

"کیا ہوا؟ یہ لفٹ کیوں بند ہے۔"

"میڈم! پروجیکٹ کے پاور پلانٹ میں کچھ پرابلم ہے' کام ہو رہا ہے' جلد ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اوہ گاڈ۔۔۔ کتنا ٹائم لگے گا۔" وہ سخت کوفت میں مبتلا ہو چکی تھی۔

"میڈم! ایک سے ڈیڑھ گھنٹہ تو لے گا ابھی۔۔۔"

"اوہ نو' میرے پاس کافی سامان ہے۔ وہ اٹھا کر میں اوپر تک کیسے جاؤں گی۔" آج وہ عام گروسری کے ساتھ ساتھ اپنی پسند کی کافی ساری بکس اور سی ڈیز بھی لائی تھی اور آج ہی بجلی کا مسئلہ بن گیا تھا۔

"میڈم! آپ کا سامان میں اوپر پہنچا دیتا ہوں' آپ فورتھ فلور پر رہتی ہیں نا۔"

"ہاں ٹھیک ہے' لے چلو اور سنو 408 کے سامنے رکھ دینا' کسی اور اپارٹمنٹ میں نہ دے دینا۔" اس کی اور واچ مین کی رفتار میں فرق تھا۔ اس لیے اسے خیال آیا کہ یہ کسی اور اپارٹمنٹ میں سامان نہ دے آئے۔

وہ خود اب آرام آرام سے سیڑھیاں چڑھتی اوپر جا رہی تھی' پر فورتھ فلور تک جانا اس کے لیے مشقت طلب کام تھا۔ تھرڈ فلور تک پہنچتے پہنچتے اسے لگا اس کی ٹانگوں سے جان نکلتی جا رہی ہے' وہ بمشکل تمام خود کو گھسیٹتی ہوئی فورتھ فلور کی سیڑھیوں کی طرف مڑی کہ اچانک تیزی سے اوپر سے اترتے شخص سے ٹکرا گئی۔ قریب تھا کہ وہ پیچھے سیڑھیوں پر لڑھک جاتی' پر دو مضبوط ہاتھوں نے اسے سہارا دیا اور بازوؤں نے اپنی پناہ میں لے لیا۔ خوف سے اس کی آنکھیں سختی سے بند ہو چکی تھیں اور اس کے ہاتھوں نے سامنے والے کا کالر اور بازو سختی سے دبوچ رکھا تھا۔

"ایمل! بہت ہی خوب صورت' مدھم سرگوشی بن کر اس کے کانوں میں ڈھلتی آواز اسے چونکا گئی۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو میجر جہاں زیب کو سامنے پایا۔

انہیں خود سے اتنا قریب دیکھ کر اس نے ایک جھٹکے سے خود کو الگ کرنا چاہا' پر سنبھل نہ پائی اور ایک بار پھر وہ سیڑھیوں پر پھسلنے لگی تھی' پر اب کی بار اس کے وجود کے گرد ان کے بازوؤں کا حلقہ زیادہ تنگ ہوا تھا۔

"کیا کر رہی ہو' گر جاؤ گی' سنبھالو خود کو۔۔۔" انہوں نے اسے اپنی طرف کھینچ کر دو قدم پیچھے ہو کر دیوار کے ساتھ ٹکا دیا اور اپنے بازوؤں کی گرفت سے اسے آزاد کیا۔ شرم اور گھبراہٹ سے اس کی نگاہیں زمین میں گڑ گئیں تھیں۔

"اب ٹھیک ہو۔" ان کے لہجے میں پہلے والی نرمی لوٹ آئی تھی' ایمل نے ان کی طرف دیکھے بغیر سر کو اثبات میں جنبش دی۔

"سلی گرل!" انہوں نے اس کے سر پر ہلکی سی چپت لگائی اور سیڑھیوں کی طرف مڑ کر نیچے اتر گئے۔

اپارٹمنٹ میں آتے ہی اس نے سامان شیلف پر رکھا اور خود بیڈ روم میں آ کر بیڈ پر گر گئی' اسے ابھی تک سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ اس کے ساتھ ہوا کیا' ایک خیال' ایک آواز' ایک خوشبو اس کے حواسوں پر بری طرح چھا گئی تھی۔ کچھ دیر بعد اس کی پلکوں کی باڑھ توڑ کر آنسوؤں کی لڑیاں اس کے گالوں پر بہنے لگیں۔ سانس تیز تیز چلنے لگا اور دل اتنے زور سے دھڑکنے لگا جیسے ابھی پسلیاں توڑ کر باہر آ جائے گا۔ وہ بے اختیار اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"نہیں۔۔۔ اب نہیں۔۔۔ ایک بار پھر میرے ساتھ ایسا نہیں ہو سکتا' نہیں ہو سکتا۔"

☆ ☆ ☆
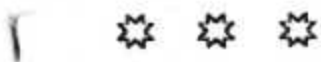
"ایمل۔۔۔" وہ اپنے دھیان میں نیل فائل کیے جا رہی تھی۔ "ایمل!"

"ہاں۔۔۔" شہرین کے دوسری بار اتنے قریب سے پکارنے پر وہ بری طرح چونکی تھی۔

"کیا بات ہے' سب ٹھیک تو ہے نا؟" شہرین کو اس میں ایک واضح تبدیلی محسوس ہوئی تھی۔

ایمل بہت ایکٹو لڑکی تھی' پر پچھلی چند ملاقاتوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سے وہ نوٹ کر رہی تھی کہ ایمل کچھ گم صم سی ہے بات کرتے کرتے بھول جاتی ہے کہ وہ کیا کہہ رہی تھی کام کرتے کرتے اس کے ہاتھ رک جاتے۔ ہنستے ہنستے اس کی آنکھوں میں نمی اتر آتی۔ نہ جانے اسے کیا ہو رہا تھا۔

"ہاں... سب ٹھیک ہے' کیوں' کیا ہوا؟" ایمل نے حیرت سے پوچھا۔

"پتا نہیں کیوں' تم مجھے کچھ عجیب عجیب سی لگ رہی ہو۔"

"تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہی ہو' ایسی کوئی بات نہیں جو عجیب ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے شیرین سے نگاہ چرائی تھی۔

"آر یو شیور..." شیرین نے کچھ بے یقینی سے پوچھا۔

"اوہ کم آن شیرین۔ آف کورس..." ایمل نے ہنستے ہوئے اسے یقین دلانے کی کوشش کی۔

"اچھا بھئی... چلو چل رہی ہو۔"

"کہاں جانا ہے۔" ایمل نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"یہاں قریب ہی ایک شاپنگ مال میں ڈیزائنو ویئر شاپس پر سیل لگی ہے۔ چلتے ہیں' کچھ سردیوں کے لیے شاپنگ کر لیتے ہیں' کیا خیال ہے۔"

"اچھا خیال ہے' مجھے بھی کچھ نئی جینز لینی ہیں۔ جو میں امریکہ سے لائی تھی وہ سب اب بالکل رف ہو گئی ہیں۔" ایمل نے الماری میں سے اپنا ہینڈ بیگ نکالا اور دونوں اپارٹمنٹ سے باہر آ گئیں۔

ایئر کنڈیشن مال میں داخل ہوتے ہی اسے سردی کا احساس ہوا تو اس نے اپنے شانوں پر شال پھیلا لی۔ کچھ دیر وہ دونوں ایسے ہی گھومتی رہیں' انہیں ابھی تک اپنے مطلب کی کوئی چیز نظر نہیں آئی تھی۔

"فرنچ فرائز کھاؤ گی۔" شاپنگ کے دوران کھانا پینا شیرین کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

"ضرور۔ تم کھلاؤ گی تو ضرور کھاؤں گی۔" ایمل نے ہنس کر کہا۔

"کنجوس! پتا تھا یہ ہی کہو گی' مروہیں' لاتی ہوں۔" شیرین برا منہ بناتی چلی گئی۔

ایمل ہنستے ہوئے دو قدم پیچھے ہوئی تو دوسری طرف سے بھاگ کر آتے ایک بچے سے ٹکرا گئی۔ اس کا پرس اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس نے پلٹ کر بچے کو زور سے آواز دی۔ "اوئے" پر بچہ شرارت سے ہنستا دور بھاگ گیا۔ اس نے مڑ کر اپنا پرس اٹھانا چاہا' پر اس سے پہلے کہ وہ جھکتی اس نے دیکھا کوئی اس کا پرس اٹھا رہا تھا۔

"تھینکس..." پر جیسے ہی وہ شخص پرس اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوا ایمل کو ایک جھٹکا لگا۔ میجر جہاں زیب اس کے سامنے کھڑے تھے۔ مسکراتی آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے۔

"کہاں کہاں ٹکراتی پھرتی ہو لڑکی! لگتا ہے سارے زمانے سے ٹکرانے کا ٹھیکہ اکیلے تم نے ہی لے رکھا ہے۔" وہ شرارت ہی شرارت میں اسے کچھ یاد دلا رہے تھے۔

"جی... نہیں تو... وہ... ایکچوئلی میں شاپنگ کے لیے آئی تھی۔" چند ہی لمحوں میں اس نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر انہیں جواب دیا۔

"میرا خیال ہے شاپنگ مال میں لوگ شاپنگ کے لیے ہی آتے ہیں۔" ان کے شرارتی انداز پر وہ دھیرے سے مسکرا دی اور وہ جب جب مسکراتی تھی وہ اپنی نظر اس پر سے ہٹانا بھول جاتے تھے۔

"تم اکیلی ہو۔"

"نہیں' میری دوست شیرین بھی میرے ساتھ ہے۔" اس نے فرنچ فرائز لاتی شیرین کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"لو کھاؤ اور عیش کرو۔ تم بھی کیا یاد کرو گی کسی رئیس سے پالا پڑا تھا۔" شیرین دونوں ہاتھوں میں بمشکل گرم گرم فرنچ فرائز سنبھالتی ہوئی لائی تھی۔ اور اپنی محویت میں میجر صاحب کو دیکھا ہی نہیں تھا۔

"بھئی تھوڑے فرنچ فرائز ہمیں بھی مل جاتے تو ہم بھی یاد رکھتے کہ کس رئیس سے پالا پڑا ہے۔" میجر

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

صاحب نے اسے خود ہی اپنی موجودگی کا احساس دلایا۔

"جی..." شہرین نے حیرت سے پہلے ان کی، پھر ایمل کی طرف دیکھا۔

"ریٹائرڈ میجر جہاں زیب احمد۔ میرے ساتھ والے اپارٹمنٹ 407 میں رہتے ہیں۔" ایمل نے سادگی سے ان کا تعارف کرایا۔

"اوہ... تو آپ ایمل کے پڑوسی ہیں۔ پلیز لیں نا۔" شہرین نے پیکٹ ان کی طرف بڑھایا۔

"تھینک یو..." میجر صاحب نے چند فرائز نکال کر اپنے منہ میں رکھ لیے۔

"ویسے گرلز! تم لوگ مجھے اچھے ٹائم پر ملیں۔" تھوڑی میری ہیلپ کرو نا۔

"وہائی ناٹ۔ پلیز بتائیے... ہم آپ کی کیا مدد کریں۔" شہرین نے سچویشن کو انجوائے کرتے ہوئے کہا۔

"آج میری ماں کا برتھ ڈے ہے۔"

"ریئلی..." ایمل نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہاں اور مجھے ان کے لیے ایک اچھا سا گفٹ لینا ہے۔"

"تو کیا آپ نے پہلے کبھی ان کی کسی برتھ ڈے پر انہیں گفٹ نہیں دیا۔" شہرین کو کچھ حیرت ہوئی۔

"نہیں گفٹ تو میں انہیں ہر سال اس موقع پر دیتا ہوں، پر پچھلے چند سالوں سے میں جو بھی ان کے لیے لے کر جاتا ہوں تو وہ کہتی ہیں۔ ارے بیٹا یہ کیا تم جوان لڑکیوں والا گفٹ لے آئے ہو میرے لیے، یہ میں کہاں استعمال کروں گی۔ تو تم لوگ مجھے کوئی بوڑھوں والا گفٹ سلیکٹ کرنے میں ہیلپ کرو۔" ان کی اس بات پر دونوں کے چہروں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"سر! آپ کو کیا لگتا ہے، ہمیں بوڑھوں کی شاپنگ کا کوئی تجربہ ہو گا۔" شہرین نے شرارت سے میجر صاحب سے پوچھا۔

"آف کورس ناٹ۔ پر تم لوگ اپنی ماما کے لیے بھی تو کچھ لیتی ہو گی نا۔"

میجر صاحب نے اس کی بات پر ہنستے ہوئے کہا تو چند لمحوں کے لیے ایمل ان کے ہنستے مسکراتے چہرے سے نگاہ ہٹانا بھول گئی۔

"ارے سر کچھ نہ پوچھیں۔ میری ماما کی چوائس تو مجھ سے زیادہ ینگ ہے۔ وہ تو مجھے ہر وقت ٹوکتی رہتی ہیں۔ یہ کیا ڈل کلر پہن رکھا ہے۔ یہ کیسے بوڑھوں والے شوز لے آئی ہو۔ وہ تو سر سے لے کر پیر تک فل میچنگ میں رہتی ہیں۔" شہرین نے مزے سے رخسانہ آنٹی کی چند باتیں انہیں بتائیں۔

"آں ہاں اور تمہاری ماما، وہ بھی شہرین کی ماما جیسی ہیں۔" انہوں نے ایمل سے پوچھا تھا۔ ایمل نے جواب دیے بغیر منہ دوسری طرف کر لیا، پر اس کی سبز آنکھوں میں اترنے والا کرب میجر صاحب کی زیرک نظروں سے چھپا نہ رہ سکا تھا۔

"آئیں، اس گفٹ شاپ میں آنٹی کے لیے کچھ دیکھتے ہیں۔" اور پھر وہ ان دونوں سے پہلے خود ہی اس دکان میں چلی گئی۔

میجر صاحب نے ان دونوں کے مشورے پر سفینہ بیگم کے لیے ایک سوئس ریسٹ واچ خریدی۔

"اوکے گرلز! تھینک یو سو مچ۔" انہوں نے آنکھوں پر ڈارک گلاسز لگاتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔" ایمل نے دھیمے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ بس ایسے ہی یہ گفٹ اپنی ماں کو دے دیں گے۔" شہرین نے کچھ حیرت سے پوچھا۔

"ایسے ہی کیا مطلب، کیسے دینا چاہیے گفٹ۔" جواباً میجر صاحب نے بھی حیرت سے پوچھا۔

"میرا مطلب آپ ان کا برتھ ڈے سلیبریٹ نہیں کریں گے۔"

"آپ بتائیں کیسے سلیبریٹ کریں۔ میں تو ہمیشہ ایسے ہی دے دیتا ہوں۔"

"آپ کو چاہیے کہ ایک خوب صورت سا کیک اور کیک آنٹی کے لیے لے کر جائیں اور جب وہ کیک کاٹیں تو انہیں برتھ ڈے وش کرتے ہوئے یہ گفٹ دیں۔" شہرین نے اپنے خیال میں ایک بہترین آئیڈیا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

دیا انہیں۔

"ہوں۔۔۔ آئیڈیا اچھا ہے، پر کیک کاٹتے وقت تالیاں بجانے والے بھی تو ہونے چاہئیں۔ اگر یہ کمی تم دونوں پوری کردو تو اس آئیڈیے پر عمل کیا جاسکتا ہے۔"

"شیور سر! واہائی ناٹ۔ بتائیں کب آنا ہے۔" میجر صاحب کی دعوت نے شیرین میں جوش و خروش بھر دیا۔ اس تھوڑی سی دیر میں وہ ان سے خاصی فرینک ہوگئی تھی۔

"بس تم لوگ شاپنگ سے فارغ ہو کر آجاؤ۔"

"نہیں، میں۔۔۔ میں اس وقت بزی ہوں۔ میں نہیں آسکوں گی۔" اہمل نے کچھ گھبرا کر کہا۔

میجر صاحب کی موجودگی اسے عجیب سے احساس سے دوچار رکھتی تھی۔

"کم آن اہمل! تم تو ایسی بات نہ کرو۔ تمہیں تو میری ماں بہت یاد کرتی ہیں۔ اس خاص موقع پر آجاؤ گی تو وہ بہت زیادہ خوش ہوں گی۔" انہیں اہمل کی بات سے افسوس ہوا۔

"ارے اس کو چھوڑیں سر! یہ تو پہلے ہی آدم بے زار ہے۔ پر میں اسے کھینچ کھانچ کرلے آؤں گی۔" میجر صاحب گہری نظروں سے اہمل کے تاثرات نوٹ کررہے تھے۔

اور پھر واقعی شیرین اہمل کو کھینچ کھانچ کر سفینہ بیگم کی طرف لے گئی۔ وہ ان دونوں سے مل کر بہت خوش ہوئیں۔ میجر صاحب کیک لے آئے تھے، دونوں لڑکیوں نے مل کر ٹیبل سیٹ کی اور جب سفینہ بیگم نے کیک کاٹا تو ان دونوں کے ساتھ مل کر میجر صاحب نے بھی تالیاں بجائیں، جھک کر ماں کے ماتھے پر بوسا دیا اور سینے سے لگا کر وش کیا، اس بے حد خوب صورت منظر کو اہمل نے اپنے دل میں اور شیرین نے اپنے موبائل میں محفوظ کیا تھا۔ وہ دونوں بھی سفینہ بیگم کے لیے ایک خوب صورت شال لے کر آئی تھیں۔

اسی پل ڈور بیل بج اٹھی۔ چند لمحوں بعد شکیل ایک گفٹ پیک ہاتھوں میں لیے سفینہ بیگم کے پاس آیا۔

"یہ کوریئر آپ کے لیے لایا ہے۔" شکیل گفٹ پیک ٹیبل پر رکھ کر چلا گیا۔

"ماں یہ تو لندن سے ہے۔" اور پھر انہوں نے کھول دیا۔ اندر چائنیز نقش و نگار سے مزین تین خوب صورت سرونگ باؤلز تھے اور ساتھ میں ایک وشنگ کارڈ جس پر ایک گلاب کا پھول بنا ہوا تھا۔ بھیجنے والے کا ٹیسٹ کمال کا تھا۔ کارڈ کے اندر لکھا تھا۔ "ٹو مائی سوئٹ ہارٹ، مائی ڈارلنگ دادو، ودھ اے بگ لو فرام کاشان۔"

"کاشان۔۔۔" اہمل نے کارڈ پڑھ کر سوالیہ نظروں سے میجر صاحب کی طرف دیکھا۔

"بیٹا ہے میرا، لندن میں پڑھتا ہے وہ۔" انہوں نے اپنے دائیں جانب کی دیوار کی طرف اشارہ کیا، جہاں ایک نہایت خوبرو اور شوخ لڑکے کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ سفینہ بیگم اتنی ڈھیر ساری محبتیں ایک ساتھ پاکر آبدیدہ ہورہی تھیں۔

"ماں، کاشان کا میسج ہے۔ آپ کو سکائپ پر کال کررہا ہے۔ آپ تھوڑی دیر اس سے بات کرلیں۔" میجر صاحب نے موبائل پر سے نظریں ہٹاتے ہوئے کہا۔

"ارے پر یہ بچیاں کیا سوچیں گی کہ مہمانوں کو چھوڑ کر میزبان غائب ہوگئے۔" وہ اپنے پوتے سے بات کرنا تو چاہ رہی تھیں، پر انہیں اچھا نہیں لگ رہا تھا کہ وہ ان بچیوں کو چھوڑ کر خود کمپیوٹر کے سامنے جا بیٹھیں۔

"ارے نہیں آنٹی! آپ بات کریں، ہم اب چلتے ہیں۔ پھر کبھی آجائیں گے۔" اہمل نے موقع غنیمت جان کر نکلنا چاہا۔

"اچھا جناب! آپ تو چلی جائیں گی اور وہ اتنا بڑا پزا جو میں آپ لوگوں کے لیے لایا ہوں، وہ میں اکیلا کھاؤں گا کیا؟ ماں اور شکیل تو صرف دیسی کھانے ہی کھاتے ہیں۔"

"ایسی بات ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں، ہم آپ کا پزا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کھانے میں بھرپور ساتھ دیں گے۔"

"شہرین۔۔۔" ایمل نے دبی آواز میں غصے سے شہرین کو پکارا' جانتی تھی کہ پزا اس کی کمزوری ہے' اب وہ اور پھیل جائے گی۔

"گڈ گرل' یہ ہوئی نا بات۔ آپ لوگ بیٹھو' میں ابھی آتا ہوں۔" پھر وہ سفینہ بیگم کی وہیل چیئر دھکیلتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔

"شہرین یہ اچھی بات نہیں ہے۔" ان کے جاتے ہی ایمل نے اندر دبے ہوئے غصے کو آزاد کیا۔

"چل ناں یار! اپنے اپارٹمنٹ میں جاکر بھی تو ٹی وی ہی دیکھنا ہے تو یہاں دیکھ لیتے ہیں۔" شہرین مزے سے صوفے پر ٹانگیں اوپر کرکے بیٹھ گئی اور چینلز سرچنگ شروع کردی۔

ایمل کچھ دیر بے مقصد ادھر ادھر دیکھتی رہی' پھر ایک کمرے کی جانب بڑھ گئی' یہ اس کے اپارٹمنٹ کے مقابلے میں کافی بڑا اپارٹمنٹ تھا اور اس کا اسٹرکچر بھی بالکل الگ تھا۔ کمرے کا دروازہ تھوڑا سا کھول کر دیکھا تو وہ حیران رہ گئی۔ یہ کمرہ نہیں' پوری لائبریری تھی' جس کی تین دیواروں میں بڑی بڑی الماریاں نصب تھیں۔ چوتھی دیوار کے آگے بڑی سی ٹیبل اور اس کے پیچھے ریوالونگ چیئر تھی۔ ٹیبل پر لیمپ' لیپ ٹاپ اور کافی ساری فائلز تھیں۔ ایمل کی چند ایک کمزوریوں میں سے ایک کتاب تھی اور اتنی ساری کتابیں دیکھ کر وہ رہ نہیں پائی' ایک ایک الماری کے پاس جاکر دیکھتی۔ تمام کی تمام کلیکشن لاجواب تھی۔ ایک جگہ وہ رک گئی۔ الماری کے سب سے اوپر والے حصے میں اسے ہسٹری آف گاڈ نظر آئی تھی۔ اس کا ہاتھ بے اختیار اوپر کی طرف اٹھا۔ پر وہ کتاب اس کی رینج سے باہر تھی۔ اس نے مایوس ہوکر ہاتھ کھینچ لیا۔

"میں اتار دوں۔" خوب صورت' مدھم سرگوشی بن کر کانوں میں ڈھلتی آواز ایک بار پھر اسے چونکا گئی۔

کتابوں کی دنیا میں وہ ایسی کھوئی تھی کہ اسے پتا بھی نہ چلا کب وہ اندر آئے اور اس کے انہماک کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے قریب چلے آئے۔ وہ اس کے پیچھے سے سامنے آئے اور ہاتھ بڑھا کر کتاب اتار لی۔ وہ اس کے اتنے قریب تھے ان کے وجود سے اٹھنے والی مہک ایمل کے وجود میں اترنے لگی۔ انہوں نے کتاب ایمل کی طرف بڑھائی' پر وہ کتاب کی طرف کیا دیکھتی' اس کی نظروں نے ان کے دلکش چہرے سے ہٹنے سے انکار کردیا تھا۔ چند لمحے انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا' پر کچھ سمجھ نہیں پائے۔

"کیا ہوا؟" ان کی آواز سن کر وہ حواسوں میں واپس آئی۔

"جی۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ وہ سوری میں بغیر اجازت کے اندر آگئی۔" اس نے فوراً معذرت کی۔

"اچھا کیا۔ اگر تم ایسے نہ آتیں تو مجھے کیسے پتا چلتا کہ ان کتابوں کا میرے علاوہ بھی کوئی قدردان ہے۔" ان کی اس بات پر ایمل نے مسکرا کر کتابوں کی طرف دیکھا۔

"کتاب میری کمزوری ہے' میں بہت چھوٹی تھی' تب میرے پاپا میرے لیے چھوٹی چھوٹی اسٹوری بکس لاتے تھے۔ پھر جیسے جیسے میں بڑی ہوتی گئی کتابیں بھی بڑی ہوتی گئیں۔ ہم دونوں نے مل کر اپنی ایک چھوٹی سی لائبریری بنائی تھی' ہر ماہ اس میں ایک دو نئی کتابوں کا اضافہ ہوتا تھا۔" بات کرتے کرتے اس کی نظر میجر صاحب پر پڑی تو اسے احساس ہوا' وہ اس کے چہرے کی کتاب کو بہت دلچسپی سے پڑھ رہے تھے۔ اس نے خاموشی سے چہرہ جھکالیا۔

"چپ کیوں ہوگئیں' بولو نا۔ تم کم بولتی ہو پر اچھا بولتی ہو۔"

"میرے پاپا کہتے تھے زیادہ بولنے سے بعض اوقات انسان اپنی عزت کم کروالیتا ہے۔"

"پاپا سے بہت محبت تھی؟"

"وہی تو تھے میرا سب کچھ اور اب ان کی یادیں ہی میرا کل اثاثہ ہیں۔"

"اور ماما؟ ان سے محبت نہیں تھی؟" اس کی آنکھوں میں اترنے والا کرب وہ ابھی تک نہیں بھولے تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"ان سے بھی تھی' ماں سے تو محبت ہوتی ہی ہے۔" اس کے چہرے پر ناگواری پھیلی تھی۔ "مشہرین باہر اکیلی ہوگی' اس کے پاس چلتے ہیں۔" کہیں ٹاپک لمبا نہ ہوجائے' اس لیے اس نے راہ فرار چاہی۔

"ایمل..." میجر صاحب کی آواز پر اس کے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک گئے۔

"کہہ دینے سے دل کا بوجھ کم ہوجاتا ہے۔"

"پر کچھ دکھ ایسے پھوڑوں کی مانند ہوتے ہیں جو پھوٹ جائیں تو ہر طرف تعفن ہی تعفن پھیلا دیتے ہیں۔" یہ کہتے ساتھ ہی وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ پر اس کی آنکھوں میں دکھوں کی اذیت دیکھ کر ان کے قدم وہیں جم گئے۔

✲ ✲ ✲

آج آفس سے اٹھتے اٹھتے اسے کافی ٹائم ہوگیا تھا۔ جیسے ہی وہ آفس سے باہر آئی اس کا فون بج اٹھا۔

"سفینہ آنٹی کالنگ۔" اس نے کال ریسیو کی۔

"السلام علیکم! جی آنٹی کہیے۔"

وعلیکم السلام' جیتی رہو' ایمل بیٹا! ایک کام تھا اگر کرسکو تو۔

"جی آنٹی کہیے نا۔"

"بیٹا میں اس وقت ایبٹ آباد میں ہوں' شکیل بھی میرے ساتھ ہے۔ یہاں ہماری زمینوں کا کچھ مسئلہ تھا۔ ویسے تو جہاں زیب ہی تمام معاملات سنبھالتا ہے' پر کل رات اسے بخار بھی ہوگیا۔ وکیل سے ملنا ضروری تھا۔ اس لیے اسے آرام کرنے کا کہہ کر میں شکیل کے ساتھ آگئی۔ سوچا تھا شام سے پہلے واپس آجاؤں گی' پر یہاں بہت تیز بارش ہورہی ہے۔ شکیل اتنا اچھا ڈرائیور نہیں ہے' اس لیے جہاں زیب واپس آنے سے منع کررہا ہے اور وہاں اس کا بخار تیز ہوگیا ہے۔ بخار میں اس کی آنکھیں سرخ ہوکر جلنے لگتی ہیں۔ ابھی ابھی مجھے یاد آیا کہ جو ڈراپس وہ استعمال کرتا ہے' وہ ختم ہوگئے ہیں۔ اگر تم اس کے لیے ڈراپس لے جاسکو تو۔" وہ چپ ہوگئیں۔

"ضرور آنٹی... میں لے جاؤں گی۔ آپ مجھے ان ڈراپس کا نام نوٹ کروادیں۔"

مارگلہ ٹاور کی طرف آتے ہوئے اس نے ایک میڈیکل اسٹور سے ڈراپس خریدے۔ اس کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ میجر صاحب سے اس کا سامنا نہ ہو' پر ان کے بیمار ہونے کا سن کر وہ اندر سے بے چین ہوگئی تھی۔ فورتھ فلور پر آتے ہی وہ 407 کی طرف آئی۔ بیل بجانے کے کافی دیر بعد دروازہ کھلا۔ بلیک شلوار قمیص میں آف وائٹ شال کاندھوں پر ڈالے وہ اس کے سامنے تھے۔ بال کچھ بکھرے ہوئے' چہرے پر تھکن کے آثار اور آنکھوں میں گہری سرخی' وہ دیکھتی چلی گئی۔

"السلام علیکم!"

"وعلیکم السلام' کیسی ہو۔" آج انہوں نے اسے اندر نہیں بلایا تھا۔

"ٹھیک ہوں' میں آپ کے لیے یہ لائی تھی۔" اس نے ڈراپس ان کی طرف بڑھائے۔

"ارے... پر تمہارے پاس یہ کیسے...." ڈراپس دیکھ کر انہیں حیرت کا جھٹکا لگا۔

"مجھے سفینہ آنٹی نے فون پر بتایا تھا۔"

"اوہ... میری ماں اگریٹ یو آر۔" انہوں نے آنکھیں بند کرکے سفینہ آنٹی کو خراج تحسین پیش کیا۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے' ڈاکٹر کو دکھایا۔"

"ہوں... دکھایا تھا' پر دوائی نہیں لی ابھی تک...."

"کیوں...."

"کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا۔ کچھ کھاؤں گا تو دوائی لوں گا۔"

"اوکے... آپ آرام کریں میں چلتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اپنے اپارٹمنٹ کی طرف آگئی۔

اپنے معمولات نپٹاتے ہوئے اس کا دھیان میجر صاحب کی طرف لگا رہا تھا۔ کھانا کھانے بیٹھی تو دھیان آیا' پتا نہیں انہوں نے ابھی تک کچھ کھایا ہوگا یا نہیں' دوائی لی ہوگی یا نہیں۔ پھر اس سے کھانا کھایا ہی نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

گیا' اس نے کھانا سمیٹا اور چکن کارن سوپ بنانے لگی۔ ایک باؤل میں سوپ نکال کر وہ ان کے اپارٹمنٹ کی طرف آگئی۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا تو دروازہ کھل گیا۔ شاید اس کے جانے کے بعد وہ دروازہ اندر سے لاک کرنا بھول گئے تھے۔ اندر آکر اس نے دروازہ بند کیا۔ آج اسے کسی قسم کا خوف محسوس نہیں ہو رہا تھا' بس وہ یہ چاہتی تھی میجر صاحب جلدی سے کچھ کھا کر دوائی لے لیں۔

لاؤنج میں کوئی نہیں تھا۔ یقیناً وہ اپنے بیڈ روم میں ہوں گے۔ اس نے ہلکے سے دروازہ کھٹکھٹایا' وہ کمرے میں بھی نہیں تھے۔ بیڈ کی چادر اور کمبل بے ترتیب تھے۔ باتھ روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ اس نے آگے بڑھ کر باؤل بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر رکھا تو ساتھ ہی اس کی نظر تکیے پر رکھے فوٹو فریم پر گئی۔ اس نے اٹھا کر دیکھا تو ایک بہت ہی خوب صورت لڑکی کی کافی پرانی تصویر تھی۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ پلٹی۔ میجر صاحب تولیے سے منہ صاف کرتے باہر آرہے تھے۔ اسے دیکھ کر چونک گئے۔

"تم... ؟اس وقت یہاں۔" وہ اس کی احتیاط پسند طبیعت سے واقف تھے۔

"میں آپ کے لیے سوپ لائی ہوں۔" اس نے فریم واپس تکیے پر رکھا اور سوپ کا پیالہ ان کی طرف بڑھایا۔

"شکریہ... پر اس زحمت کی کیا ضرورت تھی۔ میں کچھ نہ کچھ لے لیتا۔" جواباً وہ خاموش رہی۔

"بیٹھو..." اس کے ہاتھ سے پیالہ لے کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئے اور آہستہ آہستہ سوپ پینے لگے۔ وہ بھی ان کے کہنے پر بیڈ کے سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی۔

اس کی آنکھیں ان کی سرخ آنکھوں پر جمی تھیں۔ ایمل کے لیے اس دنیا میں کسی بھی مرد کی سرخ آنکھوں سے زیادہ کراہیت انگیز چیز کوئی نہیں تھی۔ پر یہ کیسی آنکھیں تھیں کہ جن کی سرخی اسے ان آنکھوں میں ڈوب جانے کی دعوت دے رہی تھی۔ اسے ہوش و حواس سے بے گانہ کر رہی تھی۔ اس کا یہ بے باکانہ رویہ میجر صاحب کو الجھن میں مبتلا کر رہا تھا۔

کچھ دیر بعد انہوں نے نظریں اٹھائیں اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھ ہی لیا۔

"کیا ہوا؟"

"جی..." ان کے اس طرح پوچھنے پر وہ چونک گئی۔

"ایسے کیوں دیکھ رہی ہو۔"

"وہ... میں دیکھ رہی تھی' آپ کی آنکھیں تو ابھی بھی بہت سرخ ہو رہی ہیں۔" اس کی بات سن کر وہ ایک بار پھر اطمینان سے سوپ پینے لگے۔

"ہاں... ابھی ڈراپس ڈالے ہی نہیں۔"

"یہ تصویر آپ کی..." وہ پوچھتے پوچھتے رک گئی۔ انہوں نے سر گھما کر تصویر دیکھی اور پھر چند لمحے دیکھتے ہی رہے۔

"میری بیوی کی ہے۔"

"بہت خوب صورت تھیں۔ شاید اسی لیے آپ نے دوبارہ شادی نہیں کی۔" اس کی بات سن کر میجر صاحب نے اسے مسکرا کر دیکھا۔

"بات خوب صورتی کی نہیں ہوتی' دل کے جذبوں اور محبت کی ہوتی ہے۔ محبت دلوں کو وہ احساس دیتی ہے کہ محبوب ہو یا نہ ہو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ محبت خود وجود میں ڈھل جاتی ہے۔ سچی محبت انسان کو ایسا راستہ دیتی ہے جس پر کوئی بھٹکتا نہیں۔"

وہ کچھ دیر کے لیے چپ ہوئے تو وہ بول اٹھی۔

"محبت اگر اتنی ہی طاقت ور ہوتی ہے تو پھر وہ کیسے بھٹک گیا۔ میں نے بھی تو اسے سچے دل سے چاہا تھا۔" میجر صاحب نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اف..." یہ کیا ہو گیا' یہ کیا نکل گیا' منہ سے۔ جس راز کو وہ خود سے بھی چھپاتی آرہی تھی۔ وہ کھلا بھی تو کسی کے سامنے۔ وہ ایک دم گھبرا کر اٹھی۔

"میں چلتی ہوں۔"

"ایمل..." انہوں نے نرمی سے اسے پکارا۔ وہ رک گئی' پر ان کی طرف دیکھ نہیں سکی۔

"بیٹھ جاؤ..." وہ بیٹھ گئی' نظر قالین کے ڈیزائن میں الجھی رہی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

”دکھوں کا مواد بہہ جائے تو دل کے زخم بھر جاتے ہیں۔ مسیحائی ان پر مرہم رکھتی ہے۔ زندگی میں کسی نہ کسی کو مسیحا بنانا ہی پڑتا ہے' جو ایسا نہیں کرتے ان کی زندگی کوڑھیوں کی مانند ہو جاتی ہے۔ کیوں اپنی زندگی کو اذیت میں ڈالتی ہو' کہہ دو جو دل میں ہے۔“ ایمل کی آنکھوں میں نمی اتر آئی اس نے نم آنکھوں سے ان کی سرخ آنکھوں کی طرف دیکھا۔ ان آنکھوں میں مسیحائی کا وعدہ تھا۔ کچھ ماحول کا فسوں بھی تھا۔

اس نے اپنا دل کھول کر رکھ دیا۔ اس کے دکھ اس کے لفظوں میں بہنے لگے۔

☼ ☼ ☼

حافظ خلیق احمد جہلم سے چند کلو میٹر دور گاؤں نوگراں کے رہنے والے تھے۔ نہایت شریف النفس' پرہیزگار' صوم وصلوٰۃ کے پابند انسان تھے۔ فرہاد احمد ان کی اور سکینہ بی بی کی اکلوتی اولاد تھے۔ ورثے میں ماں' باپ سے نیک فطرت نرم لہجہ اور کردار کی خوبیاں پائی تھیں۔ غریب' ماں باپ نے دن رات محنت کر کے اچھی تعلیم دلوائی تھی۔ پر اب تین سال سے ایم اے معاشیات کی ڈگری جگہ جگہ لیے پھرتے تھے۔ پر کہیں جاب نہیں مل رہی تھی۔ ہر کوئی رشوت مانگتا یا پھر سفارش اور وہ دونوں چیزیں دینے سے ہی قاصر تھے۔

رشوت کو ان کا دل نہ مانتا اور سفارش ان غریبوں نے کہاں سے لانی تھی' سو آج کل وہ قسمت کے رحم و کرم پر تھے۔ دروازے پر دستک ہوئی تو سکینہ بی بی تسبیح ہاتھ میں لیے کمرے سے باہر آئیں۔

”اقبال پتر تو ہے۔“ دروازے کی طرف قدم بڑھاتے انہوں نے پوچھا تھا۔

”جی اماں جی! فرہاد آیا یا نہیں۔“ سکینہ بی بی نے دروازہ کھولا۔

”ہاں پتر۔۔۔ آتو گیا ہے' پر کچھ پریشان تھا۔ آتے ہی نہ جانے کدھر چلا گیا۔ روٹی کھائی نہ پانی پیا' جاتے کہہ گیا تھا اقبال آئے تو اسے خانو کے ہوٹل بھیج دینا' جاتو میرا پتر' پتا تو کر سب خیریت ہے نا۔ اسے بلا لا تو میں بھی کھانا کھالوں۔“ ان کی آواز کی نقاہت بتا رہی تھی کہ صبح سے انہوں نے بھی کچھ نہیں کھایا۔

”کیوں فکر کرتی ہیں اماں جی! خیر سے گاؤں آگیا ہے نا تو سب ٹھیک ہے۔ آپ کھانا گرم کرو میں اسے لے کر آتا ہوں۔ پھر میں بھی آج آپ کے ساتھ ہی کھانا کھاؤں گا۔“

”بسم اللہ! میرا پتر کیوں نہیں۔ جا جلدی سے اسے بلا لا۔“

دن کے تین بجے خانو کے ہوٹل پر رش برائے نام تھا۔ اقبال نے دور ہی سے فرہاد احمد کو دیکھ لیا۔ وہ دونوں ہاتھوں کی مٹھی بنائے ٹیبل پر رکھے بیٹھا تھا۔

”اوئے کہاں چلا گیا تھا' آتے ہی بغیر بتائے۔ اماں جی گھر میں پریشان ہو رہی ہیں۔“ اقبال نے آہستہ سے اس کے کاندھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور ان کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

”حکیم چاچا کی طرف چلا گیا تھا یار۔“ فرہاد احمد نے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے بتایا۔

”خیریت' وہاں کیوں گیا تھا۔“ اقبال نے سلور کے جگ سے شیشے کے گلاس میں پانی نکالتے ہوئے پوچھا۔

”فون کرنے گیا تھا۔“

”کسے۔۔۔“

”فیض کو۔۔۔“

”فیض کو۔۔۔ امریکہ؟“ اقبال کی حیرت دوچند ہوئی۔

”ہاں۔۔۔“ فرہاد نے ٹھنڈی سانس بھری اور ہوٹل سے باہر خانو کی بھینس کو ادھر ادھر گھومتے دیکھنے لگا۔

”کیوں' کیا ہوا' سب خیریت ہے نا۔“

”ہوں۔۔۔ سب خیریت ہی ہے۔“ فرہاد کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔

”اچھا۔۔۔ چھوڑ' یہ بتا تیرے انٹرویو کا کیا ہوا۔“ اقبال نے فرہاد کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

”وہی یار جو ہمیشہ ہوتا ہے۔ کچھ بھی اچھا نہیں ہے میرے پاس بتانے کو۔“

”چل چھوڑ۔۔۔ گھبرا نا' اللہ مسبب الاسباب ہے' جلد ہی کوئی اچھی نوکری مل جائے گی تجھے۔“ ہمیشہ کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

طرح آج بھی اقبال نے تسلی دے کر ان کی ہمت بندھانی چاہی تھی۔

جواب میں ایک طنز بھری دکھی مسکراہٹ فرہاد کے ہونٹوں کو چھو گئی۔ "کچھ بھی اچھا نہیں ہو سکتا یہاں۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے' یہاں کے سسٹم میں ہم جیسوں کے لیے کوئی گنجائش ہی نہیں۔ پر اب میں نے فیصلہ کرلیا ہے اقبال میں ڈگریوں کا کشکول اٹھا کر جگہ جگہ نوکری کی بھیک نہیں مانگوں گا۔ شہر سے آتے ہوئے میں پاسپورٹ کے لیے اپلائی کر آیا ہوں۔"

"پاسپورٹ۔۔۔ کیوں اس کا کیا کرے گا؟" اقبال فرہاد کی بات سن کر دکھی تھا۔ پاسپورٹ والی بات نے اسے حیرت میں مبتلا کر دیا تھا۔

"میں نے فیض کو فون کر دیا ہے۔ اسپانسر شپ لیٹر بھجوانے کے لیے پچھلی بار جب وہ آیا تھا تو اس نے مجھے کہا تھا کہ میں امریکہ آجاؤں' وہ مجھے سیٹ کروا دے گا۔"

"کیا۔۔۔؟ تو امریکہ چلا جائے گا اور یہاں تیرے بوڑھے ماں' باپ کا کیا ہو گا۔ انہیں کس کے آسرے پر چھوڑ جائے گا۔ وہ دونوں تجھے دیکھ دیکھ کر جیتے ہیں۔ کیا زندہ مارنا چاہتا ہے انہیں۔ فرہاد! کیا ہو گیا ہے یار تجھے۔" اقبال کو حیرت کے ساتھ دکھ ہوا' اس کی بات سن کر۔۔۔

"انسان کو اپنی زندگی سنوارنے کے لیے کچھ نہ کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اقبال آخر تو ہی بتا کب تک نوکری کے لیے جوتیاں چٹخاتا پھروں یا پھر اتنا پڑھ لکھ کر ابا کی چھوٹی سی کریانے کی دکان پر بیٹھ کر چار چار' آٹھ آٹھ آنے والی گولی ٹافی بیچوں۔ عمر کے چھبیسویں سال میں لگ گیا ہوں۔ اماں ہر وقت میری شادی کے خواب دیکھنے لگی ہے۔ نوکری ملے نہ ملے اس نے سال دو سال میں میرے سر پر سہرا باندھ دینا ہے۔ کیا یہ ذمہ داری اٹھا پاؤں گا میں۔۔۔ آگے اولاد ہو گی تو کیا اپنے بچوں کو اعلا تعلیم دلوا سکوں گا یا میری اولاد بھی ٹاٹ پر بیٹھ کر تختیاں لکھے گی اور پھر کچھ عرصے کی بات ہے' تمہیں اماں ابا کو بھی بلوالوں گا۔" فرہاد کی بات تلخی سے شروع ہو کر نرمی پر ختم ہو گئی۔

اور پھر ایک دن اچانک فرہاد نے اقبال کا دروازہ پیٹ ڈالا۔ جیسے ہی اقبال باہر آیا فرہاد خوشی میں اس سے لپٹ گیا۔

"اوہ شکر الحمدللہ۔۔۔ آج میرا یار بہت خوش ہے' لگتا ہے نوکری مل گئی۔" اقبال نے بھی فرہاد کو کس کر بھینچ لیا۔ اس کی بات سن کر فرہاد مسکراتے ہوئے الگ ہوئے۔

"نہیں یار نوکری تو نہیں ملی' پر آج مجھے امریکہ کا ویزا ضرور مل گیا' یہ دیکھ۔۔۔" فرہاد نے جیب سے پاسپورٹ نکال کر اقبال کو دکھایا۔ اقبال نے فرہاد کو حیرت سے دیکھا' پھر کچھ دکھ سے اس کے ہاتھ سے پاسپورٹ لے کر دیکھنے لگا۔

"تو آخر تو نے جانے کا فیصلہ کر لیا۔ میرے سمجھانے کا کوئی اثر نہیں ہوا تجھ پر۔۔۔"

"ایسی بات نہیں ہے اقبال۔۔۔" فرہاد نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ "میں نے خود کو قسمت کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا۔ ویزا لگ جاتا تو میری قسمت اور اگر نہیں لگتا تو میں کچھ کرنے کا سوچتا۔ اب دیکھ قسمت نے فیصلہ سنا دیا' سالوں دھکے کھانے کے باوجود نوکری نہیں ملی اور ویزا دنوں میں مل گیا' ورنہ تو جا کر

مکتبۂ عمران ڈائجسٹ

کی جانب سے بہنوں کے لیے خوشخبری
خواتین ڈائجسٹ کے ناول گھر بیٹھے حاصل کریں

30 فی صد رعایت پر

طریقہ کار ناول کی قیمت کے 30 فی صد کاٹ کر ڈاک خرچ -/100 روپے فی کتاب منی آڈر کریں۔

منگوانے اور دستی خریدنے کا پتہ
مکتبۂ عمران ڈائجسٹ
37 اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

دیکھ میرے یار لوگ کیسا کیسا خوار ہو رہے ہیں۔ امریکہ کے ویزے کے لیے......"

اقبال چند لمحے خاموش رہا' پھر پوچھا۔ "اور اس کے لیے تیرے پاس پیسے کہاں سے آئے۔"

"وحید سے ادھار پکڑا ہے۔"

"اور ٹکٹ ....."

"اماں نے میری شادی کے لیے کچھ زیور اور پیسے جوڑ کر رکھے ہیں' وہی مانگوں گا۔"

"چل بتا' پھر اقبال سے کیا چاہیے۔"

"نہیں یار' ابھی کچھ نہیں پر شاید زندگی میں بہت کچھ مانگ لوں۔" فرہاد نے ایک بار پھر تڑپ کر اقبال کو گلے لگالیا۔

☆ ☆ ☆

وہ رات فرہاد احمد کے لیے بہت کٹھن تھی۔ اس کی آنے والی زندگی کا فیصلہ اسی رات ہونا تھا۔ رات کھانا کھانے کے بعد حافظ خلیق احمد صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ کر حقہ پینے لگے۔ اماں ان کے ساتھ بیٹھ کر پنکھا جھلنے لگیں کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد فرہاد احمد نے جھجکتے ہوئے بات شروع کی۔

"وہ ابا جی..... آپ سے ایک بات کرنی تھی۔"

حافظ خلیق احمد کی سوالیہ نگاہیں اس کی طرف اٹھیں تو انہوں نے آہستہ آہستہ ساری بات بتا کر باقاعدہ امریکہ جانے کی اجازت طلب کی۔

"فرہاد! یہ تو نے کیا کیا پتر' ہمیں چھوڑ کر جانے کا فیصلہ ایسے کیسے کرلیا تو نے؟ کیا اس دن کے لیے پیدا کیا تھا کہ ہم بوڑھے ہوں تو' تو ہمیں چھوڑ کر چلا جائے۔ تو میری ایک ہی اولاد ہے نا۔ میرے کون سے دس پتر ہیں جو میں تجھے بھیج دوں۔ میں تجھے نہیں جانے دوں گی' سن لے۔" سکینہ بی بی کی آنکھوں سے آنسو پہلے نکلے تھے۔ منہ سے بات بعد میں..... فرہاد نے بے بسی سے مدد طلب نظروں سے ابا جی کی طرف دیکھا۔ وہ دکھی نظروں سے اسے دیکھ رہے تھے۔ بہت ہی بردبار اور موقع کی نزاکت کو دیکھ بات کرنے والے تھے۔

"اتنا سب کچھ چپ چاپ اکیلے ہی کرلیا' بتایا بھی نہیں۔"

"ابا جی میں نے سوچا تھا ویزا لگ گیا تو ..... نہیں لگتا تو میں نے یہیں کچھ نہ کچھ کرنا تھا' پر ابا جی میں یہاں کے سسٹم سے مایوس ہوچکا ہوں' کوئی چھوٹی موٹی نوکری لگ بھی جاتی تو میرا ذہن اسے قبول نہ کرتا۔ میرے کچھ خواب ہیں۔ آپ دونوں جانتے ہیں شہر میں بنگلہ' گاڑی اچھی نوکری یا اچھا کاروبار' ان سب کے لیے بہت' بہت سا پیسہ چاہیے اور اتنا پیسہ میں یہاں ساری عمر محنت کرتا رہوں' تب بھی نہیں کما پاؤں گا اور اگر امریکہ چلا گیا تو چند سالوں میں ہی کمالاؤں گا۔"

"انسان کے کچھ خوابوں کی حقیقت سرابوں جیسی ہوتی ہے بیٹا۔ ساری عمر پانی سمجھ کے ریت کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اور جو کہیں چند گھونٹ مل بھی جائیں تو اس کی پیاس نہیں بجھتی۔ اللہ پر توکل کرنا سیکھ بیٹا اور خوابوں کے پیچھے بھاگنا چھوڑ دے۔ جو قسمت میں ہے اور جتنا قسمت میں ہے اتنا ہی ملے گا۔"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا جی' مجھے اختلاف نہیں' پر کوشش بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے' بنا کوشش کے تو کچھ نہیں ملتا۔"

"وہ کوشش یہاں رہ کر بھی تو ہوسکتی ہے۔"

"تین چار سال سے مسلسل کوشش میں ہی تو ہوں ابا جی' جب کچھ نہیں ہوسکا تب ہی تو یہ قدم اٹھایا ہے اور پھر چند سالوں کی ہی تو بات ہے' میں وعدہ کرتا ہوں' جلد واپس آجاؤں گا۔"

"پتر جب تو شہر پڑھنے کے لیے جاتا تھا نا تو میں پیچھے سارا وقت گھنٹے ہی گنتی رہتی تھی کہ اتنے گھنٹے ہوگئے تجھے گئے ہوئے اور اتنے گھنٹے رہ گئے تیرے آنے میں' پر پتر سالوں کے گھنٹوں کی گنتی تو مجھے نہیں آتی۔"

فرہاد احمد نے تڑپ کر ماں کے قدم پکڑ لیے۔ "ایسی باتیں نہ کریں اماں جی' آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں بھی آپ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وقت ہاتھ نہیں آتا اور اگر یہ وقت میرے ہاتھ سے نکل گیا تو پھر شاید ترقی کا اس سے اچھا موقع نہ مل سکے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"سکینہ! ہم نے آج تک جو کچھ بھی کیا اس کی خوشی کے لیے ہی کیا ہے۔ اسے اجازت دے دے۔ کہیں یہ نہ ہو کل کو اس کے دل میں ہمارے لیے یہ گلہ رہ جائے کہ ماں باپ کی وجہ سے یہ بڑا آدمی نہ بن سکا۔" اباجی کی اس بات پر وہ اندر سے کٹ کر رہ گئے۔

وہ جانتے تھے کہ ماں باپ کی اس اجازت میں ان کے دل کی خوشی شامل نہ تھی اور پھر آنے والے وقتوں میں انہوں نے جان لیا کہ جس بات میں ماں باپ کی خوشی شامل نہ ہو اس کے نتائج اچھے نہیں نکلتے۔

☼ ☼ ☼

ادھر پھر چند دن بعد ہی وہ نیویارک ایئرپورٹ کے باہر فیض سے گلے مل رہے تھے۔ فیض سے فرہاد احمد اور اقبال کی دوستی کالج میں ہوئی تھی۔ وہ جہلم شہر میں رہتا تھا اور سال قبل امریکہ آیا تھا۔ فیض نے فرہاد احمد کو بخوشی امریکہ بلالیا تھا۔ پر دو دن کے بعد ہی اس نے انہیں بتادیا تھا کہ یہاں ڈالرز انہیں اپنی محنت کے بل بوتے پر خود کمانے ہوں گے۔ اپنے لیے کوشش خود کرنی ہوگی۔ تیسرے دن سے انہوں نے کام ڈھونڈنا شروع کیا اور شام تک وہ ایک سپر اسٹور میں بطور سیلز بوائے کے کام حاصل کر چکے تھے۔ وہیں ان کی ملاقات ابوبکر سے ہوئی، جس نے انہیں ٹیکسی چلانے کا مشورہ دیا۔

اور ایک ماہ بعد انہوں نے نیویارک میں نسبتاً" بہتر علاقے میں ایک چھوٹا سا کمرہ کرائے پر لے لیا۔ اس مکان کے مالکوں میں ایک بوڑھی عورت مسز جوزف اور اس کی جوان بیٹی مارٹینا شامل تھی۔ رات گیارہ بجے واشنگٹن اسکوائر پارک کے سامنے سے گزرتے ہوئے اچانک ہی وہ ان کی ٹیکسی کے سامنے آگئی اور اگر وہ بروقت بریک نہ لگاتے تو عین ممکن تھا وہ ٹیکسی کے نیچے کچلی جاتی۔

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔ اگر خودکشی کرنے کا اتنا شوق ہے تو کسی امیر کی گاڑی کے نیچے آؤنا، مجھ غریب کو کیوں اپنے ساتھ مارنا چاہتی ہو۔" انہوں نے کھڑکی سے سر نکال کر غصے سے کہا۔ اتنے میں وہ بھاگ کر ان کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ چکی تھی۔ انہوں نے گھور کر اسے دیکھا تو پتا چلا وہ مارٹینا تھی۔

"چلو... جلدی چلو۔" وہ بری طرح گھبرائی ہوئی تھی۔

"کہاں چلوں؟" انہیں اس کے اس انداز پر حیرت ہوئی۔

"اوہو... کہیں بھی چلو، پر یہاں سے نکلو فوراً"۔" اس کا لہجہ تیز اور سانسیں بے ترتیب تھیں۔

اتنے میں انہوں نے دور سے بھاگ کر ادھر آتے کچھ لڑکوں کو دیکھا، خطرے کو بھانپ کر انہوں نے فوراً" ہی ٹیکسی آگے بڑھادی۔

"تم اتنی رات کو اکیلی یہاں کیا کررہی تھیں؟" کچھ دور آگے جاکر انہوں نے غور سے اس کی طرف دیکھا، اب اس کے چہرے پر کچھ اطمینان تھا۔

"میں یہاں اپنی دوست سے ملنے آئی تھی۔ وہ تو آئی نہیں، پر یہ لڑکے میرے پیچھے لگ گئے۔" اس نے اصل بات چھپاتے ہوئے انہیں ایک جھوٹی کہانی سنا ڈالی۔ سچ تو یہ تھا کہ وہ خود ان لڑکوں کے ساتھ پارک آئی تھی اور جب ان لڑکوں نے مارٹینا کی جیب گرم کیے بغیر اپنا الو سیدھا کرنا چاہا تو یہ وہاں سے بھاگ نکلی۔ جوان اکیلی لڑکی کو چار عیاش لڑکے کیسے اتنی آسانی سے ہاتھ سے نکلنے دیتے۔ اس لیے وہ اس کے پیچھے بھاگے تھے۔

☼ ☼ ☼

"تم... تم اس وقت یہاں کیا کررہی ہو۔" وہ ٹیکسی اس کے مالک کے گیراج میں کھڑی کرکے آئے تو مارٹینا ان کے بیڈ پر نیم دراز میگزین پڑھ رہی تھی۔

"تمہارا انتظار..." اس نے میگزین سائڈ ٹیبل پر رکھا، پر بیڈ سے اٹھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔

"کس لیے..." انہیں مارٹینا کو اپنے بیڈروم میں دیکھ کر عجیب طرح کی الجھن محسوس ہونے لگی تھی۔

"تمہارا شکریہ ادا کرنا تھا اس لیے۔" اس کی زبان سے یہ نکلا، حالانکہ دل میں کچھ اور ہی تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"ایک جوان لڑکی آدھی رات کو ایک لڑکے کے کمرے میں کیوں جاتی ہے ڈفر۔"

"یہ کام صبح بھی ہو سکتا تھا۔ اس کے لیے اس وقت آنے کی کیا ضرورت تھی۔" انہوں نے چیئر پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتارتے ہوئے کہا۔ وہ اس کی طرف دیکھنے سے بھی گریز کر رہے تھے۔

"ہوں۔۔۔ کافی پیو گے۔" وہ اٹھ کر ان کی طرف آئی۔

"ضرور پیوں گا، مگر ابھی نہیں، صبح۔۔۔" انہوں نے آگے بڑھ کر اس کے لیے دروازہ کھول دیا۔

"ویسے تم بہت عجیب ہو۔" اسے ان کا گریز بہت عجیب لگا۔

"تعریف کا شکریہ۔۔۔" اس کے باہر قدم رکھتے ہی انہوں نے دروازہ بند کر دیا اور دروازے کے باہر اس نے سوچا کیا کوئی ایسا بھی کر سکتا ہے اس کے ساتھ۔۔۔

"گڈ مارننگ۔۔۔" وہ اپنا کمرہ لاک کر کے سیڑھیوں سے نیچے اتر رہے تھے تو انہیں اپنے دائیں ہاتھ پر کچن سے آواز آئی۔ انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو مارٹینا ہاتھ میں کافی کا مگ لیے کھڑی تھی۔

"گڈ مارننگ۔۔۔ آج اتنی صبح کچن میں۔۔۔؟" انہوں نے مگ اس کے ہاتھ سے لے کر حیرت سے پوچھا۔ انہیں یہاں رہتے ہوئے چار مہینے ہو گئے تھے اور ان چار مہینوں میں وہ انہیں چار پانچ بار ہی گھر پر نظر آئی تھی۔

"ہوں۔۔۔ تمہارے لیے کافی بنائی تھی اس لیے۔۔۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"تھینکس۔۔۔ پر کسی بات کے لیے اتنا سیریس نہیں ہوتے۔"

"بات اتنی معمولی تو نہیں تھی نا۔۔۔ میری جان بھی جا سکتی تھی ان لڑکوں کے ہاتھوں۔"

"ہاں تو نہ جایا کرو، نا اکیلی پارکوں میں۔ احتیاط کیا کرو۔"

"مشورے کا شکریہ۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ویسے کافی کیسی بنی۔"

"بہت اچھی۔۔۔" انہوں نے کپ کاؤنٹر پر رکھا اور اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے گھر سے باہر آ گئے۔

یہ ان کی دوستی کی ابتدا تھی۔ اس کے بعد وہ اکثر انہیں رات میں سیڑھیوں پر بیٹھی ہوئی ملتی، کبھی صبح ان کے لیے ناشتہ تیار کر دیتی۔ چھٹی والے دن وہ اکثر کہیں گھومنے پھرنے نکل جاتے۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے، کچھ پریشان لگ رہے ہو۔" آج وہ کافی دنوں بعد فیض کی طرف آئے تھے۔

"ہاں۔۔۔ یار بس، میں اس ڈرائیوری سے مطمئن نہیں ہوں۔ ٹھیک ہے، کما رہا ہوں، پر یہ میری زندگی کی ترجیح نہیں ہے، میں اس سے بہتر کچھ کرنا چاہتا ہوں، ایک تو پرمننٹ جاب بھی نہیں ملتی کہیں۔" فیض انہیں گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"ہر ملک اپنے لوگوں کو اچھی جاب کے لیے ترجیح دیتا ہے، تم بھی یہاں کی شہریت حاصل کر لو، پرمننٹ جاب مل جائے گی۔"

"تمہارا مطلب گرین کارڈ۔۔۔ پر وہ مجھے کیسے مل سکتا ہے؟"

"مل جاتا ہے یار! پر انویسٹ کرنا پڑتا ہے۔"

"اتنا سرمایہ کس کے پاس ہے۔"

"ایک اور طریقہ بھی ہے۔"

"وہ کیا۔۔۔"

"شادی کر لو۔"

"شادی! جیسے تم نے کر لی۔"

"ہاں۔۔۔ یہاں آنے کے بعد میرا بھی تمہارے جیسا حال تھا، پر شادی کرنے کے بعد میں اسٹیبلش ہو گیا ہوں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، پر میں یہ نہیں کر سکتا، میں اپنے ماں باپ کی اکلوتی اولاد ہوں فیض۔۔۔ میری ماں کو میری شادی کے بہت ارمان ہیں۔" ان کے ماتھے پر گہری لکیریں تھیں۔

"ہر ماں کو اپنی اولاد کے لیے ارمان ہوتے ہیں، پر یار

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
RSPK.PAKSOCIETY.COM PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ارمان بھی پیسے سے ہی پورے ہوتے ہیں تم اچھی طرح سوچ لو' پھر کوئی فیصلہ کرنا۔"

ان ہی سوچوں میں گم وہ گھر واپس آئے تو آج بھی مارٹینا سیڑھیوں میں بیٹھی منتظر ملی۔ وہ اس کے ساتھ ہی سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔

"کیا ہوا' کیا سوچ رہے ہو۔" اس نے انہیں گہری سوچ میں ڈوبے دیکھ کر پوچھا۔ انہوں نے اپنے اور فیض کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو اسے بتا دی۔ ساری بات سن کر مارٹینا کی آنکھیں ایک نئے خیال سے جگمگا اٹھیں۔

"تم فکر نہ کرو فرہاد' تمہاری ساری پریشانی جلد دور ہو جائے گی۔" انہوں نے مارٹینا کو مسکرا کر دیکھا۔ وہ سمجھے شاید وہ بہ حیثیت دوست کے تسلی دے رہی ہے۔

اگلی رات وہ واپس آئے تو مارٹینا' بجائے مارٹینا کی بوڑھی ماں مسز جوزف ان کی منتظر تھی۔ "فرہاد مائی سن! مارٹینا میری اور جوزف کی بڑھاپے کی اولاد ہے' میری اور جوزف کی شادی کے اٹھارہ سال بعد گاڈ نے ہمیں مارٹینا کی صورت اولاد سے نوازا۔ جوزف کی بڑی خواہش تھی کہ مارٹینا ان کی زندگی میں شادی کرے' پر اکلوتی ہونے کی وجہ سے یہ ہمارے لاڈ پیار میں کافی بگڑ گئی ہے' اس کا مزاج کچھ الگ ہے' اسے کوئی جلدی پسند نہیں آتا' پر میں نے محسوس کیا ہے' یہ تم سے بہت متاثر ہے' آج اس نے مجھے بتایا ہے کہ تم اپنی ٹیکسی ڈرائیوری کی جاب سے مطمئن نہیں ہو' زندگی میں ترقی کرنا چاہتے ہو' میں تمہیں ایک آفر دیتی ہوں' اگر مناسب لگے تو منظور کر لینا' ورنہ تمہاری مرضی ہے۔" وہ کافی دیر سے لاؤنج میں بیٹھے مسز جوزف کی باتیں سنجیدگی سے سن رہے تھے۔

"میں چاہتی ہوں تم مارٹینا سے شادی کر لو اور جینیفر ڈیپارٹمنٹل اسٹور تم سنبھال لو' میں اب کافی بوڑھی ہو گئی ہوں۔ اسٹور سنبھالنا اب میرے بس سے باہر ہوتا جا رہا ہے اور مارٹینا کو اس کام میں کوئی انٹرسٹ نہیں' پچھلے چار پانچ مہینوں میں' میں نے دیکھا ہے کہ تم ایک ذمہ دار اور شریف انسان ہو' میں مخلص لوگوں کی دل سے قدر کرتی ہوں۔" یہ کہہ کر مسز جوزف تو اپنے کمرے میں چلی گئیں' پر فرہاد احمد کے لیے سوچ کے نئے در وا کر گئیں۔

اگلے دن انہوں نے فیض کو ساری بات فون پر بتا کر مشورہ مانگا تھا۔

"واہ یار! تیری تو لاٹری نکل آئی' اب سوچنے میں دیر نہ لگا' فوراً" شادی کر لے۔"

"ہاں ادھر میں شادی کر لوں اور ادھر بوڑھے ماں باپ کو کیا کہوں۔"

"کیوں ٹینشن لے رہا ہے یار! مناسب لفظوں میں سمجھا دینا کہ اس کے بغیر گزارا نہیں تھا۔" پھر کافی سوچ و بچار کے بعد انہوں نے مارٹینا سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔

"مسز جوزف مجھے آپ کی آفر قبول ہے' پر میں اپنے مذہب کا پابند ہوں' اگر مارٹینا بخوشی اسلام قبول کر لے تو میں اس سے شادی کے لیے تیار ہوں۔" مسز جوزف کے کمرے میں اس وقت وہ تینوں موجود تھے مذہب کی بات پر مسز جوزف کے چہرے پر ناگواری چھائی تھی' پر مارٹینا کو مذہب سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کے لیے صرف اس کے دل کی خوشی کافی تھی۔ سو وہ فوراً" رضامند ہو گئی۔

"مجھے منظور ہے۔"

مسز جوزف نے اسے کڑے تیوروں سے دیکھا' پر بولیں کچھ نہیں۔ جانتی تھیں کہ ایک بار وہ جس بات کی ضد ٹھان لے وہ کر کے ہی چھوڑتی ہے اور فرہاد احمد بھی اس کی ضد تھے' محبت نہیں۔ جس رات انہوں نے اس کے وجود کی نفی کی تھی' اسی رات اس نے اپنے آپ کو منوانے کی ٹھان لی تھی' جائز ناجائز ہر طریقے سے۔ پھر جس دن اس نے کلمہ پڑھا اسی دن فرہاد احمد نے نکاح کر لیا اور مارٹینا کا اسلامی نام سارہ رکھا۔

ابتدا میں وہ اسے سارہ سارہ کہتے اس پر اپنی محبتیں نچھاور کرتے رہے' پر اگلے چند دنوں ہی میں اس نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

فرہاد احمد کو منع کردیا کہ اسے سارہ کہہ کر نہ بلائیں ' کیونکہ ہر کوئی اسے مارٹینا کے نام سے جانتا ہے۔ اب اگر وہ اپنا نام سارہ سے بدلے گی تو اس کا تماشا بن جائے گا۔ فرہاد احمد کو اس کی یہ بات پسند نہیں آئی ' دونوں کے بیچ بحث بن گئی اور اس سے پہلے کہ بات بڑھتی۔ مسز جوزف دونوں کے بیچ میں آگئیں۔ نرمی سے دونوں کو سمجھایا ' پھر فرہاد احمد کو لے کر اسٹور پر آگئیں ' ان کے نزدیک دونوں کو تلخی سے بچانے کا حل یہ ہی تھا کہ فرہاد احمد کو ذہنی اور جسمانی دونوں طرح سے مصروف کردیا جائے اور اس میں وہ کافی حد تک کامیاب بھی رہیں۔

فرہاد احمد صبح ناشتا کرکے اسٹور پر چلے جاتے اور رات سات آٹھ بجے تک واپس آتے ' اسٹور ایک ٹف ٹائم جاب تھی ' پر تھی منافع بخش ' اس لیے وہ پوری ایمان داری اور محنت سے اپنی ڈیوٹی نبھا رہے تھے۔ دوسری طرف مارٹینا ان کے جانے کے بعد اپنی آوارہ گردیوں پہ نکل جاتی ' شادی نے اس کی بری زندگی پر کوئی اچھا اثر نہ ڈالا تھا۔ بس یہ تھا کہ رات کو وہ ان کے آنے سے پہلے واپس آجاتی۔

شروع شروع کے ایک دو مہینے بہت اچھے گزرے ' پر فرہاد احمد کو اندازہ ہوگیا کہ مارٹینا وہ ویسی نہیں تھی جیسی وہ اسے سمجھ رہے تھے۔ دو ماہ بعد ہی مارٹینا کا دل فرہاد احمد سے بے زار ہوگیا۔ مسز جوزف ' مارٹینا کی حرکتوں سے سخت پریشان تھیں۔ وہ چاہتی تھیں کہ مارٹینا اپنی گھریلو ذمہ داریوں کو سمجھے اور اپنے شوہر سے بنا کر رکھے ' پر ان کی چھٹی حس بتا رہی تھی عنقریب ایسا کچھ ہونے والا ہے۔ جو اچھا نہیں ہے اور پھر ایک رات وہ بارہ بجے تک گھر واپس نہ آئی ' فرہاد احمد اسے ڈھونڈتے پھرے ... اسٹریٹ اسٹیشن پر وہ انہیں نشے میں دھت ڈگمگاتی ہوئی ملی۔ وہ بمشکل اسے کھینچ کھانچ کر گھر لے کر آئے اور پانی سے بھرا جگ اس پر انڈیل دیا۔

اس کے بعد مغلظات کا ایک طوفان تھا جو اس کے منہ سے نکل رہا تھا۔ چند لمحے وہ برداشت کرنے کی کوشش کرتے رہے اور جب نہیں ہوا تو انہوں نے کھینچ کر اس کے منہ پر تھپڑ دے مارا۔ یہ مارٹینا کے منہ پر پڑنے والا اس کی زندگی کا پہلا تھپڑ تھا۔ وہ حیرت اور صدمے سے چند لمحے فرہاد احمد کو دیکھتی رہی ' پھر ایک جانب لڑھک کر بے ہوش ہوگئی۔ تھوڑی دیر فرہاد احمد اسے ہوش میں لانے کی کوشش کرتے رہے۔ پر جب وہ ہوش میں نہ آئی تو اسے اٹھا کر قریبی اسپتال لے گئے۔

اس رات کا ایک ایک لمحہ فرہاد احمد پر قیامت کی طرح گزرا تھا۔ صبح ہونے تک انہوں نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اس رشتے کو یہیں پر ختم کردیں گے۔ پر تھوڑی دیر بعد ہی انہیں اپنا فیصلہ بدلنا پڑا۔ جب ڈاکٹر کی رپورٹ ان کے ہاتھ میں آئی اور رپورٹ میں لکھا تھا کہ مارٹینا پریگننٹ ہے ' زندگی نے انہیں ایک عجیب بے بسی کے موڑ پر لا کھڑا کیا تھا۔ مارٹینا کے ساتھ نبھا کرنا ان کے لیے مشکل تھا اور اپنی اولاد سے دستبردار ہو جانا ناممکن۔

مارٹینا گھر آگئی ' اس کی پوری کوشش تھی کہ بچے اور فرہاد احمد دونوں سے جان چھڑالے ' پر فرہاد احمد اور مسز جوزف دونوں اس کے ہر برے ارادے کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑے ہوگئے۔ مسز جوزف بھی چاہتی تھیں کہ وہ اپنے بچے کو جنم دے ' شاید اسی طرح اس میں اپنی گھریلو ذمہ داریوں کا احساس جاگ اٹھے ' ان کے بہت زیادہ سمجھانے اور اصرار پر بالآخر وہ بے بی ڈلیور کرنے پر تیار ہوگئی ' پر فرہاد احمد کی وہ صورت بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ حالات کو سازگار بنانے اور اپنی آنے والی اولاد کی خاطر انہوں نے مارٹینا سے باقاعدہ معافی مانگی تھی۔

سلگتے دن یوں ہی گزرتے رہے اور پھر ایک صبح درد کی اذیتوں کو جھیل کر مارٹینا نے ابعل کو جنم دیا۔ زندگی ابعل کی صورت فرہاد احمد کی گود میں آگئی۔ چھوٹی سی پیاری سی گڑیا کو پا کر مارٹینا بھی خوش تھی۔ فرہاد احمد کی زندگی کے وہ تین خوب صورت سال تھے۔ اسی دوران وہ ایک بار بھی پاکستان نہیں گئے تھے۔ مسز جوزف کا اسٹور ان کے دم سے چل رہا تھا۔ ابعل کی پرورش وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

اپنے انداز سے کر رہے تھے اور ساتھ ساتھ مارٹینا کے ساتھ بھی پیار سے برداشت سے نبھا کرنے کی کوششیں کرتے' تاکہ وہ پھر غلط راستوں پر نہ چل پڑے زندگی اتنی مصروف ہو گئی تھی کہ ان سے چاہنے کے باوجود بھی پاکستان جانے کے لیے وقت نہیں نکالا گیا' پر ایک دن وہ پاکستان جانے کے لیے بے چین ہو گئے' جب اقبال نے انہیں فون پر بتایا کہ اماں جی ان کے انتظار میں اپنی آخری سانسیں گن رہی ہیں۔

فرہاد احمد نے مارٹینا کو ساتھ لے جانا چاہا' پر اس نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ وہ چلی گئی تو پیچھے اسٹور کون سنبھالے گا اور پھر ایمل ابھی بہت چھوٹی ہے۔ وہ پاکستان کی گرمی برداشت نہیں کر پائے گی۔ سو وہ اکیلے ہی پاکستان آ گئے اماں جی کی حالت بہت بری تھی فرہاد احمد کی جدائی ان کے دل کا ناسور بن گئی تھی۔ فرہاد احمد نے ماں' باپ سے بہت کہا کہ وہ ان کے ساتھ امریکہ چلیں' وہ وہاں ان کا علاج کروائیں گے۔ پر دونوں نے امریکہ جانے سے بہتر اپنے وطن میں مرنے کو ترجیح دی۔ فرہاد احمد جانتے تھے کہ مارٹینا میں مستقل مزاجی نام کو نہیں ہے' وہ اسٹور نہیں سنبھال پائے گی اور پھر ایمل ماں کی بہ نسبت باپ سے زیادہ قریب تھی۔ مسز جوزف کے لیے اکیلے اسے سنبھالنا بہت مشکل تھا۔

تین ہفتے پاکستان میں رہ کر فرہاد احمد نے واپسی کی تیاری پکڑی' پر جس صبح انہوں نے وطن چھوڑنا تھا' اس سے ایک رات پہلے اماں جی دنیا چھوڑ گئیں۔ ایک بار پھر بیٹے کی جدائی کا غم جھیلنے کی ان میں سکت نہ تھی۔ فرہاد احمد نے چند دنوں کے لیے واپسی منسوخ کر دی۔ انہوں نے حافظ خلیق احمد پر زور دیا کہ اب وہ اس کے ساتھ ضرور چلیں۔ انہیں اپنی مجبوریاں بتائیں کہ نہ وہ باپ کو چھوڑ سکتے ہیں اور نہ ہی امریکہ میں اپنی فیملی کو۔ حافظ خلیق احمد ان کی پریشانی سمجھ کر خاموش ہو گئے۔

فرہاد احمد نے ان کے کاغذات بنوانے شروع کر دیے اور پھر جس دن ان کا ویزا اور ٹکٹ آیا' وہ اپنی شریک حیات کو الوداع کہنے قبرستان گئے' جہاں سکینہ بی بی کی قبر کی مٹی نے ان کے پاؤں پکڑ لیے اور وہ اس مٹی کے ڈھیر پر ہی ڈھیر ہو گئے۔

غم کا ایک پہاڑ تھا جو فرہاد احمد پر ٹوٹا تھا۔ چند دنوں میں ان کے ماں' باپ ان کی آنکھوں کے سامنے دم توڑ گئے تھے۔ پاکستان میں ان کی دنیا اجڑ چکی تھی۔ خالی گھر میں انہیں ہر طرف اماں جی اور ابا جی کی روحیں چلتی پھرتی دکھائی دیتیں۔ انہوں نے دکان اور مکان دونوں کرائے پر چڑھا کر حساب کتاب اقبال کے حوالے کیا اور امریکہ واپس آ گئے۔ پر یہاں بھی زندگی رنگ بدل چکی تھی۔

فرہاد احمد کے پیچھے مارٹینا نے اسٹور سنبھالنا شروع کر دیا تھا۔ چند دن تو سب صحیح چلا' پھر اسٹور پر اس کے پرانے دوستوں کے آنے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مارٹینا اپنی بد فطرتی کی طرف لوٹنے لگی' ہاتھ میں پیسہ بھی کھلا آ رہا تھا۔ سو عیاشی کے راستے کھلتے گئے۔ مسز جوزف ایک بار پھر اس کی طرف سے خوف کا شکار ہو گئیں۔ ایمل پر سے بھی اس کی توجہ ختم ہو گئی۔ دن کو وہ اسٹور کے نام پر جانے لگی اور پھر آدھی آدھی رات تو کبھی پوری رات گھر سے باہر گزار کر آتی' آدھے آدھے دن تک بد قسمت سوتی رہتی اس طرح کاروبار بھی متاثر ہونے لگا۔ تین ماہ بعد فرہاد احمد کی واپسی ہوئی تو کاروباری اور گھریلو حالات بگڑ چکے تھے۔

☼ ☼ ☼

"مارٹینا' مارٹینا اٹھو' اسٹور کی چابیاں دو۔" امریکہ واپسی کا یہ فرہاد احمد کا دوسرا دن تھا۔ احساس ذمہ داری کی وجہ سے انہوں نے ایک دن بھی آرام کرنا نہیں چاہا تھا۔

"تمہیں اب اسٹور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اچھی طرح سنبھال رہی ہوں' تم اپنے لیے کوئی اور کام تلاش کر لو۔" اس کی باتیں نہیں ایک ہتھوڑا تھا جو اس نے فرہاد احمد کے سر پر دے مارا تھا۔

"کیا۔۔۔؟ یہ کیا کہہ رہی ہو' تم' ہوش میں تو ہو۔"

"ہاں میں پورے ہوش میں ہوں۔" وہ انگڑائی لے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کر بیڈ سے اتری۔

"تم اسٹور سنبھالو گی تو ایمل کو کون سنبھالے گا۔ تمہاری ضرورت گھر کو ہے، اسٹور کو نہیں۔" انہوں نے اسے رسان سے سمجھانا چاہا، جانتے تھے بپھرنے سے اکھڑ جائے تو اسے سنبھالنا مشکل ہو جاتا ہے۔

"اوہ۔ تو تم یہ چاہتے ہو کہ میں گھر میں پڑی سڑ سڑ کر اپنی زندگی گزاروں اور تم اسٹور اور اس کی تمام آمدنی سنبھال کر عیش کرتے پھرو، شاید تم یہ بھول گئے ہو کہ یہ اسٹور میرے ماں، باپ کا ہے اور ان کے بعد میرا۔" حیرت سے فرہاد احمد کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا، اس کی باتیں سن کر چند لمحوں بعد انہوں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کھینچتے ہوئے مسز جوزف کے کمرے میں لے آئے۔

"اب بولو جو بول رہی تھیں۔" ماں کے سامنے مارٹینا کی بولتی بند ہو گئی۔ انہوں نے خود مارٹینا کا کہا ہوا ایک ایک لفظ مسز جوزف کے سامنے دہرا دیا۔

"بتائیں اپنی بیٹی کو یہ اسٹور کس نے میرے حوالے کیا تھا، میں نے کتنا اس پر قبضہ کیا اور اس کی آمدنی سے کتنی عیاشی کی۔ کیا میں ایک ایک پیسے کا آپ کو حساب دیتا نہیں رہا۔ بتائیں اسے کہ ایک ایک ڈالر میرے نہیں آپ کے اکاؤنٹ میں جاتا ہے۔" فرہاد احمد غصے سے کانپ رہے تھے۔

"یہ کیا ہو گیا ہے مارٹینا؟ تم کس طرح فرہاد سے ایسی باتیں کر سکتی ہو، اس کی ایمان داری کے بل پر یہ کاروبار اتنے عرصے سے چل رہا ہے اور تمہاری خواہش پر ہی یہ سب طے ہوا تھا۔" مسز جوزف، فرہاد احمد کی ایمان داری سے بہت متاثر تھیں، کیونکہ انہوں نے کبھی بھی ایک ڈالر کی بھی ہیرا پھیری نہیں کی تھی اور وہی کچھ اپنے لیے لیتے تھے، جو مسز جوزف سے انہوں نے طے کیا تھا۔

"پر ممی! یہ تمام کاروبار میرا ہے۔ اگر فرہاد نہ سنبھالتا تو مجھے ہی سنبھالنا تھا اور اب میں نے اچھی طرح سنبھال لیا ہے۔" مارٹینا ماں کی بات پر کچھ جز بز ہوئی تھی۔

"مارٹینا ابھی میں زندہ ہوں، یہ کاروبار میرا تھا اور ہے۔ فرہاد کے ساتھ میرا لیگل کانٹریکٹ ہے۔" فرہاد احمد کو یہ بات سن کر شاک لگا، کیونکہ ایسا کوئی کانٹریکٹ نہیں ہوا تھا۔ سب کچھ زبانی کلامی طے ہوا تھا۔

مسز جوزف کے کہنے پر مارٹینا کو مجبوراً اسٹور کی چابیاں فرہاد کو دینی پڑی تھیں۔ پر ان کے جاتے ہی اس نے وہ طوفان بد تمیزی اٹھایا تھا کہ اللہ کی پناہ! تین سالہ ایمل اپنی ماں کا یہ جنونی انداز دیکھ کر سہم گئی تھی۔ تین ماہ میں اسٹور کے کام میں جو بد عنوانی اور پیسے کی گڑبڑ ہوئی تھی، وہ سب فرہاد احمد نے من و عن مسز جوزف کے گوش گزار کر دی تھی۔ ان باتوں سے مسز جوزف بے حد پریشان ہوئی تھیں، کیونکہ انہیں نظر آرہا تھا کہ ان کے مرنے کے بعد ان کی بیٹی سب کچھ برباد کر دے گی، جس کے لیے انہوں نے فوری پیش بندی کر دی، اپنا مکان ایمل کے نام کر دیا اور اگلے اٹھارہ سالوں کے لیے جینیفو سپر اسٹور کے مالکانہ حقوق فرہاد احمد کے نام کر دیے پر اس بات کا اسے پابند کیا کہ یہ اسٹور بیچے گا نہ کسی اور کے حوالے کرے گا۔ اٹھارہ سال بعد اس کے مالکانہ حقوق ایمل کو منتقل ہو جائیں گے۔

اس بات کا جب مارٹینا کو پتا چلا تو وہ غصے سے پاگل ہو گئی۔ گھر کی ایک ایک چیز اٹھا کر پھینکنے لگی۔ وہ پہلے ہی فرہاد کے سامنے اپنی ہتک پر ناراض تھی۔ ماں سے اور اب تو اس کے حساب سے بات حد سے باہر ہو گئی تھی۔ وہ کسی بھی طرح ماں اور شوہر کے قابو میں نہیں آرہی تھی۔ فرہاد احمد اس پر ہاتھ اٹھانا نہیں چاہتے تھے، کیونکہ امریکی عورتیں برداشت نہیں کرتیں اور فوراً پولیس کو بلا لیتی ہیں اور پھر امریکی پولیس ایشیائی شوہروں کا جو حال کرتی ہے، وہ قصے فرہاد احمد نے سن رکھے تھے۔

ایمل ان سب باتوں سے بے حد خوف زدہ رہنے لگی تھی۔ مارٹینا کی آئے دن کی بد تمیزیاں مسز جوزف کو اندر سے ختم کرتی جا رہی تھیں اور پھر ایک دن وہ فرہاد احمد کو پریشان اور ایمل کو روتا بلکتا چھوڑ کر چلی گئیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اس گھر میں فرہاد احمد کو مسز جوزف کی ذات سے بہت سہارا تھا۔ کسی نہ کسی طریقے سے وہ مارٹینا کو قابو کر ہی لیتی تھیں' پر اب آگے کیا ہوگا' فرہاد احمد سوچ سوچ کر پریشان تھے۔

☆ ☆ ☆

رات آٹھ بجے فرہاد احمد گھر لوٹے تو بے ہنگم شور گھر سے باہر آتا محسوس ہوا۔ انہوں نے بیل بجائی تو انتہائی بے ہودہ لباس میں ملبوس ایک امریکی لڑکی کے دروازہ کھولنے پر وہ حیران رہ گئے۔ اندر آئے تو منظر ہی عجیب تھا۔ مارٹینا کے علاوہ تین لڑکیاں اور چار جوان لڑکے فاسٹ میوزک پر بے ہودہ ڈانس کر رہے تھے۔ بوتلیں کھلی پڑی تھیں اور تقریباً" سب ہی کے منہ میں پاؤڈر والے سگریٹ تھے۔

"مارٹینا' مارٹینا...!" مارٹینا کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے انہیں چیخنا پڑا۔ مارٹینا اپنے ساتھی لڑکے کی کسی بات پر ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی۔ فرہاد احمد کی آواز سن کر اس کی ہنسی کو بریک لگی۔

"آؤٹ..." وہاں موجود ہر شخص کو سانپ سونگھ گیا تھا۔ "ایوری باڈی آؤٹ..." فرہاد احمد کی آنکھیں اور چہرہ غصے سے دہک اٹھا۔ آہستہ آہستہ تمام لڑکے لڑکیاں ایک دوسرے کو دیکھتے گھر سے باہر چلے گئے۔ ان کے جاتے ہی فرہاد احمد نے دروازہ لاک کیا اور مارٹینا کے پاس آگئے۔

"کیا ہے یہ؟ سب کچھ۔ ذرا سی شرم غیرت بھی باقی بچی ہے تم میں یا نہیں۔ ایک مہینہ نہیں ہوا تمہاری ماں کو مرے ہوئے اور تم نے اس گھر کو ڈانس کلب بنا ڈالا۔" فرہاد احمد کا غصے اور دکھ سے برا حال تھا۔

"یہ میرا گھر ہے' تمہارا نہیں... جو چاہوں گی وہ کروں گی۔ تم کسی بھی طرح مجھے روک نہیں سکتے اور تم ہوتے کون ہو میرے دوستوں کو اس طرح بے عزت کر کے گھر سے نکالنے والے؟" مارٹینا آہستہ آہستہ اپنی فارم میں واپس آرہی تھی۔

"تم بھول رہی ہو' یہ گھر تمہارا نہیں' ایمل کا ہے اور ایمل میری بھی بیٹی ہے۔ تمہاری ان بے ہودگیوں کا اس کے دل و دماغ پر کتنا برا پڑے گا' یہ سوچا ہے تم نے۔ کھلے عام تم اس کے سامنے پی رہی ہو' غیر لڑکوں کے ساتھ فری ہو رہی ہو' ہمارے مذہب میں یہ سب جائز نہیں ہے۔"

"مذہب... ؟ کون سا مذہب؟ میں کسی ایسے مذہب کو نہیں مانتی جو انسانوں کی زندگیوں کو پابند کر کے انہیں خوشیوں سے محروم کرتا ہو۔"

"مارٹینا..." فرہاد احمد کا غصہ ساتویں آسمان تک جا پہنچا تھا۔ وہ حافظ خلیق احمد کے بیٹے تھے' سب کچھ برداشت کر سکتے تھے' پر مذہب کے لیے ایک غلط لفظ بھی نہیں سن سکتے تھے۔ "خبردار جو تمہاری زبان پر میرے مذہب کے لیے کوئی غلط بات آئی' میرا مذہب غلط اور صحیح کی تمیز سکھا کر انسانیت کو حیوانیت سے الگ کرتا ہے۔ انسان کے کردار کو اخلاق کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے' پر تم جیسے لادین لوگ ہمیشہ کتے' بلیوں والی زندگی گزارتے ہیں۔"

"شٹ اپ..." فرہاد احمد کے لہجے کی گرج مارٹینا سے برداشت نہ ہو سکی۔

"تو شٹ اپ... اور خبردار جو آئندہ اس گھر میں یہ سب کچھ دوبارہ ہوا۔"

فرہاد احمد خوف سے سہمی ایمل کو اپنے ساتھ لگا کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔

"کروں گی' جو دل چاہے گا وہ کروں گی۔ دیکھتی ہوں کون روک سکتا ہے مجھے۔" مارٹینا ان کے پیچھے چیخ چیخ کر بولتی رہی۔

فرہاد احمد کا خون کھول اٹھا اس کی بات سن کر' مگر ایمل کی خراب حالت کے پیش نظر وہ پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر اوپر اپنے کمرے میں آگئے۔ وہ جانتے تھے کہ مارٹینا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئے گی۔ اس لیے انہوں نے ایمل کی تمام تر ذمہ داری اب خود اٹھالی' وہ اسے تیار کر کے اسکول چھوڑتے ہوئے اسٹور پر چلے جاتے' پھر اسکول آف ہونے پر اسے اسٹور پر ہی لے آتے۔ ایمل خود بھی باپ سے زیادہ قریب تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مارٹینا کے غلط رویے کی وجہ سے دونوں ماں 'بیٹی کے بیچ اجنبیت کی ایک دیوار بلند ہوتی چلی گئی۔ فرہاد احمد اور ایمل مستقل اوپر والے پورشن کے دو کمروں میں شفٹ ہو گئے۔ مارٹینا کے ساتھ آئے دن کوئی نہ کوئی مرد اس کے کمرے میں پایا جاتا۔ ایمل کو اپنی ماں کی ان حرکتوں سے گھن آتی اور باپ کے لیے اس کے دل میں دکھ اور افسوس بڑھتا جاتا تھا۔ بیوی کے ہوتے ہوئے بھی وہ گھریلو خوشیوں سے محروم تھے۔ وہ بیک وقت اس کے باپ بھی تھے اور ماں بھی۔ دونوں باپ 'بیٹی کی اپنی ہی ایک دنیا آباد ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼
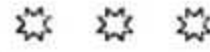
"آؤچ۔" آئی ٹی ڈیپارٹمنٹ کو جاتی سیڑھیوں کے آخری سرے پر وہ پہنچی ہی تھی کہ اچانک اس کا پاؤں مڑا اور وہ اپنا توازن کھو بیٹھی۔ قریب تھا کہ وہ پیچھے لڑھک جاتی 'پر نیچے سے آتے سرفراز نے اسے اپنے مضبوط بازوؤں میں تھام لیا۔

"ہے ایمل... کچھ نہیں ہوا یار... دیکھو میں نے تمہیں گرنے سے بچالیا ہے 'چلو شاباش آنکھیں کھولو۔" نیچے گرنے کے خوف سے ایمل نے سختی سے آنکھیں بند کرلی تھیں اور وہ بری طرح سرفراز کے بازوؤں میں کانپ رہی تھی۔ وہ اسے اپنے بازوؤں کے حلقے میں لیے ہوئے کوریڈور تک لے آیا اور آرام سے اسے ایک بینچ پر بٹھا دیا 'اور خود بھی اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر اپنے بیگ سے سوفٹ ڈرنک کین نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔ ایمل نے اس کی طرف غائب دماغی سے دیکھا 'پھر کین اس کے ہاتھ سے لے کر آہستہ آہستہ پینے لگی۔

"اب ٹھیک ہو۔" سرفراز نے اسے دلچسپی سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہوں... تھینکس..." ایمل نے ممنونیت سے کہا۔

"نوٹ مینشن! ہو جاتا ہے 'ایسا کبھی کبھی 'گھبراتے نہیں ہیں۔" وہ دھیمی آواز میں اسے سمجھا رہا تھا۔ ایمل نے اسے مسکراتی نظروں سے دیکھا تو چند لمحے وہ اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

"ایک بات پوچھوں 'تم دوسری امریکی لڑکیوں سے اتنی الگ سی کیوں ہو۔"

"میں تمہاری بات کا مطلب نہیں سمجھی۔"

"میرا مطلب بائے فیس تم کچھ الگ سی ہو۔"

"اوہ... ایکچوئلی میری ماما تو امریکن ہیں 'پر پاپا پاکستانی ہیں۔"

"ریئلی... میں بھی تو پاکستان سے ہوں 'کراچی سے اور تمہارے پاپا کہاں کے رہنے والے ہیں۔"

"وہ جہلم کے..."

"اچھا... جب ہی تو میں حیران ہوتا تھا کہ تم ایشیائی لڑکیوں سی کیوں دکھتی ہو۔"

اس وقت ایمل کو میڈیم لوسی کلاس کی طرف جاتی دکھائی دیں۔ "میری کلاس کا ٹائم ہو گیا ہے۔ میں چلتی ہوں 'تھینکس اگین..." ایمل نے اپنا بیگ اٹھایا اور سرفراز کو مسکرا کر دیکھتی کلاس روم کی طرف چلی گئی۔

یہ ایمل اور سرفراز کی دوستی کی ابتدا تھی اور یہ دوستی بڑھتے بڑھتے کب گہری محبت میں بدلی دونوں کو پتا نہ چلا۔ ایمل نے فرہاد احمد سے کچھ نہیں چھپایا۔ وہ اس کے دلی جذبات سے آگاہ تھے۔ ایمل کی یونی ورسٹی میں وہ خاص طور پر سرفراز سے ملنے گئے تھے اور اس سے مل کر بہت مطمئن تھے۔ وہ پاکستان کے ایک باعزت کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا۔ ان کی بیٹی نے ایک پاکستانی کا انتخاب کرکے انہیں کچھ اور بھی معتبر کر دیا تھا۔ سرفراز بھی فرہاد احمد سے مل کر بہت متاثر ہوا تھا۔ وہ جینیفر اسٹور بھی جا چکا تھا دو چار بار پر 'وہ ایمل کی ماں سے ابھی تک نہیں ملا تھا اور ملتا بھی کیسے ایمل تو کبھی اپنی ماں کا ذکر بھی نہیں کرتی تھی۔ وہ اکثر اپنی ممی کا ذکر کرتا تھا اور جب اس سے اس کی ماما کے بارے میں پوچھتا تو وہ ہاں 'ہوں میں جواب دے کر ٹال جاتی۔ ایمل نے ابھی تک اسے اپنے گھر بھی نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

بلایا تھا۔

✡ ✡ ✡

ایمل کو سرفراز سے محبت کے رشتے میں بندھے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ یہ یونی ورسٹی میں ان کا آخری سال تھا۔ اس دن ایمل اپنے بہت ہی ضروری نوٹس کلاس روم میں بھول گئی تھی اور وہی نوٹس لے کر سرفراز اس کے گھر آیا تھا۔ بیل بجانے پر بلیو جینز اور بلیک سلیولیس شرٹ میں ملبوس مارٹینا نے دروازہ کھولا۔ اس نے خود کو بہت مین ٹین رکھا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ بہت کم عمر لگتی تھی۔

"ہیلو۔۔۔" سرفراز نہیں جانتا تھا' وہ کون ہے۔

"ہیلو۔۔۔" جواباً" مارٹینا نے اسے سر سے پیر تک دلچسپی سے دیکھا۔

"ایمل گھر پر ہے۔"

"نہیں۔۔۔ پر تم کون۔۔۔؟" ایمل کا نام ایک ایشیائی لڑکے کے منہ سے سن کر وہ چونکی تھی۔

"میں ایمل کے ساتھ یونی ورسٹی میں پڑھتا ہوں' وہ اپنے نوٹس بھول آئی تھی۔ میں وہ لے کر آیا ہوں' آپ ایمل کی۔۔۔"

"اندر آؤ۔۔۔ پھر بتاتی ہوں۔" مارٹینا نے اسے تجسس میں مبتلا کر کے اندر بلایا۔

"بیٹھو۔۔۔" وہ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں ایمل کی مدر ہوں۔"

"اوہ۔۔۔ پر آپ تو بالکل اس کی بڑی بہن لگتی ہیں۔" اس کی بات پر مارٹینا نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

"کیا لوگے' کافی یا سوفٹ ڈرنک۔۔۔"

"تو تھینکس۔۔۔ میں اب چلوں گا' میں تو بس یہ نوٹس ایمل کو دینے آیا تھا۔" سرفراز جانے کے لیے کھڑا ہونے لگا۔

"کتنے عرصے سے جانتے ہو ایمل کو۔۔۔" اس کے سوال پر کھڑا ہوتا سرفراز پھر بیٹھ گیا۔

"پاکستانی ہو۔۔۔" یہ پوچھتے ہوئے مارٹینا کھڑی ہو گئی اور کافی بنانے لگی۔ کافی بنانے اور سرفراز کے پینے کے دوران اس نے اسی طرح چھوٹے چھوٹے سوالوں کے ذریعے جان لیا کہ ایمل اور سرفراز ایک دوسرے کو چاہتے ہیں' کچھ دیر سرفراز بیٹھ کر چلا گیا اور اس کے پیچھے مارٹینا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کی آنکھ میں کالا تل ابھر آیا تھا۔

✡ ✡ ✡

کہتے ہیں کچھ پانے کے لیے کچھ کھونا پڑتا ہے۔ قدموں تلے جنت بھی ان ہی ماؤں کو ملتی ہے۔ جو اولاد کی خاطر اپنی نیندیں' اپنا چین' آرام اور اپنی خواہشیں کھو دیتی ہیں' پر جب کوئی عورت اپنی نفسانی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے کردار کی پستیوں میں گرتی ہے تو سب سے پہلے اس کی اولاد ہی اس کے وجود کی نفی کر دیتی ہے۔

ایمل اور مارٹینا کے درمیان بھی کچھ ایسا ہی معاملہ تھا۔ مارٹینا کی نظر میں عورت کی عصمت کا کوئی تصور نہ تھا۔ اس کے نزدیک ایک مرد کے ساتھ ساری عمر گزار دینا انتہائی بے وقوفی تھی' جبکہ نسوانی عزت و وقار کی خوبیاں ایمل کو اس کی جینز میں ملی تھیں۔ وہ حافظ خلیق احمد کی پوتی تھی جو گاؤں کی کسی بھی گلی سے گزرتے تو گلی میں کھڑی باتیں کرتی عورتیں ان کے احترام میں خاموش ہو جاتیں وہ سکینہ بی بی کی پوتی تھی جو گاؤں کے مردوں اور عورتوں کے لیے شرم و حیا کی مثال تھیں۔ گاؤں کی عورتیں اپنی بچیوں کی تربیت کے لیے انہیں سکینہ بی بی کے پاس بھیجا کرتی تھیں۔ وہ فرہاد احمد کی بیٹی تھی' جن پر جوانی آئی تھی اور ٹوٹ کر آئی تھی۔ پر گاؤں کی کوئی لڑکی یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ فرہاد احمد نے اس کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا ہے۔ وہ امریکہ آئے تو یہاں کی آزاد معاشرت میں بھی انہوں نے اپنے عزت و وقار اور تشخص کو احتیاط سے سنبھال کر رکھا اور ان کی یہ ہی احتیاط پسندی مارٹینا کے لیے چیلنج بن گئی تھی۔

مارٹینا کی بدفطرت دیکھتے ہوئے فرہاد احمد نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

عصمت اور کردار کی پختگی کا تصور ایمل کے اندر کوٹ کوٹ کر بھر دیا تھا اور اس بات نے ایمل اور مارٹینا کے بیچ ایک خلیج حائل کر دی تھی۔

فطرتاً مارٹینا ایمل سے محبت کرتی تھی۔ پر ایمل کا اس کی ذات سے گریز اس میں چڑ پیدا کر دیتا تھا۔ اس کا ذمہ دار وہ فرہاد احمد کو سمجھتی تھی۔ بھرپور جوانی کا وقت اس نے عیاشیوں میں گزار دیا اور اب بھی اس کے معمولات کچھ زیادہ نہیں بدلے تھے، پر اب جب وہ پینتالیس سال کی ایک پختہ کار عورت تھی، تو اپنا آپ اندر سے خالی خالی محسوس کرتی تھی۔ سچی خوشی کا کوئی احساس اس کے اندر نہیں تھا۔ فرہاد احمد اور ایمل کے مطمئن چہرے اس کے اندر وحشت سی بھر دیتے تھے۔

وہ اکثر ایمل کو آتے جاتے اپنے پاس بلانے لگی اور چاہتی تھی کہ اس سے باتیں کرے پر وہ چند ایک باتوں کا جواب ہوں ہاں میں دے کر ادھر ادھر ہو جاتی۔

دو سال قبل اس نے ایمل کی برتھ ڈے پر اسے ایک بلیک سلیولیس، بڑے گلے والی سلور بیڈز سے مزین میکسی گفٹ کی اور اس سے پوچھا کہ وہ اس کے پاس آنے سے کتراتی کیوں ہے۔ اس سے پاس بیٹھ کر باتیں کیوں نہیں کرتی، اس پر چند لمحے ایمل دکھ بھری نظروں سے ماں کو دیکھتی رہی۔

"میں آپ سے کیا بات کروں ماما! جو باتیں آپ کو پسند ہیں، وہ مجھے پسند نہیں اور جو مجھے پسند ہیں، وہ آپ کے نزدیک انتہائی فرسودہ ہیں اور پھر ماما میں آپ سے بات کروں یا نہ کروں، آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔ آپ کے بینکڑوں دوست ہیں نا، آپ سے باتیں کرنے کے لیے۔" آخر میں اس کی زبان پر ماں کے لیے طنز آ ہی گیا۔

"ایسی بات نہیں ہے ایمل! تمہارے بات نہ کرنے سے مجھے فرق پڑتا ہے بیٹا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تم میرے پاس آؤ، مجھ سے باتیں کرو، میرے ساتھ ٹائم اسپینڈ کرو۔" اس کے انداز میں تھوڑی سی لجاجت تھی۔

"ماما، میں نے آپ کے ساتھ ٹائم اسپینڈ کرنا شروع کر دیا تو پھر آپ کے ان دوستوں کا کیا ہوگا جن کے ساتھ ٹائم اسپینڈ کرنے کے لیے آپ نے مجھے چھوڑ دیا۔" اس کا طنز کم ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

"ایمل۔۔۔" مارٹینا کے انداز میں ایک تنبیہہ تھی، جیسے کہہ رہی ہو کہ اپنی حد میں رہو۔ "میں نے تمہیں نہیں چھوڑا۔ تمہارے باپ نے تمہیں مجھ سے چھین لیا۔"

"اچھا؟ کیوں، کیوں کیا ماما انہوں نے ایسا؟"

"کیونکہ وہ تمہارے ذریعے سے یہ مکان اور جینیفوڈ ڈپارٹمنٹل اسٹور ہتھیانا چاہتا ہے۔"

"ماما آپ کو کیا لگتا ہے، اگر ایسا ہوتا تو کیا آپ اس گھر میں ہوتیں۔ لیگلی یہ گھر میرے نام ہے اور اسٹور کا پاور آف اٹارنی بابا کے نام، اگر وہ آپ کو اس گھر سے باہر نکال دیں تو کوئی قانون آپ کو یہ گھر اور کاروبار نہیں دلوا سکتا، یہ بابا کا ظرف ہے جو انہوں نے اس گھر میں آپ کے وجود کو آپ کی تمام بے ہودگیوں سمیت برداشت کیا ہوا ہے اور وہ صرف اس لیے کہ آخر کو کچھ بھی سہی آپ ہیں تو میری ماں۔۔۔"

"چٹاخ۔۔۔" ایمل کے باپ کا ظرف بہت بڑا تھا، پر ماں کا ظرف بہت چھوٹا تھا، بیٹی کے دکھائے ہوئے آئینے میں اپنی بدصورت دیکھ نہ سکی، اس لیے بیٹی کو تھپڑ مار دیا۔

"کیوں۔۔۔ ماما کیا ہوا۔۔۔ سچ برداشت نہیں ہوا آپ سے۔۔۔"

"سچ۔۔۔ کون سا سچ۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سب تمہارے باپ نے چالاکی سے چھینا ہے۔ میری ماں کو بے وقوف بنا کے اور تمہیں مجھ سے بدظن کر کے۔ اس خبیث شخص نے مجھے برباد کر ڈالا اور تم اس کی حمایت میں میرے سامنے کھڑے ہو کر مجھے ذلیل کر رہی ہو، دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔" غصے سے مارٹینا ہانپ رہی تھی۔

ایمل نے ہاتھ میں پکڑی میکسی وہیں صوفے پر پھینکی اور بھاگ کر اوپر اپنے کمرے میں آگئی اور بیڈ پر گر کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

✲ ✲ ✲

"ایمل۔۔۔" سیڑھیاں چڑھتے ایمل کے قدم ساکت ہوگئے۔ آج بہت عرصے بعد مارٹینا نے ایمل کو آواز دی تھی۔

"جی۔۔۔" ایمل نے الٹے قدموں سیڑھیوں سے نیچے آتے ہوئے پوچھا۔ مارٹینا نے ہاتھ میں پکڑا نوٹس کا بلندہ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"یہ نوٹس۔۔۔ تمہارا بوائے فرینڈ سرفراز دے گیا ہے۔" مارٹینا نے حملہ کے حوالے سے اس کے کردار پر اٹیک کیا تو ایمل اندر ہی اندر تلملا گئی۔ پر بولی کچھ نہیں۔ سرفراز پر غصہ بھی آیا کہ اسے کیا ضرورت تھی نوٹس گھر لانے کی' میں کل یونی ورسٹی میں ہی لے لیتی۔ ایمل نے مارٹینا کے ہاتھ سے نوٹس لیے اور خاموشی سے سیڑھیوں کی طرف مڑ گئی' یہ ابھی دوسری سیڑھی پر قدم رکھا ہی تھا کہ ایک بار پھر اسے مارٹینا کی آواز پر رکنا پڑا۔

"ویسے۔۔۔ کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے بوائے فرینڈ کے طور پر ایک پاکستانی ہی کو کیوں چنا۔"

ایمل نے گھوم کر مارٹینا کی طرف دیکھا۔ "کیونکہ مجھے اس کے باوفا ہونے کا یقین ہے۔"

"اوہ۔۔۔ رئیلی۔۔۔" مارٹینا کے ہونٹوں پر طنزیہ ہنسی آئی۔ ایمل مزید کچھ بولے بغیر تیزی سے اوپر آگئی۔

✲ ✲ ✲

"ہے۔۔۔ ایمی' کہاں یار' میں کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہوں۔" سرفراز کا سانس پھولا ہوا تھا۔ ایمل سر پیٹر کے آفس میں اسائنمنٹ جمع کروا کر باہر آئی تھی۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے گھاس کے طویل سبز قطعہ پر آکر بیٹھ گئے۔ یہ یونی ورسٹی میں ان دونوں کی پسندیدہ جگہ تھی۔

"نوٹس مل گئے تھے؟"

"ہاں۔۔۔ یہ تم گھر کیوں لے کر آئے' میں یہیں لے لیتی۔" ایمل کا لہجہ کچھ مبہم تھا' سرفراز سمجھا نہیں۔

"اچھا ہوا نا۔ اس بہانے تمہاری ممی سے بھی ملاقات ہوگئی۔ وہاٹ اے لیڈی یار! وہ تو بالکل تمہاری بڑی بہن لگتی ہیں۔" سرفراز نے مسکرا کر ایمل سے کہا۔ ایمل کا چہرہ بے تاثر رہا۔

"تم نے اپنا اسائنمنٹ جمع نہیں کرایا ابھی تک۔۔۔" ایمل نے عام سے انداز میں بات بدل دی۔ سرفراز کو حیرت ہوئی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی ممی کے ذکر پر پرجوش ہوجائے گی۔

"ہاں۔۔۔ کل کرواؤں گا۔" چند لمحے دونوں خاموش رہے' پھر سرفراز بولا۔

"کیا بات ہے ایمل۔۔۔ تم اپنی ممی کے ذکر سے اتنا کتراتی کیوں ہو۔" یہ وہ سوال تھا جس سے ایمل ہمیشہ بچنا چاہتی تھی۔ یہ جانتی تھی ایک نہ ایک دن سرفراز اس کی ماں کے بارے میں جاننا ضرور چاہے گا' لیکن وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کی ماں کا گندا کردار اس پر کھلے۔

"نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں' اکچوئلی میں اور ماما بائے نیچر ایک دوسرے سے کافی الگ ہیں۔ میں بچپن سے ہی پاپا سے کافی اٹیچ رہی ہوں۔"

"ہاں یہ تو میں نے بھی محسوس کیا ہے کہ ان کا مزاج تم سے کافی الگ ہے اور وہ خاصی بولڈ بھی ہیں۔" سرفراز کی اس بات پر ایمل کا اوپر کا سانس اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا۔ جانے وہ کیا کیا محسوس کرچکا تھا۔

"اچھا۔۔۔ تم یہ بتاؤ ویک اینڈ پر کیا کررہے ہو۔" اس نے ایک دم ہی سرفراز کا دھیان ہٹانے کی کوشش کی۔

"ڈیٹ پر جارہا ہوں۔" وہ بھی ایمل کی بات پر شوخ ہوا۔

"اچھا' کس کے ساتھ۔۔۔؟"

"تمہارے ساتھ' اگر جو تم راضی ہوجاؤ۔" اس بات پر دونوں ہی قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

✲ ✲ ✲

لائبریری سے اپنے جرمن دوست کے ساتھ باہر آتے ہوئے سرفراز کی نظر مارٹینا پر پڑی تو وہ وہیں ٹھٹک گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"آپ یہاں... خیریت... ایمل تو جاچکی ہے۔"

"ہاں... میں ایمل سے نہیں، تم سے ملنے آئی تھی۔"

"مجھ سے..." سرفراز کی حیرت بڑھ گئی۔ "کیوں؟ کوئی خاص بات..."

"ہوں... بات تو خاص ہی ہے۔" مارٹینا کی نظر اور لہجہ دونوں معنی خیز تھے۔

"جی... کہیے..."

سرفراز کے کہنے پر مارٹینا نے اردگرد نظر دوڑائی۔

"جو بات میں تم سے کرنے آئی ہوں، اس کے لیے یہ جگہ موزوں نہیں۔ کسی ریسٹورنٹ میں چلتے ہیں۔"

"چلیں..." سرفراز نے کندھے اچکائے، پھر وہ دونوں ایک کافی شاپ میں جا بیٹھے۔

"سرفراز... میں اور ایمل ماں، بیٹی ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بہت دور ہیں، کیا تم یہ بات جانتے ہو۔" مارٹینا نے نپے تلے انداز میں بات شروع کی۔

"جی... میں نے محسوس کیا ہے۔"

"میں ایمل سے بہت محبت کرتی ہوں اور بہت چاہتی ہوں کہ وہ میرے قریب آجائے، پر میں جتنی کوشش کرتی ہوں۔ وہ اور زیادہ مجھ سے دور ہو جاتی ہے۔" سرفراز خاموش رہا۔

"کیا تم اس کی وجہ نہیں جاننا چاہو گے۔"

"آپ کہیں، میں سن رہا ہوں۔"

"اس کی وجہ تمہارا ہم وطن ایمل کا باپ فرہاد ہے۔" مارٹینا کا لہجہ طنز آمیز تھا۔

فرہاد کو اس بات پر حیرت کا جھٹکا لگا۔ "پر فرہاد انکل تو بہت اچھے انسان ہیں۔"

"ہر شخص کا ظاہر اور باطن ایک سا نہیں ہوتا۔ وہ اندر سے کچھ اور باہر سے کچھ اور ہے۔ اس نے مجھ سے شادی صرف اور صرف میری جائیداد ہتھیانے کے لیے کی اور یہ کام اس نے بڑی چالاکی سے میری بوڑھی ماں کو بے وقوف بنا کر کرلیا، میں کم عمر تھی اس کی چال سمجھ نہ سکی، میری ماں نے گھر اور کاروبار ایمل کے نام کر کے پاور آف اٹارنی فرہاد کو دے دیا اور پھر آہستہ آہستہ ایمل کو مجھ سے ذہنی طور پر دور کر دیا۔" یہ کہتے کہتے مارٹینا کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔

سرفراز کا دل مارٹینا کے لیے ہمدردی سے بھر گیا۔ وہ سادہ دل نوجوان تھا۔ مارٹینا جیسی گھاگ عورت کو زیادہ دیر نہ لگی۔ سرفراز کو شیشے میں اتارنے کے لیے...

"مجھے آپ سے ہمدردی ہے، پر میں سمجھ نہیں پایا، یہ سب آپ مجھ سے کیوں کہہ رہی ہیں۔"

"یہ ساری باتیں میں نے تم سے اس لیے کی ہیں، کیونکہ میں سمجھ گئی ہوں کہ تم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو اور میری نظر میں اس ساری دنیا میں تم واحد شخص ہو جو میری بیٹی کو میرے قریب کر سکتے ہو، وہ تم سے محبت کرتی ہے، تمہاری بات ضرور مانے گی۔ مجھے مایوس مت کرنا سرفراز، مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" مارٹینا نے لجاجت سے ٹیبل پر رکھے سرفراز کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیے۔ اس کی بے قراری پر سرفراز کا دل پگھل گیا۔

"میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لیے۔" سرفراز کی اس بات نے مارٹینا کے اندر کی شیطانیت کو سکون بخشا۔

"پہلے تو تم مجھ سے وعدہ کرو ایمل کو ابھی ہماری اس ملاقات کے بارے میں نہیں بتاؤ گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں، پر آگے کیا کرنا ہے۔"

"یہ میں تمہیں اگلی ملاقات میں بتاؤں گی۔ مجھے اپنا کانٹیکٹ نمبر دے دو۔"

اور پھر ہر چند دن بعد مارٹینا سرفراز کو کہیں نہ کہیں بلا لیتی، کبھی کسی ریسٹورنٹ میں، کبھی کسی پارک میں اور کبھی ایمل اور فرہاد کی غیر موجودگی میں گھر پر... سرفراز ایمل کی ماں کے احترام میں چلا آتا۔ مارٹینا کی پوری کوشش تھی کہ وہ معصوم بن کر سرفراز کو ایمل کی زندگی سے نکال دے پر بہت جلد اسے احساس ہو گیا کہ ایمل کے لیے سرفراز کے جذبات بہت گہرے ہیں۔ اس احساس کے بعد مارٹینا کے شیطانی ذہن نے کچھ اور ہی پلان کر ڈالا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ایک بار پھر پاکستانی مسلمان کے کردار کی مضبوطی اس کے لیے چیلنج بن گئی تھی۔

اہمل کی شدید فرمائش پر فرہاد احمد نے اس بار کرسمس کی چھٹیوں پر اسے پیرس لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ ویسے تو وہ دونوں اپنے کسی پروگرام کو مارٹینا سے ڈسکس نہیں کرتے تھے۔ پر اس پروگرام کے بارے میں مارٹینا کو سرفراز کے ذریعے خبر مل چکی تھی۔ اتفاق سے جس رات اہمل پیرس جارہی تھی' اس سے اگلے دن اہمل کی برتھ ڈے تھی۔ رات کے آٹھ بجے دونوں باپ' بیٹی ایئرپورٹ کے لیے نکل گئے اور ٹھیک رات ساڑھے دس بجے مارٹینا نے سرفراز کو فون کیا۔

"خیریت... اتنی رات کو کال کی' سب خیریت ہے نا..."

"ہاں سب خیریت ہے... کل اہمل کا برتھ ڈے ہے تو سوچا کیوں نہ رات بارہ بجے سیلیبریٹ کریں۔"

"پر اہمل تو پیرس چلی گئی ہے۔ اس وقت تو اس کا جہاز ٹیک آف کررہا ہوگا۔"

"ارے نہیں' شدید برف باری کی وجہ سے اس کی فلائٹ کینسل ہوگئی ہے۔ وہ رات بارہ بجے سے پہلے واپس آجائے گی۔ ایئرپورٹ یہاں سے زیادہ دور تو نہیں ہے اور اب اس کی فلائٹ صبح دس بجے کی ہے۔"

"واقعی... اچھا ٹھیک ہے' پھر میں آتا ہوں۔" سرفراز کا چہرہ دلی مسرت سے جگمگا اٹھا۔

اور کبھی کبھی انسان کو پتا بھی نہیں چلتا اور اس کے منہ سے نکلی بات سچ ہوجاتی ہے۔ مارٹینا نے سرفراز سے جھوٹ بولا تھا۔ پر دوسری طرف سچ مچ شدید برف باری کی وجہ سے اہمل کی فلائٹ کینسل ہوگئی تھی۔

ساڑھے گیارہ بجے سرفراز نے ہاتھوں میں پھولوں کا بڑا سا بوکے لیے بیل بجائی تو مارٹینا نے دروازہ کھولا' وہ بلیک لانگ کوٹ میں ملبوس تھی۔ اس نے گرمجوشی سے فراز کو اندر بلالیا۔ ایک دوسرے کا حال احوال پوچھتے دونوں لاؤنج میں آگئے۔

ہلکی ہلکی میوزک اور دھیمی روشنیوں میں اندر کا ماحول خاصا رومانٹک لگ رہا تھا۔ کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد مارٹینا کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔ سرفراز کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ مارٹینا اپنے گلاس میں مشروب انڈیل رہی تھی۔ وہ دو گلاس لے کر پلٹی۔

"سوری... میں یہ نہیں پیتا۔"

"جانتی ہوں' اسی لیے میں تمہارے لیے سوفٹ ڈرنک لائی ہوں۔" سرفراز نے مارٹینا کے ہاتھ سے گلاس لے لیا۔

"اہمل نہیں آئی ابھی تک..." سرفراز کچھ الجھن میں تھا۔

"آنے ہی والی ہوگی' تم پیونا۔" سرفراز نے ڈرنک پینا شروع کیا' پر وہ یہ نہ جان سکا کہ نہایت ہوشیاری سے مارٹینا اس کے مشروب میں نشیلی دوائی ملا چکی ہے۔

"اس کا ٹیسٹ کچھ عجیب سا ہے۔" مشروب ختم کرکے سرفراز نے گلاس ٹیبل پر رکھا۔

"ہوں... ہوسکتا ہے' پر بتاؤ ہے کیسا..." مارٹینا کی گہری نظریں مسلسل سرفراز کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اچھا ہے..." سرفراز نے کندھے اچکائے۔

"ارے تو پھر اور لو نا۔" اور پھر سرفراز کے منع کرنے کے باوجود مارٹینا نے دوبارہ اس کا گلاس بھر دیا۔ ساتھ ہی ساتھ لگاوٹ بھری باتیں بھی شروع کردیں۔ گلاس ختم کرتے کرتے سرفراز کو سر بھاری ہوتا محسوس ہوا اور وہ گلاس واپس کاؤنٹر پر رکھنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھا تو اس کے قدم ڈگمگا گئے اور اسے ہر چیز چکراتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔

"کیا ہوا سرفراز' تم ٹھیک تو ہونا۔" مارٹینا کی ایکٹنگ اپنے عروج پر تھی۔

"جی نہیں... ہاں... شاید چکر سا آرہا ہے۔" سرفراز کچھ سمجھ نہیں پارہا تھا' وہ کیا کہہ رہا ہے۔

"اوہو... شاید تم تھک گئے ہو۔ میرے ساتھ آؤ کچھ دیر آرام کرلو۔" مارٹینا' سرفراز کا بازو تھام کر ایک کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ کمرے کے وسط میں پہنچ کر سرفراز رک گیا' اسے کچھ عجیب سا احساس ہوا۔ یہ مارٹینا کا بیڈ روم تھا۔ وہ واپس جانے کے لیے پلٹا' پر یہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دیکھ کر اپنی جگہ پر جم گیا کہ مارٹینا دروازہ لاک کر چکی تھی۔ سرفراز کا سر چکرا رہا تھا۔ سوفٹ ڈرنک میں ملی نشیلی دوا اور مارٹینا کی نازیبا حرکات اس کے بعد اس کو کچھ ہوش نہ رہا تھا۔

رات ساڑھے بارہ بجے دونوں باپ بیٹی بے زاری سے گھر میں داخل ہوئے۔ فرہاد احمد تو اپنا بیگ لے کر فوراً" ہی اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے' جبکہ ایمل مرے مرے قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھنے لگی' آہستہ آہستہ اوپر چڑھتے اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔ لاؤنج سے آتی سلو میوزک کی آواز نے اس کی توجہ اپنی جانب کھینچ لی۔

"کیا ماما لاؤنج میں ہیں۔" وہ بے خیالی میں پلٹ کر لاؤنج میں آئی کاؤنٹر پر شیشے کی بوتل اور دو گلاس دیکھ کر اس کے اندر اپنی ماں کے لیے ایک نفرت انگیز جذبہ ابھرا' وہ واپس پلٹ کر سیڑھیوں کی طرف آئی تو ایک دم چونک کر رک گئی' دروازے کے پاس رکھے بلیک اینڈ وائٹ جوگرز اسے بہت جانے پہچانے لگے۔

"نہیں... یہ نہیں ہو سکتا' سرفراز اس وقت یہاں کیوں آئے گا۔" اپنے آپ سے الجھتی وہ سیڑھیاں چڑھنے لگی' آخری سیڑھی تک پہنچ کر اس کی برداشت سے باہر ہو گیا۔ وہ ایک جھٹکے سے پلٹی اور تیزی سے سیڑھیاں اتر گئی۔ سارٹینا کے بیڈ روم کے سامنے پہنچ کر اس نے دروازے پر دستک دینے کے لیے ہاتھ اٹھایا اور پھر کھینچ لیا۔

"یہ... یہ میں کیا کر رہی ہوں... اور... اور... میں نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ بھلا ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ اپنی ہی سوچ پر شرمندہ ہو کر دو قدم پیچھے ہوئی اور واپس پلٹنے ہی والی تھی کہ اچانک دروازہ کھل گیا اور پھر جو منظر اس نے دیکھا' وہ ایک بھیانک یاد بن کر ساری عمر کے لیے اس کے ذہن کے پردے پر جم گیا۔

☆ ☆ ☆

نشہ اترا تو سرفراز کو اپنا آپ آگ میں جھلستا ہوا محسوس ہوا۔ اسے اپنے آپ سے گھن آ رہی تھی۔

شرٹ پہنتے ہوئے اس نے ایک نظر مارٹینا پر ڈالی' وہ گہری نیند میں تھی۔ اس نے نظر پھیر لی' ایک عجیب سی وحشت میں گھر کر اس نے دروازہ کھول دیا۔

"او... خدا..." ایمل کو سامنے کھڑا دیکھ کر سرفراز کو چکر آ گیا' ایک قیامت تھی جو دونوں پر ٹوٹی تھی۔ سرفراز سے ہوتی ایمل کی نظر پیچھے بیڈ پر اوندھی لیٹی مارٹینا تک گئی تو شدت جذبات سے اس نے اپنی آنکھیں سختی سے بند کر لیں' پر دل کا درد آنسوؤں کی صورت پلکوں کی باڑھ توڑ کر اس کے رخساروں پر بہنے لگا۔ ایمل کی یہ حالت دیکھ کر سرفراز کو اپنا آپ انتہائی گرا ہوا لگا۔ اس کا دل چاہا کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ اس نے بہتری اسی میں جانی کہ فوراً" یہاں سے نکل جائے۔ وہ تیزی سے دروازے کی جانب بڑھا۔

"سرفراز... تم یہاں اس وقت..." سرفراز نے پیچھے مڑ کر دیکھا' فرہاد احمد سیڑھیوں سے اتر رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر سرفراز ایک جھٹکے سے باہر نکلا اور تیزی سے بھاگتا گلی میں غائب ہو گیا۔

فرہاد احمد کچھ نہ سمجھنے کی کیفیت میں لاؤنج کی طرف آئے' مگر ایمل کو بے آواز روتے دیکھ کر ان کے قدم تھم گئے۔ پھر ایک دم انہوں نے آگے بڑھ کر ایمل کو سینے سے لگایا۔

"ایمل کیا ہوا بیٹے' تم رو کیوں رہی ہو اور یہ... یہ سرفراز یہاں کیسے..." یہ کہتے کہتے ان کی نظر کھلے دروازے سے ہوتی ہوئی مارٹینا کے بیڈ تک گئی تو ایک لمحے میں انہیں ساری صورت حال سمجھ میں آ گئی۔

دکھ کا آتش فشاں ان کے دل میں پھٹا اور لہو لاوا بن کر ان کی رگوں میں بہنے لگا۔ انہوں نے ایمل کو خود سے الگ کیا اور کمرے میں جا کر دروازہ بند کر لیا۔ ایمل کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا' مگر اگلے ہی لمحے مارٹینا کی چیخ اسے سب کچھ سمجھا گئی۔ مغلظات کا ایک طوفان تھا جو فرہاد احمد کے منہ سے نکل رہا تھا۔ ان کی لاتیں' کے مارٹینا کے جسم پر کوڑوں کی طرح برس رہے تھے اور مارٹینا کی چیخوں سے سارا گھر گونج رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بت مشکل سے ایمل نے فرہاد کی ضمانت کروائی تھی۔ بیوی پر تشدد کے جرم میں پولیس نے انہیں گرفتار کرلیا تھا۔ ثبوت کے طور پر مارٹینا نے اپنے جسم کا ایک ایک نیل پولیس والوں کو بہت بے باکی سے دکھایا تھا۔ قریب تھا کہ فرہاد احمد کو قید ہوجاتی' پر ایمل نے فرہاد احمد کی رہائی کے عوض گھر اور ڈیپارٹمنٹل اسٹور مارٹینا کے نام کردیا۔ ایمل اور فرہاد احمد نے پاکستان چلے جانے کا پروگرام بنایا تھا' پر قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

جس دن قانونی کارروائی ختم ہوئی اور مارٹینا اور فرہاد احمد پولیس اسٹیشن سے باہر آرہے تھے تو دونوں ایک تیز رفتار اسٹیشن ویگن کی زد میں آگئے۔ مارٹینا موقع پر ہی دم توڑ گئی' جبکہ فرہاد احمد دو دن اسپتال میں سخت جان کنی کی کیفیت میں مبتلا رہ کر جان کی بازی ہار گئے' پر جاتے جاتے ایمل کو اقبال سے رابطہ میں رہنے کی تاکید کرگئے۔

☆ ☆ ☆

میجر جہاں زیب کی طبیعت سنبھل گئی تھی' پر ایمل کو اپنا آپ بہت خالی خالی لگ رہا تھا۔ پچھلے دو دن سے اس نے میجر صاحب کو نہیں دیکھا تھا۔ اس کی سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اس نے اپنے بارے میں میجر صاحب کو بتاکر ٹھیک کیا یا غلط۔

آج وہ شیرین کے ساتھ کچن کا کچھ سامان لینے قریبی سپر اسٹور پر آئی تھی۔ "ارے ایمل! سفینہ آنٹی۔۔۔"

"السلام علیکم آنٹی! کیسی ہیں۔" دونوں نے سلام کیا۔

"ارے۔۔۔ وعلیکم السلام۔۔۔ بھئی تم دونوں یہاں کہاں۔۔۔" وہ ان دونوں کو دیکھ کر کھل اٹھیں۔

"بس ایسے ہی آنٹی کچھ سامان لینے آئے تھے اور آپ۔۔۔ اکیلی آئی ہیں۔" ایمل نے محتاط انداز میں پوچھا۔

"نہیں بھئی۔۔۔ میں اکیلی کیسے آسکتی ہوں۔ جہاں زیب کے ساتھ ہی آئی ہوں۔"

"اچھا۔۔۔ پر میجر صاحب نظر تو نہیں آرہے۔" ایمل کے دل میں ابھرنے والا سوال شیرین نے پوچھ ڈالا۔

"تمہارے پیچھے ہی تو کھڑا ہے۔" ان کے کہنے پر دونوں ایک ساتھ پلٹیں۔ بلیو جینز اور وائٹ شرٹ میں سیاہ گاگلز لگائے وہ اپنی بھرپور مردانہ وجاہت کے ساتھ بہت اچھے لگ رہے تھے۔ شیرین نے انہیں دیکھتے ہی سلام کیا۔ پر ایمل کے لب نہ ہل سکے۔ انہوں نے گہری نظروں سے ایمل کو دیکھتے ہوئے شیرین کے سلام کا جواب دیا۔

"کہاں ہو بھئی گرلز! آج کل نظر ہی نہیں آتیں۔" انہوں نے ہلکے پھلکے انداز میں بات شروع کی۔

"سر! میں تو دو دن پہلے ہی جہلم سے آئی ہوں' پر یہ محترمہ تو مستقل آپ کے پڑوس میں ہوتی ہیں۔ حیرت ہے آپ کو' پھر بھی نظر نہیں آتی۔" شیرین کی اس بات پر ایمل نے پہلے شیرین' پھر میجر صاحب کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہے تھے۔ وہ بھی مسکرادی۔

"بالکل صحیح کہہ رہی ہو بیٹا' پڑوس میں ہوتے ہوئے بھی یہ بچی مجھے نظر نہیں آتی۔" سفینہ بیگم نے پیار بھرا شکوہ کیا۔

"بس آنٹی فرصت ہی نہیں ملتی۔"

"ارے بھئی ایسی بھی کیا مصروفیت ہے' چند گھڑی کو ہی سہی مجھ بوڑھی لاچار کے پاس آجایا کرونا۔" انہوں نے بہت پیار سے ایمل کا ہاتھ تھام لیا۔

"آؤں گی ان شاء اللہ۔۔۔" اس نے بھی پیار سے اپنا دوسرا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھا۔

"آنٹی یہ تو آتی جاتی رہے گی' آج آپ لوگ آجائیں نا ایمل کی طرف۔ رات میں ایمل زبردست بریانی بنانے لگی ہے میری فرمائش پر۔۔۔"

"ارے' پر تمہیں تو پاکستانی کھانے بنانے نہیں آتے تھے' پھر یہ بریانی کیسے۔۔۔" ایمل مسکرادی۔

"آنٹی یہ میرا کمال ہے۔ محترمہ میری تابعدار

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

شاگرد ہیں۔" شہرین نے ایمل کی پیٹھ تھپتھپائی۔
"تو پھر کہیں بریانی کے نام پر کوئی تجربہ تو کھانا نہیں پڑے گا۔" میجر صاحب نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔
"ارے نہیں سر! بس یہ ہی تو غلطی ہو گئی مجھ سے، اپنے سارے گُر اسے سکھا دیے۔ اب یہ مجھ سے بھی اچھی بریانی بنا لیتی ہے۔"
"بس تو پھر ٹھیک ہے، ماں! آج ایمل کے ہاتھ کی بریانی ہی کھانی ہے۔" میجر صاحب کی بات سن کر وہ تینوں ہی مسکرا دیں۔

☼ ☼ ☼

رات میں ایمل نے خوب دل سے بریانی بنائی جو میجر صاحب اور سفینہ بیگم کو بہت پسند آئی، ہلکی پھلکی باتوں میں کھانا کھایا گیا، پھر ایمل قہوہ بنانے کچن کی طرف آ گئی۔ شہرین، سفینہ بیگم کو اپنے خاندانی بیک گراؤنڈ سے متعارف کروانے لگی اور میجر صاحب ایمل کی کتابوں کی طرف آ گئے۔ ایمل ان کا کپ لے کر آئی تو وہ کہنے لگے۔
"تمہارا ادبی ذوق تو بہت اچھا ہے۔"
"پر آپ کا تو کمال کا ہے۔" اس کی بات سن کر وہ مسکرا دیے۔
"میری عمر تک تم بھی کمال کو پہنچ جاؤ گی۔"
"ایک بات پوچھوں آپ سے....."
"شیور....."
"اپنی وائف کی ڈیتھ کے بعد آپ نے دوبارہ شادی کیوں نہیں کی۔" اس کی بات سن کر وہ کچھ دیر قہوے پر نظریں جمائے کھڑے رہے، پھر ماں اور شہرین کو دیکھ کر بولے۔
"اس پر پھر کبھی بات کریں گے۔"
"مجھ سے تو میرے بارے میں سب کچھ جان لیا آپ نے اور اپنا آپ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔" ایمل کی اس بات پر انہوں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ ان کے فون کی بیل بج اٹھی اور باتوں کا سلسلہ منقطع ہو گیا، پر جانے سے پہلے وہ اسے پی سی میں ہونے والی آرٹ ایگزیبیشن کا پاس دے گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

ایگزیبیشن بہت زبردست تھی۔ بہت سے مصوروں کے فن پارے رکھے گئے تھے۔ ایمل میجر صاحب کے ہمراہ تصویریں دیکھ رہی تھی اور ان پر اپنی رائے کا اظہار بھی کر رہی تھی۔ میجر صاحب بھی کبھی کبھی کچھ کہہ دیتے، ویسے وہ آج کچھ چپ چپ ہی تھے۔
"اس رات تم کچھ پوچھ رہی تھیں۔" ایمل کو یقین نہیں تھا کہ وہ خود بات شروع کریں گے۔
"جی....."
"پوچھو جو پوچھنا ہے، میں اپنا آپ بالکل بھی نہیں چھپاؤں گا تم سے....."
ایمل ان کے دیکھنے پر کچھ جھینپ سی گئی۔ "نہیں ایسا کچھ خاص تو نہیں۔ بس یہ ہی پوچھ رہی تھی کہ آپ نے دوبارہ شادی کیوں نہیں کی۔"
"دوبارہ شادی نہ کرنے کی تین وجوہات تھیں۔" انہوں نے ایک تصویر کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔
"ایک تو یہ کہ کاشان بہت چھوٹا تھا۔ اسے سوتیلی ماں کے حوالے کرنے کو میرا دل نہیں مانتا تھا۔ دوسرے ماں معذور ہو گئی تھیں اور میری نظر میں کسی بھی عورت یا لڑکی پر شادی ہوتے ہی چھوٹے بچے اور اپاہج ساس کی ذمہ داری ڈال دینا بہت بڑی زیادتی کی بات ہے، تیسری وجہ اور سب سے بڑی وجہ میرا دل تھا جو کسی اور عورت کو قبول کرنے پر کبھی تیار نہ ہوا۔"
"کیوں؟" ایمل کو اپنے دل میں درد سا ابھرتا محسوس ہوا۔
"کیونکہ محبت ایک بار ہوتی ہے، بار بار نہیں اور میرے حصے کی محبت تہمینہ کے ساتھ ہی دم توڑ گئی، اب صرف اس کی یادیں زندہ ہیں۔"
"اور اگر کسی اور کو آپ سے محبت ہو جائے تو.....؟" انجانے اندیشوں میں گھر کر اس نے پوچھ ہی لیا۔ میجر صاحب نے اسے دیکھا اور ہلکے سے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"محبت اپنا آپ منوا لیتی ہے' اگر کسی کی میرے لیے محبت اتنی پاور فل ہوئی تو ضرور اپنا آپ منوا لے گی۔" اور اس رات ایمل نے اپنی محبت آزمانے کا فیصلہ کرلیا۔

✡ ✡ ✡

اپنا آپ آئینے میں دیکھ کر چند لمحے وہ خود بھی دنگ رہ گئی ——— کاہی سفید ریشم اور شیشوں سے مزین کڑھائی والی فراک اس پر بہت سوٹ کررہی تھی۔ اور اس کے ساتھ ہم رنگ نازک سی جیولری نے اس کے حسن کو چار چاند لگادیے تھے۔ آنکھوں میں کاجل اور لائٹ پنک لپ اسٹک لگا کر اس نے اپنی تیاری کو آخری ٹچ دیا۔ آج وہ سفینہ بیگم کی دعوت پر ان کی طرف ڈنر کے لیے جارہی تھی۔ پرفیوم لگا کر اس نے اپنا پرس اور پھول اٹھائے اور اپارٹمنٹ سے باہر آگئی۔ پھولوں کا گلدستہ اس نے آفس سے آتے ہوئے سفینہ بیگم کے لیے لیا تھا اور گلاب کی ایک کلی خاص میجر جہاں زیب کے لیے۔ دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس کی شدید خواہش تھی کہ دروازہ میجر صاحب کھولیں۔ اس کا یہ روپ سب سے پہلے ان کی نظروں میں آئے۔ یہ سوچ کر اس کے لبوں پر ایک بہت دل فریب مسکراہٹ آئی اور نظریں جھک گئیں۔

اوہ مائی گاڈ! وہاٹ اے بیوٹی۔" اجنبی آواز پر ایمل نے حیرت سے سر اٹھایا۔ اکیس' بائیس سال کے ایک جوان لڑکے کو بلیک جینز اور شوخ رنگوں کی شرٹ میں چیونگم چباتے ہوئے خود کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے دیکھا۔

"سفینہ آنٹی ہیں۔" ایمل نے قدرے بے زاری سے پوچھا۔

"آہا تمہاری تو آواز بھی تمہاری طرح پیاری ہے۔" لڑکے نے لہک کر کہا تو ایمل سخت بدمزہ ہوگئی۔

"کون ہے دروازے پر کاشان ———" سفینہ بیگم کی پیچھے سے آواز آئی تو ایمل چند لمحوں میں سمجھ گئی کہ یہ میجر صاحب کا بیٹا ہے۔

"ہشراز اے فیری گرینڈ ماں ———"

"ارے بھئی تو فیری کو اندر بھی بلاؤ گے یا نہیں۔" لڑکے کے پیچھے سفینہ بیگم اپنی وہیل چیئر پر نمودار ہوئیں۔

"اوہ آئم سوری۔ پلیز ویلکم ———" کاشان نے دروازے سے ہٹ کر ایمل کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ ایمل نے آگے بڑھ کر سفینہ بیگم کو سلام کیا اور پھول دیے۔ انہوں نے پھول لیتے ہوئے پیار سے اس کے ہاتھ چوم لیے۔

"اور یہ کلی تو آپ یقیناً" میرے لیے لائی ہوں گی' کیونکہ اس کا حق دار یہاں صرف اور صرف میں ہی ہوسکتا ہوں۔" کاشان نے کلی اس کے ہاتھ سے اچک لی۔ سفینہ بیگم پوتے کی شرارت پر ہنس پڑیں' جبکہ ایمل کے ماتھے پر شکنیں ابھر آئیں۔

وہ جو سوچ کر آئی تھی سب کچھ الٹ گیا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ فوراً" واپس چلی جائے۔ اتنے میں اسے ایک کمرے سے میجر صاحب باہر آتے دکھائی دیے۔ وہ بلیک ڈنر سوٹ میں ملبوس تھے۔ اس کے کمرے سے باہر آتے ہی ان کے پرفیوم کی خوشبو سے ساری فضا مہک اٹھی۔ تیاری سے لگ رہا تھا وہ کہیں جارہے ہیں۔ ان کی نظر ایمل پر پڑی تو دھیمے سے مسکرادیے اور قریب آکر بولے۔

"لکنگ گارجیس ———"

"تھینکس ———" ایمل نے کچھ شرما کر نظریں جھکالیں۔

"کاشان تم ایمل سے ملے' یہ وہی فیری ہے جس کے بارے میں تمہیں نیٹ پر بتاتا رہا ہوں۔"

"بابا میں نے پہلی نظر میں ہی جان لیا تھا۔ ویسے آنے سے پہلے مجھے اپنے جیت جانے کا یقین تھا۔ پر اب لگتا ہے میں چیلنج ہار جاؤں گا۔" اس بات پر دونوں باپ' بیٹا قہقہہ لگا کر ہنس دیے۔

"بھئی یہ کون سے چیلنج کی بات ہورہی ہے' کوئی مجھے بھی بتائے گا کچھ یا نہیں۔" سفینہ بیگم اپنے بیٹے اور پوتے کو مبہم باتوں پر ہنستا دیکھ کر بول اٹھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"اٹس اے سیکرٹ بٹوین اِز گرینڈ ماما۔" کاشان کی آنکھوں میں شرارت تھی۔

"آپ کہیں جارہے ہیں۔" ایمل نے میجر صاحب سے پوچھا۔

"ہاں... میں آج اپنے ایک دوست کی طرف انوائیٹڈ ہوں۔" ان کا جواب سن کر ایمل کو اپنے اندر کچھ ٹوٹتا محسوس ہوا۔ اتنا تیار ہو کر آج وہ اپنے جذبے آزمانے آئی تھی۔ پر پہلے ہی قدم پر اسے ناقدری کا سامنا کرنا پڑ گیا تھا۔

"جہاں زیب بیٹا! یہ کوئی اچھی بات تو نہیں' آج کاشان دو سال بعد پاکستان آیا ہے۔ میں نے ایمل کو بھی بلایا تھا کہ سب مل کر کھانا کھائیں گے اور تم جارہے ہو۔" سفینہ بیگم نے بیٹے سے شکوہ کیا۔

"کم آن ماں! شان اب یہیں ہے۔ اس نے کہاں جانا ہے اور ایمل کو آپ دونوں مجھ سے زیادہ اچھی کمپنی دو گے۔ آئی ایم شیور..." انہوں نے گھڑی دیکھتے ہوئے جلدی جلدی کہا اور پھر سب کو خدا حافظ کہتے ہوئے چلے گئے۔

ایمل کو سب کے بیچ ہوتے ہوئے بھی اپنا آپ بالکل تنہا لگا۔ وہ مسکرا مسکرا کر کاشان اور سفینہ بیگم سے باتیں کرتی رہی' پر گہری اداسی اس کے اندر اتر چکی تھی۔ کھانا بھی اس نے بددلی سے کھایا اور پھر کھانے کے بعد وہ جلد ہی وہاں سے واپس آگئی۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ آفس جانے کے لیے اپارٹمنٹ سے باہر آئی تو کاشان اپنے اپارٹمنٹ کے آگے ہی کھڑا تھا۔ گرین ٹریک سوٹ میں کانوں میں ہینڈز فری لگائے ہوئے وہ بہت فریش لگ رہا تھا۔

"ہائے..." ایمل پر نظر پڑتے ہی وہ قریب چلا آیا۔

"السلام علیکم..." اس کے ہائے کہنے پر ایمل نے اسے سلام کیا اور لفٹ کی طرف بڑھ گئی۔

"اوہ سوری... وعلیکم السلام' کیسی ہو۔" کاشان نے مسکرا کر جواب دیا اور اس کے پیچھے پیچھے لفٹ کی طرف چلا آیا۔ "یار تم تو بہت فاسٹ موو ہو۔ میں تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔" لفٹ کال کرتی ایمل نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا۔

"کیوں کوئی خاص بات تھی۔ ابھی رات کو تو اتنی باتیں کی ہیں۔"

"ہاں نا... پر ایسا لگ رہا ہے کوئی بات ہی نہیں کی' اس لیے اور باتیں کرنے کو دل چاہ رہا ہے۔" کاشان نے ایمل کے ساتھ لفٹ میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

"سوری... ابھی تو میں آفس جارہی ہوں' پھر کبھی کریں گے اور ویسے بھی میں اتنی اچھی باتیں نہیں کرتی' بہتر ہے تم اپنا دل بہلانے کے لیے کسی اور سے دوستی کرلو۔" ایمل کو اس کی بے تکلفی بری طرح کھل رہی تھی۔

"واہ بھئی! تمہاری تعریفیں سن سن کر تو میرے کان پک گئے اور تم کہتی ہو' کسی اور سے دوستی کرلو۔ یہ تو نہیں ہو سکتا۔ دوستی میں ان سے کرتا ہوں جو مجھے اچھے لگتے ہیں اور تم مجھے بہت اچھی لگی ہو' اسی لیے دوستی تو تمہیں ہی مجھ سے کرنی ہوگی۔" کاشان کے بے ساختہ انداز پر ایمل کو ہنسی آگئی۔ لفٹ کا دروازہ کھل چکا تھا۔

"واہ بھئی... اچھی زبردستی ہے۔ اچھا یہ بتاؤ اتنی تعریفیں کس نے کرڈالیں تم سے میری..." اس نے گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔

"دادی نے اور سب سے زیادہ بابا نے..." کاشان نے لہک کر جواب دیا۔

گاڑی کا دروازہ کھولتے اس کے ہاتھ چند لمحوں کو رک گئے۔ اس کے دل نے ایک بیٹ مس کی۔

"واہ... مجھ سے تو کبھی کچھ نہیں کہا اور بیٹے سے اتنی تعریفیں کرڈالیں۔" یہ سوچتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

"اچھا بتاؤ نا پھر کب ملو گی۔" کاشان نے شوق سے کھڑکی میں جھکتے ہوئے پوچھا۔

"آفس سے آنے کے بعد..." ایمل نے عجلت

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں جان چھڑانے کے لیے کہا اور گاڑی نکال کر لے گئی۔ پیچھے کاشان مسکراتی نظروں سے گاڑی جاتے دیکھتا رہا۔

آفس میں کام زیادہ ہونے کی وجہ سے واپسی میں ایمل کافی تھک گئی تھی۔ اس لیے آتے ہی عصر کی نماز پڑھی اور پھر سونے کے لیے لیٹ گئی۔ اسے لیٹے ہوئے بمشکل آدھا گھنٹہ ہی ہوا ہوگا کہ گھنٹی کی آواز پر اسے اٹھنا پڑا۔ انتہائی کوفت کے عالم میں اس نے دروازہ کھولا اور سامنے کھڑے بندے کو دیکھ کر اس کی کوفت میں دگنا اضافہ ہوگیا۔ کاشان سرخ گلابوں کا خوب صورت بکے ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ ایمل سوچ میں پڑ گئی ۔۔ اسے اندر بلائے یا نہیں۔

"کیا آپ کے ہاں مہمانوں کو ویل کم کرنے کا کوئی رواج نہیں۔" ایمل نے دروازے کے سامنے سے ہٹ کر اس کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ اندر آتے ہی کاشان نے جھک کر ایمل کو بکے پیش کیا جو اس نے مسکرا کر شکریہ ادا کرتے ہوئے لے لیا۔

"ہوں... تو یہ ہے جناب کا اپارٹمنٹ... نائس... اچھا ڈیکوریٹ کیا ہے۔ اوہ... واؤ... اتنی ساری بکس بھی 'لگتا ہے تمہارے اندر بھی بابا والی روح سمائی ہے۔"

میجر صاحب کے ذکر پر ایمل کے دل کی دھڑکن بڑھ گئی۔ کاشان کی اپنے اپارٹمنٹ میں موجودگی بھی اس نے میجر صاحب سے اس کی نسبت کی وجہ سے ہر برداشت کی تھی۔

"چائے پیو گے یا کافی...؟"

"نہ چائے' نہ کافی... میں تو تمہارے ہاتھ کا بنا قہوہ پینے آیا ہوں' ایک روز بابا نے نیٹ پر تمہارے ہاتھ کے بنے قہوے کی بہت تعریف کی تھی..." کاشان صوفے پر پھیل کر بیٹھ گیا اور ایمل کچن کی طرف آگئی۔

"اچھا... حیرت ہے۔"

"میرے سامنے تو میری تعریف کبھی نہیں کی۔ انہوں نے۔" ایمل کے لہجے میں شکوہ سا تھا۔

"اچھا... واقعی... چلو کوئی بات نہیں میں کہوں گا۔ ان سے اب وہ تمہاری تعریف میرے ساتھ ساتھ تمہارے سامنے بھی کیا کریں گے۔"

"کوئی ضرورت نہیں میری کوئی بھی بات اپنے بابا سے کرنے کی' تم یہ قہوہ پیو اور چلتے بنو یہاں سے..." ایمل نے کپ کاشان کو تھماتے ہوئے کہا۔

"یہ مہمان نوازی کا کون سا طریقہ ہے بھئی' اتنی بے مروتی تو لوگ یورپ میں بھی نہیں دکھاتے۔"

"یہ بے مروتی نہیں' احتیاط پسندی ہے۔ یورپین سوسائٹی اور پاکستانی سوسائٹی کی اخلاقیات چینج ہیں' یہاں لڑکے لڑکی کا ایک چھت کے نیچے ملنا پسند نہیں کیا جاتا۔" ایمل نے اسے رسان سے سمجھایا۔

"پر تم تو پاکستانی نہیں ہوا' امریکہ میں تو یہ سب برا نہیں سمجھا جاتا۔"

"یہ ٹھیک ہے کہ مجھے یہاں شفٹ ہوئے زیادہ عرصہ نہیں ہوا' پر میرے فادر پاکستانی تھے۔ ان کی وجہ سے میں یہاں کے تمام رسوم و رواج سے واقف ہوں اور بہت حد تک انہیں فالو بھی کرتی ہوں۔"

"ہوں تو اس کا مطلب بابا ٹھیک کہہ رہے تھے۔"

"کیا کہہ رہے تھے۔"

"یہی کہ شاید تم میرے یہاں تنہا آنے کو پسند نہ کرو۔"

"بالکل صحیح... تم ان سے سیکھا کرو نا۔"

"ان سے تو سیکھوں گا ہی' پر اب بہت کچھ تم سے بھی سیکھنا پڑے گا۔" کاشان کے لہجے میں شرارت سی تھی۔

"مثلاً"؟"

"مثلاً" یہی کہ تمہیں یہاں کے کون سے رسوم و رواج پسند ہیں کون سے نہیں۔" کاشان نے کپ خالی کرکے ٹیبل پر رکھا۔

"تمہیں میرے متعلق جاننے کی کیا ضرورت ہے۔" ایمل نے کچھ الجھتے ہوئے پوچھا۔

"ہے نا ضرورت... بالکل ہے... مستقبل میں تعلقات نبھانے میں آسانی رہے گی۔" کاشان

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

شرارت سے کہتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"میں سمجھی نہیں۔" ایمل کے ذہن میں کہیں دور ایک گھنٹی سی بجی تھی۔

"ابھی سے اپنے ننھے سے دماغ پر بوجھ نہ ڈالو آہستہ آہستہ سب سمجھ جاؤ گی۔ او کے 'چلتا ہوں۔" یہ کہہ کر کاشان ہنستا مسکراتا چلا گیا۔

پر ایمل کو کچھ اندیشوں میں مبتلا کر گیا۔ "مجھے جلد ہی میجر جہاں زیب سے بات کرنا ہو گی' پر کب... کیسے..." اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ پھر اچانک ایک خیال آنے پر اس کے لب دھیرے سے مسکرا اٹھے۔

☼ ☼ ☼

شام کے پانچ بجے اسلام آباد کی سڑکوں پر آفس ٹائم آف ہونے کی وجہ سے خاصا رش تھا۔ ایبٹ آباد سے آتے آتے خاصا ٹائم ہو گیا۔ ان کی گاڑی پارکنگ میں آکر رکی ہی تھی کہ فون بج اٹھا۔ ایمل کی کال دیکھ کر وہ چونک گئے۔

"ہیلو... وعلیکم السلام... آئی ایم فائن۔ تھینکس... ہاں کیوں نہیں ویسے سب خیریت ہے نا۔ ٹھیک ہے میں دو منٹ تک آتا ہوں۔"

☼ ☼ ☼

جیسے ہی دروازے پر دستک ہوئی اس نے جلدی جلدی تمام فالتو چیزیں ٹیبل سے سمیٹ لیں اور دوپٹا ٹھیک کرتی ہوئی دروازے تک آئی۔

"پلیز... آئیے..." دروازہ کھول کر اس نے مسکراتے ہوئے میجر صاحب کا استقبال کیا۔

"شکریہ..." اندر آتے ہی ان کی نظر سینٹر ٹیبل پر پڑی تو وہ چونک کر پلٹے۔

"یہ سب کیا ہے بھئی؟" ٹیبل پر کیک' گلاب کے پھول اور ایک بہت خوب صورت ہارٹ شیپ پنک کارڈ رکھا ہوا تھا۔

"آج میرا برتھ ڈے ہے۔" اس نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

"مینی مینی ہیپی برتھ ڈے۔ ویسے یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے' تم پہلے بتا دیتیں تو میں تمہارے لیے کوئی گفٹ لے کر آتا۔"

"آپ کا آنا ہی میرے لیے سب سے بڑا گفٹ ہے۔" اس کی اس بات پر میجر صاحب چند لمحے چپ کے چپ رہ گئے۔ ایمل نے کیک کا پیس کاٹ کر سلیقے سے پلیٹ میں رکھ کر میجر صاحب کی طرف بڑھایا۔

"ارے بھئی' میری کمپنی میں تم کہاں انجوائے کرو گی' بہتر تھا تم کاشان کو بلا لیتیں۔"

"نہیں مجھے صرف آپ کو بلانا تھا۔" ایمل کے ہونٹوں پر دل فریب مسکراہٹ تھی۔ وہ اس کی بات اور مسکراہٹ پر کچھ الجھ سے گئے۔

"کیوں صرف مجھے ہی کیوں..."

"کیونکہ میرے پاس آپ کے لیے کچھ ہے۔" اس نے کارڈ کی طرف اشارہ کیا۔ انہوں نے پلیٹ ٹیبل پر رکھ کر کارڈ اٹھالیا۔ اندر جو کچھ لکھا تھا وہ ان کے ہوش اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔

☼ ☼ ☼

میجر صاحب نے حیرت اور بے یقینی سے ایمل کی طرف نگاہ اٹھائی' اس کی نگاہیں حیا کے بار سے جھکی ہوئی تھیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

"ایمل۔۔۔ یہ سب کیا ہے۔" انہیں اپنی ہی آواز بہت دور سے آتی سنائی دی۔ "مجھے تم سے اس بچکانہ حرکت کی توقع نہیں تھی۔" کچھ نہ سمجھتے ہوئے ایمل نے سر اٹھا کر انہیں دیکھا۔ "میں نے۔۔۔ میں نے کبھی تمہارے لیے ایسے نہیں سوچا۔ تم مجھے بہت پسند ہو۔ اچھی لگتی ہو۔ بہت عزیز ہو مجھے پر یقین کرو' میں تو ہمیشہ تمہیں تصور میں کاشان کے ساتھ کھڑے دیکھتا رہا۔ اف بے وقوف لڑکی! یہ کیا کردیا تم نے۔۔۔" ان کی باتوں پر ایمل کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

کاشان کی جن باتوں کو وہ خطرے کی گھنٹی سمجھی تھی وہ میجر صاحب کی باتوں میں بم کی طرح پھٹیں۔ وہ دکھ سے ایمل کی طرف دیکھتے ہوئے جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایمل بھی ان کے ساتھ اٹھی' پر شدت غم سے نہ کچھ بول سکی نہ روک سکی۔ ایک دفعہ پھر اس کی برتھ ڈے پر اس کی محبت موت کے گھاٹ اتر گئی تھی۔

❋ ❋ ❋

"جہاں زیب۔۔۔" سفینہ بیگم نے میجر صاحب کی کھانے سے بے رغبتی دیکھ کر انہیں پکارا۔

"جی۔۔۔ جی ماں۔۔۔" میجر صاحب پلیٹ میں تھوڑے سے چاول نکال کر صرف ان میں چمچہ گھما رہے تھے۔ دھیان ان کا کہیں اور تھا' ماں کے پکارنے پر بری طرح چونک گئے۔

"کیا بات ہے' بیٹے آج بہت کھوئے کھوئے سے لگ رہے ہو' کھانا بھی صحیح طرح سے نہیں کھا رہے' کوئی پریشانی ہے کیا۔"

"نہیں ماں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں' میں ٹھیک ہوں' بس ویسے ہی آج کھانے کا موڈ نہیں بن رہا۔" میجر صاحب نے اپنی کیفیت چھپائی۔

"ڈونٹ وری دادو! بابا اب بوڑھے ہو رہے ہیں اور بوڑھے لوگوں کو زیادہ بھوک نہیں لگتی۔" کاشان نے شرارت سے باپ کی طرف دیکھا۔

"ارے ہٹ کمینے۔۔۔ ابھی تو میں بوڑھی نہیں ہوئی' میرا اتنا خوبرو بیٹا کیسے بوڑھا ہو جائے گا۔" سفینہ بیگم نے تنک کر پوتے کو جواب دیا۔

"کیا بات ہے دادو آپ کی' پھر آپ اپنے خوبرو بیٹے کے لیے کوئی لڑکی کیوں نہیں ڈھونڈتیں۔ ان کا اصل پرابلم تنہائی ہے۔" کاشان کی اس بات پر میجر صاحب پہلو بدل کر رہ گئے۔

ایک دم ایمل کا چہرہ ان کی نگاہوں کے سامنے گھوم گیا۔

"میں کیا کروں' میں تو زمانوں سے کہہ رہی ہوں' شادی کرلو' یہ میری سنے تب نا۔ اب تم ہی سمجھا کر دیکھ لو' شاید تمہاری مان لے۔" سفینہ بیگم نے پیار سے بیٹے کی طرف دیکھا۔

"کیوں بابا' کیا خیال ہے ڈھونڈیں پھر آپ کے لیے کوئی لڑکی۔ بہتر ہے آپ میری شادی سے پہلے ہی شادی کرلیں۔ کیونکہ بعد میں کریں گے تو پھر میری فیری پر آپ کا کوئی اچھا امپریشن نہیں پڑے گا۔" کاشان کا لہجہ شرارت سے بھرپور تھا۔

"اسٹاپ اٹ' لیو دس ٹاپک۔" میجر صاحب جھٹکے سے اٹھے اور غصے میں کہتے چلے گئے۔

کھانے کی میز پر بیٹھے دادی' پوتے نے ایک دوسرے کی شکل دیکھی اور آہستہ سے اپنی اپنی پلیٹوں پر جھک گئے۔ دونوں کے لیے میجر صاحب کا رویہ مبہم تھا۔ آج سے پہلے وہ کبھی ماں بیٹے کے ساتھ اس موضوع پر تلخ نہیں ہوئے تھے۔

❋ ❋ ❋

ایمل کے سامنے اس کی دنیا اندھیر ہو چکی تھی۔ میجر صاحب کے جانے کے بعد سے وہ سخت اذیت اور تکلیف میں تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ ہوا کیا۔ اس کے دکھ سمیٹنے والا شخص اس کے نازک جذبوں کو یوں کرچی کرچی کرجائے گا' وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ نارسائی کا کرب اور محبت میں ناکامی کی اذیت اس کے وجود میں اتر گئی۔ صبح تک رو رو کر اس کی آنکھیں سوج چکی تھیں' جس وقت

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

شہرین کا فون آیا وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔ ساتویں، آٹھویں گھنٹی پر اس نے فون اٹھایا۔

"شہرین۔۔۔ پلیز۔۔۔ یہاں آجاؤ۔" یہ کہہ کر ایمل پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"ایمل۔۔۔ ایمل کیا ہوا ہے، تم ٹھیک تو ہو۔ اچھا اچھا روؤ نہیں، میں آرہی ہوں، تم گھبراؤ نہیں، بس میں ابھی آرہی ہوں۔" ایمل کے رونے پر شہرین گھبرا گئی اور اس کے پیچھے کھڑی رخسانہ آنٹی بھی اور پھر کچھ ہی دیر میں دونوں ایمل کے پاس پہنچ گئیں۔

***

"جہاں زیب! میں کل سے دیکھ رہی ہوں بیٹے تم پریشان ہو۔ تمہاری آنکھوں کی سرخی بتا رہی ہے کہ کوئی بات ایسی ہے جو تمہیں پریشان کر رہی ہے۔ اب ماں کو بھی نہیں بتاؤ گے کیا۔" سفینہ بیگم نے میجر صاحب کے کاندھے پر ہاتھ رکھا۔ وہ ان کے کمرے میں انہیں چائے کے لیے بلانے آئیں تھیں۔

"کیا بتاؤں ماں آپ کو، کچھ بھی نہیں ہے۔" ان کی نظریں دور خلاؤں میں کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔

"نہیں بیٹے، کچھ تو ہے۔ تم بتانا نہ چاہو تو یہ اور بات ہے۔"

"آپ جانتی ہو کہ ماں میں آپ سے کچھ نہیں چھپا سکتا۔ بات یہ ہے کہ۔۔۔" اور پھر انہوں نے سب کچھ سفینہ بیگم کو بتا دیا۔ کچھ دیر دونوں ماں بیٹے کے درمیان خاموشی حائل رہی، پھر سفینہ بیگم نے میجر صاحب کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تمہیں کیا لگتا ہے جہاں زیب تم نے ایمل کے ساتھ صحیح کیا۔"

"میں سمجھا نہیں ماں۔"

"بیٹے! وہ تو پہلے ہی محبت کا دکھ اٹھائے ہوئے تھی۔ تم اس کے دکھوں میں اور اضافہ کر آئے۔" سفینہ بیگم کو ایمل کا دکھ اپنے دل میں محسوس ہو رہا تھا۔

"اس بات کا مجھے بھی افسوس ہے ماں، پر آپ ہی بتائیں میں کیا کرتا، وہاں ایک انتہائی اوڈ سچویشن تھی میرے لیے اور پھر میرا اور اس کا کیا جوڑ بنتا ہے۔"

"جوڑے بنانے والی ذات تو میرے رب کی ہے بیٹے، ہماری غلطی یہ ہے کہ ہم خود ساختہ جوڑے اپنے ذہنوں میں بنا کر حقیقت میں ان کے ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔ تم نے یہ کیوں سوچ لیا کہ تم جو کاشان کے ساتھ اسے تصور میں ساتھ کھڑا دیکھ رہے ہو تو حقیقت میں بھی وہ اس کا ساتھ قبول کرے گی، وہ ایک جیتی جاگتی انسان ہے جہاں زیب! اس کے بھی جذبات ہیں پسند، ناپسند کا حق اسے بھی حاصل ہے، اس بات کے بعد تم نے ایک دفعہ بھی یہ جاننے کی کوشش کی کہ اس کے دل پر کیا گزری ہوگی؟" میجر صاحب نے کچھ شرمندہ ہو کر سر جھکا لیا۔

***

ایمل کی جسمانی حالت کافی حد تک سنبھل چکی تھی۔ پر اس کی ذہنی حالت اب تک ابتر تھی۔ اقبال انکل، رخسانہ آنٹی اور شہرین تینوں ہی اس کے لیے فکر مند تھے۔ شہرین اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گئی تھی پر اس نے جو چپ کا روزہ رکھا تھا وہ ٹوٹنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ اسے رہ رہ کر خود پر غصہ آرہا تھا۔ ایک دفعہ محبت میں بے وفائی کا منہ دیکھنے کے لیے بعد اسے کسی اور طرف دیکھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ ایک بار پھر زندگی اس کے ساتھ مذاق کر چکی تھی۔ اب دور، دور تک اس کے سامنے اندھیرا ہی اندھیرا تھا ایسے میں اس نے اپنے لیے ایک فیصلہ کیا اور اقبال انکل کے پاس آگئی۔ وہ اپنے بیڈ روم میں آفس جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے، کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔

"آؤ بیٹا۔ ٹھیک ہو، اب طبیعت کیسی ہے۔" انہوں نے اسے دیکھ کر پیار سے پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں انکل۔۔۔ وہ مجھے آپ سے ایک بات کرنی تھی۔"

"ہاں۔۔۔ ہاں۔۔۔ کہو۔۔۔ بلکہ پہلے تم ایسا کرو بیٹھ جاؤ۔ پھر آرام سے بات کرتے ہیں۔" انہوں نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

"انکل میں واپس جانا چاہتی ہوں۔"
"تھوڑی طبیعت اور سنبھل جائے تو چلی جانا' ابھی کچھ دن اور ہمارے پاس رہ کر آرام کرلو۔"
"انکل میں مارگلہ ٹاور جانے کی بات نہیں کر رہی ہیں' نیویارک واپس جانا چاہتی ہوں۔" اس نے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنساتے ہوئے کہا۔
"واٹ؟ یہ تم کیا کہہ رہی ہو ایمل۔" اس کی بات سے انہیں حیرت کا شدید جھٹکا لگا۔ "وہاں جاکر تم کیا کروگی اور اب ہے ہی کون وہاں پر۔۔۔۔"
"یہ ٹھیک ہے انکل کہ اب میرا وہاں پر کوئی بھی نہیں' پر میرا گھر ہے۔ پاپا کا اسٹور ہے۔ میں اب اپنی پراپرٹی خود سنبھالوں گی۔"
"ایمل بیٹے! تمہارے ساتھ ایسا کیا ہوا ہے کہ تمہارا یہاں سے دل ہی اچاٹ ہوگیا' تم تو بہت خوش تھیں یہاں' اپنے انکل کو بھی نہیں بتاؤ گی۔" انہوں نے بہت پیار سے ایمل کے سر پر ہاتھ رکھا۔ ایمل نے بہت مشکل سے اپنے آنسوؤں کو بہنے سے روکا۔
"انکل میں۔۔۔۔ میں کیا بتاؤں آپ کو۔۔۔۔ ایسی کوئی بات ہی نہیں۔ بس مجھے پاپا اور اپنا گھر بہت یاد آرہے ہیں۔ مجھے لگتا ہے میں مزید یہاں نہیں رہ سکوں گی۔ آپ پلیز میرا ٹکٹ ارینج کروادیں۔"
"ایمل! فرہاد کا اور میرا تعلق سگے بھائیوں سے بھی بڑھ کر تھا۔ میں اس کی اور تمہاری زندگی کے ہر دکھ سے آشنا تھا۔ اس لیے اس نے مرنے سے پہلے تمہاری ساری ذمہ داری مجھے سونپ دی تھی۔ میں تمہیں واپس بھیج کر فرہاد کی روح سے شرمندہ نہیں ہوسکتا۔ تم میرے لیے شہرین سے کم نہیں ہو۔ تمہاری' صرف تمہاری خوشی کے لیے میں نے تمہیں مارگلہ ٹاور میں رہنے کی اجازت دے دی تھی۔ ورنہ میرے گھر میں اور دل میں تمہارے لیے کمی نہیں ہے۔"
ایمل نے ممنونیت سے انہیں دیکھا' ان کی باتوں سے اسے احساس ہوا کہ ابھی دنیا میں ایک سائبان اس کے لیے باقی ہے۔
"تھینک یو انکل۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔"
"اگر مگر کچھ نہیں' تم امریکہ جانا چاہتی ہو' شوق سے جاؤ۔ مگر چند دن گھوم پھر کر واپس آجاؤ۔" ایمل نے کشمکش و پیچ کی کیفیت میں کچھ سوچا اور پھر ہامی بھرلی۔
آتے جاتے میجر جہاں زیب کی نظر ایمل کے اپارٹمنٹ کے بند دروازے پر پڑتی تو ان کا دل جیسے کوئی مٹھی میں لے لیتا۔ انہیں پتا چل گیا تھا کہ وہ جاچکی ہے۔ شکیل نے اسے انتہائی نڈھال حالت میں اپنی آنٹی اور شہرین کے ساتھ جاتے ہوئے دیکھا تھا۔
"آخر وہ کہاں جاسکتی ہے دادو۔ فون بھی ریسیو نہیں کررہی' آپ کو کچھ تو پتا ہوگا' پاپا بھی کچھ نہیں بتاتے اور آپ بھی۔۔۔۔ آخر ایسا کیا ہوگیا کہ وہ اچانک سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر چلی گئی۔" میجر صاحب گھر میں داخل ہوئے تو کاشان کی آواز کانوں میں پڑی۔
"بیٹا میں کیا بتاؤں' وہ کہاں چلی گئی' جانے سے پہلے وہ مجھ سے ملی ہوتی تو میں کچھ بتاتی' اب کیا بتاؤں۔" سفینہ بیگم نے پوتے سے نگاہیں چراتے ہوئے کہا۔
میجر صاحب چپ چاپ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے۔
"اور یہ پاپا کو کیا ہوگیا ہے دادو' اتنے خاموش خاموش رہنے لگے ہیں۔" کاشان کے اس سوال پر سفینہ بیگم کچھ نہ بول سکیں۔
وہ جھنجلا کر میجر صاحب کے کمرے میں آگیا۔ وہ کمرے میں نہیں تھے۔ باتھ روم سے شاور کی آواز آرہی تھی۔ وہ وہیں ان کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ ایمل کے متعلق ان سے تفصیلی بات کرنا چاہ رہا تھا۔ وقت گزاری کے لیے اس نے سائڈ ٹیبل پر رکھی کتاب اٹھالی۔ صفحے الٹتے پلٹتے اس کی نظر کتاب میں رکھے پنک کلر کے ہارٹ شیپ خوب صورت سے کارڈ پر پڑی۔ اس پر لکھا ایمل کا نام دیکھ کر وہ چونک گیا اور جب اس نے اندر لکھی تحریر پڑھی تو اسے اپنے آس پاس رکھی ہر چیز گھومتی محسوس ہوئی۔ وہ چپ چاپ

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اٹھا اور کارڈ لے کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

☆ ☆ ☆

ڈنر کے دوران وہ بہت خاموش تھا۔ یہ بات سفینہ بیگم اور میجر جہاں زیب دونوں ہی نے محسوس کی' ورنہ وہ تو چپ رہنا جانتا ہی نہ تھا۔ ہر وقت باتیں کرتا رہتا۔ گھر میں رونق لگائے رکھتا' کھانے کے بعد میجر جہاں زیب اپنے کمرے میں آئے تو وہ بھی ان کے پیچھے آگیا۔

"مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے بابا۔"

"یار! میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں' میں نہیں جانتا وہ کہاں ہے۔" وہ سمجھے شاید اب بھی وہ ایمل کے بارے میں پوچھنے آیا ہے۔

"میں اس کے متعلق پوچھ رہا ہوں' یہ کیا ہے۔" اس نے کمر کے پیچھے ہاتھ میں پکڑا ہوا کارڈ ان کے سامنے کیا۔ کارڈ دیکھ کر سگار سلگاتے ان کے ہاتھ لائٹر بند کرنا بھول گئے۔

"یہ تمہیں کہاں سے ملا۔" انہوں نے کانپتے ہاتھ سے لمبا کش لے کر سگار منہ سے نکالا۔

"اس بات کو چھوڑیں' یہ بتائیں کہ اگر آپ دونوں کے درمیان ایسا کچھ تھا تو آپ نے مجھے اندھیرے میں کیوں رکھا۔" اس کی آواز میں شکوہ ہی شکوہ تھا۔

میجر صاحب نے تڑپ کر اس کی طرف دیکھا۔

"میرے اور اس کے درمیان ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔" وہ بیٹے کو جواب دینے پر مجبور تھے۔ کیونکہ اس کے دل میں ایمل کا خیال انہوں نے خود ڈالا تھا۔ "یہ صرف اور صرف اس کے یک طرفہ جذبات ہیں۔"

"اگر واقعی ایسا ہے تو اس کے جانے کے بعد سے آپ اتنے اپ سیٹ کیوں ہیں؟ آپ کے لب خاموش ہیں' آپ کی آنکھوں میں دکھ ہے' آپ کی چال بھی سست ہے' کیوں بابا' آخر ایسا کیوں...؟" ان کا بیٹا حقیقت کے آئینے میں انہیں ان کی تصویر دکھا رہا تھا۔

"بابا ایمل میرے لیے وہ خیال تھی جو آپ نے میرے دل میں ڈالا تھا۔ اگر آپ فیئر تھے تو میرا خیال اس کے دل میں کیوں نہیں ڈالا۔" وہ آہستہ آہستہ چلتے اس کے قریب آئے اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"وہ محبت میں بے وفائی کا دکھ اٹھا چکی تھی۔ خیالی محبت سے اسے بہلایا نہیں جا سکتا تھا۔ میں نے اسے کبھی ایسا کوئی خواب نہیں دکھایا جس کی روشنی میں وہ میری محبت کے راستے پر چل پڑتی' وہ تنہا بے وقوف لڑکی' میری تھوڑی سی مسیحائی کو بہت سمجھ بیٹھی۔"

"میں اس کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتا ہوں۔" اس نے باپ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ انہوں نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلا دیا اور ایمل کی ساری کہانی کاشان کو سنا دی۔

☆ ☆ ☆

"میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔" مسیج سینڈ کر کے وہ ان کے جواب کے انتظار میں تھی۔

"اوکے... کہاں؟" جلد ہی اسے جواب مل گیا۔

اس نے آدھے گھنٹے بعد انہیں اپنے مارگلہ ٹاور والے اپارٹمنٹ میں ہی بلایا۔ وہ نیویارک جانے سے پہلے ایک بار ان سے ملنا چاہتی تھی۔ اس کے اپارٹمنٹ میں آنے کے تھوڑی دیر بعد ہی ڈور بیل بجی۔ دروازہ کھولا تو وائٹ شلوار قمیص پر براؤن مردانہ شال کندھوں پر ڈالے اپنی سنجیدہ شخصیت کے ساتھ وہ اس کے سامنے موجود تھے۔ اس نے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا' کچھ دیر دونوں ایک دوسرے کے سامنے بیٹھے' ایک دوسرے کو دیکھتے رہے' پھر بات کا آغاز ایمل نے کیا۔

"میں نے آپ کو یہ بتانے کے لیے بلایا تھا کہ میں نیویارک واپس جا رہی ہوں۔ جانے سے پہلے آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ آپ نے مجھے کیا سمجھا؟ ایک کٹھ پتلی کہ جس کی ڈور ہلائی اور جس کے ساتھ چاہا اس کے ساتھ کر دیا یا کوئی جذبات سے عاری کھلونا' اٹھایا اور بچے کا دل بہلانے کے لیے اسے دے دیا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میجر صاحب نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے، پھر سختی سے بھینچ لیے انہوں نے بہتر جانا کہ پہلے وہ اپنے دل کا غبار نکال لے۔

"آپ نے میرے ساتھ ایسا کیوں کیا؟ آپ مجھے قبول نہ کرتے تو شاید مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا میں سمجھ لیتی کہ میرے جذبوں میں اپنا آپ منوانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے، پر خود ہی فیصلہ کرکے خود ہی مجھے کسی اور کے ساتھ کیوں جوڑ دیا۔ میری اپنی ذات آپ کی نظر میں کچھ بھی نہیں تھی۔ آپ تو سب کچھ جانتے تھے، ایک لمحے کے لیے بھی آپ نے یہ نہیں سوچا کہ آپ کی یہ بات میرے دل کو کتنا دکھائے گی۔" شدت جذبات سے ایمل کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"بس کہہ چکیں، جو کہنا تھا۔ اب جس طرح میں نے تمہیں سنا، تم بھی مجھے سننا اور پھر صحیح اور غلط کا فیصلہ کرنا۔" انہوں نے اپنی جیب سے رومال نکال کر ایمل کی طرف بڑھایا۔

"میں تمہارے لیے دکھ کا باعث بنا، مجھے افسوس ہے، پر ابھی تم نے ایک بات کہی کہ میں نے تمہیں خود ہی کسی کے ساتھ کیوں جوڑ دیا۔ تم مجھے بتاؤ، تم نے خود ہی مجھے اپنے ساتھ کیوں جوڑ لیا، میں نے کب کہاں تمہیں خود تک آنے کی راہ دکھائی۔ جب میں نے تمہیں پہلی بار دیکھا تو تمہاری آنکھیں اور مسکراہٹ مجھے بالکل اس پری جیسی لگیں جس کی کہانی میں بچپن میں کاشان کو سناتا تھا۔ اس پری کی آنکھیں سبز تھیں اور وہ اپنی مسکراہٹ سے لوگوں پر سحر پھونکتی تھی۔ کاشان چھ سال کا تھا جب اس کی ماں کی ڈیتھ ہوئی۔ وہ رات میں ماں کے لیے بے چین ہوتا تھا۔ تب میں نے اسے یہ کہانی سنانا شروع کی، وہ کہانی تمہاری ذات کو شان سے متعارف کرانے کا بہانہ بن گئی۔ اس کے بعد جب بھی میری شان سے بات ہوتی وہ تمہارا ضرور پوچھتا تھا۔ تمہیں میں نے اس کے بارے میں کچھ اسی لیے نہیں بتایا کہ میں چاہتا تھا تم اس سے مل کر خود فیصلہ کرو، پر اس سے پہلے ہی تم میرے لیے سوچو گی، یہ تو میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا، جبکہ میں تمہیں بتا

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے۔
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔

قیمت۔/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری کے مراحل بہت مشکل ہیں لہذا یہ تھوڑی مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں یا کسی دوسرے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں دستی خریدا جاسکتا ہے، ایک بوتل کی قیمت صرف۔/150 روپے ہے، دوسرے شہر والے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل سے منگوالیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھجوائیں۔

2 بوتلوں کے لئے ---------- -/350 روپے
3 بوتلوں کے لئے ---------- -/500 روپے
6 بوتلوں کے لئے ---------- -/1000 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ:

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

چکا تھا کہ میری محبت تمینہ کے ساتھ ہی مر گئی ہے۔"

"پر آپ نے یہ بھی تو کہا تھا کہ کسی کی محبت آپ کے لیے پاور فل ہوئی تو اپنا آپ منوا لے گی۔"

انہوں نے دکھ سے اس کی طرف دیکھا۔ "اب میں تمہاری اس بات کا کیا جواب دوں۔ کہیں ایک بار پھر تمہارا دل نہ ٹوٹ جائے۔" ان کی اس بات نے ایمل کو سمجھا دیا کہ اس کی محبت اپنا بھرم کھو چکی ہے۔

"تم جا رہی ہو میں تمہیں روکنے کا حق نہیں رکھتا' پر جانے انجانے میں جو تکلیف تمہیں مجھ سے پہنچی اس کے لیے میں معذرت چاہتا ہوں سوری۔۔۔" یہ کہہ کر وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے وہ بھی ان کے ساتھ ہی اٹھ گئی اور جب وہ دونوں اپارٹمنٹ سے باہر آئے تو اسی وقت لفٹ سے کاشان باہر آیا۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر تینوں ہی اپنی جگہ کچھ لمحوں کے لیے جم سے گئے۔

کاشان کو اپنا وجود وہاں انتہائی غیر ضروری لگا اور وہ تیز قدموں سے چلتا اپنے اپارٹمنٹ میں چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

میجر صاحب اپارٹمنٹ میں داخل ہوئے تو سفینہ بیگم سامنے ہی لاؤنج میں ان کی منتظر تھیں۔ جس وقت ایمل کا میسج آیا تھا میجر صاحب سفینہ بیگم کے ساتھ ہی تھے۔

"جہاں زیب!" میجر صاحب کترا کر نکل جانا چاہتے تھے۔

"جی ماں۔۔۔" انہوں نے پیچھے مڑے بغیر جواب دیا۔

"تم نے بتایا نہیں بیٹے' کیا بات ہوئی۔"

"وہ آج رات نیویارک واپس جا رہی ہے ماں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" یہ کہہ کر وہ اپنے کمرے میں چلے گئے اور سفینہ بیگم کی نگاہیں بہت دیر تک بند دروازے پر جمی رہیں۔ میجر صاحب کے الفاظ اپنے کمرے کے کھلے دروازے سے کاشان نے با آسانی سن لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

نہ جانے کتنی دیر سے وہ غیر مرئی نقطے پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ ان کے مخصوص سگار کی خوشبو پورے کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ ایک عجیب سا احساس ان کے پورے وجود پر چھایا ہوا تھا۔ وہ خود سے لڑ لڑ کر تھک گئے تھے۔ وہ اسے صاف صاف بتا آئے تھے کہ اس کی محبت میں وہ پاور نہیں ہے جو ان کا دل جیت لے' تو پھر اب دل اس کے لیے دکھی کیوں ہو رہا تھا۔ دروازے پر ہونے والی دستک نے انہیں چونکا دیا۔

"کاشان تم۔۔۔ آؤ بیٹا۔" وہ دھیرے دھیرے چلتا آیا اور صوفے کے پاس ان کے قدموں میں بیٹھ گیا۔

"ارے' یہ کیا کر رہے ہو یار۔۔۔ ادھر میرے ساتھ بیٹھو۔" پر وہ اپنی جگہ سے ہلا نہیں' نیچے بیٹھا رہا۔

"بابا۔۔۔ میں آپ سے کچھ مانگنے آیا ہوں' منع تو نہیں کریں گے۔"

"بیٹے میرے بس میں ہوا تو ضرور۔۔۔ بولو کیا چاہیے۔" انہوں نے اس کے بازوؤں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"بابا۔۔۔ آپ ایمل کو روک لیں۔" اس کی بات سن کر انہوں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ وہ جلدی سے بول اٹھا۔ "بابا یہ میں اپنے لیے نہیں کہہ رہا۔" "میں آپ کے لیے کہہ رہا ہوں بابا' آپ اپنے لیے اسے روک لیں۔" اس کی آنکھوں میں التجا سی تھی۔

"بابا آپ کب تک تنہا رہیں گے۔ آپ کو ایک محبت کرنے والے ساتھی کی بہت ضرورت ہے اور وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے بابا' میرے دل میں اس کے لیے کچھ نہیں ہے بابا' کیونکہ یہ وہ فیری ہے ہی نہیں جس کی کہانی آپ مجھے سنایا کرتے تھے۔"

"تم غلط سمجھ رہے ہو بیٹے' شاید تم ہم دونوں کو ساتھ دیکھ کر بدگمان ہو۔ یقین کرو میں نے ایمل کو کبھی بھی خود سے جوڑ کر نہیں دیکھا۔"

"میں بدگمان نہیں ہوں بابا' مجھے آپ پر یقین ہے' پر آپ جو چاہ رہے تھے وہ نہیں ہو سکتا' تو پھر مجھے تو یہاں رہنا ہی نہیں ہے بابا! وہاں انگلینڈ میں میری

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

دوست کمیرا میری منتظر ہے' مجھے بہت چاہتی ہے۔ میں خود بھی اس میں انوالو ہو جاتا جو آپ اگر مجھے سبز آنکھوں والی فیری کے چکر میں نہ الجھا دیتے۔"

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو کاشان' آج سے پہلے تم نے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا۔" انہوں نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ایسا کوئی موقع ہی نہیں آیا بابا کہ میں آپ سے ذکر کرتا' پر آج اس بات کو چھپا کر میں سیلفش نہیں ہو سکتا۔ آپ ایمل کو روک لیں بابا پلیز۔۔۔ اسے اس کی محبت ملنی چاہیے۔ پہلے وہ اپنی ماں کی وجہ سے محبت سے محروم ہوئی اور اب آپ کے بیٹے کی وجہ سے اس کی محبت نہیں چھننی چاہیے۔" اس نے ان کے دونوں گھٹنوں پر زور ڈالتے ہوئے کہا۔

"پلیز بابا۔۔۔" اور اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچا اب وہ انکار نہیں کر سکیں گے۔ یہ سوچ کر وہ دھیرے سے مسکرا دیے۔

انکل اقبال سے اپنی پراپرٹی کے متعلق ہدایات اور اپنا خیال رکھنے کی نصیحت سن کر وہ رخسانہ آنٹی سے ملی۔ انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا کر ڈھیروں دعائیں دیں' پھر وہ شہرین کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ایئرپورٹ کی طرف چل دی۔ راستے میں مارگلہ ٹاور کے سامنے سے گزرتے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ ایئرپورٹ پہنچ کر اس نے اپنا سامان ٹرالی میں رکھا۔ آخری بار شہرین سے گلے ملی۔ شہرین نے جلد واپس آنے کا وعدہ لیا تو ایمل دکھی دل سے مسکرا دی۔

بورڈنگ پاس لے کر اس نے اپنا سامان ایئرلائن کے عملے کے حوالے کیا اور خود ہینڈ کیری لے کر ڈیپارچر لاؤنج کی طرف آ گئی۔ فلائٹ کی روانگی میں ابھی وقت باقی تھا۔ وہ ایک سائیڈ پر لگائی جانے والی کافی ساری سیٹوں میں سے ایک سیٹ پر بیٹھ گئی بڑے بڑے شیشوں کے پار رن وے کا منظر دیکھتے ہوئے اس کا ذہن نہ جانے کن سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ اسے احساس بھی نہ ہوا کہ کوئی چپکے سے اس کے ساتھ آ کر بیٹھ گیا ہے۔ مخصوص سگار کی خوشبو پر ایک دم اس نے چونک کر اپنے دائیں جانب بیٹھے شخص کو دیکھا تو پھر دیکھتی رہ گئی۔

"آپ۔۔۔؟ یہاں۔۔۔؟" اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیے۔ تو اسے یاد آ گیا کہ کس بے دردی سے وہ اس کا دل توڑ گئے تھے۔

"اب کیوں آئے ہیں یہاں۔۔۔" اس نے نم آنکھوں کے ساتھ شکوہ کیا۔

"میرا یہاں موجود ہونا اس بات کا ثبوت ہے کہ تمہاری پاور فل محبت اپنا آپ منوا چکی ہے۔ اب تم اکیلی نیویارک نہیں جاؤ گی۔ ہم دونوں ساتھ جائیں گے۔" اسے لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔

"سچ۔۔۔" اس نے بے یقینی سے پوچھا۔ تو انہوں نے اس کا ہاتھ تھام کر یقین دلاتے ہوئے کہا۔

"بالکل سچ۔۔۔ لیکن ابھی نہیں کچھ دنوں بعد۔۔۔" انہوں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا تو وہ کھل کر مسکرا دی اور پہلی بار میجر جہاں زیب کو لگا کہ سبز آنکھوں والی فیری کی مسکراہٹ ان کے دل پر سحر پھونک رہی ہے۔

☆

خواتین کے لیے خوبصورت تحفہ
خواتین کا گھریلو انسائیکلوپیڈیا
کا نیا ایڈیشن قیمت -/750 روپے
کے ساتھ کھانا پکانے کی کتاب
کھانا خزانہ
قیمت -/225 روپے بالکل مفت حاصل کریں۔
آج ہی -/800 روپے کا منی آڈر ارسال فرمائیں۔
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

مہ ناز یوسف

داستان الم

میں اپنے آگے ڈھیروں کاغذ رکھے ہاتھ میں پین تھامے کسی مزاحیہ کہانی کا پلاٹ سوچ رہی تھی۔

"آج میری ڈائجسٹ کی مدیرہ سے موبائل پر بات ہوئی تھی۔ وہ میری کہانی کی بہت تعریف کر رہی تھیں کہہ رہی تھیں کہ آپ مزاحیہ کہانی لکھیں۔ آپ میں مزاح لکھنے کی صلاحیت ہے۔"

میں نے قریب بیٹھے اپنے شوہر جلال کو سناتے ہوئے کہا۔ بھئی انہیں بھی تو معلوم ہو میری صلاحیتوں کا بہت ناکارہ سمجھتے ہیں مجھے۔

"اچھا!! ویسے شادی کے ان دس سالوں میں ڈھیروں صلاحیتیں تو دیکھی ہیں تمہاری 'لڑائی کی صلاحیت' طنز کی صلاحیت' غصے کی صلاحیت' کام چوری کی صلاحیت۔ نہیں دکھائی دی تو مزاح کی صلاحیت ہی نظر نہیں آئی کبھی۔" جلال کا لہجہ حد درجہ مذاق اڑاتا ہوا تھا۔

"آپ کو کیوں میری کوئی خوبی دکھائی دینے لگی۔ خامیاں دیکھنے سے فرصت ملے تو خوبیوں کی طرف نظر جائے گی ناں۔"

"تمہاری خامیاں ختم ہوں تو ناں۔ ابھی ایک خامی پوری طرح عیاں بھی نہیں ہوتی مجھ پر کہ دوسری خامی لپکتی جھپکتی دکھائی دینے لگتی ہے۔" اب جلال شیشے کے آگے کھڑے اپنا معائنہ کر رہے تھے۔ یقیناً باہر جانے کا ارادہ تھا۔

"اتنی ہی بری تھی میں، تو کیوں کی تھی مجھ سے شادی۔" مجھے شدید غصہ آیا۔

"ہماری پھپھو نے بتایا تھا رشتہ' انہوں نے ہی پھنسا دیا مجھے۔" جلال نے میری معلومات میں قدرے اضافے کی خاطر کہا۔

"ہاں آپ ہی کی پھپھو نے مجھے بھی پھنسا دیا۔ پھنسانے میں تو ماہر تھیں۔ اللہ جنت نصیب کرے آپ کی پھپھو کو۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو پھپھو تو زندہ ہیں۔" جلال کے اپنے بال سنوارتے ہاتھ رک چکے تھے۔

"ارے زندہ ہیں تو کیا ہوا۔ کبھی تو مریں گی وہ۔ میں تو مرنے کے بعد کے لیے دعا کر رہی ہوں۔"

میں نے حد درجے اطمینان کا مظاہرہ کیا۔ دل میں ٹھنڈک سی پڑ گئی تھی جلال کو تپتا دیکھ کر۔ تب ہی جلال کی بھانجی پری وش میرے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ وہ کچھ دنوں کے لیے ہمارے گھر رکنے آئی تھی۔

"مامی! کتنی بری بات ہے۔ آپ اپنی پھپھو ساس کے لیے ایسی بات کر رہی ہیں۔ آپ کی کہانیوں کی ہیروئن تو اتنی باادب اور تمیز و تہذیب والی ہوتی ہے اور آپ۔"

پری وش سترہ سال کی تھی اور ڈائجسٹ پڑھنے کی میری ہی طرح شوقین تھی۔ تب ہی ہم دونوں کی خوب بنتی تھی۔ اور وہ بہانے بہانے سے ہمارے گھر رکنے چلی آتی تھی۔

"پری وہ میری کہانی کی ہیروئن ہوتی ہے۔ تمیز و تہذیب والی ہونا اس کی مجبوری ہے۔ جبکہ میں رائٹر ہوں مجھ پر ایسی کوئی مجبوری لاگو نہیں ہوتی۔"

"کتنی کہانیاں چھپ چکی ہیں تمہاری۔" جلال نے پوچھا۔

"ایک۔" میں نے فخریہ بتایا۔

"اچھا' باقی کی آٹھ کہانیاں کیا ناقابلِ اشاعت

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

Downloaded From
Paksociety.com

تھیں۔" جلال نے کہا تو میں حق دق رہ گئی۔ انہیں کس نے بتایا کہ میری بھیجی ہوئی تو کہانیوں میں سے صرف ایک کہانی شائع ہوئی ہے۔

میں نے شک بھری نگاہ پری پر ڈالی۔ اس نے اشارے سے کہا کہ "میں نے نہیں بتایا ماموں کو۔"

"جی نہیں۔ وہ بھی آہستہ آہستہ شائع ہوں گی۔ اب ہر مہینے تو میری ایک کہانی شائع نہیں کر سکتیں ناں وہ۔" میں نے بات بنانے کی کوشش کی۔

"ہاں بھئی انہیں اپنا ڈائجسٹ بند تھوڑی کروانا ہے۔ ویسے ایک سو کہانیاں لکھنے والی رائٹر کو بھی اتنا غرور نہ ہوگا جتنا تم اتراتی پھرتی ہو، وہ بھی صرف ایک کہانی لکھ کر۔" وہ ہر وقت "میری کہانی، میری کہانی" کی گردان سے تنگ آچکے تھے۔

"ماں اگر آپ مشہور رائٹر بن گئیں اور ڈائجسٹ والوں نے آپ کا انٹرویو کیا اور آپ کی تعلیم پوچھی تو؟" پری کو انوکھی بات سوجھی۔

"تو تو۔" میں نے تھوڑی دیر سوچا۔ "تو کہہ دوں گی کہ ایم ایس سی کیا ہے یا پھر ڈبل ایم اے یا پھر ایم بی اے تک تعلیم بتادوں گی۔"

"ہائے اللہ ماں! آپ جھوٹ بولیں گی۔" پری نے حیرت سے کہا۔

"تو کیا ہوا۔ انٹرویو پڑھنے والوں نے کون سا میری ڈگری چیک کرنی ہے آکر یا پھر شاہین رشید کہیں گی کہ پہلے اپنی ڈگری دکھاؤ بعد میں انٹرویو شائع ہوگا۔"

"لیکن ماں! آپ تو میٹرک فیل ہو ناں۔" پری کے کہنے پر مجھے حیرت کا جھٹکا لگا۔

"ہم ہائے ہائے، کس نے کہہ دیا تم سے۔ میں نے میٹرک پاس کرلیا تھا۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"مامی! مجھے تو ماموں نے بتایا تھا کہ آپ میٹرک میں فیل ہوگئی تھیں۔" پری نے جلال کی طرف اشارہ کیا۔

"پری! تمہارے ماموں کا تو بس نہیں چلتا کہ مجھے انگوٹھا چھاپ ثابت کردیں۔" میں نے جل کر جلال کو دیکھا۔

"ہاں واقعی تم پر میرا بس نہیں چلتا ورنہ۔" جلال کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"ہاں ہاں بولیں ناں دل کی بات کہ بس نہیں چلتا ورنہ بس تمہارے اوپر ہی چڑھادوں۔"

"میں نے ایسا تو نہیں کہا۔" جلال مسکرادیے۔

"مامی آپ اپنا نام چینج کر کے کوئی اچھا سا نام رکھ لیں۔ نیا اور یونیک۔" پری نے بات بدلنے کی کوشش کی۔ اور واقعی وہ میرے غصے کو کم کرنے میں کامیاب بھی ہوگئی۔

"ہم' میں بھی سوچ رہی ہوں کہ اپنا نام تبدیل کرلوں۔ زبیدہ جلال نام سے ہی زبیدہ طارق کا سراپا ذہن میں آتا ہے۔ سب قاری بہنیں مجھے بوڑھی سمجھتی ہوں گی۔ ایک تو امی ابو نے اتنا پرانا نام رکھا زبیدہ پھر ابو کا نام بھی بشیرالدین اور شادی کر کے میاں جی بھی قدیمی نام والے پلے باندھ دیے۔"

میں نے خفگی بھری نگاہ جلال پر ڈالی۔ "میں سوچ رہی ہوں کہ رشک حنا یا پھر رشک صبا نام رکھ لوں۔"

"ہاں مامی' پھر سب آپ کو سولہ سترہ سال کی لڑکی سمجھیں گے۔ ویسے اتنی زیادہ عمر بھی نہیں ہے آپ کی۔" پری خوش ہوگئی تھی میرے نام بدلنے کے فیصلے سے۔

"اتنی زیادہ کیا' کتنی بھی زیادہ عمر نہیں ہے میری۔ بارہ سال کی تھی تب تو تمہارے ماموں سے شادی ہوگئی تھی میری۔"

"اتنا جھوٹ بھی نہ بولو۔ بارہ سال کی عمر میں کون سا میٹرک ہوجاتا ہے۔" جلال مجھے جلانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔

"اور ماموں آپ اس دن مجھے بتا رہے تھے کہ جب آپ کی مامی سے شادی ہوئی تب مامی کو میٹرک کیے ہوئے بھی سالوں ہوگئے تھے۔" پری نے جلال سے کہا۔

"اپنے ماموں کی بھی خوب کہی تم نے۔ یہ تو اس پوری دنیا میں ماسوائے اپنے کسی اور کو تو جوان سمجھتے ہی نہیں۔" جلال کی بجائے میں نے پری کو جواب دیا۔

"مرد اور گھوڑا کبھی بوڑھا نہیں ہوتا۔" جلال نے کہاوت کے ذریعے اپنی جوانی ظاہر کرنا چاہی۔

"کاش آپ کے بجائے کسی گھوڑے سے ہی شادی ہوجاتی میری تو اچھا تھا۔ اتنے کیڑے تو نہ نکالتا مجھ میں 'بس ہنہنا تا ہی رہتا۔" میں نے غصے میں بے سروپا بات کی۔

"زبیدہ! شکر کرو کہ مجھ سے شادی ہوگئی تمہاری' ورنہ گھوڑا تو کیا گدھا بھی منہ نہ لگاتا تمہیں۔" جلال کے ہونٹوں پر شرارتی مسکراہٹ بکھری۔ پری بھی زیر لب مسکرادی۔

"اب بھی جس سے شادی ہوئی ہے' وہ کسی گدھے سے کم ہے کیا۔" میں منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"کیا کہہ رہی ہو۔" جلال نے مشکوک نظروں سے مجھے دیکھا۔ "مجھے برا بھلا کہہ رہی ہو۔"

"برا بھلا نہیں صرف برا ہی برا کہہ رہی ہوں۔

شادی کے سالوں بعد بھی مجال ہے جو ایک بھی اچھا لفظ آپ کے منہ سے اپنے لیے سنا ہو۔ آپ کہانی کے ہیروز کو تو دیکھیں' کیسے اپنی ہیروئن کی تعریفیں کرتے ہیں اور ایک آپ ہیں۔"

"وہ کہانی کی ہیروئن کا ہیرو ہوتا ہے۔ ہیروئن کی تعریفیں کرنا اس کی مجبوری ہے جبکہ میں کہانی کی رائٹر کا شوہر ہوں۔ مجھ پر ایسی کوئی مجبوری لاگو نہیں ہوتی۔" جلال نے میری کہی بات ہی واپس مجھے لوٹا دی تو میں نے

"جلال آپ بھی نا۔" کہہ کر رونے کی کوشش کی۔

آنکھیں تھوڑی بھیگنے ہی لگی تھیں کہ جلال نے مجھے رونے کی تیاری کرتے دیکھ لیا سو جھٹ پٹ چپل پہنی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اور باہر کی طرف بھاگے۔

"تمہارے لیے اچھے الفاظ کہنے کے لیے تمہارا اچھا ہونا بھی ضروری ہے۔"

جاتے جاتے بھی تیر چھوڑ گئے۔ میں نے بھی اونہہ کہہ کر رونے کا ارادہ ملتوی کر دیا کہ جس کو رو کر دکھانا تھا وہ تو چلے گئے سو میں پری کی جانب متوجہ ہو گئی اور پری سے اگلی کہانی کے بارے میں مشورہ کرنے لگی۔

۞ ۞ ۞

آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں شاید بہت بڑی مصنفہ ہوں۔ جی نہیں ایسا کچھ نہیں ہے۔ چلیے میں آپ کو سات آٹھ مہینے پیچھے لیے چلتی ہوں۔

کچھ مہینوں پہلے کی بات ہے کہ جانے دل میں کیا سمائی کہ کہانی لکھنے بیٹھ گئی۔ مختلف کہانیوں میں سے مشکل الفاظ اور بہترین بہترین جملے منتخب کرے۔ سوڈیڑھ سو کہانیوں میں سے جملے چوری کر کے ایک کہانی لکھی اور پری کو دکھائی۔ پری بھی چونکہ میری طرح ڈائجسٹ لور تھی سو پری نے اپنے چھوٹے بھائی کے ذریعے میری کہانی رجسٹری کروادی۔ اور اتفاق دیکھیے کہ چند مہینے بعد وہ کہانی ڈائجسٹ میں شائع بھی ہو گئی۔ کہانی کا شائع ہونا تھا اور میرا دل ہی دل میں سمیرا حمید اور عمیرہ احمد بننا تھا۔ پورے خاندان میں منادی کرادی کہ میں ڈائجسٹ رائٹر بن چکی ہوں۔

محلے میں بھی دھوم مچادی کہ میری کہانی چھپ گئی ہے۔ اب تمام محلے کی خواتین اپنی زندگی کی درد بھری داستان سنانے چلی آتی تھیں۔

نکڑوالی ظہورن خالہ کا خیال تھا کہ اگر میں ان کی داستان الم (جو کہ چار عدد نندوں، تین عدد دیوروں، ایک عدد ساس سسر اور ایک عدد نئی نئی بہو پر مشتمل تھی) لکھنے میں کامیاب ہو جاتی ہوں تو میں ایک ہی جست میں امجد رضا کی پائے کی مصنفہ بن سکتی ہوں۔

جبکہ ان ہی ظہورن خالہ کی بہو کا خیال تھا کہ اگر میں ظہورن خالہ کی بے وقوفیوں اور حماقتوں کی داستان لکھنے میں کامیاب ہو جاتی ہوں (یہ داستان ظہورن خالہ کی بہو نے مزے لے لے کر مجھے سنائی تھی) تو میں عفت سحر طاہر کی بے وقوف اور پاپولر ہیروئن روبجہ گل سے بھی زیادہ اوٹ پٹانگ ہیروئن ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جاؤں گی۔ مگر میرا اپنا ذاتی خیال تھا کہ اس عمر میں ظہورن خالہ کہانی کی ہیروئن بنی کچھ خاص اچھی نہیں لگیں گی۔

سو دو چار مزید محلے والیوں کی داستان سننے کے بعد میں نے یکے بعد دیگرے کئی کہانیاں ڈائجسٹ میں بھجوائیں مگر جب بہت مہینوں تک وہ شائع نہ ہوئیں تو ڈائجسٹ پر لکھا نمبر گھمادیا۔ جہاں سے مجھے یہ دل دہلا دینے والی اطلاع ملی کہ میری تمام کہانیاں ناقابل اشاعت ہیں۔

سب سے پہلے یہ بری خبر میں نے پری وش کو راز داری کی شرط پر سنائی۔

"ماہی آپ ایسا کیجیے کہ مدیرہ کو ایک دکھی آہوں سے بھرا خط لکھیے۔ کہ آپ کے دل پر کیا کیا قیامت ٹوٹی ہے ان کے جواب سے۔"

میں نے پری کے مشورے پر عمل کرنے کی سوچا اور کاپی پین لے کر بیٹھ گئی اور خط لکھ کر پری وش کو دکھایا۔ خط پڑھ کر پری نے برا سامنہ بنایا۔

"اوہو ماہی یہ خط ہے۔ اسے پڑھ کر تو وہ ہرگز آپ کی کہانی شائع نہیں کریں گی۔ لایے کاپی پین مجھے دیجیے میں لکھتی ہوں۔"

میرے ہاتھ سے کاپی پین لے کر پری نے لکھنا شروع کر دیا۔ خط مکمل کر کے اس نے میری طرف کاغذ بڑھایا۔ میں نے پڑھنا شروع کیا۔

"پیاری ڈائجسٹ والی باجی۔

آداب عرض ہے۔

دلکش اور خوب صورت باجی گو کہ میں نے آپ کو دیکھا نہیں کبھی، لیکن خطوط لکھنے والی بہنوں کو دیے ہوئے آپ کے جوابات اتنے خوب صورت ہوتے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ہیں کہ میں نے اندازہ لگالیا کہ آپ بہت خوب صورت ہیں۔

اچھی باجی آپ مجھ سے ناراض ہیں کیا؟ آپ میری کہانیاں اپنی ڈائجسٹ میں کیوں نہیں شائع کرتیں۔ میں اتنی محنت سے کہانی لکھتی ہوں۔ پہلے کہانی کو رف لکھتی ہوں۔ پھر فیئر کرتی ہوں۔ کیونکہ اگر رف کہانی آپ کو بھجوادی تو ہو سکتا ہے کہ آپ میری کہانی کسی چائینز ڈائجسٹ میں بھجوادیں کہ لیں جی آپ کی زبان کی کہانی، غلطی سے کسی نے اردو کے ڈائجسٹ میں بھجوادی۔ اس لیے خوب محنت کر کے فیئر کرتی ہوں۔

کہانیاں لکھنے کے دوران مجھے کتنی قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ آپ کو کیا معلوم چلیں جی، آپ کی معلومات میں اضافے کے لیے وہ قربانیاں بتا ہی دیتی ہوں آپ کو۔

قربانی نمبر ایک : میاں جی کے کپڑے استری نہ کرنے کی قربانی۔ ٹائم ہی نہیں، کیسے کروں کپڑے استری۔ جس دوران میں کہانی لکھتی ہوں، میاں جی بیچارے خود ہی کرتے ہیں استری، بلکہ اپنے کپڑوں کے ساتھ ساتھ میرے اور بچوں کے کپڑے بھی وہ ہی استری کرتے ہیں پھر۔

قربانی نمبر دو : بچوں کی پٹائی لگانے کی قربانی۔ کہانی لکھنے کے درمیان بچوں نے شور شرابا کیا تو لگائے بچوں کی کمر پر دو تھپڑ۔

بچوں کو مارنے کا افسوس تو مجھے ہے۔ مگر کیا کرتی یہ قربانی نہ دیتی تو کہانی کیسے لکھتی، کیونکہ اس قربانی کے بغیر تو چھوٹا والا ہرگز شرافت سے نہ بیٹھتا۔

تیسری اور اہم قربانی : کھانے پینے کی قربانی۔ کھانا پکاتی تو کہانی کیسے لکھتی اور کہانی نہ لکھتی تو عظیم مصنفہ کیسے بنتی، سو نہ کچھ کھایا اور نہ ہی پکایا اور میاں جی کو کھانا بازار سے لانا پڑا۔ کھانے پینے کے ساتھ یہ ہوئی میاں جی کی کمائی کی بھی قربانی۔

اتنی بڑی بڑی قربانیوں کے بعد بھی آپ کا جواب کہ "کہانی ناقابل اشاعت ہے۔" اللہ اللہ! کیا کیا نہ بجلیاں دل پر گرا گیا آپ کا یہ جملہ۔

کہانی لکھتے وقت تو میں اپنے آپ کو مستقبل کی مشہور مصنفہ سمجھ رہی تھی اور آپ کے اس "دور فٹے منہ" والے جواب کے بعد میں اپنے آپ کو جو سمجھ رہی ہوں، وہ لفظوں میں نہیں بتا سکتی۔

ویسے ایک بات تو ہے۔ کہانیاں لکھنے کے دوران چاہے سب کچھ برا ہوا ہو۔ پر میری رائٹنگ اچھی ہو گئی۔ جی، اب تو میری رائٹنگ میرے میاں جی بھی پڑھ لیتے ہیں۔

دیکھیے باجی، یہ کہانی جو میں آپ کو اب بھیج رہی ہوں یہ شائع کر دیجیے گا ورنہ میری ڈھیروں قربانیاں ضائع جائیں گی اور میری کہانی کے کردار انتقام سے کارنہ ہونے والی آتماؤں کی طرح مجھے بد روح بن کر تنگ کرتے رہیں گے۔ خاندان کی سب لڑکیوں کو، محلے کی سب عورتوں کو، سارے زمانے میں ڈھنڈورا پیٹ دیا ہے کہ ڈائجسٹ میں کہانیاں لکھ رہی ہوں۔ ان سب لڑکیوں اور عورتوں نے پوچھ پوچھ کر میرا دماغ کھا رکھا ہے کہ کب شائع ہوگی میری کہانی۔

اب آپ ہی بتائیں کہ ہم بتلائیں کیا۔

فقط

مستقبل کی ڈائجسٹ رائٹر (اگر آپ چاہیں تو)

زبیدہ جلال

"یہ کیسا خط ہے۔" مجھے خط میں کچھ گڑبڑ محسوس ہوئی تھی۔

"ارے بس ماہی" آپ یہ خط اپنی رائٹنگ میں لکھ کر ڈائجسٹ والوں کو بھجوادیں۔" پری کی بات سن کر سوچا کہ پری کی بات ماننے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔

"پری! مدیرہ کو کہیں برا نہ لگ جائے۔" میں کچھ متذبذب سی بھی تھی۔

"ماہی! آپ کو نہیں معلوم میری اردو زبردست ہے۔ یہ خط پڑھتے ہی مدیرہ آپ کی کہانی شائع کر دیں گی۔ پتا ہے ایک بار میں نے ایک مشکل شعر کی آسان تشریح کی۔ وہ تشریح میری ٹیچر کو اتنی پسند آئی کہ انہوں

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نے میرے لیے کلاس میں کلیپنگ کروائی۔"

"مس نے ایک شعر کی تشریح کا کہا وہ شعر یوں تھا۔

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

"اچھا تم نے کیا تشریح کی۔" میں نے اشتیاق سے پری سے پوچھا۔

"میں نے لکھا۔"

یہ شعر بہت ہی برے حالات میں کہا گیا ہے اور اس شعر کے خالق شاعر نہیں بلکہ شاعرہ ہیں۔ جی ہاں یہ ایک خاتون شاعرہ کے دکھی دل کی داستان ہے' شاعرہ جس لڑکے سے محبت کرتی تھی۔ اس لڑکے کو ٹائیفائیڈ ہو گیا۔ بیماری کے بعد اس کے بال تیزی سے گرنے لگے۔ اپنی امی کے مشورے پر وہ لڑکا نائی کے پاس گیا اور ٹنڈ کرا کر آگیا۔ گنجا ہو کر وہ بالکل گنجا کبوتر لگ رہا تھا۔ لڑکے کی ماں نے دیکھ کر کہا "ماشاء اللہ چہرے سے اچھی تو ٹنڈ نکلی ہے میرے پتر کی۔" اور اس کی ماں نے گنجی ٹنڈ کا صدقہ اتار کر پیسے فقیر کو دیے کہ کہیں میرے پتر کی چمکتی چندیا کو کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ لیکن 'لیکن 'لیکن جب یہ ہی چمکتی چندیا لڑکی (شاعرہ) نے دیکھی تو اسے دس کروڑ واٹ کا جھٹکا لگا اور شاعرہ نے.. اسی وقت اس لڑکے سے ترک تعلقات کا فیصلہ کر لیا۔

گنجے کبوتر نے شاعرہ کو بہت سمجھایا کہ میرے بال جلد ہی دوبارہ آجائیں گے لیکن وہ لڑکی ہرگز اپنی خرانٹ سہیلیوں کے سامنے مذاق بننے کا رسک نہیں لے سکتی تھی۔ اس لیے شاعرہ نے یہ شعر کہا اور ٹاٹا بائے بائے۔"

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تیری زلف کے سر ہونے تک

پری وش نے ترنم سے شعر پڑھ کر تشریح کا اختتام کیا اور میں منہ پھاڑے پری کی کی گئی تشریح سن رہی تھی۔ پری کے چپ ہونے پر کہے بغیر نہ رہ پائی۔

"پری اس تشریح پر تمہارے لیے کلاس میں تالیاں بجائی گئی تھیں تو یقیناً" ٹیچر نے تمہیں شرمندہ کرنے کے لیے ایسا کروایا ہو گا۔ لیکن تم ہوئیں نہیں شرمندہ' ہے نا۔"

"اوہو ماہی یہ چھوڑیں آپ۔" پری وش بات بدلتے ہوئے بولی۔

"اور بس یہ تاریخی خط مدیرہ کو بھجوا دیجیے ماہی آپ۔"

"تاریخی؟" میں حیران رہ گئی۔

"ہاں بھئی یہ خط تاریخ میں امر ہونے والا ہے۔"

"اچھا!" میں کچھ بے یقین تھی پھر بھی پری کی بات ماننے میں حرج نہ تھا سو خط اپنی رائٹنگ میں لکھ کر پوسٹ کروا دیا۔

کچھ دنوں بعد ڈائجسٹ کی مدیرہ کا فون موصول ہوا جس میں مدیرہ نے ہنستے ہوئے خط کی تعریف کی اور ساتھ ہی مزاحیہ کہانی کی فرمائش بھی۔

اب یہ مسئلہ کہ مزاح کیسے لکھوں۔ سو جلال کی بہن یعنی اپنی نند کو فون کیا اور اپنی بیماری کا بہانہ کر کے پری وش کو ایک ہفتے کے لیے بھیجنے کا کہا۔

پری وش کو تو ویسے ہی کالج سے چھٹیوں کا بہانہ چاہیے تھا سو فوراً" اپنے بھائی کے ساتھ چلی آئی۔ ہم دونوں نے مسئلے کے حل کے لیے سر جوڑ لیے۔ اور کہانی کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ پہلے میں کہانی لکھوں گی۔ اس کے بعد کہانی کے بیچ بیچ میں پری مزاحیہ جملوں کا تڑکا لگائے گی۔ پھر فوٹو کر کے وہ کہانی پوسٹ کی جائے گی۔ اس فیصلے کے بعد مطمئن ہو کر میں کہانی لکھنا شروع کر چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

میں نے الماری سے کاغذات نکالے اور کہانی لکھنے لگی اتنے میں پری دوڑتی ہوئی آئی۔

"ماہی ماہی! حماد کی رابعہ آنٹی کے بیٹے سے لڑائی ہو رہی ہے گلی میں۔" پری نے آتے ہی نو سالہ حماد (میرا بڑا بیٹا) کی خبر مجھے پہنچائی۔

"ہونے دو لڑائی۔ کمبخت سارا دن لڑائی جھگڑے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

www.paksociety.com

ہی کرتا رہتا ہے۔ بہت لڑاکا ہے' بالکل اپنے باپ پر گیا ہے۔" میں بے زاری سے بولی۔ میرا بڑا بیٹا حماد بہت تیز تھا سو دھیان کہانی پر ہی مرکوز رکھا۔

"ماما ماما بہت لڑائی ہو رہی ہے۔ دیکھو ناں رابعہ آنٹی کا اسامہ ہمارے حماد کو کیسے مار رہا ہے۔" پری نے دروازے سے جھانک کر دیکھا پھر تمام صورت حال مجھے بتائی۔ "ہمارے حماد" پر خاص زور تھا۔

"ہونے دو لڑائی۔ تم چپ کرو۔ مجھے کہانی لکھنے دو۔" میں نے پری کو جھڑک کر اپنی توجہ کہانی پر مرکوز کرنا چاہی۔ پری دوبارہ دروازے پر کھڑی ہو کر حماد اور اسامہ کی کشتی دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔

"ہائے اللہ ماما! اسامہ نے کیسی ٹخنی ماری ہے حماد کو۔ اتنی زور سے سر پھوٹا ہے ہمارے حماد کا۔"

پری نے دوبارہ باہر کی ریسلنگ کی کمنٹری مجھے سنائی اور اس بار وہ میرے اندر کی "ماما" جگانے میں کامیاب ہو گئی۔ میں نے کاغذوں کے پلندے ایک جھٹکے سے میز پر پٹخے اور اپنا دوپٹہ ڈھونڈنے لگی۔ جو کہ صرف دروازے پر جاتے ٹائم ہی میرے سر پر آتا تھا۔ ورنہ سارا دن وہ گھر میں ادھر ادھر لڑھکتا رہتا تھا۔ بالآخر دوپٹہ صوفے کے پیچھے پڑا ہوا دکھائی دیا۔ دوپٹہ اٹھا کر سر پر ڈالا' دونوں آستینیں اوپر چڑھائیں اور دروازے پر پہنچی۔ باہر کا سین خاصا دردناک' بلکہ المناک تھا۔ سامنے والی رابعہ بھابھی کا بیٹا اسامہ' میرے راج دلارے "آنکھوں کے تارے" حماد کو غالبا" اسکوٹر یا سائیکل سمجھ رہا تھا کیونکہ حماد کو الٹا لٹا کر اسامہ اس کی سواری کے لطف اٹھا رہا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ وہ حماد کے اوپر اچھل بھی رہا تھا۔ تب ہی روتے ہوئے حماد کی نظر مجھ پر پڑی اور اس نے خوفناک چیخ مار کر "مما" بولا۔ بس پھر کیا تھا میرے اندر کا آتش فشاں جاگ اٹھا۔

"اسامہ.....!" میں با آواز بلند چیخی بلکہ دھاڑی۔

اسامہ میری آواز سن کر جلدی سے حماد کے اوپر سے ہٹ گیا۔ حماد نے موقع غنیمت جان کر ایک زور دار تھپڑ (عرف عام میں چماٹ) اسامہ کو رسید کیا اور جلدی سے آکر مجھ سے لپٹ گیا اور اتنے زیادہ اونچے سروں میں رویا کہ کیا نصرت فتح علی اور کیا راحت فتح علی سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔

"اسامہ کمینے۔ تیری ہمت کیسے ہوئی میرے حماد کو ہاتھ لگانے کی' میں تیرے ہاتھ توڑ دوں گی منحوس مارے۔" میری آواز سن کر بلکہ میری چیخیں سن کر رابعہ بھابھی بھی دروازے پر چلی آئیں۔

"کیا ہو گیا زبیدہ بھابھی کیوں ذبح ہوتی ہوئی بھینس کی طرح ڈکرا رہی ہو۔" رابعہ بھابھی نے آتے ہی طنز کے تیر چلائے۔

"میں تو بھینس کی طرح ڈکرا رہی ہوں اور تمہارا یہ بھینسا جو میرے بیٹے کے اوپر چڑھ کر اسے مار رہا تھا اس کا کیا۔" میں نے بھی تمام لحاظ بالائے طاق رکھ دیے۔

"تو حماد کون سا کم ہے۔ پہلے اس نے ہی اسامہ کو دھکا مارا تھا۔ دیکھو کیسا موٹا گومڑ ہو گیا میرے بچے کے سر پر۔" رابعہ بھابھی نے اسامہ کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"کون سا گومڑ۔ مجھے تو کوئی گومڑ اس کے سر پر نظر نہیں آرہا۔ ہاں یہ خود پورا کا پورا موٹا گومڑ لگ رہا ہے۔ کھا کھا کے گینڈا ہوتا جا رہا ہے۔"

"تو تم کیوں میرے بیٹے کے غم میں جل جل کر چھوارا ہوئے جا رہی ہو۔" رابعہ بھابھی بولیں۔

"میں کیوں جلوں گی' وہ بھی تمہارے اس گولا کباب سے۔" میں نے بھی تنک کر کہا۔

"اب چپ کر جاؤ۔ میں نے بہت لحاظ کر لیا زبیدہ بھابھی۔"

"خبردار جو مجھے بھابھی کہا تو۔ میری اماں سے بھی چار سال بڑی ہی ہو گی تم' منی بننے کے چکر میں' محلے میں گھر لیتے ہی مجھے بھابھی کہنا شروع کر دیا تم نے۔ میں بھی لحاظ کر گئی ورنہ تو آنٹی ہی کہتی تمہیں۔" میں نے جل کر دل کی بھڑاس نکالی۔

"آئے زبیدہ بھابھی کیا ہو گیا تمہیں۔ میں تمہیں آنٹی نظر آرہی ہوں میرا بیٹا تمہیں گینڈا لگ رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ تم اپنی آنکھیں ڈاکٹر کو دکھا کر آؤ۔ بلکہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY

ایسا کرو کہ اپنا دماغ چیک کروا کر آؤ۔ مجھے تو لگ رہا ہے کہ کوئی بڑی خرابی ہو گئی ہے۔" اب کے رابعہ بھابھی بھی چیخ کر بولیں۔

"ڈاکٹر کے پاس مجھے نہیں تمہیں جانے کی ضرورت ہے اور اپنے اس ہاتھی بیٹے کا چیک اپ کرواؤ کہ اس میں کون سی کیمیائی تبدیلیاں وقوع پذیر ہو رہی ہیں جو یہ پھٹنے کے قریب پہنچ چکا ہے۔ اور خود پھٹنے سے پہلے میرے حماد پر اچھل اچھل کر اسے بھی پھاڑنا چاہ رہا ہے۔"

میرے جو منہ میں آیا بولتی چلی گئی۔ دوسری طرف سے رابعہ بھابھی نے بھی اپنی جوابی کارروائی کی۔ پری بھی وقتاً فوقتاً میرے کان میں رابعہ بھابھی کی بھولی بسری کوئی بات پہنچاتی جا رہی تھی جو کہ میرے لیے اضافی گولہ بارود کا کام کر رہی تھی۔ رابعہ بھابھی بھی میری تمام خوبیوں خامی سے واقف تھیں۔ اور اب بوقت ضرورت وہ ان تمام خامیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کر رہی تھیں۔ نتیجتاً محلے کی تمام عورتیں اپنے گھر کے دروازے کھڑکیوں سے سر نکالے موجود تھیں اور ہم دونوں کی جنگ سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ بالآخر ہم دونوں لڑ جھگڑ کر تھک ہار کر واپس اپنے اپنے گھر میں گھس گئے۔

"آئے ہائے پری' ایک گلاس پانی تو دے دو۔ اللہ حلق خشک ہو گیا چیخ چیخ کر۔" میرے کہنے پر پری جھٹ سے ٹھنڈے پانی کا گلاس لیے چلی آئی۔

"واہ ماما' کیا مقابلہ کیا ہے آپ نے رابعہ بھابھی کا' دل خوش کر دیا جی۔"

"مجھے پانی پلانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مجھے پانی پر بھی چڑھایا جائے۔ انہوں نے بھی مجھے صحیح کی سنائی ہیں پورے محلے کے سامنے۔" میں جل ہی تو گئی پری کی بات پر۔

"لیکن ماما! ایک بات ہے۔ رابعہ بھابھی جب بھی اچھی چیز پکاتی تھیں تو آپ کے گھر ضرور بھجواتی تھیں۔ اور' آپ جب بھی ٹنڈے' گوبھی' بھنڈی پکاتی تھیں تو میں رابعہ بھابھی سے سالن لے لیتی تھی۔" مجھ سے پانی کا گلاس واپس لیتے ہوئی پری کو رابعہ بھابھی کی خوبی یاد آئی۔ اپنے مطلب کی خوبی۔

"پہلی بات تو یہ کہ تم ہی مجھے جوش دلا رہی تھیں۔ ماما! جلدی آؤ دیکھو ہمارے حماد کو کیسے مار رہا ہے۔" میں نے پری کی نقل اتارتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو میں تو آپ کو بتا رہی تھی۔ آپ جا کر اسامہ کو ڈانٹ دیتیں۔ رابعہ بھابھی۔ مم میرا مطلب ہے کہ رابعہ آنٹی سے لڑنے کی کیا ضرورت تھی۔" پری نے معصوم بن کر کہا تو دل چاہا پری کو بھی کھری کھری سنا دوں۔ لیکن رابعہ بھابھی سے اتنے خطرناک معرکے کے بعد دماغ اور زبان دونوں تھک چکے تھے سو خاموشی سے صوفے پر آنکھیں موند کر بیٹھی رہی۔

تب ہی دروازہ کھول کر برابر والی پڑوسن کی بیٹی ردا چلی آئی۔ وہ پری کی دوست تھی۔ پری سے حال احوال پوچھ کر میری جانب متوجہ ہو گئی۔

"بھابھی! وہ نانی امی کہہ رہی ہیں کہ اب جو آپ کہانی لکھیے گا نا تو اس میں ہیرو ہیروئن کے رومانٹک جملے زیادہ ڈالیے گا۔" ردا کی بات پر میں گردن ہلا کر رہ گئی کہ آدھے گھنٹے چیخنے چلانے کے بعد مزید بولنے کا دل نہ تھا۔

"اچھا بھابھی! وہ کیا ہو گیا تھا۔ رابعہ بھابھی سے کیوں لڑائی ہو گئی تھی۔" ردا میرے قریب ہو کر قدرے رازداری سے بولی تو مجھے تو گویا آگ لگ گئی۔

"پورے آدھے گھنٹے تک تمہارے گھر کی تمام کی تمام عورتوں کی منڈیاں کھڑکی میں سے جھانکتی رہیں۔ تمہیں نہیں معلوم۔" میں نے تیز لہجے میں کہا۔

"وہ' وہ تو نانی پوچھ رہی تھیں۔" ردا میرے غصے سے ڈر کر منمنائی۔

"تمہاری نانی اپنا چھوٹا سا سر اور بڑے بڑے کان کھڑکی سے باہر نکالے سب دیکھ اور سن رہی تھیں۔ انہیں سب معلوم ہے پھر دوبارہ تصدیق کروا کر نیوز چینل پر خبر دینی ہے کیا؟ اگر ہماری لڑائی کی خبر نیوز چینل

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پر دینی ہی ہے تو تصدیق کی کیا ضرورت ہے۔ ایسے ہی دے دیں۔ ویسے بھی نیوز چینل والوں کو تو خبریں دینے سے مطلب ہے۔ سچی جھوٹی سے کوئی سروکار نہیں۔“
میرے مزاج کی تیزی دیکھ کر ردا جلدی سے جانے کے لیے کھڑی ہوگئی تو میں نے جھٹ سے کہا۔
”ردا اپنی نانی سے کہنا یہ عمر ایسی کہانیاں پڑھنے کی نہیں ہے۔ اپنی نانی سے کہنا ”موت کا منظر“ پڑھیں۔ میرے پاس رکھی ہے کتاب میں بھجوا دوں گی انہیں۔“ میری بات پر ”اونہہ“ کر کے ردا باہر نکل گئی۔
اور میں دکھتے سر کو پکڑ کر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ پری کی چیخ سن کر دوبارہ اٹھ گئی۔ دیکھا تو سامنے سے جلال آرہے تھے۔ سر پر چوٹ کا نشان تھا۔
”آئے ہائے کیا ہو گیا۔ کہاں سے پھوٹ کر آگئے۔“ جلال کو لنگڑاتا دیکھ کر مجھے ہول اٹھنے لگے۔
”کہیں سے بھی پھوٹ کر آؤں تمہیں کیا۔ جب نصیب ہی پھوٹے ہوں تو بس ہر جگہ ہی پھوٹتا ہے ہمیں۔“ جلال پر واقعی جلال آیا ہوا تھا آج۔
”یہ شلوار کا پائنچا پھٹا ہوا تھا۔ گاڑی سے اترتے ٹائم بائیک کے کیریئر میں اٹک گیا۔ الٹے منہ روڈ پر گرا۔ سر پھٹ گیا میرا۔ پھوہڑ عورت۔“
”عورت‘ عورت نہیں لڑکی۔“ میرے دل کو کچھ ہونے لگا۔ لفظ عورت سن کر۔
”پھوہڑ کہلوانا گوارا ہے پر عورت نہیں۔“
”ہاں تو شادی سے پہلے امی ہر وقت پھوہڑ کہتی رہتی تھیں اس لیے برا نہیں لگتا پھوہڑ۔ سننے کی عادت ہے شروع سے بہت اپنا اپنا لگتا ہے یہ لفظ۔“ میں نے بہت پیار سے کہا۔ امی کی یاد جو آئی تھی اس لفظ سے۔
”اب عورت سننے کی عادت بھی ڈال لو۔ لڑکی کی حدود پار کر چکی ہو تم۔“ جلال بولے تو میں جل کر رہ گئی۔
”پری‘ ایک گلاس پانی پلا دو۔“ جلال پری سے مخاطب ہوئے تو پری پانی لینے چلی گئی۔
”کپڑے استری کرتے ٹائم پائنچا دکھائی نہیں دیا تھا تمہیں۔“ جلال نے مجھے گھورا۔
”میں نے کپڑے استری کیے ہی نہیں تو دکھائی کیسے دیتا۔“ میں نے اطمینان سے کہا۔
”تم نے نہیں کیے۔ پھر کیا پری سے کروائے تھے؟“ جلال کے پوچھنے پر میں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
”کیوں‘ پری سے کیوں کروائے؟ تم نے کیوں نہیں کیے۔ تم کیا کر رہی تھیں اس وقت۔“
جلال نے کڑے تیوروں سے پوچھا۔
”وہ میں‘ میں کام کر رہی تھی۔“ میں نے سٹپٹا کر جواب دیا۔
”کیا کام کر رہی تھیں۔ یقیناً“ کہانی لکھ رہی ہوں گی‘ ہے نا۔“ جلال پر اصلی والا جلال آیا ہوا تھا۔
”نن نن نہیں تو۔“ میں سچ مچ ڈر گئی پر کوشش یہی تھی کہ ظاہر نہ ہو۔ اتنے میں پری پانی لے کر آگئی۔
”پری جب تم میرے کپڑے استری کر رہی تھیں تو تمہاری ماما کون سی کہانی لکھ رہی تھیں۔“
جلال کے اس طرح پری سے پوچھنے پر میں حق دق رہ گئی۔ امید نہ تھی کہ جلال واقعی وکیلوں کی طرح سوال کو گھما پھرا کر پوچھیں گے۔
”وہ ڈائجسٹ والوں نے ماما سے مزاحیہ افسانے یا ناول کی فرمائش کی ہے نا۔ وہی لکھ رہی تھیں۔“ پری میری آنکھوں کے اشارے نہ سمجھ پائی اور جلال کے سامنے سچائی اگل دی۔
”اچھا‘ تو تم یہاں مزاحیہ کہانی لکھ رہی تھیں اور ادھر روڈ پر میرا مذاق بن رہا تھا۔ ایک لڑکا کہہ رہا تھا۔ دیکھو تو انکل کے سر پر ٹینس بال بن گئی۔ دوسرا کہنے لگا۔ ٹینس بال نہیں پاگل فٹ بال بنی ہے۔“ جلال نے لڑکوں کی نقل اتاری۔
”اوہو دوسرا لڑکا جھوٹ جبکہ پہلا سچ بول رہا تھا۔ بات کا بتنگڑ بنا رہا تھا دوسرا لڑکا۔ یعنی کہ ٹینس بال کو فٹ بال بنا رہا تھا۔“ میں نے کہا۔
”زبیدہ! یہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔ جب سے کہانیاں لکھنے لگی ہو تب سے گھر کے کاموں اور بچوں میں دلچسپی کم ہو گئی ہے تمہاری۔ آخری بار کہہ رہا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہوں۔ اب تم کہانیاں نہیں لکھو گی۔ ویسے بھی فائدہ کیا ہے۔ اتنی کہانیاں لکھتی ہو، شائع تو ایک بھی نہیں ہوتی۔ خبردار جو اب کہانی لکھی تو۔" جلال نے سختی سے حکم دیا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" میں نے اپنا سر ہاتھوں سے تھام لیا تب ہی پری کی آواز آئی۔

"مامی' جلدی سے آئیں۔ دیکھیں' حماد' اسامہ کے ساتھ گلی میں کرکٹ کھیل رہا ہے۔"

پری نے پھر سے دروازے پر سے وہی فسادی آواز لگائی۔ پری کی اس براہ راست نشریات کی کوریج کی وجہ سے ہی میری رابعہ بھابھی سے لڑائی ہوئی تھی اور یہ حماد کا بچہ بھی نا۔ لیکن میرے سر کا درد مجھے مزید غصے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ سو صرف اتنا ہی کہا۔

"حماد کو اندر بلا لو پری۔"

"تم رابعہ بھابھی سے بھی لڑی ہو آج بچوں کی وجہ سے۔" یقیناً" محلے کے لڑکوں نے گلی میں گھستے ہی یہ بریکنگ نیوز جلال تک پہنچادی تھی۔ میں نے چپ رہنا ہی مناسب سمجھا اس وقت۔

"یہ سب ان کہانیوں کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ بچے بھی بگڑتے جا رہے ہیں اور اپنے ساتھ پری کو بھی فضول کاموں میں لگایا ہوا ہے زبیدہ تم نے۔

باجی (میری نند) کا فون آیا تھا میرے پاس کہہ رہی تھیں پری کی کالج کی چھٹیاں ختم ہو رہی ہیں۔ پری کو کب بھجواؤ گے؟ میں نے کہہ دیا کہ آج بلوالو۔" جلال نے کہا تو مجھے جھٹکا لگا۔

"پری تیار ہو جاؤ۔ سلمان (پری کا بھائی) آرہا ہو گا تمہیں لینے۔"

"جی ماموں' اچھا۔" پری نے تابعداری سے جواب دیا۔

"ارے اتنی جلدی۔" میں نے منع کرنا چاہا تو جلال نے بیچ میں ہی ٹوک دیا۔

"چپ کرو زبیدہ' اپنے ساتھ ساتھ پری کو بھی خوار کر رہی ہو۔ اس کی پڑھائی خراب کروا رہی ہو۔"

تھوڑی ہی دیر میں سلمان آگیا اور پری سلمان کے ساتھ چلی گئی۔ میرے سر کا درد شدید اور شدید ہو رہا تھا۔

"حماد ادھر آؤ۔" جلال نے حماد کو آواز دے کر بلایا۔ "دیکھو اگر اب تمہاری مما کہانی لکھیں تو مجھے بتانا' میں تمہیں دس روپے دوں گا۔"

"دس نہیں بیس لوں گا۔" حماد بھی کاروبار پر آمادہ تھا۔

"ٹھیک ہے بیس دوں گا۔" جلال فوراً" راضی ہو گئے پھر پانچ سالہ رمیز کی جانب مڑے۔

"رمیز اگر مما کاپی پر پین سے کچھ لکھیں تو مجھے بتانا' میں آپ کو پیسے دوں گا۔"

رمیز نے پیسوں کا سن کر جھٹ سے ہاں میں گردن ہلادی۔ ابھی رمیز کو دس اور بیس کی خاص سمجھ نہ تھی ورنہ وہ بھی ضرور کہتا کہ بیس روپے لوں گا۔ "جس طرح آپ بچوں کو پیسوں کا لالچ دے رہے ہیں۔ تو میں اگر نہیں بھی لکھوں گی تو بھی تو یہ آپ سے کہہ دیں گے کہ مما لکھ رہی تھیں۔" میں نے منہ بنا کر جلال سے کہا۔

"اسپتال جا رہا ہوں مرہم پٹی کروانے۔" میری بات سنی ان سنی کر کے جلال چلتے بنے۔

میرے سر میں درد کی وجہ سے دھماکے سے ہو رہے تھے۔ ابھی کچن میں برتنوں کا ڈھیر لگا تھا۔ جو کہ روزانہ پری دھو دیتی تھی۔ کپڑوں کا بھی گٹھڑ رکھا تھا جسے کل دھونے کا پری کا پلان تھا۔ کھانا بھی بنانا تھا۔ جس میں پری میری کافی مدد کرواتی تھی۔

مگر اب پری جا چکی تھی۔ مجھ اکیلی کو ہی سارے کام کرنے تھے۔ مزاحیہ کہانی؟ اف ان حالات میں کیا مزاحیہ کہانی لکھوں۔ اس وقت تو دکھی مظلوم اور افسردہ لڑکی کے درد بھرے افسانے ہی ذہن میں آرہے ہیں۔

ویسے بھی جلال نے ـــ کہانی نہ لکھنے کے تمام حفاظتی انتظام حماد اور رمیز کی صورت میں کر لیے تھے۔

سو میں نے بھی مزاحیہ کہانی لکھنے کا خیال دل سے نکال کر کچن کی راہ لی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

مکمل ناول

ہیتھرو ایئر پورٹ پر حسب معمول گہما گہمی تھی۔ شام چار بجے کی اس کی فلائٹ تھی۔ وہ پہلی مرتبہ اکیلے سفر کر رہی تھی اور وہ بھی اتنی دور.... طویل سفر نے اس کی کمر تختہ کر دی تھی۔ ڈیپارچر لاؤنج کا وسیع ہال اور اس میں بھرے بھانت بھانت کے لوگ جو طرح طرح کے لباس میں مختلف ملکوں اور قوموں کی نمائندگی کر رہے تھے۔ بھانت بھانت کے لوگوں کے درمیان ایک وہ بھی تھی۔ ارد گرد سے بے نیاز خود میں گم ایک طرف بیٹھی تھی۔ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے شاید آنے والے برے وقت کی تکلیف سے خود کو بچانے کی ایک فطری سی کوشش....

بہت سارا وقت گزر جانے کے بعد اس نے اٹھ کر باہر جھانکا۔ لندن پہ سایہ فگن بادل وسیع و عریض نیلے آسمان کی نیلاہٹ کو چھپا گئے تھے۔

نشال نے ایک نظر برسنے کو تیار خطرناک تیور والے بادلوں بھرے آسمان کو دیکھا اور دوسری بے اختیار نگاہ سے کلائی پہ بندھی گھڑی کو.... جو پاکستانی وقت کے مطابق چل رہی تھی۔ یعنی اس وقت پاکستان میں بارہ بج رہے تھے تو اس کا مطلب یہاں لندن میں سات بجے کا وقت تھا‘ مگر گہرے سرمئی بادلوں نے شام کو گہری رات میں بدل دیا تھا‘ اس پر خوف سے لرزہ طاری ہونے لگا۔

ڈیپارچر لاؤنج کے ونڈو سلائیڈز پر بڑے بڑے موٹے شفاف پانی کے قطرے گرنے لگے تھے۔ پہلی بار اپنے گھر‘ وطن سے دور اس بارش کی دیوانی لڑکی کو بارش سے خوف آیا اور بے طرح آیا.... اس خوف میں جانے کتنے ہی خوف شامل ہو گئے تھے۔

اس نے کتنا رو کا تھا بی اماں کو کہ اسے اکیلے لندن نہ بھیجیں۔ صحاب احمد کو یہاں بلا لیں اور اسے اس کے ساتھ وہاں اپنے گھر سے رخصت کریں‘ مگر بی اماں کو نہ جانے کیا ہوا تھا کہ وہ اس قدر سخت گیر اور اپنے ارادے میں اٹل ہو گئیں‘ نہ اس کی آہ و فغاں پہ کان دھرے‘ نہ ہی اس کی منت سماجت کو کسی خاطر میں لائیں۔ عرصہ دراز سے جمع کیا اس کا سارا زیور ٹرنک سے نکالا اور

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ستار کو فروخت کر کے اس کے پاسپورٹ، ویزے اور ٹکٹ کا انتظام کیا۔

نشال بس اپنے بیری والے اس گھر میں گنتی کے دن شمار کرتی رہی۔ بی اماں نے اسے لندن بھیج کر ہی دم لیا تھا اور وہ بھی اکیلے۔ صحاب احمد کو خبر اس وقت دی جب اس کی ٹکٹ کنفرم کروا دی گئی۔ جانے صحاب احمد نے انہیں کیا کہا، کیا نہیں۔ نہ بی اماں سے اس نے پوچھا نہ انہوں نے خود بتایا، مگر نشال بے چینی اور اضطراب کی کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھی۔ ایک آخری حربہ و کوشش کرنے کی نیت سے وہ بی اماں کے پاس آئی تھی، وہ تسبیح پڑھنے میں گم تھیں۔ نشال نے ایک نظر انہیں دیکھا، پھر ان کے قدموں پہ سر رکھ کے پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ بی اماں نے اسے بالکل بھی چپ نہیں کروایا۔ انہوں نے پہلے کی طرح اس کے آنسو بھی نہیں پونچھے، نشال بھیگے چہرے سمیت انہیں حیرت سے دیکھنے لگی۔

"اپنے آنسو خود پونچھنے کی عادت ڈال لو نشی! کیونکہ جہاں تم جا رہی ہو وہاں کے لوگوں کے مزاج اس شہر کے سرد ترین اور بے رحم موسم ہی کی مانند سرد اور سخت ہوں گے۔ تمہیں وہاں کے لوگوں کے مزاج کو سمجھنے میں تھوڑی دشواری ضرور آئے گی۔ مگر تمہیں ان حالات کا مقابلہ کرنا ہے، ہمت کے ساتھ اور تم نے اپنی بی اماں کا سر جھکنے نہیں دینا۔" وہ جیسے اس کی روح میں اتر گئی تھیں، کچھ بولنے کی خواہش میں اس کے لب بس پھڑپھڑا کے رہ گئے تھے، نشال نے اپنے حوالے سے ان کے چہرے پر بہت کچھ دیکھا، جس میں آس تھی، مان، بھرم، خواہش اور امید کے سب ہی رنگ تھے۔ نشال کے وسوسے اس کی پریشان کن سوچیں ان رنگوں کے نیچے دبنے لگیں، پھر مدغم ہو گئیں، مگر کم نہیں ہو سکیں۔ راکھ میں چنگاریاں دب ضرور جاتی ہیں، مگر بجھتی نہیں۔ راکھ ہٹتے ہی ذرا سی ہوا ملنے پر وہ شعلے کی مانند چمکنے، بھڑکنے لگتی ہیں۔

"صحاب احمد! بہت اچھا لڑکا ہے، پھر اپنے باپ کے جوڑے رشتے کا پاس بھی رکھے گا۔ آخر پندرہ سال پرانا رشتہ ہے۔ ایک جھٹکے سے تھوڑی نہ ٹوٹے گا۔ پرانے رشتوں کی ڈوریں وقت کے ساتھ مضبوط و مستحکم ہوتی ہیں، کمزور اور بے جان نہیں۔" وہ اس کے بالوں میں ہولے ہولے انگلیاں پھیرتی اسے سمجھا رہی تھیں۔

"تمہیں بس اپنے گھر کو بچانے اور بنائے رکھنے کے لیے، ہمت سے، صبر سے کام لینا ہوگا اور ہمیشہ صبر سے کام لیتے رہنا ہوگا۔ ساری زندگی عورت یہی تو کرتی رہتی ہے۔"

نیند کی وادی میں جاتی خاموشی سے سنتی نشال ایک دم چونکی، پھر جھٹکے سے اٹھ بیٹھی، ایک گہری نظر بی اماں کے چہرے پہ ڈال کر ان کی باتوں کا مطلب سمجھتی جیسے وہ حقائق اخذ کرنے کی کوشش میں تھی۔

"تو کیا کوئی خدشہ تھا۔ کیا اس کا گھر بسنے سے پہلے ہی آندھیوں کی زد پہ تھا۔" وہ شل ہوتے دماغ کے ساتھ سوچتی رہی۔

"بی اماں۔۔۔ کیا کوئی مسئلہ ہے؟" لفظ خدشہ منہ میں بمشکل دباتی وہ بظاہر پر سکون نظر آنے کی کوشش میں تھی۔ بی اماں جیسے دہل سی گئیں۔

"نہ۔۔۔ نہ میری بچی کوئی مسئلہ نہیں اور نہ ہی تو کسی خدشے کو دل میں جگہ دے۔ بس آنے والے وقت کی تیاری کر۔۔۔" نشال خاموشی سے سر ہلا کر رہ گئی، مگر اس کے وجود میں سناٹے اترنے لگے تھے۔

"صحاب احمد کو میں نے فون کر دیا ہے۔ وہ ایئر پورٹ پر تمہیں لینے آ جائے گا، اگر بالفرض نہ آئے تو گھر کا ایڈریس میں نے تمہارے پرس میں لکھ کے رکھ دیا ہے تو خود چلی جانا۔"

وہ ہولے ہولے اسے سمجھا رہی تھیں۔ گلاس ونڈوز کے پار گرتی بارش کو ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھتی نشال پل بھر کو چونکی، پھر ایک دم اس نے کندھے پر لٹکا ہینڈ بیگ کھول کر چٹ نکالی جس پر صحاب احمد کے گھر کا پتا اور فون نمبر درج تھا۔ اسے اپنی بے وقوفی پر جی بھر کر غصہ آیا۔ انجان دیس میں تنہا ہونے کا تصور اس کی روح فنا کیے ہوئے تھا۔ ایسے میں وہ کیسے صحاب احمد کے گھر کا پتا یاد رکھ پاتی، جو جانے بی اماں نے احتیاطا"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

رکھا تھا یا کسی انجانے خدشے کے تحت۔۔۔ نشال کی آنکھوں سے برسات کی جھڑی لگ گئی۔

"بی اماں آپ کو پتا تھا آپ کی نشی بہت کمزور اور ردو ہے' آپ نے کیوں اسے خود سے الگ کر دیا۔ کچھ تو سوچا ہوتا' مجھے تو آپ کے بغیر کہیں اکیلے رات گزارنے کی عادت تک نہیں ہے کجا اتنی دور۔۔۔ عمر بھر قیام کرنا۔"

نشال نے ہچکی لیتے جیسے تصور میں ان سے شکوہ کیا اور نشال کچھ ایسی غلط بھی نہیں تھی' واقعی میں بی اماں نے اسے خود سے اچانک یوں بے دردی سے الگ کیا تھا' جیسے ایک مرغی اپنے بچوں کو زمانے کے سرد و گرم سے بچائے اپنے پروں میں چھپائے رکھنے کے بعد ایک دم اچانک کسی خونخوار بلی کے سامنے لا کھڑا کرے اور یہ امید بھی رکھے کہ دشمن کے وار کا ہمت و جواں مردی سے مقابلہ کریں گے۔

اس نے بہت دیر گزر جانے کے بعد اٹھ کر ایر پورٹ پر بنے ٹیلی فون بوتھ سے صحاب احمد کے گھر کا نمبر ملایا۔ گھنٹی بج رہی تھی' مگر کوئی ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ نشال کو اپنی بے بسی پر پھر رونا آیا۔ آخر اس نے خود اس کے گھر جانے کا قصد کیا۔ صحاب احمد کے گھر؟ جو اب اس کا بھی گھر بننے والا تھا اور جس گھر کو آج سے پندرہ برس پہلے جب وہ محض دس سال کی تھی اور صحاب احمد پندرہ برس کا۔۔۔ اس کی بی اماں اور احمد نواب انکل نے مل کے چنا تھا۔ گھر اور گھر والا تو پندرہ سال پہلے ہی اس کے بن چکے تھے' گھر بسانے اور اس میں رہنے تو وہ اب جا رہی تھی۔ دل میں خواہشوں کے دیپ روشن کیے' آنکھوں میں آس کی جوت جگائے وہ لندن کی بارش میں بھیگتے ہوئے ٹیکسی والے کو چٹ تھمائی تھی' جس پر اس کے "اپنے گھر" کا پتا لکھا تھا۔

بی اماں نے آتے وقت زبردستی۔۔۔ ریشمی کامدانی جوڑا پہنانے کے بعد ہلکا ہلکا میک اپ کروا دیا تھا۔ یہ تھی اس کی رخصتی جس میں نہ گھر والے تھے نہ سسرال سے کوئی شریک ہوا تھا۔ نشال نے اپنے ڈوبتے دل کو تنکے کی مانند صحاب احمد کے ساتھ گزرنے والی زندگی کے خوش گوار خواب کا سہارا دینے کی کوشش میں اپنے اندر اترتے سناٹوں کو کم کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس کا دل تو جیسے پاتال میں گر رہا تھا۔ ہاتھوں میں ٹھنڈے پسینے۔۔۔ اس نے تو آنکھ کھولتے ہی گھر میں صرف بی اماں کو ہی دیکھا تھا۔ نہ ماں' نہ باپ۔۔۔ بی اماں کی سمجھائی پڑھائی باتیں' زمانے کی اچھائی برائی سے متعلق اسباق اسے ازبر تھے' لیکن وہ خود میں ہمت کہاں سے لاتی۔ بی اماں نے ٹھیک ہی کہا تھا۔ لندن کا موسم واقعی۔۔ بہت سخت اور سرد تھا۔ ٹیکسی میں بیٹھ کر اپنی ہتھیلیوں کو آپس میں رگڑ کر گرم کرتے اس نے سوچا تھا۔ اس کے پاس کوئی رین کوٹ نہیں تھا' اسی لیے وہ ساری بھیگ چکی تھی۔

ایر پورٹ سے صحاب احمد کے گھر جانے میں اسے ایک گھنٹہ لگ گیا تھا۔ ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر اس نے کچھ ڈرتے جھجکتے گھنٹی پر انگلی رکھی تھی۔ ایک فطری حجاب نے اسے صحاب احمد کی نگاہوں کا سامنا کرنے کا سوچتے ہی سر جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔ یقیناً" وہ اسے اپنے سامنے دیکھ کر حیران ہو گا اور پھر اسے ایر پورٹ پر لینے نہ آنے پر بے حد شرمندہ و پشیمان ہو کے وضاحت کرے گا' پھر اپنی اس غلطی کے ازالے کے لیے اسے سارا گھر دکھائے گا' وہ گھر جو اب اس کا تھا' جس گھر کی وہ بلا شرکت غیرے مالک تھی۔

"یس!" اچانک دروازہ کھلا تھا اور سفید ہائی نیک کے ساتھ سرخ رنگ کی جینز پہنے ایک وجیہہ سا آدمی باہر نکلا تھا۔ وہ اجنبی تاثرات اپنے چہرے اور آنکھوں میں سجائے اس کی آمد کا مقصد جاننے کو اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ نشال کو صدمہ ہوا' صحاب احمد اسے پہچان نہیں پایا تھا۔ وہ تو اسے آن واحد میں پلک جھپک کر دیکھنے کے سے تک میں پہچان گئی تھی۔

"ایکسکیوزمی۔۔۔ میں آپ کی کیا ہیلپ کر سکتا ہوں۔" وہ برطانوی سرد لہجے میں تحمل سے پوچھ رہا تھا۔ نشال جیسے دکھ کے حصار سے نکلی' پھر خود کو تسلی دی۔ اتنے سالوں میں وہ دونوں پہلی بار مل رہے تھے' ہو سکتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہے وہ بھول گیا ہو، بچپن سے لڑکپن اور پھر جوانی میں شکلیں بدل بھی تو جایا کرتی ہیں۔
"مم... میں نشال عبید اللہ..." زندگی میں پہلی بار اسے اپنا تعارف کروانا بے حد مشکل لگا۔ خصوصاً" ایسے شخص کو جو اس کا سب کچھ تھا۔ صحاب احمد کے چہرے پر یک لخت زلزلے کے سے آثار پیدا ہو گئے۔
"تم یہاں کیا کرنے آئی ہو؟" الفاظ تھے یا بھاری سول والے وزنی جوتے جو یک لخت نشال کو بڑی بے دردی سے اپنے چہرے پر پڑتے محسوس ہوئے۔ کم از کم یہ ایک ایسا جملہ تھا جسے سننے کا اس نے کبھی خواب میں بھی گمان نہیں کیا تھا۔ کیا اسے خبر نہیں تھی؟ نشال نے دھواں ہوتا اپنا چہرہ اوپر اٹھایا اور اسے دیکھا۔
"تمہاری یہاں آنے کی ہمت کیسے ہوئی... مائی گاڈ!" اس کی آنکھوں میں پتھریلا پن تھا۔
"میں نے کہا بھی تھا ڈیڈ کو اس بڑھیا کو منع کردیں مگر..." وہ غصے میں پھنکار رہا تھا اور نشال عبید اللہ اس کے طرز تخاطب اور انداز بیاں پہ یک لخت سن ہو گئی تھی۔ وہ بی اماں کو کس انداز میں پکار رہا تھا؟
"اور... تم... تم کیوں آئیں؟ کیا میں نے تم سے کوئی وعدہ کیا تھا اس رشتے کو نبھانے کا؟" وہ خطرناک تیور لیے اب اس سے پوچھ رہا تھا۔ نشال کا سر بے ساختہ نفی میں ہلا۔ رگوں میں گودا جمانے والی ٹھنڈ میں وہ لب بستہ کھڑی اس کی نفرت کا حساب کرتی رہی۔
"میں آپ کی بیوی ہوں صحاب!" وہ کانپتے لہجے میں بولی۔ وہ یہاں کمزور پڑنے نہیں آئی تھی۔
"مگر میں تمہارا شوہر نہیں ہوں بی بی... خدا کے لیے میری جان چھوڑو اور جاؤ یہاں سے جس رشتے کو میرے باپ نے فقط صلہ رحمی کے چکر میں جوڑ دیا، اسے نبھانے کا میں کوئی ارادہ نہیں رکھتا ہوں۔" وہ اسے اپنانا نہیں چاہتا تھا، مگر نشال کے پاس واپسی کے سارے راستے بند تھے۔ اس کی ساری کشتیاں بی اماں نے از خود جلا دی تھیں۔ یہ کیسی مشکل میں انہوں نے اسے ڈال دیا تھا۔ یہ کیسا امتحان تھا جس میں وہ اسے سرخرو کرنا چاہتی تھیں؟
"مگر میں اس وقت کہاں جاؤں۔ میں تو یہاں کسی کو جانتی تک نہیں۔" نشال نے بے بسی سے اپنے لب کچلے۔
"میری طرف سے بھاڑ میں جاؤ، میں تمہیں یہاں ایک منٹ بھی برداشت نہیں کروں گا۔ سمجھیں تم..." وہ غرایا تھا، نشال جیسے سہم کے دو قدم پیچھے ہٹی۔
"مگر میرا قصور کیا ہے صحاب احمد؟" اس سے پہلے کہ وہ دروازہ اس کے منہ پہ بند کرتا، نشال نے اپنی ہمت مجتمع کرتے پوچھ ہی لیا تھا۔
"آئینہ دیکھ لینا، جواب مل جائے گا۔" اس کے لہجے میں تحقیر و ذلت تھی۔
"مجھے گھر کے اندر آنے دیں صحاب! مجھے بہت سردی لگ رہی ہے؟" اس نے اس کی کڑوی کسیلی کو نظر انداز کیا اور جیسے گھر کے اندر آنے کی بھیک مانگی۔
"نہیں... میں ہرگز تمہیں اپنے گھر میں نہیں آنے دوں گا۔" وہ یوں بدکا گویا نشال اس کے گھر پہ قبضہ جمالے گی یا پھر وہ گھر اس سے چھین لے گی۔
"آپ مجھے صرف آج کی رات یہاں رکنے دیں، میں صبح ہوتے ہی واپس چلی جاؤں گی۔" وہ حقیقتاً" گڑگڑائی۔ سردی سے اس کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔
"میں تمہیں ایک منٹ بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تمہارے طلاق کے کاغذات میں وکیل کے ذریعے جلد ہی بھیج دوں گا اور ہاں اب دوبارہ یہاں آنے کی کوشش ہرگز مت کرنا، ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" وہ اس کے منہ پر دروازہ بند کیے پلٹ گیا تھا، اپنے نرم گرم گھر میں... اور نشال جیسے حواس کھو بیٹھی تھی، تو کیا اماں بی کو خبر تھی۔ صحاب احمد کے ایسے رویے کی۔
"کیوں کیا آپ نے ایسا بی اماں... جب آپ کو خبر تھی کہ صحاب احمد کی زندگی میں میری کہیں بھی جگہ نہیں۔" جب ہی تو انہوں نے اس سے وہ سب کہا تھا۔ کڑی سے کڑی جوڑتے اپنا بڑا بھاری سوٹ کیس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

گھسٹتی وہ برستی بارش میں فٹ پاتھ پہ چلی جارہی تھی۔ ذلت کی جو آگ صحاب احمد نے اس کے اندر دہکائی تھی اس نے سردی کے احساس کو یک لخت ختم کردیا تھ۔ اہانت و بے عزتی کے احساس نے اسے بھڑ بھڑ جلانا شروع کردیا تھا۔ چلتے چلتے تھک گئی تو فٹ پاتھ پر ایک طرف پر بیٹھ کر رونے لگی تھی' دھاڑیں مار مار کے... سرد ہوا کی شوریدہ سری اس کے بال اڑائے جارہی تھی' مگروہ اپنے حواسوں میں کہاں تھی' حواسوں میں ہوتی تو دیکھتی ناکہ اس کے رب نے اسے اکیلا نہیں رہنے دیا تھا اس کی غیبی امداد کردی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس نے گیسٹ روم میں کمبل میں دبکی نشال کو بے خبر سوئے دیکھا اور حیران رہ گیا۔ سرخ ریشمی کامدانی جوڑے میں ملبوس... چہرے پہ میک اپ کے مٹے مٹے آثار والی اس لڑکی کو اس نے قدرے تاسف سے دیکھا۔ یہ تو "تقریباً" ہر روز کا قصہ تھا۔

"کون ہے یہ؟" رباح کے قریب آنے پر باصد نے استفسار کیا تھا۔ کافی کا مگ پکڑتے اس نے ہولے سے کندھے اچکائے تھے گویا وہ خود بھی ابھی بے خبر تھی۔

"واٹ... داہیل از دس رباح... تم کیسے اس طرح کسی اجنبی کو گھر میں اٹھا کرلا سکتی ہو؟" وہ جھنجلایا۔

میں اسے اٹھا کر نہیں لائی اس نے خود مجھ سے مدد مانگی۔ اپنے لمبے بے حد چمکیلے ریشمی بالوں کو سہلاتے اس نے وضاحت کی۔ باصد نے ایک نظر اسے دیکھا۔

"اور اگر یہ کوئی چور نکلی تو...؟" رباح اس کے چہرے پر لکھی داستان پڑھ کے مسکرائی۔

"کیا تمہیں لگتا ہے کہ یہ کوئی چور ہے؟" وہ الٹا اس سے سوال کررہی تھی۔ باصد نے کندھے اچکائے۔ گویا ایسا کر کے اپنی رائے کو محفوظ رکھا ہو۔

"نشال عبید اللہ نام ہے اس کا... پاکستان سے یہاں اپنے شوہر کے پاس رخصت ہوکے آئی تھی۔ لندن پہلی بار آئی ہے' پھر یہاں کسی کو جانتی بھی نہیں۔" وہ اب اسے تفصیل سے آگاہ کررہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

WWW.PAKSOCIETY.COM

"اس پر ستم یہ کہ اسے اس نے گھر میں قدم تک نہیں رکھنے دیا۔ بے چاری نے صرف ایک رات رکنے کی بات کی مگر۔۔۔۔ خیر میں اس لڑکی کی مدد ضرور کروں گی جتنا بھی اس کے لیے کر سکی۔" وہ پر عزم تھی۔

"میں بھی باصد کے بغیر رباح یہ کام کبھی نہیں سرانجام دے گی۔" وہ ہولے سے مسکراتے بولا تھا۔

"اچھا اسے بے وقوف بنانے کی کوشش نہ کرنا۔" وہ اسے خبردار کر رہی تھی۔

"اچھا کیا واقعی مجھ میں یہ صلاحیت ہے' واؤ!" فواد خان کے سے انداز میں اس کے لہجے و انداز کو نقل کرتے اس نے رباح صدیقی کو مسکرانے پر مجبور کیا تھا۔

"تم تو نہیں البتہ خود تمہاری شکل دیکھنے والوں کو دھوکا ضرور دیتی ہے۔" اس نے اسے خوش فہم ہونے نہیں دیا۔

"لوگوں کو بے وقوف بنا کے انہیں آٹوگراف دیتے ہو۔۔۔۔ خیر میں جا رہی ہوں کلینک۔ نشال اٹھے تو پلیز اسے ناشتا کروا دینا۔"

"اچھا۔۔۔۔ اچھا ڈاکٹر صاحبہ! نہیں کروں گا تنگ اور کچھ۔۔۔۔"

"اور ذرا خیال رکھنا' زیادہ فری ہونے کی ضرورت نہیں۔"

باصد نے اس بات پر اسے غصے سے دیکھا تھا۔

"تمہیں میرا ٹیسٹ اتنا خراب لگتا ہے؟" رباح نے اس کے خائف چہرے کو دیکھا اور نفی میں سر ہلایا۔

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ وہ پاکستان سے آئی ہے۔ وہاں کا ماحول مختلف ہے۔ وہ پریشان ہو جائے گی۔"

"اس کی فکر تم مت کرو۔ وہ خود ہی میرے پاس بیٹھنے میں فخر محسوس کرے گی۔" تفاخر سے بول رہا تھا' رباح بس مسکرا کے رہ گئی تھی۔

✡ ✡ ✡

بی اماں ٹیلی فون کے پاس کل شام سے بیٹھی تھیں۔ نشال نے انہیں وہاں پہنچ کے فون نہیں کیا تھا۔ انہیں بے چینی کے باوجود بھی کہیں اطمینان سا تھا کہ وہ اسے محفوظ ہاتھوں میں پہنچا چکی ہیں۔ احمد نواب ان کا بھتیجا ہی تو تھا۔ عبید اللہ اور سائرہ کی حادثاتی موت کے بعد وہ لندن سے بطور خاص تعزیت کے لیے پاکستان آیا تھا۔ اس دن وہ بی اماں کے پاس رہا تھا۔ بڑے چاؤ سے احمد نواب نے اپنے تیسرے نمبر والے بیٹے کے لیے نشال کا ہاتھ مانگا کہ بی اماں انکار نہیں کر سکیں۔ بلڈ کینسر کی مریضہ تھیں اپنی بے یقین زندگی سے خوف زدہ انہوں نے نشال کو بہترین اور مضبوط پناہ گاہ مہیا کرنے کے لیے ہی اس کا اتنی چھوٹی عمر میں عقد کر دیا تھا۔ ان دنوں احمد نواب کو پیسوں کی ضرورت تھی۔ بی اماں نے اپنی ساری پراپرٹی فروخت کر کے اسے رقم دے دی تھی کہ کل کو سب کچھ نشال کے ہی کام آئے گا' پچاس لاکھ کی رقم اپنے تئیں انہوں نے نشال کے محفوظ مستقبل کے لیے انویسٹ کی تھی۔ احمد نواب نے بھی ان کا ہر طرح سے خیال رکھا۔ وقت پر پیسے بھی بھجوائے' مگر یہ شروع کے چند سال تک تھا' مگر پھر رفتہ رفتہ پیسے آنا بند ہو گئے' بی اماں نے شکایت نہیں کی' مگر احمد نواب کا رابطہ مسلسل رہا۔ بی اماں نے کتنی ہی مرتبہ رخصتی کی بات کی۔ احمد نواب نے کوئی نہ کوئی بہانہ کر دیا' مگر ان کے بہانوں سے بی اماں کو کبھی کوئی شبہ نہیں ہوا اور ابھی فقط چھ ماہ پہلے ہی انہوں نے نشال کو لندن بھیجنے کی بات کی تھی۔

"کیسی بات کر رہے ہو احمد نواب! ایسے کیسے میں رخصت کر دوں اپنی بچی کو۔ میں دنیاوی رسوم و رواج کے مطابق اپنی بچی کو اپنے گھر سے وداع کروں گی۔ تم لوگ پاکستان آ جاؤ نا۔" ان کے لہجے میں دکھ' حیرت اور افسوس تھا۔ انہیں احمد نواب کی یہ بات بالکل بھی اچھی نہیں لگی تھی۔ بدلیس جا کے وہ بھی بدلیسی ہی ہو گیا تھا۔

"بی جان! میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ صحاب اور نشال کی شادی دھوم دھام سے پاکستان آکر کروں' مگر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

صحاب کو پاکستان کا ویزا نہیں مل رہا۔ ویسے بھی وہ شادی سادگی سے ہی کرنا چاہتا ہے اور میرا وعدہ ہے کہ میں یہاں شان دار ولیمہ کا اہتمام کروں گا اور جو پیسے پاکستان آنے میں ضائع کرنے ہیں انہی پیسوں سے میں انہیں ہنی مون پر کہیں باہر بھیج دوں گا۔ ان کی مرضی و منشا کے مطابق۔۔۔ نشال میرے لیے میری بیٹی جیسی ہے۔ آپ کو اس کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت بالکل بھی نہیں ہے۔" احمد نواب کے لہجے میں قطعیت کے ساتھ تھوڑی سی ناگواری بھی تھی جو ان کی خفگی کو ظاہر کر رہی تھی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے احمد نواب! مگر اپنی بچی کے حوالے سے میری بھی کچھ خواہشات ہیں اور کچھ ارمان۔۔۔ پھر اس کے والدین و بہن بھائی زندہ ہوتے تو اور بات تھی۔ اب مجھ پر دہری ذمہ داری ہے ہم سمجھ کیوں نہیں رہے؟" وہ جھنجلا رہی تھیں۔

"بی جان! آپ کو خوف کس بات کا ہے۔ آپ کو نشال کی بہترین زندگی کا سوچنا چاہیے۔ جب وہ صحاب کے ساتھ خوش ہوگی تو آپ ساری فکریں بھول جائیں گی آپ بس بچوں کی خوشی کا سوچیں۔"

"پھر تم ہی آجاؤ یہاں، نشی تو کبھی اکیلی بازار تک نہیں گئی میں اسے اتنی دور لندن کیسے بھیج دوں؟" ان کے لہجے کی پسپائی محسوس کر کے احمد نواب مسکرائے۔

"بی جان! میں ضرور حاضر ہو جاتا اپنی بیٹی کو لینے کے لیے مگر آج کل میں یورپ کے دورے پر ہوں کچھ بزنس ڈیلز کرنی ہیں۔ آپ بے فکر ہو کر نشال کا پاسپورٹ بنوائیں اس کا ویزا میں خود لگوا دوں گا اور بے فکر رہیں ہم نشال کا خیال بہت اچھے سے رکھیں گے۔"

تسلی دلاسے دیتے انہوں نے فون رکھ دیا تھا بی اماں کو مانتے ہی بنی کہ اس کے سوا اب چارہ بھی کوئی نہیں تھا ویسے بھی نشال اسے بھی کم عمر لڑکیاں پڑھائی کی غرض سے بیرون ملک جایا کرتی ہیں۔ نشال تو پھر پچیس برس کی تھی۔ عاقل و بالغ وقت پر شادی ہو جاتی تو آج کم سے کم دو بچوں کی ماں ہوتی لیکن صحاب احمد کی پڑھائی ہی مکمل نہیں ہو پا رہی تھی پڑھائی کے دوران وہ ایسے کسی بھی جھنجھٹ میں نہیں پڑنا چاہتا تھا۔ احمد نواب کو انہوں نے نشال کی فلائٹ کا دن اور تاریخ بتا کر صحاب احمد کو اسے ریسیو کر لینے کا کہا تھا۔

بی اماں کل شام سے فون کے قریب بیٹھی تھیں کہ نشال ساتھ خیریت سے پہنچ جانے کی اطلاع دے گی وہ اس کی خوش گوار زندگی کے لیے رات بھر دعا گو رہی تھیں۔ نشال تو ویسے بھی بہت سیدھی سادی اور کم گو سی لڑکی تھی۔ جس کا خمیر ہی نرم مہربان مٹی سے گوندھا گیا تھا۔ ضد، جھگڑا، نخرا اس کی خصلت نہیں تھے۔ کچھ وہ اپنی تربیت سے بھی مطمئن تھیں۔ پھر احمد نواب نے جو خاکہ صحاب احمد کا ان کے سامنے پیش کیا تھا وہ بحیثیت انسان بہترین تھا۔

انہوں نے احمد نواب کے دیے گئے نمبر سے لندن صحاب احمد کے گھر فون کیا مگر کسی نے بھی کال ریسیو نہیں کی۔ احمد نواب یورپی دورے پر تھے اور وہ خود ہی فون کیا کرتے تھے ان کا نمبر بی اماں کے پاس محفوظ نہیں تھا۔

"شاید وہ لوگ ابھی تک سو رہے ہوں یا پھر گھومنے پھرنے نکلے ہوں اپنی خوشی میں نشی کو مجھے فون کرنا نہ یاد ہو۔ خیر کوئی بات نہیں فرصت ملی تو ضرور ہی کال کرلے گی اجنبی لوگوں کے درمیان جھجک رہی ہوگی۔"

وہ خود کو تسلیاں دیتی اب اس کی خیریت و سلامتی اور اس کی دائمی خوشیوں کے لیے دعا کرنے لگی تھیں مگر دل کے نہاں خانوں میں کہیں ایک آواز اور بھی تھی۔

"میری نشی ایسی لاپروا تو ہرگز نہیں تھی۔"

✲ ✲ ✲

وہ سو کر اٹھی تو اس نے خود اجنبی مگر آرام دہ کمرے میں مقیم پایا تھا۔ گزشتہ رات اور صحاب احمد کا کیا گیا سلوک ذہن کے پردے پر نمودار ہوا تو ایک کڑواہٹ سی اس نے اپنے پورے وجود میں پھیلتی محسوس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تھی۔

"بی اماں.... آپ نواب انکل اور ان کے بیٹے کو پہچاننے میں غلطی کر گئی ہیں۔" اس نے سوچا تھا ان کے روبرو تو وہ اس حقیقت کو آشکار نہیں کر سکتی تھی۔ اسے تو سوچ سوچ کے خفقان ہو رہا تھا کہ وہ کیسے بی اماں کو اپنے ساتھ ہوئے ناروا سلوک کی بابت بتا پائے گی اور کیا وہ سہ پائیں گی؟ یہ بہت بڑا سوالیہ نشان تھا۔

بہت دیر خود پر ماتم کرنے کے بعد وہ اٹھی' اس نے ہاتھ منہ دھو کر گرم سوٹ نکال کر پہنا اور انتظار کرنے لگی۔ اسے اس مہربان لڑکی کا شکریہ ادا کرنا تھا جو اسے رات کو اپنے گھر لے آئی تھی۔ اگر وہ اس کڑے وقت میں اس کا ساتھ نہ دیتی تو نشال بھلا کہاں جاتی؟ جس کے لیے اتنی دور آئی تھی اس نے تو اس سے انسانیت کے ناتے بھی سلوک روا نہ رکھا تھا۔ اس کی عزت نفس اور خودی پر بڑا کڑا تازیانہ پڑا تھا جو اس کی رگ وجاں کو کسی تیز دھار برچھی کی مانند چیر رہا تھا۔ ان ہی سوچوں میں غلطاں وہ آئندہ کا لائحہ عمل ترتیب دے رہی تھی کہ اس کے کمرے کا دروازہ بجا۔ وہ دوپٹا پھیلاتی دروازہ کھولنے بڑھی اور ساکت رہ گئی۔ سامنے موجود ہستی نے اس کی ذات کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔ وہ کبھی خواب میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی کہ جس شخصیت کو وہ فلموں میں دیکھتی تھی وہ مجسم اس کے سامنے کھڑا مسکرائے گا۔

"فواد خان" لالی وڈ کا مشہور ہیرو اس کے سامنے کھڑا تھا وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا اور اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا اسے جو بھی دیکھتا یونہی حیران ہوتا تھا۔ لوگوں کا جمگھٹا آن واحد میں جمع ہو جایا کرتا' وہی لہجہ' انداز بیاں اور وہ چہرہ اور جسامت' وہ ہو بہو فواد خان کی کاپی تھا۔ ہاں' بہت سارے لوگوں کی طرح نشال کو یہ خبر نہیں تھی کہ وہ جان بوجھ کے فواد خان کی کاپی کرتا تھا۔

"ایکسکیوزمی۔" وہ دل ہی دل میں اس کی حیرت کو انجوائے کرتا اس کی آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتا اسے حال میں لوٹنے کو کہہ رہا تھا نشال فوراً چونکی۔

"آپ یہاں؟" نشال نے اسے دیکھ کے تھوک نگلا' حالانکہ یہ سوال باصد کو نشال سے کرنا چاہیے تھا مگر... وہ اسے دیکھ کے کندھے اچکاتے بولا۔

"رباح... میری پھوپھی زاد ہے بہت بڑی ڈرماٹولوجسٹ ہے۔ اور کزن' میں جب بھی میں شوٹنگ کرنے آؤں تو اس کے گھر چند دن ضرور ٹھہرتا ہوں۔"

وہ اسے اپنی رٹی رٹائی کہانی سنا رہا تھا۔

"رباح مجھے آپ کا خیال رکھنے کو کہہ کے گئی تھی۔ اینی وے آئیں آپ کو اپنے ہاتھوں سے ناشتا بنا کر کھلاتا ہوں۔" وہ اسے حق دق چھوڑے کچن کی طرف بڑھا تھا نشال اپنا کھلا منہ خود پر چار حرف بھیج کے بند کرتے اس کے پیچھے آئی۔ اتنا بڑا اسٹار اور نخرہ نام کو نہیں۔ وہ حیرانی سے سوچتی کچن میں چلی آئی تھی۔ وہ بڑے انہماک سے اس کے لیے کافی بنا رہا تھا۔

"بھلا کوئی میری بات کا یقین کرے گا کہ سیف خان نے میرے لیے ناشتا خود اپنے ہاتھوں سے بنایا۔" وہ اسے مگن انداز میں کافی پھینٹتے دیکھ کے متاثر ہو رہی تھی۔ دوسری جانب باصد کمال اس کی حالت سے محظوظ ہوتے اداکاروں والا رویہ اپنائے بے نیاز نظر آرہا تھا۔

"لیجیے۔ کیا یاد کریں گی کہ میں نے آپ کو مزے دار ناشتا کروایا تھا۔" وہ اپنے سلکی بالوں میں انگلیاں چلاتے بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔ نشال کو اس کا یہ انداز اس کے خشکی کے مشہور اشتہار کی یاد دلا گیا۔

"میں یہ صبح کبھی نہیں بھولوں گی۔" حیرت زدہ بس یہی کہہ پائی تھی۔

"تم ناشتا انجوائے کرو' میں ذرا یوگا کر لوں۔ یوگا کا وقت ہو گیا ہے؟" وہ اس کے سامنے سینکے ہوئے توس' مارجرین اور کافی کا مگ رکھے بے نیازی سے کہتے ایکسر سائز میٹ اٹھائے باہر نکل گیا تھا۔

نشال نے زندگی میں کبھی ایسا ناشتا نہیں کیا تھا اور کافی تو اسے زہر سے زیادہ کڑوی لگتی تھی مگر اس روز اس ناشتے نے اسے جتنا لطف دیا تھا ویسا شاید وہ کبھی بھی نہیں لے پائی تھی۔ ناشتا ختم کر کے اس نے کھڑکی سے جھانکا' وہ یوگا آسن جمائے آنکھیں موندے گیان میں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

مصروف اردگرد سے بے نیاز تھا۔

☆ ☆ ☆

فون کی مسلسل ہوتی گھنٹی بھی اس کے گیان میں خلل نہیں ڈال پائی تھی وہ آدھے گھنٹے سے سانس روکے آسن جمائے ہوئے بیٹھا تھا۔

فون تواتر سے بج رہا تھا نشال نے فون نہیں اٹھایا' ظاہر سی بات تھی وہ اس گھر میں اجنبی تھی اور دوسری جانب جانے کون ہو تا وہ کون سا کسی کو جانتی تھی۔ وہ صوفے پہ پاؤں پسار کے بیٹھی تھی بی اماں اس کے لیے پریشان ہو رہی ہوں گی۔ مگر وہ ان سے کیا کہتی۔ اپنی خیریت کی اطلاع دیتی یا سچ بتاتی اور سچ بھی ایسا گھناؤنا اور جان لیوا کیا اس کی بوڑھی بیمار دادی سن کے برداشت کر سکتی تھی۔ یقیناً "نہیں۔۔۔

نشال کی آنکھ سے آنسو موتیوں کی مانند گرنے لگے۔ اندر آتے باصد کمال نے اس کی بکھری حالت کو افسوس سے دیکھا۔

"ہیلو میڈم! فون بج رہا ہے کیا سنائی نہیں دے رہا؟" نشال چونک کے سیدھی ہوئی وہ اس کے سامنے کھڑا طنزاً" کہہ رہا تھا۔ فون سننے کے بعد باصد نے اس کی طرف جانچتی نگاہوں سے دیکھا تھا اتنے بڑے اداکار کی خود پر جمی نگاہیں نشال کو مضطرب کر رہی تھیں۔

"اگر تم اپنا تھوڑا سا وزن کم کرو تو تمہیں فلم انڈسٹری میں کام مل سکتا ہے؟" وہ کسی ماہر ڈائریکٹر کی طرح آنکھوں میں کیمروفٹ کیے اس کو جانچ رہا تھا۔

"ج۔ جی!" نشال ہکلا کر رہ گئی۔

"اینی وے۔ تم پاکستان کال کر کے اگر کسی کو اپنی خیریت کے ساتھ پہنچ جانے کی اطلاع دینا چاہتی ہو تو دے دو۔ یہ رباح کا میسج ہے تمہارے لیے۔" اگلے ہی لمحے وہ بے نیاز بنا اس سے مطلب کی بات کر رہا تھا۔

"خیریت کی اطلاع۔" نشال نے دکھ سے دہرایا۔ "میں کیا کہوں گی بی اماں سے؟" الفاظ اس کے حلق میں گھٹ گئے" آنکھیں لبالب پانی سے بھر گئیں۔ باصد کمال نے اکتا کر اسے دیکھا۔ اس نے کبھی کسی لڑکی کو اتنا روتے اور وہ بھی چھوٹی چھوٹی بات روتے نہیں دیکھا تھا۔

وہ کارڈلیس اس کے ہاتھ میں تھماتا بے نیازی سے کہتا اندر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا نشال چند لمحے اس کی باتوں پر غور کرتی رہی۔

اگلے چند منٹوں میں وہ پاکستان بی اماں کو کال ملائے انہیں اپنی خیریت کی اطلاع دے رہی تھی۔ بی اماں کے اندر جیسے زندگی کی سی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ ایک دم پر سکون ہو گئی تھیں۔

"صحاب کیسا ہے۔ اس کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہے نشی؟" وہ دل دماغ میں ہلچل مچاتے وسوسوں کے پیش نظر اس سے پوچھ رہی تھیں۔ نشال کے حلق میں نمکین پانی جمع ہونے لگا۔ "وہ بہت اچھے ہیں بی اماں۔ اتنے اچھے کہ میں خود حیران ہوں کیا کوئی اتنا اچھا بھی ہو سکتا ہے اور وہ میرا بہت خیال رکھ رہے ہیں۔"

گزشتہ رات کی ذلت و بے ثباتی یاد کرتے وہ روتی آنکھوں سے مسکراتے ہوئے بھرم رکھ رہی تھی۔ یہ اس کی زندگی کا پہلا جھوٹ تھا جو وہ بی اماں سے بول رہی تھی مگر آخری نہیں۔

☆ ☆ ☆

"سنیے مس۔۔۔" تھوڑی ہی دیر میں وہ پھر اس کے سامنے کھڑا تھا۔ نشال کو اتنے بڑے اسٹار کا خود کو دیا جانے والا التفات تحیر میں مبتلا کر رہا تھا۔ وہ یکدم سیدھی ہو بیٹھی۔

"مجھے ایک حقیقت بتانی ہے آپ کو۔۔۔"

"کیسی حقیقت؟" نشال کا چہرہ لمحہ بھر میں فق ہو گیا۔

"یہی کہ میں فواد خان نہیں' بلکہ اس کا ہم شکل ہوں۔" وہ سر جھکائے شرمندہ سا بول رہا تھا۔ "اور پلیز تم یہ مت سمجھنا کہ میرے چہرے سے صرف تم ہی دھوکا کھا گئی ہو ایسا تو بہت بار ہوا ہے یہاں۔۔۔ کسی بھی شاپنگ مال یا کسی بھی ہوٹل یا پکنگ پوائنٹ پر۔۔۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میرے اردگرد لوگوں کا جمگھٹا لگ جاتا ہے' لوگ مجھ سے آٹوگراف مانگتے ہیں اور میں اکثر انہیں دیتا ہوں اور میں ایسے فیک اسٹارڈم کو بہت انجوائے کرتا ہوں۔" آخری جملے میں اس کے لہجے میں شرارت گھل گئی تھی' نشال بس اسے دیکھ کے رہ گئی۔

"آپ کو کیا ملا مجھے بے وقوف بنا کر؟" وہ بے حد سنجیدگی سے استفسار کر رہی تھی۔

"مجھے مزا آتا ہے لوگوں کو بے وقوف بنتا دیکھ کے؟" وہ بھی جواباً اسی کے سے انداز میں بول رہا تھا۔

"کیا کسی کو دھوکے میں رکھ کر سچی خوشی حاصل کی جاسکتی ہے؟" نشال نے چونک کر تھوڑا سا چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔ جواباً" اس نے یوں کندھے اچکائے گویا کہہ رہا ہو مجھے تو آتا ہے مزا۔ دوسروں کی خبر نہیں۔ نشال خاموشی سے وہاں سے اٹھ گئی۔ جہاں لوگ دھوکا دے کر خوشی محسوس کرتے تھے۔

"آکر کھانا کھالو نشال...؟" وہ اپنے کمرے میں گم صم بیٹھی تھی جب رباح نے اسے آکر بلایا تھا۔

"آپ... کس وقت آئیں میم!" وہ اسے دیکھ کے فوراً" اٹھ کھڑی ہوئی تھی رباح اسے دیکھ کے ہولے سے مسکرائی۔

"میرا نام رباح ہے' تم بھی یہی کہو... اب جلدی سے آجاؤ باہر... مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ اپنے بے حد سیاہ ریشمی بالوں کو جوڑے کی شکل میں لپیٹتے بہت اپنائیت سے بولی تھی۔ نشال نے اس کے خوب صورت بالوں اور چمکتی جلد کو رشک سے دیکھا۔ سلکی بال تو اس کی کمزوری تھے۔

"آپ کے بال کتنے خوب صورت ہیں رباح!" نشال بے ساختہ تعریف کر گئی تھی۔ وہ ایک بہت پرکشش شخصیت کی حامل لڑکی تھی۔

"تھینکس... ویسے باصد نے تمہیں تنگ تو نہیں کیا؟" اچانک یاد آنے پر اس سے پوچھا تو نشال کو صبح والا واقعہ یاد آگیا' اس نے بے ساختہ سر کو نفی میں جنبش دی۔

"اچھا... حیرت ہے؟" رباح مسکراتی واپس پلٹ گئی۔

☼ ☼ ☼

"میں یہ سب نہیں کرسکتا... ہرگز نہیں۔" باصد تو سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔ نشال نے اسے ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھا۔

"بیٹھ جاؤ..." رباح نے ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھانا چاہا' مگر وہ اکڑ کر کھڑا ہی رہا۔

"تمہیں ایکٹنگ کرنے کا اتنا اچھا موقع مل رہا ہے اور تم ہو کہ نخرے کر رہے ہو۔" رباح نے اپنی مسکراہٹ چھپائے بظاہر ہلکے پھلکے لہجے میں کہا تھا۔

"مجھے بالکل بھی نہیں چاہیے ایسا اچھا اور نادر موقع' مجھے تو بخشو پلیز..." اس نے تڑخ کر کہا۔

"باصد کمال! تم بھول رہے ہو کہ تم نے میرا ساتھ دینے کا وعدہ کیا تھا؟" رباح نے اسے یاد دلایا۔

"مگر میں اس کا شوہر ہونے کا ناٹک کیسے کرسکتا ہوں۔" وہ جھنجلا ہی تو گیا تھا۔ "اوہ یار! تمہیں کرنا کیا ہے' مسئلہ صرف بی اماں کو مطمئن کرنے کا ہے۔"

"کیا مطلب... تم کیا کرنا چاہ رہی ہو؟" وہ یک دم چونکا۔

"ہم صحاب احمد کو مجبور کردیں گے کہ وہ خود نشال کو اپنانے پر مجبور ہوجائے گا۔" رباح نے دھماکا کیا تھا۔

"وہ کیسے؟" باصد نے طنز کیا تھا۔

"بہت آسان ہے سب... بس تھوڑی سی محنت کی ضرورت ہے۔ نشال کی شخصیت کو ہم بالکل ایسے بدل دیں گے جیسے لندن کی ماڈ اسکواڈ لڑکی ہوتی ہے' پھر صحاب احمد کے پاس کوئی جواز ہی نہیں رہے گا نشال کو مسترد کرنے کا۔" رباح نے اپنے تئیں بہترین آئیڈیا پیش کیا تھا۔

"پھر تو جیسے وہ پاگل ہی ہوجائے گا نا؟" باصد نے طنز کیا۔ نشال کا چہرہ دھواں دھواں ہوگیا۔

"بالکل ہوگا پاگل... نشال تم ہمارے لیے اچھی سی چائے بناؤ' ہم تب تک تمہارے لیے ڈائٹ چارٹ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پلان کرتے ہیں۔" نشال کچھ کہے بغیر اٹھ گئی تھی۔
"اور اگر میں پاگل ہو گیا تو؟" وہ اس کی آنکھوں میں معنی خیزی سے جھانکتے مسکرایا۔
"اس کا چانس نہیں ہے۔ کیونکہ تم آل ریڈی پاگل ہو۔۔۔ اور میں تمہیں پچھلے دس سال سے جھیل رہی ہوں۔" باصد کمال نے برا سامنہ بنایا۔ "تم کبھی سچ نہ بولنا۔" وہ تپ اٹھا تھا۔
"کام کی بات کرلیں پہلے۔۔۔ بعد میں لڑ بھی لیں گے۔" رباح نے ہاتھ اٹھا کر اسے مزید مظلومیت جھاڑنے سے روکا' ان کی نوک جھونک سے محظوظ ہوتے نشال تین کپ چائے بنا کے لے آئی تھی۔
"آؤ نشال۔۔۔ کل سے تم ایک گھنٹہ روز یوگا کیا کرو گی۔۔۔ اور تمہاری اسکن اور بالوں کی ٹریٹ منٹ بھی کل سے ہی شروع ہو جائے گی۔ کوالی فیکشن کیا ہے تمہاری؟"
"بی ایس سی آنرز۔۔۔" نشال نے آہستگی سے بتایا۔
"رباح۔۔۔ میں یہ سب نہیں کر سکتی۔ میں واپس جانا چاہتی ہوں' آپ پلیز مجھے واپس بھجوانے کا بندوبست کر دیں۔" نشال اٹکی' مگر ہمت کر کے بول گئی۔
"تم حالات کا مقابلہ کرنے کے بجائے فرار کی راہ تلاش کر رہی ہو؟" رباح کے لہجے میں حیرت سے زیادہ صدمہ تھا۔
"جی۔۔۔ محترمہ رباح صدیقی تمہیں کچھ زیادہ ہی ہمدردی کے بخار چڑھ رہے ہیں۔" باصد کمال کا طنزیہ لہجہ اس کے چہرے کو بھی دہکا رہا تھا۔
"باصد۔۔۔ میں نشال سے بات کر رہی ہوں' مجھے اس سے بات کرنے دو پلیز۔۔۔" رباح نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا تھا' جواباً" وہ غصے سے واک آؤٹ ہی کر گیا۔
"نشال۔۔۔ میری طرف دیکھو اور بتاؤ مسئلہ کیا ہے۔ کیا تم اس بے عزتی و ذلت کا بدلہ نہیں لینا چاہتیں جو صحاب احمد نے تمہارے ساتھ کیا ہے یا تم وہ سب بھول گئی ہو؟" وہ اس کے صاف و شفاف چہرے کی طرف اپنی سیاہ گھنی پلکوں والی آنکھیں جما کے پوچھ رہی تھی۔
"میں کچھ نہیں بھولی رباح۔۔۔ نہ ہی کبھی اس بات کو بھول سکوں گی۔" وہ جیسے تڑپ اٹھی تھی۔
"تو پھر فرار کی راہ کیوں چن رہی ہو۔ تمہیں تو اپنے جیسی ان تمام مجبور و بے کس لڑکیوں کے لیے رول ماڈل بننا چاہیے۔ تمہارا آج کا اٹھایا ایک قدم۔۔۔ بعد میں کتنی زندگیاں تباہ ہونے سے بچا سکتا ہے' اس بارے میں انکار سے پہلے سوچا تم نے۔۔۔" وہ آہستگی سے اسے سمجھا رہی تھی۔ نشال کی آنکھیں حد درجہ اپنائیت اور خلوص پر بھیگ سی گئیں۔
"میں آپ کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی اپنے حوالے سے۔۔۔ میں اپنے نصیب پر شاکر ہوں' جو کچھ میرے ساتھ ہوا' یہ تقدیر نے ایسا ہی رقم کیا تھا میرے لیے۔" وہ ضبط کرنے کے باوجود بھی رو پڑی۔
"ایسی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو زندگی میں کچھ کر نہیں سکتے' اسی لیے وہ تقدیر کو دوش دے کر خود بری الذمہ ہونے کی کوشش کرتے ہیں' کیا تم بھی ان نااہل اور نکمے لوگوں کی لسٹ میں شامل ہونا چاہتی ہو۔" وہ اس پر نگاہیں گاڑے بظاہر بہت نرمی اور سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
"مگر اس سب کا نتیجہ کیا نکلے گا رباح۔۔۔ جس شخص نے مجھے گھر کے دروازے سے اندر نہیں آنے دیا' وہ کل کلاں کو کیا میری گرومڈ پرسنالٹی سے متاثر ہو کے مجھے اپنا لے گا؟" رباح صدیقی کو اس کے لہجے میں عزت نفس کی ٹوٹی کرچیاں واضح محسوس ہوئیں۔ وہ اپنا غم چھپائے بظاہر نارمل نظر آنے کی کوشش میں تھی۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ وہ بے حس ہو چکی ہے۔
"وہ مجھے کبھی نہیں اپنائے گا رباح۔۔۔ جس شخص نے انسانیت کے ناتے سخت سردی میں مجھے بے یار و مددگار لڑکی سمجھ کر ایک رات اپنے گھر میں پناہ نہیں دی۔ اس سے میں کوئی اور امید کیسے رکھوں۔ وہ مجھے جلد یا بدیر چھوڑ دے گا رباح۔ اس کا مجھے یقین ہے۔ پندرہ سال میں کیا ایک بھی دن اس نے مجھ سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

انسیت محسوس نہیں کی ہوگی اور اس بات کو بھی چھوڑ دو کہ ہمارے درمیان کوئی ایسا مضبوط تعلق ہے۔ لیکن میں اس کی کزن تو تھی نا۔۔۔ اس نے تو کسی رشتے کا پاس نہیں رکھا۔" وہ زار زار روتے بکھری حالت میں بہت خستہ حال دکھ رہی تھی۔ رباح صدیقی نے اسے کھل کے رونے دیا۔

"اور محبت۔۔۔ محبت زور زبردستی یا پلاننگ سے نہیں حاصل کی جاتی رباح۔۔۔ یہ ایک آفاقی جذبہ ہے جو اللہ کی مہربانی سے دلوں میں ودیعت ہوتا ہے۔"

"تم باتیں اچھی کر لیتی ہو نشال۔۔۔ مگر میں تمہاری باتوں سے متاثر ہونے کے موڈ میں بالکل بھی نہیں ہوں۔۔۔ کیونکہ جو میں نے سوچ رکھا ہے تمہارے لیے' میں اس پر ہر حال میں تم سے عمل کرواؤں گی۔ اب شاباش۔۔۔ تم جا کر سو جاؤ صبح تمہیں جلدی اٹھنا ہوگا۔ میں ذرا باصد کو دیکھ لوں۔" وہ اٹھ کر ہلکے پھلکے لہجے میں اسے ڈپٹتی باہر نکل گئی تھی۔ نشال ٹھنڈا سانس لے کے رہ گئی۔ اب ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا' کیونکہ ہونا وہی تھا جو رباح صدیقی نے سوچ لیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"چلیے میڈم۔۔۔ ورزش کا بہترین وقت صبح سویرے کا ہوتا ہے اور آپ یہاں کچن میں گھسی ہیں۔" صبح سویرے جب نشال اپنے لیے چائے بنانے کچن میں آئی وہ ڈھیلے ڈھالے ٹراوزر شرٹ میں بڑا فریش فریش سا کھڑا طنز کر رہا تھا۔ نشال ڈر کے پلٹی' ہاتھ سے ساس پین چھوٹتے چھوٹتے بچا۔

"محترمہ۔۔۔ اگر زندگی میں کچھ بننا ہے تو ڈرنا چھوڑیں اور اگر اسمارٹ ہونا چاہتی ہیں تو کھانا۔۔۔" وہ اس کے ہاتھ سے ساس پین لیتے ساتھ میں اپنا لیکچر بھی جھاڑ رہا تھا۔ نشال کو رونا آنے لگا' وہ تو نہار منہ چائے پینے کی عادی تھی۔ نہ پیتی تو دن بھر سر درد کی وجہ سے بھاری بھاری رہتا' طبیعت نڈھال اور گری گری الگ رہتی۔

"مگر مجھے عادت ہے صبح سویرے چائے پینے کی۔"

وہ اس کے خوف ناک تیور دیکھ کے منمنائی۔

"اپنی عادات بدل ڈالیے محترمہ۔۔۔ یہ لندن ہے اور یہاں کے لوگ چائے کے بجائے کافی پیتے ہیں۔ مگر آپ کو فی الحال وہ بھی نہیں ملے گی کیونکہ پہلے آپ کو ایکسر سائز کرنا ہوگی۔"

"مگر میں نے زندگی میں کبھی کوئی ایکسر سائز نہیں کی۔" اسے کیا خبر تھی رات کو صفائیاں دینے والا صبح سویرے اس کے سر پر مسلط ہوگا۔

"خیر۔۔۔ وہ تو نظر آ ہی رہا ہے۔" باصد کمال نے اس کے فربہی مائل سراپے کو طنز سے دیکھتے کہا۔ نشال خود میں سمٹ کے رہ گئی۔

"اگر موٹاپے کا یہی حال رہا تو یاد رکھیے گا کہ آئندہ دس سال میں آپ بستر پہ ہوں گی' چلنے پھرنے سے بے زار۔۔۔" وہ اس کے موٹاپے پہ چوٹ کرتا اس کے مستقبل کا خوف ناک نقشہ کھینچ رہا تھا' ایک لمحے کو تو نشال خود بھی دہل گئی۔

"محترمہ۔۔۔ میں کوئی فارغ بندہ نہیں ہوں' جلدی کیجیے مجھے جاب پر بھی جانا ہے۔" وہ اسے سوچوں میں غلطاں دیکھ کے پھر طنز کرنے سے باز نہیں آیا تھا۔

نشال بغیر کچھ کہے اس کے پیچھے لان میں چلی آئی تھی۔ سخت سرد برفیلی ہوا درختوں کے زرد پتوں کو اڑائے پھر رہی تھی۔ نشال کے بدن میں کپکپی طاری ہوگئی۔

"یہاں تو بہت ٹھنڈ ہے۔" نشال نے کپکپاتے ہوئے آہستگی سے کہا۔

"یہاں ہر روز یہی موسم ہوتا ہے اور یہاں کے لوگ اسی موسم میں کام کرتے ہیں اور آپ سے معمولی سی ورزش نہیں ہوتی اس ٹھنڈ میں۔۔۔؟" اُف اس کے طنز نشال تو کسی مصیبت میں پھنس گئی تھی۔

"اپنا سانس اندر کھینچیے ساتھ ہی پیٹ بھی۔۔۔" وہ زمین پر چوکڑی مارے دونوں پیروں کو مہارت سے دائیں بائیں ٹانگ پر ٹانگ ٹکائے اسے پہلا بنیادی یوگا آسن سکھا رہا تھا۔

"اسے ہم پاور یوگا کہتے ہیں۔ جتنی دیر سانس روک کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

رکھیں گی اتنا ہی آپ کے ول پاور میں اضافہ ہو گا۔ جتنے بھی گائیک ہیں وہ گلوکاری کے میدان میں اسی وجہ سے ابھی تک قائم و دائم ہیں' کیونکہ ان کی سانس عمر کے ساتھ صرف باقاعدگی سے یوگا کرنے کی وجہ سے نہیں پھولتی۔" وہ آنکھیں بند کر کے پریکٹیکل کر کے اسے سمجھا رہا تھا۔ نشال کو تو تین سیکنڈ کے بعد ہی سانس چھوڑنا پڑا۔ اس سے تو ایک منٹ بھی پورا نہیں ہو پایا تھا اور ایک منٹ میں ساٹھ سیکنڈ ہوتے ہیں اور ساٹھ سیکنڈ میں سانس روک کر بیٹھنا قطعاً" آسان نہیں تھا۔

"یہ تو بہت مشکل ہے' یہ مجھ سے نہیں ہو گا۔" اگلے ہی لمحے وہ انکاری تھی۔ باصد کمال کو اس پر بری طرح سے تاؤ آیا' مگر غصے سے بس وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

"کبھی مادھوری ڈکشٹ کو دیکھا ہے تم نے۔" اگلے ہی لمحے وہ نہایت دوستانہ انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں..... اس کو کون نہیں جانتا' میری تو فیورٹ ہے' آج بھی کیا کمال کی حسین اور جوان نظر آتی ہے۔" نشال روانی سے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئی۔

"اس وقت وہ سینتالیس سال کی ہے اور میں دعوے کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ وہ تم سے چھوٹی دکھتی ہیں عمر میں....." اس قدر مبالغہ آرائی پر نشال کا دماغ بھک سے اڑ گیا' اس نے پٹ سے آنکھیں پھاڑ کے باصد کمال کو دیکھا۔

"اور تم یقین کرو گی اپنی ڈاکٹر رباح صدیقی..... محترمہ اکتالیسویں سال میں قدم رکھ چکی ہیں' مگر پراپر یوگا کی وجہ سے دیکھو کتنی جوان نظر آتی ہیں۔"

وہ اسے یوگا سیکھنے پر آمادہ کرنے کو مبالغے سے کام لے رہا تھا اور اس بات کا خاطر خواہ فائدہ آنے والے دنوں میں خوب ہوا تھا۔ نشال اس کے احکامات پر عمل کر رہی تھی۔ وہ بہت لگن اور توجہ سے خود پر توجہ دے رہی تھی۔ ایک ماہ کے اندر ہی اس میں بہت فرق آیا تھا۔ رباح نے اس کے بال سیدھے کروا کے کٹنگ کروا دی تھی' ساتھ ہی ساتھ اسے انگلش کلاسز میں ایڈمیشن بھی دلا دیا تھا اور اس کے اسٹوڈنٹ ویزے کے لیے اپلائی بھی کر رکھا تھا۔

"بس میں چاہتی ہوں جب تم صحاب احمد کے سامنے جاؤ تو وہ تمہیں دیکھ کے اپنے ہوش ہی کھو دے۔" رباح اکثر ہی اس سے کہتی رہتی۔

"تو پھر اسے بے ہوش کرنے کے لیے اتنی محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے' اس کے بال کھلوا کے اسے رات کے اندھیرے میں اس کے سامنے کر دو' وہ بے چارہ آپ ہی آپ بے ہوش ہو جائے گا۔" باصد کمال کی زبان کی کھجلی اسے طنز کرنے سے باز نہ رکھ پاتی تھی۔

"شٹ اپ باصد....." رباح' نشال کی آنکھوں میں جمع ہوتی نمی دیکھ کے اسے ٹوک دیتی۔

بی اماں بہت خوش تھیں' کیونکہ نشال نے انہیں حد سے زیادہ اپنے حوالے سے مطمئن کر رکھا تھا۔ کبھی کبھار باصد کمال بھی بی اماں کی خیریت پوچھ لیا کرتا۔ بی اماں اسے صحاب احمد سمجھ کر نشال کا ڈھیر سارا خیال رکھنے کی تاکید کرتے نہال سی ہو جاتیں۔ ان کی نشال کا مقدر ان کے رب نے سنہری روشنائی سے تحریر کیا تھا جو اسے اتنی محبت کرنے والا جیون ساتھی ملا تھا۔

اگر وہ اس کا برملا اظہار نشال سے کرتیں تو وہ بھیگی آنکھوں سے بمشکل ان کی تائید کرتی۔ مگر اس کے اندر سسکیاں دم توڑنے لگتیں' وہ خود ٹوٹنے لگتی۔

اس روز شام میں نشال نے چکن پلاؤ پکایا تھا' بالکل پاکستانی اسٹائل سے..... جس طرح بی اماں پکایا کرتی تھیں' ساتھ میں رائتہ اور کچومر بھی تھا۔ رباح صدیقی نے اسے لگن و محنت سے کام کرتے دیکھا تو مسکرا دی۔ وہ جب سے وہاں آئی تھی کچن کا سارا کام اپنے ذمے لے لیا تھا اس نے..... وہ بہت اچھا کھانا پکاتی تھی اور یوں ان دونوں کو جو شروع سے ہی لندن میں پلے بڑھے تھے اور جنک فوڈ کھانے کے عادی تھے' ان کو بھی مزے دار پاکستانی کھانا کھانے کو مل جایا کرتا تھا۔

"اف کتنی مزے کی خوشبو آ رہی ہے نشال.....

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

جلدی لاؤ یار! بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"ایک منٹ بس دم آجائے۔ باقی تو سب کچھ ریڈی ہے۔ آپ لوگ ٹیبل پر آجائیں۔" نشال نے جلدی جلدی ٹیبل سیٹ کرتے کہا تھا' وہ جانتی تھی رباح بھوک کی کتنی کچی تھی۔

"باصد... کہاں ہو تم... اب کمپیوٹر کی جان چھوڑ بھی دو۔" وہ چڑ کے باصد کو آوازیں دینے لگی۔ جو شاید بلاوے کا ہی منتظر تھا۔ فوراً" باہر آیا۔

"ارے جان من... تم کہو تو دنیا چھوڑ دوں' یہ کمپیوٹر کیا چیز ہے۔" وہ والہانہ انداز میں رباح پر جھکتے وارفتگی سے بول رہا تھا۔ نشال کو اب ان کی بے تکلفی پر حیرت نہیں ہوتی تھی۔ شروع شروع میں تو اس کی آنکھیں حیرت سے اکثر پھٹ سی جایا کرتی تھیں' بلا کی بے تکلفی اور دوستانہ تھا دونوں میں۔

نشال نے چاولوں کی ڈش بھر کے ان دونوں کے سامنے رکھی۔ باصد کمال نے سلاد کی پلیٹ اپنے سامنے رکھی' کھانے سے پہلے وہ جی بھر کر سلاد کھاتا تھا۔

"تم بھی آجاؤ نشال!" رباح نے اپنی پلیٹ میں چاول نکالتے اسے بھی بلایا تھا۔

"کیا مطلب ہے رباح... کیا نشال بھی چاول کھائے گی؟" اچانک باصد کمال نے سلاد کھاتے رک کر قدرے چونک کے پوچھا تھا۔

"ہاں... کیوں' جس نے بنایا ہے اسی پر بین لگا رہے ہو؟" رباح اس کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھی۔ تب ہی تھوڑا تلخ ہوئی۔ نشال خاموش تماشائی بنی ان دونوں کی اپنے حوالے سے ہوتی بحث سنتی رہی۔

"تم میرے کیے کرائے پر پانی کیوں پھیرنا چاہتی ہو رباح؟" باصد کمال سنجیدہ ہوا۔ نشال کے پلے خاک بھی نہ پڑا۔

"ایک دن چاول کھالے گی تو کیا فرق پڑے گا باصد۔ اتنی کریش ڈائٹنگ اس کی صحت کے لیے اچھی نہیں ہے۔" رباح مکمل بحث کے موڈ میں تھی۔ ویسے بھی باصد کمال کی بات سے اتفاق وہ بہت کم کیا کرتی تھی۔

"یہ بہت غلط کانسپٹ ہے کہ ایک دن سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ ایک نوالے سے بھی فرق پڑ سکتا ہے اور میں صاف کہے دیتا ہوں کہ نشال چاولوں کو ہاتھ بھی نہیں لگائے گی' یہ وہی کھانا کھائے گی جو اس کی ڈائٹ چارٹ مینیو میں درج ہے۔" وہ قطعیت سے کہتا مزید کچھ اور سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

نشال کی ساری بھوک ہی مر گئی۔ ابلا ہوا مرغی کا ٹکڑا اور سوپ کے پیالے کا سن کر... اس نے آج کتنے چاؤ سے پلاؤ بنایا تھا۔ سوچا تھا جی بھر کے کھائے گی' لیکن بھلا ہو باصد کمال کا۔ اس سے پہلے کہ رباح کچھ کہتی نشال نے بات ہی ختم کر دی تھی۔

"اٹس اوکے رباح... میں وہی کھانا کھالوں گی۔ آپ لوگ پلیز شروع کریں۔" بھیگے لہجے میں نہایت افسردگی سے اس نے ان دونوں کو کھانا شروع کرنے کو کہا تھا۔

"تم اتنی جلدی ہار کیوں مان جاتی ہو نشال..." چمچہ پلیٹ میں پٹختے رباح نے برا مناتے ہوئے کہا تھا۔

"جب مقابل کی طاقت اور فتح کا یقین ہو تو پھر فائٹ کرنے کا فائدہ..." اس کے لہجے میں افسردگی رچ گئی' رباح نے اسے تاسف سے دیکھا۔

"یہ غلط ہے نشال... تمہیں کم از کم اپنے حق کے لیے بولنا چاہیے یوں دوسروں کو خود کو انڈر اسٹیمیٹ کرنے کی اجازت مت دیا کرو۔" وہ سخت برا مان گئی تھی۔ باصد کمال مزے سے سلاد کھانے میں مگن تھا۔

"اگر یوں کسی کو اجازت نہیں دوں گی تو کیا کوئی مجھے انڈر اسٹیمیٹ نہیں کرے گا رباح؟" وہ سراپا سوال بن گئی۔ لہجہ و انداز میں افسردگی' دکھ کی باس رچ گئی۔

"بالکل بھی نہیں..." رباح نے فوری تردید کی۔ نشال مرغی کا ابلا ہوا ٹکڑا اور کارن سوپ مائیکرو ویو سے نکال کر میز پر لے آئی۔ باصد کمال نے اس لمحے رباح کو جتاتی ہوئی نظروں سے دیکھا گویا کہہ رہا ہو دیکھ لو آخر میں ہی جیتا۔

"تمہاری ہار... تمام عورتیں کی ہار ہے اور تم جیسی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

عورتیں ہی ہوتی ہیں جو عورت کا استحصال کرواتی ہیں' زبردستی مردوں کی باتوں کو اہمیت دے کے۔۔۔" رباح کو شاید نہیں یقیناً" بہت غصہ تھا' نشال اسے غصے میں دیکھ کے مسکرائی' اس کی مسکراہٹ بہت بے ساختہ تھی۔

"غصہ تھوک دو رباح! کچھ پانے کے لیے ہمیشہ کچھ نہ کچھ کھونا تو پڑتا ہے نا اور بی اماں کہتی ہیں کہ عورت کو ہمیشہ اپنا گھر بچانے کے لیے قربانی دینا ہی پڑتی ہے اور ہر عورت ایسا کرتی ہے' میں کوئی انوکھی تو نہیں۔" نہایت عام سے لہجے میں وہ بہت خاص بات کہہ گئی تھی۔ باصد کمال نے چونک کے نشال کو متاثر کن انداز میں دیکھا۔ بظاہر دبو' ڈرپوک اور کمزور نظر آنے والی یہ لڑکی بہت سمجھ دار اور حساس تھی' اس کا اندازہ اسے پہلی بار ہوا تھا۔

"تم باتیں بہت اچھی کرتی ہو نشال۔۔۔ مگر ضروری نہیں کہ اسی فلسفہ حیات پر عمل درآمد کیا جائے جو ہماری ماؤں یا ان کی ماؤں نے کیا۔ ہمیں اپنی زندگی کی اسٹریٹیجی کو بدلنا ہوگا۔" رباح اور آسانی سے متفق ہو جائے' دو الگ باتیں تھیں۔

"اس بحث کو اب بند کرو رباح۔ کھانا جلدی ختم کرو' پھر باہر چلتے ہیں۔ نشال نے اتنا مزے دار کھانا کھلایا ہے تو اس کی ٹریٹ تو بنتی ہی ہے۔" باصد کمال نے اچانک کہہ کے ان دونوں کو حیران کیا تھا۔

"جلدی کرو نشال۔۔۔ آج اس موقع سے فائدہ اٹھا ہی لیں۔ آج جناب باصد کمال صاحب حاتم طائی کی قبر پر لات مارنے ہی والے ہیں۔" رباح نے باصد کو چڑایا' وہ بہت کنجوس تھا رباح کے مقابلے میں' جبکہ رباح بہت کھلے دل کی لڑکی تھی۔

"بالکل۔۔۔ اپنی شاگرد کی فرماں برداری کے لیے آج کی ٹریٹ ہوگی۔ اور ٹریٹ بھی ایسی جو میری اسٹوڈنٹ کی صحت پر برا اثر نہ ڈالے' اس لیے ما بدولت آپ کو کافی پلائیں گے۔"

"جی نہیں۔۔۔ ہمیں نہیں چاہیے ایسی ٹریٹ' کروانی ہے تو پھر شاپنگ کرواؤ' وہ بھی اچھی سی۔۔۔"

رباح نے میز بجا کے باقاعدہ احتجاج کیا۔ نشال کا موڈ نہیں تھا' مگر وہ اسے پھر بھی لے کر گئے تھے۔ کیونکہ وہ جب سے لندن آئی تھی گھر سے باہر نکلی ہی نہ تھی۔

اس روز انہوں نے اسے لندن تھیٹر میں شو دکھایا تھا۔ لندن کی ٹھنڈ میں لانگ کوٹ پہنے وہ تینوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے چل رہے تھے۔ درمیان میں رباح تھی اور اس کے دائیں بائیں نشال اور باصد۔ ان دونوں کی دوستی تکون میں بدل گئی تھی اور اتنی مضبوط تھی کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ کبھی ٹوٹے گی۔ فواد خان کا ہم شکل ہونے کے باعث باصد کو واقعی بہت پروٹوکول مل رہا تھا۔ وہ دونوں اس کی نام نہاد شہرت کو دیکھتے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں' جہاں وہ لوگ کھڑے تھے' وہاں لوگوں کی بہت بھیڑ تھی' نشال نے تو زندگی میں پہلی بار اتنے لوگ دیکھے تھے اور ان ہی لوگوں کی بھیڑ میں نشال نے اسے دیکھا تھا اور۔۔۔

وہ سن ہو گئی تھی۔ اس کی مسکراہٹ یک لخت سمٹ گئی تھی۔ آنکھوں میں اس رات اس شخص کا کیا گیا سلوک کرچیوں کی مانند چبھنے لگا تھا۔ اتنے لوگوں کی بھیڑ میں کھڑی نشال عبید اللہ اکیلی رہ گئی تھی۔ تہی داماں سی' لٹی لٹی سی۔۔۔ رباح نے اس کی غیر ہوتی حالت کو دیکھا تو فوراً" اس کے پاس آئی۔

"میں نے ابھی اسے دیکھا رباح۔۔۔" وہ پسینہ پسینہ ہوتی بس اتنا ہی بتا پائی۔

"تو تمہیں جاکے اس سے ملنا چاہیے تھا نشال۔۔۔" رباح نے کہا تو نشال نے اسے خوف زدہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔ اور نفی میں سر ہلا گئی۔

"میں اس کے سامنے کبھی نہیں جاؤں گی رباح۔۔۔" رباح کی سمجھ سے بالاتر تھا اس کا ڈر' خوف؟

"اگر میں اس کے سامنے گئی تو وہ مجھے طلاق دینے میں لمحہ بھی نہیں لگائے گا' پندرہ سال پرانا تعلق آن واحد میں ٹوٹ جائے گا اور اس تعلق کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی بی اماں کی زندگی کا دھاگا بھی۔ وہ اپنی زندگی میں مجھے بے آسرا ہوتا کبھی نہیں دیکھ پائیں گی۔"

رباح لاجواب ہو گئی تھی اور نشال کو لاجواب اس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تقدیر نے کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تو خوش تو ہے نا نشی۔۔۔" بی اماں کے لہجے میں چھپا خوف نشال کے اندر اضطراب جگا گیا۔

"میں بہت خوش ہوں بی اماں۔" نشال نے اپنی سسکیوں کا گلا گھونٹا۔

"اچھا۔۔۔ پتا نہیں کیوں مجھے ہی وہم سا رہتا ہے' جیسے تو خوش نہیں وہاں' میں تو دن رات تیرے لیے دعائیں کرتی ہوں نشی۔۔۔ اللہ تمہیں ہمیشہ صحاب احمد کے ساتھ خوش رکھے دودھوں نہاؤ' پوتوں پھلو۔"

"آپ کی دعائیں میرا قیمتی سرمایہ ہیں' میری طاقت ہیں بی اماں اور آپ بالکل بھی فکر نہ کریں' میں بالکل ٹھیک ہوں یہاں۔۔۔ اتنا دل لگ گیا ہے میرا یہاں کہ لگتا ہی نہیں کہ اب کبھی واپس پاکستان بھی آؤں گی۔" بھیگی آنکھوں سے مسکراتی وہ لڑکی صحیح معنوں میں یاصد کمال کے دل میں اپنے لیے درد جگا گئی' اس نے اس لمحے غور سے دیکھا۔

"اللہ کرے کہ تو ہمیشہ اتنی ہی شاد و آباد رہے کہ کبھی واپس آنے کو دل نہ کرے۔۔۔ لیکن بیٹا ہمیشہ دھیان رکھنا وہاں کا ماحول اور ہے ہمارے ماحول سے آزاد اور کھلا۔۔۔ شوہر کو اپنی محبت سے رام کرنا نا کہ زور زبردستی سے۔۔۔ زور زبردستی مرد کو ضد دلاتی ہے اور ضدی عورت مرد کے دل سے جلدی اتر جاتی ہے۔ تو اپنی محبت کے رنگ' دھیمے مزاج سے گہرے کرنا۔" وہ اسے ہمیشہ کی طرح سمجھا رہی تھیں۔

"جی بی اماں۔۔۔" اور وہ بھیگی آنکھیں صاف کرتے بمشکل اقرار کر رہی تھی۔

"اچھا سن! یہ احمد نواب آ گیا واپس؟" انہیں جیسے اچانک یاد آیا تھا۔

"فی الحال تو نہیں بی اماں! وہ وہاں بزنس کرتے ہیں نا' اتنی آسانی سے کیسے آ سکتے ہیں۔"

"نو ماہ تو ہو گئے اسے کہتے کہ جلدی واپس آ رہا ہوں کم بخت' جب سے تیری رخصتی کی ہے تب سے رابطہ ہی نہیں کیا اس نے۔ بہت ہی غیر ذمہ دار ہے یہ احمد نواب۔" بی اماں کو اس کے فون نہ کرنے پر غصہ تھا اور اگر جو انہیں یہ پتا چل جائے کہ اس سے بڑی غیر ذمہ داری ان کا بیٹا کر چکا ہے تو ان پر کیا گزرتی۔ نشال نے سوچ کر جھرجھری سی لی۔

"تیرے ساتھ فون پہ بات تو کرتا ہے نا؟"

"ج۔۔۔ جی بی اماں! فون پر تو تقریباً" روز ہی بات ہو جایا کرتی ہے۔" وہ ہکلائی۔

"پھر آنے کا کچھ بتایا۔ وہ لندن آئے گا تو تم لوگوں کے ولیمہ کی رسم ہو گی نا۔" وہ پھر بھی مطمئن نہیں ہوئی تھیں۔ سوالات کا گویا انبار تھا جو ان کو ذہنی طور پر پریشان کر رہا تھا۔

"اب ایسا سوال میں ان سے کس طرح پوچھ سکتی ہوں بی اماں!" نشال نے آنسو پونچھتے لہجے کو ہموار کرتے بات بنائی۔

"ہاں یہ بھی ہے' میری بچی تو ویسے بھی لاج اور شرم و حیا میں پلی بڑھی ہے تو بھلا کیسے اتنی دیدہ ہوائی ہو سکتی ہے۔" بی اماں فوراً" ہی اس کی تائید کر رہی تھیں۔

"اچھا نشی! ایک کام کرے گی۔ دیکھ ٹالنا بالکل بھی نہیں۔" بی اماں نے اچانک ہی لجاجت سے کہنا شروع کیا۔

"کیسا کام بی اماں!"

"مجھے اپنی اور صحاب احمد کی تصویر بھیج دو نا۔ میں نے تو تیرے دولہا کو دیکھا تک نہیں۔ اتنی حسرت تھی کہ شادی دھوم دھام سے کروں گی اور جی بھر کر تم دونوں کی نظر اتاروں گی' مگر جو اللہ کو منظور۔" بی اماں کے لہجے میں حسرتیں تھکن بننے لگیں' وہ تھکن نشال نے اپنی رگ و پے میں اترتی محسوس کی بھلا جس شخص کو خود اس نے غور سے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی تصویر کہاں سے لاتی۔

"بی اماں۔۔۔ آپ اپنی صحت کا بہت خیال رکھا کریں۔ مجھے آپ کی بہت فکر رہتی ہے' ایک تو آپ نے مجھے اتنی دور بیاہ دیا۔ میں آپ کے پاس ہوتی تو کم از کم آپ کا خیال تو رکھ لیتی۔" نشال نے فوراً" ہی بات

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بدل دی تھی۔

"تو میری فکر مت کر نشی! میں اب ٹھیک ہوں' بلکہ میں اب ہی تو سکون میں آئی ہوں' تیرا فرض بھاری تھا' وہ اب ادا ہو گیا' اب میں سکون سے مر سکوں گی۔"

"بی اماں۔۔۔!" نشال سناٹے میں رہ گئی تھی۔

"اچھا بس' اب تو پریشان مت ہو جانا۔ میں نے تو فقط ایک بات کی تھی۔" اور نشال جانتی تھی یہ محض ایک بات نہیں تھی۔ وہ کینسر کی مریضہ تھیں۔

فون بند ہوا تو باصد کمال جو بظاہر یوگا میں مصروف تھا۔ اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا۔

"کیا مسئلہ ہے نشال۔۔۔ تم کچھ پریشان نظر آ رہی ہو؟" وہ جو اپنی سوچوں میں تھی' چونک اٹھی۔

"نہیں۔۔۔ تو میں ٹھیک ہوں۔" اس نے بلاوجہ ہی صفائی دی' جبکہ وہ جانتی تھی کہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے' باصد کمال اگلوا ہی لے گا۔

"تم جتنی ٹھیک ہو۔ نظر آ رہا ہے مجھے۔" اس کا طنزیہ لہجہ نشال کو نگاہیں جھکانے پر مجبور کر گیا۔ وہ اس پر نگاہیں جمائے اس کے جواب کا منتظر تھا۔

"بی اماں نے میری اور صحاب احمد کی تصویریں بھجوانے کی فرمائش کی ہے؟" نشال نے بالآخر تھک کے گہرے سانس لے کے بتا دیا تھا۔

"بس اتنی سی بات۔۔۔" باصد کمال نے فریج سے پانی کی بوتل نکال کر منہ سے لگاتے بات کو چٹکیوں میں اڑایا۔

"یہ اتنی سی بات نہیں ہے۔ کم از کم میرے لیے؟" نشال نہ چاہتے ہوئے بھی جھنجلا گئی۔ باصد کمال نے اسے اب کی بار حیرت سے دیکھا۔

"بہرحال۔۔۔ یہ کوئی ایسی بھی بات نہیں جسے سر پہ سوار کر لیا جائے۔" اس کا انداز ہنوز لاپروا تھا۔

"خیر۔۔۔ اس کی فوٹوز بھیج دیں گے بی اماں کو۔۔۔ اب بی اماں کی اتنی چھوٹی سی خواہش کو ہم رد تو نہیں کر سکتے ہیں ناں۔"

"مگر صحاب احمد کی تصویر آئے گی کہاں سے؟" نشال کو حقیقتاً سمجھ میں نہیں آیا تھا' جس شخص نے اسے گھر کے اندر نہیں گھسنے دیا تھا وہ اپنی تصویریں بھلا کیوں دے گا۔ شام کو رباح آئی تو سارا معاملہ اس کے سامنے رکھا گیا۔ چٹکیاں بجاتے ہی حل اس کے پاس تھا۔ وہ بھاگ کر اندر سے اپنا جدید ڈیجیٹل کیمرہ نکال لائی۔ ان دونوں کو کاؤچ پر ایک ساتھ بٹھایا' بالکل گھریلو حلیے۔۔۔ میں عام سے لباس میں' وہ انہیں بتائے بغیر ان کی تصاویر بنانے لگی تھی۔ جب نشال اور باصد سمجھ پائے' وہ ان کی کتنی ہی تصاویر لے چکی تھی۔

"ڈیٹس اٹ۔۔۔" ان دونوں کے درمیان بیٹھتے تصاویر دیکھتے وہ پرجوش تھی۔

"کل ہی اسے ڈیولپ کروا کے پوسٹ کر دیں گے۔ انٹرنیٹ تو بی اماں کے پاس ہو گا نہیں' ورنہ پانچ منٹ میں تصویریں ان کے پاس ہوتیں۔" وہ مزے سے تصاویر آگے پیچھے کرتی بول رہی تھی۔

"تھینک یو سو مچ رباح۔۔۔ جو کچھ تم میرے ساتھ کر رہی ہو' اس اچھائی کا بدلہ تمہیں میرا رب دے گا۔ تم سچ میں بہت اچھی ہو۔" رات اپنے کمرے میں جانے سے پہلے وہ رباح سے کہنا نہیں بھولی تھی۔

"جس نے تصویریں کھینچیں' اس کا تو شکریہ ادا کر دیا۔ جس نے شوہر کی بھاری ذمہ داری پوری کی اس کا تو جھوٹے منہ بھی شکریہ نہیں ادا کر رہی تم۔" وہ اچانک درمیان میں بولا تھا۔ نشال کو حسب عادت شرمندہ کیا اور یہ جا وہ جا۔۔۔ نشال اس کی چوڑی پشت پر نگاہیں جمائے تادیر کھڑی ہی رہی۔

☼ ☼ ☼

باصد کی سالگرہ تھی اور رباح آج جلدی سے کلینک سے آگئی تھی۔ اور اب اس کے لیے بہت محنت توجہ اور محبت سے کیک تیار کر رہی تھی۔ نشال کو بیکنگ کرنا نہیں آتی تھی' جبکہ رباح اس میں ماہر تھی' رباح پائن ایپل کیک بنا رہی تھی اور یہ باصد کا پسندیدہ کیک تھا۔ نشال اس کی مدد کو پائن ایپل کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کر رہی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے رباح۔۔۔ کہ باصد ہمیشہ کی

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

طرح آج بھی اپنا برتھ ڈے بھول گئے ہوں گے۔"
نشال نے اسے اس قدر انہماک سے کام کرتے دیکھا تو پوچھ لیا۔ باصد ابھی تک آفس سے نہیں لوٹا تھا۔ وہ لندن کی سب سے بڑی ملٹی نیشنل فرم میں اکاؤنٹنٹ تھا۔ اس کی نوکری شیڈول خاصا مشکل تھا۔
"نہ بھی بھولا تو بھولنے کی شان دار اداکاری کرے گا۔ تم نہیں جانتیں کیا شے ہے وہ۔" رباح کھلکھلائی تو نشال بھی مسکرا دی۔
"کیا وہ شروع سے ہی ایسے ہیں۔" نشال نے دلچسپی سے پوچھا تھا۔
"دس سال ہوگئے ہمیں ایک ساتھ رہتے۔ اب تو یاد بھی نہیں کہ یہاں آنے سے پہلے کیسا تھا، مگر ایکٹنگ کا کیڑا اس میں پیدائشی ہے۔" رباح کے لہجے و انداز میں ہمیشہ ہی اس کے لیے بہت محبت ہوا کرتی تھی۔ رباح صدیقی کا انداز فکر' باصد کا خیال رکھنا' اسے توجہ دینا' اس کے دل کی بات کو واضح جتلا دیتا تھا۔ یہی حال باصد کمال کا بھی تھا۔
"ایک دوسرے کو اتنا جاننے کے باوجود بھی ابھی آپ لوگ سنگل ہیں' کیوں؟" نشال نے ڈیڑھ دو ماہ سے دل میں کلبلاتا سوال بالآخر آج پوچھ ہی لیا۔
"میرا بس چلے تو ایک دن کی بھی دیر نہ کروں' مگر باصد کو ابھی کچھ وقت چاہیے خود کو اسٹیبل کرنے کے لیے۔" رباح نے بے فکری سے کہتے کندھے اچکائے۔
"اور یہ واحد ایسا کام ہے جس میں... میں زور زبردستی سے کام نہیں لینے والی۔" رباح کا قہقہہ بڑا جان دار اور بے ساختہ تھا۔ نشال بھی اس کی بات سمجھ کے کھلکھلا کے ہنسی۔ گھر کے اندر داخل ہوتے باصد کمال نے اس کی کھلکھلاہٹ کو دلچسپی سے دیکھا۔ ایک زندگی سے مایوس دکھی لڑکی بہرحال زندگی کی طرف لوٹ رہی تھی۔ اس کا خوش ہونا فطری سی بات تھی۔
"ہائے ایوری باڈی!" اپنا لیپ ٹاپ بیگ کاندھے سے اتار کر صوفے پر رکھتے اس نے ان دونوں کو اپنی جانب متوجہ کیا۔
"کیا پکایا ہے آج۔ بہت بھوک لگ رہی ہے؟" وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے پلٹا۔
"تمہاری پسند کا ہی ہے سب کچھ ہتم بس چینج کرکے آجاؤ جلدی سے۔" رباح نے وہیں کچن سے آواز لگائی تھی وہ جیسے ہی اندر گیا اسی تیزی سے باہر نکلا۔
"رباح۔ میرے کپڑے تم نے دھوئے ہیں۔" وہ اب دروازے پہ کھڑا چلا رہا تھا۔
"نہیں تو۔ کیا ہوا؟" سنک پر ہاتھ دھوتی رباح کی آواز مصروف سی تھی۔
"یار میرا ریڈ اور بلو ٹراؤزر شرٹ نہیں مل رہا۔ میں صبح لٹکا کے گیا تھا باتھ میں۔"
"وہ... وہ تو میں نے دھو دیا۔" نشال بے ساختہ بول گئی۔ رباح نے اسے تشکر آمیز نظروں سے دیکھا۔ وہ جب سے آئی تھی۔ غیر محسوس طور پر گھر کا سارا کام اپنے کندھوں پہ لے چکی تھی' حالانکہ رباح بہت روکتی تھی۔ ان لوگوں نے اسے اپنے گھر میں پناہ دے رکھی تھی' اس کا اتنا ساتھ دے رہے تھے' اس کا اتنا خیال رکھ رہے تھے تو کیا وہ ان کو اتنا سا آرام نہیں پہنچا سکتی تھی؟
"لا دو یار ذرا' رباح نے باصد سے پہلے ہی کہہ دیا تھا' وہ فوراً" لینے بھاگی۔
"یار... مزہ آگیا' نشال کے روپ میں ہمیں تو ایک مند مل گئی' ہر کام وقت پر کیا ہوا' با آسانی مل جاتا ہے۔" باصد کمال نے اس کے جانے کے بعد کہا تھا۔
"شٹ اپ... اس کے منہ پر مت کہہ دینا اب... ہرٹ ہو گی۔" رباح نے اسے فوراً" ٹوکا تھا۔
"وہ!" باصد نے سر پیٹا۔ "میں محض مذاق کر رہا ہوں یار! تم بھی اسی کی طرح ہوتی جا رہی ہو۔" وہ بالوں میں انگلیاں پھنساتا چلایا۔
"مجھے پتا ہے کہ تم مذاق کر رہے ہو اور تمہارے مذاق کا دائرہ بہت وسیع ہے مگر ضروری نہیں کہ بندہ اس بات کو سمجھ سکے۔ سوبی کیئر فل۔" وہ اسے خبردار کر رہی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"اوہ گاڈ۔۔ تم لوگوں کو یاد تھا۔" رات بارہ بجتے ہی جب وہ دونوں اس کے کمرے میں کیک لے کر گئیں تو فرط جذبات میں گھرا باصد بس اتنا ہی کہہ پایا۔ نشال اندازہ نہیں کرپائی کہ وہ بھول جانے کی اداکاری کررہا تھا یا سچ مچ میں اسے اپنی سالگرہ یاد نہیں تھی۔

"آئی مین واؤ۔۔ اٹس امیزنگ۔" وہ کیک پر لگی موم بتیاں بجھاتے بولا تھا۔ رباح نے اسے بہت خوبصورت نیو برانڈ کا آئی فون گفٹ کیا تھا جسے پاکر وہ بہت خوش ہوا تھا تب ہی وہ نشال کی جانب مڑا تھا۔ رباح پلیٹوں میں کیک نکالنے لگی۔

"لاؤ نکالو میرا گفٹ۔" وہ اپنے ہاتھ کی جوڑی ہتھیلی پھیلائے منتظر تھا۔ نشال سٹپٹا گئی۔

"باصد۔۔! نشال کو تمہارے برتھ ڈے کے بارے میں معلوم نہیں تھا یہ جب شام کو کلاسز لے کر آئی تو میں نے اسے بتایا تھا۔" رباح نے نشال کی حمایت کی۔

"ٹھیک ہے اگر ان کے پاس میرے لیے کوئی تحفہ نہیں ہے تو پھر انہیں کیک بھی نہیں ملے گا۔" وہ بڑے آرام سے نشال کے ہاتھ سے کیک کی پلیٹ تھامتے بولا تھا نشال تو چکرا کر رہ گئی۔

"باصد ۔۔ دس از ناٹ فیئر ۔۔ تم زیادتی کررہے ہو۔"

"پہلے یہ وعدہ کریں کہ صبح ہر حال میں میرا گفٹ لائیں گی۔ تب کیک کھلاؤں گا ورنہ میں اپنی سالگرہ کا کیک کسی کو بغیر تحفے کے ہرگز نہیں کھانے دوں گا۔" وہ بچوں کی طرح ضد کررہا تھا۔ رباح اپنا سر پیٹ کے رہ گئی۔

"بولیں مس۔۔ لائیں گی میرا گفٹ؟" نشال بے بسی سے گردن ہلا کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس روز رباح کو کچھ شاپنگ کرنا تھی۔ اسے دو دن کے لیے ایل اے (امریکہ کا شہر) جانا تھا۔ ایل اے بہترین کاسمیٹک سرجری کے لیے پوری دنیا میں مشہور تھا۔ رباح کو وہاں ایک پر ایک سیمی نار میں شرکت کرنا تھی

اس سیمی نار میں دنیا بھر کے نامور اور قابل ڈرماٹولوجسٹ اور سرجن شرکت کررہے تھے انویٹیشن کارڈ ملتے ہی وہ پورے جوش و خروش سے تیاریوں میں مگن ہوگئی تھی۔ رباح زیادہ تر جینز شرٹ ہی استعمال کیا کرتی تھی۔ کبھی کبھار ٹاپ کے ساتھ لانگ اسکرٹ بھی پہن لیا کرتی تھی۔ اس کے بال ریشمی اور سیاہ تھے۔ بے حد شفاف، بے داغ گوری رنگت، بڑی بڑی غزالی آنکھیں جن پر گھنی پلکوں کا غلاف تھا۔ کانوں میں ہمہ وقت پہنے ڈائمنڈ کے نفیس ٹاپس، بائیں ہاتھ کی انگلی میں ایک ڈائمنڈ کی انگوٹھی تھی جو بہت سال پہلے باصد کی ممی نے اس کے ہاتھ میں پہنائی تھی، تب سے اب تک وہ اس کے ہاتھ میں تھی رباح کو اس سے ایک عجیب طرح کی انسیت محسوس ہوتی تھی۔ شاید اس کے پیچھے باصد کمال سے کی جانے والی محبت تھی جو وہ انگوٹھی اسے اپنے اور باصد کے تعلق کی مضبوطی ظاہر کرتی تھی وہ دونوں ایک دوسرے کا پرفیکٹ میچ تھے۔ حد سے زیادہ ایک دوسرے کو سمجھنے والے، حیران کن حد تک ذہنی ہم آہنگی رکھنے کی وجہ سے وہ دونوں ایک دوسرے کی کمزوری بن چکے تھے۔

اس وقت وہ ایک انڈین بوتیک میں آئے تھے۔ خریدنا تو وہاں سے انہیں کچھ بھی نہیں تھا، لیکن بس یونہی ونڈو شاپنگ کی غرض سے تب ہی باصد کی نظر ایک ساڑھی پر گئی تھی اس کی آنکھیں کسی اچھوتے احساس سے چمکنے لگی تھیں وہ فوراً" رباح کی جانب پلٹا تھا۔

"ہے۔۔ رباح کیا ہی اچھا ہو اگر تم اس مرتبہ سیمی نار میں اسکرٹ کے بجائے یہ ساڑھی پہن کر جاؤ تو۔۔"

نشال نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھا۔ ساڑھی واقعی میں بہت خوب صورت تھی گہرے جامنی پیور شیفون پر نفیس کڑھائی والا بارڈر تھا۔ رباح پلٹ کر ڈمی کے قریب آئی۔

"آر یو میڈ باصد! مجھے سیمی نار میں شرکت کرنی ہے کسی شادی میں نہیں۔"

"کیا فرق پڑتا ہے رباح۔۔ تم اپنے لباس سے اپنے

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ملک اور اس کی ثقافت کو پریزنٹ کرو گی۔" باصد حسب عادت اپنی ہی کہہ رہا تھا۔

"مگر یہ انڈیا کا قومی لباس ہے پاکستان کا نہیں۔"بحث کرنے کو ہمہ وقت تیار رباح نے ترنت کہا تھا۔

"تو ٹھیک ہے پھر طے ہوا تم اس بار شلوار قمیص اور دوپٹا لے کے جاؤ گی۔" باصد نے فیصلہ سناتے ہوئے بات ختم کی تھی۔

رباح شلوار قمیص پر راضی ہو گئی تھی۔

"اینی وے۔ تم لوگ باقی کی چیزیں خریدو۔ میں ذرا سامنے والی مارکیٹ سے اپنے لیے کچھ پسند کرلوں۔ فارغ ہو کے ادھر ہی آجانا تم لوگ" وہ تیزی سے کہتا باہر کی جانب بڑھا تھا۔ رباح نے نشال کو بھی اپنے لیے کچھ خریدنے کے لیے بہت اصرار کیا مگر وہ نہیں مانی۔ اس کے پاس جہیز کے نام پر بنائے کپڑوں کا ڈھیر تھا اور رباح پر مزید بوجھ ڈالنا نہیں چاہتی تھی' بی اماں نے چلتے وقت اسے کچھ رقم دی تھی' وہی رقم وہ اپنی ضرورت کے لیے استعمال کر رہی تھی۔ تاحال اسے جاب کی ضرورت نہیں پڑی تھی' ویسے بھی اس کے انگلش کورسز کی فیس رباح نے ہی ادا کی تھی۔

یہ ایک بہت بڑی دکان تھی۔ جس میں مردانہ چیزوں کی بہتات تھی۔ باصد کمال نے اپنے لیے دو شرٹس اور ایک ٹائی خریدی تھی ساتھ میں نفیس کرسٹل ڈائمنڈ والی ٹائی پن بھی۔ رباح سامنے نظر آتی پرفیوم کلیکشن کی جانب بڑھ گئی تھی' نشال کونے میں کھڑی تھی۔

"یہ دیکھو نشال یہ کیسی ہے؟" ٹائی اور ٹائی پن اسے دکھاتے باصد خاصا پرجوش تھا۔ نشال نے اس سلک کی پستئی رنگ کی ٹائی کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا۔

"بہت زبردست!" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا تھا۔

"ہاں واقعی زبردست ہے۔ اسے تم مجھے گفٹ کر رہی ہو۔" وہ مزے سے بولا تو نشال کا منہ کھل گیا' یہ آفر بھلا اس نے کب کی تھی۔

"میرا برتھ ڈے گفٹ ادھار تھا ناں تم پر۔" وہ اسے یاد دلا رہا تھا۔ نشال نے سمجھ کر سر ہلایا۔

"وہاں کاؤنٹر پر پے منٹ کردو۔" وہ اسے ہدایات دیتا وہاں سے چلتا بنا' آیا تو ہاتھ میں ایک خوب صورت سا کارڈ تھا۔

"اسے فل کرکے مجھے مسکراہٹ کے ساتھ دو' گفٹ ایسے رو کے دیا جاتا ہے کیا؟"

وہ اسے پین اور کارڈ پکڑاتا حیران کر رہا تھا۔ نشال دم بخود سی کارڈ پر دعا لکھ رہی تھی۔ باصد کمال کا ہر انداز ہی چونکانے والا تھا۔ نشال نے کارڈز لکھ کے احتراماً اسے ہلکا سا سر کو خم دے کر وش کرتے تحفہ پکڑایا جسے اس نے ادائے بے نیازی سے تھینکس کہتے ہوئے تھام لیا۔ نشال بس اسے حیران ہو ہو کے دیکھتی ہی رہی تب ہی رباح چلی آئی باصد کمال نے بے ساختہ کارڈ کو پیچھے کیا تھا۔ یہ ایک غیر شعوری سی کوشش تھی شاید رباح کی ناراضی کے خوف سے۔

"کیا ہو رہا ہے؟" رباح خوش خوش سی ان کے قریب چلی آئی۔

"تمہارا انتظار۔ اب چلو دیر ہو رہی ہے۔" جلدی جلدی کا شور مچاتے انہیں گھر لے آیا تھا۔

مگر اسی رات عشا کی نماز ادا کرنے کے بعد نشال ابھی بیٹھی تھی کہ باصد چلا آیا۔ نشال نے یوں رات کے پہر اسے اپنے کمرے میں حیرت سے دیکھا اس کے ہاتھ میں کچھ تھا۔

"یہ تمہارے لیے۔" وہ پیکٹ اس کی طرف بڑھاتے بولا۔ نشال نے بے ساختہ اس میں سے جھلک دکھلاتی ساڑھی کو دیکھا اور دھک سے رہ گئی۔ یہ وہی ساڑھی تھی جو آج شام وہ رباح سے خریدنے کو کہہ رہا تھا۔

"یہ... تو۔" مارے حیرت کے اس سے بات مکمل کرنا مشکل ہو گئی۔

"تمہارے لیے ہے۔ تمہیں یہ پسند آئی تھی ناں ویسے بھی جو مجھے تحفہ دے اسے جواباً" تحفہ دینا باصد کمال کا نیچر ہے' آئی مین عادت ..." وہ کاندھے اچکاتے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بولا تھا یہ بھی اس کا انداز ہی تھا۔
"مگر میری برتھ ڈے تو نہیں ہے؟" نشال تذبذب کا شکار ساڑھی پکڑنے میں متامل تھی۔
"کبھی نہ کبھی تو آئے گا ناں کیا پتا تب تک تم کہاں ہو اپنے شوہر کے گھر یا پاکستان اپنی بی اماں کے گھر' خواہ مخواہ تمہارے دل میں خیال آئے گا کہ باصد کمال تمہاری سالگرہ کا تحفہ کھا گیا۔"
نشال کہہ نہ سکی کہ اس کی ایسی سوچ نہیں ہے مگر کہہ نہیں پائی' باصد کمال کی زبان کی تیزی کے سامنے وہ یونہی گنگ ہو جایا کرتی تھی' اس نے وہ پیکٹ تھام کے خاموشی سے اسے الماری میں رکھ دیا۔ اس کا ارادہ اسے رباح سے تذکرہ کرنے یا دکھانے کا بالکل بھی نہیں تھا' جانے کیوں۔۔ باصد کمال کا ایک نیا روپ اس پر آشکار ہوا تھا' نرم نرم مہربان سائبان کیے جان لینے والا یعنی وہ اتنا انجان نہیں تھا جتنا نظر آتا تھا' پہلی بار وہ نشال کو اچھا لگا۔

☼ ☼ ☼

رباح دو روز کے لیے ڈھیر ساری ہدایات دے کر رخصت ہو گئی۔ نشال اس کے جاتے ہی اداس ہو گئی' گھر میں سارا دن بولائی سی پھرتی رہی۔ باصد کمال اسے ایئر پورٹ چھوڑنے گیا تو رات گہری ہونے پر بھی نہ لوٹا تھا۔ نشال کچھ دیر پڑھتی رہی پھر ٹی وی دیکھا اور اس کے بعد جی بھر کر بی اماں سے باتیں کیں۔ انہیں نشال اور صحاب احمد کی تصاویر مل گئی تھیں حسب توقع وہ ان دونوں کو خوب سراہتے ہوئے دعاؤں سے نواز رہی تھیں۔
"تو کتنی بخت والی ہے نشی۔ تیری پسند کے ہیرو کی طرح سے تیری زندگی کا ہیرو بھی ہے' اس کی شکل کتنی ملتی ہے اس سے' ایک لمحے کو تو میں حیران ہو گئی' مجھے لگا کہیں میرے ساتھ تم لوگوں نے مذاق تو نہیں کر بھیجا۔ مگر پھر مجھے تجھ پر یقین تھا کہ تو اپنی بی اماں کے ساتھ ایسا دھوکا کبھی مر کے بھی نہیں کر سکتی۔"
انجانے میں وہ اس کے زخموں کے کھرنڈ نوچ گئی تھیں۔ نشال کی جان سولی پہ اٹک گئی جب اس کھیل کا اختتام ہو گا تو وہ بی اماں کا سامنا کیسے کر پائے گی اور پھر انہوں نے تو اب تک جانے اپنی کتنی محلے دار عورتوں کو تصاویر دکھا کر داد حاصل کر لی ہو گی۔ تھکن نشال کے پورے وجود میں سرائیت کر گئی۔ دکھ انسان کو تھکن کے سوا اور دیتے ہی کیا ہیں بھلا' ایک درد مسلسل' سوچوں کی شوریدہ سری' تکلیف' گھٹن اور بے بسی کے سوا کیا اس کی آزمائش کبھی ختم ہو پائے گی؛ کیا کبھی وہ خوش گوار زندگی جی پائے گی۔ اس کے سامنے ایک بند گلی تھی' جس میں کوئی روزن نہیں تھا۔
آج اس کا جی بری طرح سے گھبرا رہا تھا۔ عشا کی نماز تو وہ ادا کر چکی تھی مگر وہ دو رکعت نفل پڑھ کے سجدے میں گر کے پھوٹ پھوٹ کے روئی تھی۔ وہ اپنا دکھ کسی سے نہیں کہتی تھی مگر اپنے رب سے اس کی بہت دوستی تھی۔
وہ سجدے میں ہی تھی جب اسے گھر کے مرکزی دروازے کے کھلنے کی آواز آئی تھی گھر کی ڈپلی کیٹ چابی ان تینوں کے پاس ہوا کرتی تھی۔ اس نے سر سجدے سے اوپر اٹھایا تو اس کا پورا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ مگر وہ خود بہت ہلکی پھلکی ہو گئی تھی۔ اس نے جائے نماز تہ کر کے میز پر رکھی اور خود باہر لاؤنج میں نکل آئی۔ باصد اپنے لیے کافی بنا رہا تھا شاید وہ کھانے کھا کے آیا تھا۔ آہٹ پہ چونک کے مڑا۔
"کافی پیو گی۔ میں بنا رہا ہوں۔" اس نے نماز کے اسٹائل میں دوپٹا اوڑھے نشال کو دیکھا اور ٹھٹک گیا اس لمحے اس کے چہرے پر اس قدر ملاحت اور چمک تھی جیسے نور کا ہالہ اس کے چہرے کے اطراف میں پھیلا ہو۔
"آپ کھانا نہیں کھائیں گے کیا؟" وہ اثبات میں سر ہلاتی اس سے پوچھنے لگی تھی۔
"تم نے کھالیا؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگا تھا۔
اچانک ہی اسے یاد آیا تھا کہ وہ تینوں ایک ساتھ کھانا کھانے کے عادی تھے اور یقیناً' نشال باصد کے انتظار میں ابھی تک بھوکی تھی اور اس وقت رات کے

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

بارہ بج رہے تھے گویا وہ دوپہر کی بھوکی تھی۔
"مجھے بھوک نہیں ہے۔" نشال نے آہستگی سے کہہ کر جانا چاہا مگر باصد کی عقابی نگاہ سے بچ کے نکلنا آسان کہاں تھا۔
"تم روئی ہو نشال؟ کیا کچھ ہوا ہے میری غیر موجودگی میں؟" وہ یکدم پریشان ہو گیا تھا۔ ایک سادہ' بے ریا زمانے کی چالاکی سے۔ بے خبر لڑکی' اجنبی دیس میں کس مشکل سے دوچار ہو گئی تھی' باصد کا دل لمحہ بھر کو اس کی تکلیف محسوس کر کے سکڑ کر پھیلا۔
"میں ٹھیک ہوں۔ لائیں میں کافی بنا دیتی ہوں آپ بیٹھیں۔" وہ اس کے ہاتھ سے کافی کا مگ تھامتے بولی جس میں وہ دو کپوں کے لیے کافی پھینٹ رہا تھا۔ نشال کافی خود پھینٹنے لگی تو باصد نے الیکٹرک کیتلی میں دودھ گرم کرنا شروع کر دیا' دونوں کے درمیان خاموشی کا طویل وقفہ آیا اس دوران باصد کمال نشال کے چہرے کو بغور پڑھتا رہا' جس پر اس وقت گہرے تفکرات کا جال بکھرا تھا۔ کیا کبھی اس لڑکی نے اتنی دور آنے سے پہلے لمحہ بھر کو بھی سوچا ہو گا کہ اس کے ساتھ تقدیر ایسا مذاق بھی کر سکتی ہے۔ اس کے چہرے پر نگاہیں جمائے اس نے دکھ سے سوچا تھا۔
"آخر والدین بیٹیوں کو اتنی دور بیاہنے سے پہلے اچھی طرح سے چھان بین کیوں نہیں کرواتے کہ جن کے ہاتھ وہ اپنی بیٹیوں کا ہاتھ دے رہے ہیں۔ وہ اس قابل ہیں کہ اپنے جگر گوشے انہیں سونپے جائیں۔"
"کچھ ملا پھر؟" کافی کا مگ باصد کمال کے سامنے رکھتے اس نے پوچھا تھا۔ اب حیران ہونے کی باری باصد کی تھی۔
"کہاں سے؟" نشال اس کا سوال سن کے دھیرے سے مسکرائی اور پوچھا۔
"میرے چہرے سے...؟"
"بہت کچھ ملا ہے نشال عبیداللہ!" اس کا لہجہ گمبھیر ہو گیا' نشال تھم سی گئی۔
"کیا۔ کیا ملا؟" ٹوٹے کانچ کی چبھن کا احساس جگاتا لہجہ تھا۔
"یہی کہ۔ اگر تمہارے سوچنے کا یہی حال رہا تو بہت جلد تمہارے چہرے پر جھریاں پڑ جائیں گی۔"
وہ اپنے احساسات چھپا تا کافی کا مگ اٹھا کے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا' بے اختیاری کا وہ ایک مختصر سا پل تھا جو باصد کمال پر بہت کچھ عیاں کر گیا تھا اور وہ سب بہت تلخ اور مشکل تھا۔ نشال کافی کے بھاپ اڑاتے مگ میں اپنا دھندلا مستقبل تلاشتی وہیں بیٹھی رہ گئی۔ آنکھوں سے سیل رواں بڑی خاموشی اور تیزی کے ساتھ ایک بار پھر جاری ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ اسے لندن گھمانے لایا تھا۔ اپنی پسندیدہ جگہوں پر' جہاں وہ جانا پسند کرتا تھا۔ جہاں اسے بیٹھنا اچھا لگتا تھا' آج پہلی بار وہ اسے اپنے بارے میں بتا رہا تھا اس سے پہلے تو سب کچھ رباح کی مرضی کے مطابق ہوتا تھا۔ اور نشال کو لگتا تھا جیسے باصد کمال کی اپنی کوئی پسند ہے ہی نہیں مگر ان تین ماہ میں اسے پہلی بار الگ احساس ہوا تھا۔
"آؤ۔ آج تمہیں لندن ایک الگ نظر سے دکھاؤں۔" چلتے سے اس نے گہرے لہجے میں کہا تھا۔ وہ اسے ایپسم ڈاؤنز لایا تھا۔ یہ ایک بہت اونچی پہاڑی پر بنی جگہ تھی اس پر کھڑے ہوتے ہی سارا لندن اسکرین کی مانند واضح ہو جاتا تھا۔ جس وقت وہ لوگ وہاں پہنچے شام گہری ہو رہی تھی۔ ایپسم ڈاؤنز کے ساتھ ہی بالکل نزدیکی ریس کورس کا بہت بڑا میدان تھا۔ نشال نے وہاں کھڑے ہو کے لندن کو مسحور و مبہوت ہوتی نگاہوں سے دیکھا۔ پورے لندن کا نظارہ اس قدر حسین اور منفرد تھا کیا اس سے زیادہ حسین منظر بھی کوئی ہو سکتا تھا؟
"کون کہتا ہے کہ لندن ایک دن میں نہیں دیکھا جا سکتا۔" وہ اس کے نزدیک آتے بولا تھا نشال نے مڑ کر دیکھا' باصد کے سلکی بال ہوا کے ٹھنڈے جھونکوں سے اڑ رہے تھے۔
"یہ میری فیورٹ جگہ ہے' اکثر ہی یہاں آتا رہتا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہوں، خصوصاً جب رباح سے ناراض ہوتا ہوں تو؟"

"کیا رباح آپ کو اتنی دور منانے آتی ہے۔" اس کے حیرت سے کیے گئے استفسار پر وہ دھیرے سے ہنسا۔

"اسے اس جگہ کے بارے میں معلوم نہیں ہے۔" اس کے انکشاف پر نشال کا منہ حیرت سے کھلا، کیا کوئی ایسی جگہ تھی جس سے رباح واقف نہیں تھی بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ کیا باصد کمال کا کوئی ایسا راز بھی ہوگا جو رباح صدیقی کو معلوم نہیں ہوگا؟

"تو پھر آپ لوگوں کی صلح کیسے ہوتی ہے؟" نشال نے ہنوز حیرت سے استفسار کیا تھا۔

"جب ہمارا ایک دوسرے پہ آیا غصہ ختم ہوتا ہے تو خود ہی مان جاتے ہیں۔" اور نشال جانتی تھی کہ وہ بات گول کر گیا ہے، رباح تو ویسے ہی اس کے پیچھے خوار رہا کرتی تھی اگر ناراض ہو جائے تو رباح کی تو جان پر بن آتی ہوگی۔

"اینی وے۔ آؤ میں تمہیں ایک اور جگہ دکھاؤں"وہ آگے بڑھ گیا۔

یہاں دنیا کا سب سے بڑا لکڑی کا جھولا نصب ہے اور یہ لندن کا مشہور پکنک پوائنٹ ہے۔ اس جھولے کو ملینیم وہیل بھی کہتے ہیں اس میں بیٹھ کر پورے لندن کو اپنی آنکھ سے چکر کھاتا اور گھومتا بھی آسانی دیکھا جا سکتا ہے۔"

"تم بیٹھو گی اس جھولے میں؟" باصد کمال نے نشال سے پوچھا تھا۔

"کیوں آپ بھی مجھ پر اپنا غصہ نکالنا چاہتے ہیں کیا؟ ویسے اگر ایک دوسرے پر غصہ ہو تو اسے نکالنے کا اس سے بہترین حل اور کوئی نہیں ہو سکتا اسے اس جھولے میں بٹھا دینا چاہیے، غصہ بھی اتر جائے گا اور اس کا کام بھی پورا ہو جائے گا۔" وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔ پہلی بار وہ اس طرح باتیں کر رہی تھی۔

"آئیڈیا برا نہیں ہے۔ اس پر سوچا جا سکتا ہے۔ اپنے اس نام نہاد شوہر کو بٹھانا اس میں۔۔۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا نشال قہقہہ لگا کے ہنسی۔

"وہ ہاتھ تو آئے سارے بدلے گن گن کے لوں گی۔" اس کا جواب خاصا برجستہ تھا۔

"تم باتیں تو بڑی کمال کی کرتی ہو۔ پھر اتنا کم کیوں بولتی ہو؟" اس سے پہلے کو وہ کوئی جواب دیتی اسے کسی نے پکارا تھا، بھیڑ میں، بھلا وہ کیسے جان سکتی تھی پھر لندن میں اسے ابھی جانتا ہی کون تھا۔ اس کی تو اپنی کسی کلاس فیلو لڑکی تک سے بھی دوستی نہیں تھی یہ آواز تو مردانہ تھی۔

"نشال۔۔ رکو بیٹی۔ میری بات سنو پلیز۔" آواز اس کے قریب سے ہی کہیں سے ابھری تھی۔

وہ چونک کے پلٹی تھی، باصد کمال نے بھی اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا، وہاں ایک ویل ڈریسڈ ادھیڑ عمر آدمی کھڑا تھا۔ باصد کمال نے اسے تعجب سے دیکھا پھر نشال کو جو گم صم کھڑی تھی۔

"یہ کون ہیں، کیا تم انہیں جانتی ہو۔" پھر اس نے حیرت سے نشال سے پوچھا تھا۔

"یہ نواب انکل ہیں۔ صحاب احمد کے پاپا۔" نشال نے دھماکا کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں بہت معذرت خواہ ہوں بیٹی، اور بہت شرمندہ بھی، ساری غلطی میری ہے۔ جو اپنے بیٹے پر اندھا اعتبار کر بیٹھا۔"

اگلے ہی دن وہ اس کے پاس رباح کے گھر آئے تھے تب تک رباح بھی گھر پہنچ گئی تھی، رباح کے واپس آتے ہی نشال اور باصد نے اسے ساری بات کہہ سنائی تھی۔ رباح نے ساری صورت حال سے انہیں آگاہ کیا تھا۔ نشال تو بس خاموش بیٹھی آنسو ہی بہاتی رہی تھی۔ اس میں تو اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ خود پر بیتنے والی اذیت کو دہرا پاتی۔

"اگر آپ کا بیٹا راضی ہی نہیں تھا انکل تو آپ کو نشال کو بلانا ہی نہیں چاہیے تھا۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"آپ نے ایک سادہ معصوم لڑکی کی سادگی کا فائدہ اٹھایا ہے انکل! بی اماں نے اس کی ذمہ داری آپ کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سپرد کی تھی اور آپ کو یہ ذمہ داری پوری کرنی چاہیے تھی نہ کہ یوں اس طرح سے صحاب احمد کی رضا جانے بغیر اسے اس کے سر پہ مسلط کر دیتے۔"

نشال نے اسے ممنون نگاہوں سے دیکھا۔

"تمہاری ہر بات اپنی جگہ درست ہے بیٹی! اگر میں وہاں نیا بزنس سیٹ کر رہا تھا میرا آنا مشکل تھا مگر میرا رابطہ مسلسل ہی صحاب احمد سے رہا ہے۔ اس نے مجھے ایک دن بھی محسوس نہیں ہونے دیا کہ میری غیر موجودگی میں وہ کیا کارنامہ سر انجام دے چکا ہے' میرے پاس اپنی صفائی کے لیے کوئی الفاظ نہیں ہیں۔ کیونکہ تصویر کو جس رخ سے بھی دیکھا جائے۔ غلطی میری ہی ہے مگر میں اس کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔" ان کے شرمندہ جھکے سر والے چہرے کو اس لمحے سب نے حیرت سے دیکھا تھا۔

"ازالہ۔ وہ کیا کرنے جا رہے ہیں؟" نشال کے چہرے پر سوالات تیرنے لگے' باصد کمال نے اسے ایک نظر دیکھا اس کے چہرے پر آنے والے وقت کے حوالے سے کوئی خوش کن احساس رقم نہیں تھا۔

"اب کیا کرنا چاہتے ہیں آپ۔" رباح صدیقی نے پر اعتماد مضبوط آواز میں کہا۔

"میں نشال بیٹی کو اپنے ساتھ لے جانے آیا ہوں۔ جو کچھ ہوا میں اس پر بہت شرمندہ ہوں۔ اب میں نشال کو اپنی ذمہ داری پہ لے جاؤں گا اب اسے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" وہ پر امید تھے۔

"مگر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ صحاب احمد کا رویہ اب نشال کے ساتھ اچھا ہوگا۔" بہت دیر سے خاموش بیٹھے باصد کمال نے پہلی بار لب کھولے اس کے لہجے آنکھوں میں نشال کے لیے فکر اور پریشانی تھی۔

"کیسے نہیں ہوگا اچھا۔ اسی نے تو مجھے یہاں بھیجا ہے نشال بیٹی کو لینے کے لیے۔"

"تو پھر وہ خود کیوں نہیں آیا نشال کو لینے۔ اسے نشال کا خیال تین ماہ بعد کیوں آیا۔" باصد نے اب کی بار چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا۔ اس کے لہجے میں اتنی درشتی تھی کہ نواب انکل تو کیا رباح صدیقی بھی ٹھٹک گئی تھی۔ اس کی فکر کا یہ انوکھا اظہار تین ماہ میں پہلی مرتبہ ہوا تھا۔ رباح کی حیرت بجا تھی۔

"وہ شرمندہ تھا بیٹا! اسی لیے مجھے بھیجا ہے اس نے۔" احمد نواب نے تھوک نگلا۔

"پھر تو جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے بعد تو وہ نشال کے سامنے عمر بھر سر اٹھانے کے قابل نہیں رہا۔" باصد کمال نے طنز سے بھرپور وار کیا تھا۔

"میرا خیال ہے کہ اس بات کا فیصلہ نشال بیٹی ہی کو کرنا چاہیے' یہ ان دونوں میاں بیوی کا معاملہ ہے۔ میں اور آپ کون ہوتے ہیں بھلا۔" بہت نرمی سے بولتے احمد نواب نے اسے جتا دیا تھا کہ اسے نشال کی زندگی کا فیصلہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

"ہم کون ہیں نشال کے یہ آپ بھی اچھے سے جانتے ہیں انکل جی! آپ کے بیٹے نے تو اسے نکال دیا تھا ناں دربدر پھرنے کو۔ اور اگر ہم نہ ہوتے تو آج آپ کو اپنی غلطی کا ازالہ کرنے کے لیے نشال کو ڈھونڈنا ممکن بھی نہ ہوتا؟" اپنے طنزیہ انداز میں چبا چبا کر الفاظ ادا کرتے اس نے احمد نواب کا منہ بند کر دیا تھا اسے ان کی باتوں نے شدید تاؤ دلایا تھا۔

"ریلیکس باصد!" رباح نے بات کو بگڑتا دیکھ کر نرمی سے باصد کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا۔

"انکل۔ قانونی طور پر نشال ابھی تک صحاب کی بیوی ہے اور میرا خیال ہے کہ صحاب احمد اگر شرمندہ ہے تو پھر اسے ایک موقع لازمی دینا چاہیے' نشال آپ کے ساتھ جائے گی اور میں امید کرتی ہوں کہ آپ اس کا ہر طرح سے خیال رکھیں گے۔ نشال۔ تم اٹھ کے اپنی پیکنگ کر لو۔"

رباح نے نشال سے کہا تو وہ فوراً وہاں سے اٹھ گئی تھی اس کے جاتے ہی باصد کمال بھی معذرت کرتا وہاں سے اٹھ گیا تھا۔ رباح نے پرسوچ نگاہوں سے اسے وہاں سے جاتا دیکھا تھا۔ اس کا رویہ رباح کی سمجھ سے بالاتر تھا۔ نشال نے کمرے میں آکر خاموشی سے اپنا سارا سامان پیک کر لیا تھا ہاں البتہ اس نے کچھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

چیزیں وہاں الماری میں پڑی رہنے دی تھیں۔ اس گھر میں اس نے اپنا بہت اچھا وقت گزارا تھا۔ جتنی اپنائیت اور محبت اسے اس گھر کے مکینوں سے ملی تھی، اتنی شاید کبھی کہیں سے نہ حاصل کرپاتی۔ سامان سمیٹتے اس نے اس ساڑھی کو وہیں پڑا رہنے دیا تھا۔ جانے کیوں مگر اسے لگتا تھا کہ اس ساڑھی پہ اس سے زیادہ رباح کا حق ہے۔ سو اس نے اس ساڑھی کو وہیں رہنے دیا تھا۔

"چلیں بیٹی۔" سارا سامان پیک کرلینے کے بعد وہ لاؤنج میں آئی تو احمد نواب انکل نے شفقت سے پوچھا تھا۔ نشال نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"اپنا بہت سارا خیال رکھنا نشال اور خود کو کبھی اکیلا مت سمجھنا اور آتی جاتی رہنا۔ بہت یاد آؤ گی تم ہمیں۔" رباح نے چلتے سے اسے گلے سے لگا کر پیار کرتے ہوئے کہا تھا نشال کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

"تمہارا بہت شکریہ رباح۔ تم لوگ بہت اچھے ہو اور میں آپ لوگوں کو بہت مس کروں گی۔"

رباح کا شکریہ ادا کرتے نشال نے باصد کی طرف دیکھا تھا۔ جس کے خوب صورت چہرے پر برہمی کے تاثرات بڑے واضح تھے۔

☆ ☆ ☆

راستے بھر وہ مختلف سوچوں کا تانا بانا بنتی رہی تھی۔ اس کے لیے غنیمت تھا کہ احمد نواب انکل کو دیر سے ہی سہی مگر اپنی غلطی کا احساس ہوگیا تھا، وہ اپنے گھر واپس جارہی تھی۔ بالآخر صحاب احمد نے اس کے اور اپنے رشتے کو قبول کرلیا تھا۔

"نشال! صحاب دل کا بہت اچھا ہے، بس وہ ذہنی طور پر تیار نہیں تھا اس رشتے کو نبھانے کے لیے۔ تم تھوڑا دل بڑا کرلینا بیٹی، میں جانتا ہوں وہ شرمندہ ہے۔ مگر اقرار نہیں کرتا۔"

نشال خاموشی سے سر جھکا کے رہ گئی تھی۔ اس نے کوئی بات نہیں کی تھی مگر اس نے نواب انکل کی بات کا یقین کرلیا تھا اگر انہوں نے ایسا کہا تھا کہ صحاب احمد شرمندہ ہے تو اس نے مان لیا تھا وہ اس کے باپ تھے یقیناً سچ کہہ رہے ہوں گے۔ ایک باپ سے زیادہ اپنے بیٹے کو اور کون جان سکتا ہے مگر وہ غلط تھی اس کا اندازہ اسے گھر جانے پر ہوا تھا۔

"آپ اسے پھر لے آئے ڈیڈ! میں نے آپ کو منع بھی کیا تھا؟" دروازہ کھولتے ہی وہ اسے اپنے باپ کے ساتھ کھڑی نظر آئی تو وہ چلا اٹھا تھا۔

"بی ہیو یور سیلف صحاب! یہ تمہاری بیوی ہے۔" انہوں نے اسے ڈپٹ دیا تھا کتنی عجیب بات تھی جب وہ سیکھنے کی عمر سے نکل چکا تھا تو اس وقت اسے اخلاقیات سکھا رہے تھے۔

"یہ میری بیوی بالکل بھی نہیں ہے ڈیڈ۔ میں اس کے وجود کو اور نہ ہی اس رشتے کو تسلیم کرتا ہوں۔" وہ جواباً اور بھی زور سے چلایا تھا۔

"کام ڈاؤن صحاب! بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔" وہ اسے ساتھ لیے اندر بڑھ گئے تھے اور وہ دروازے میں ہی کھڑی رہ گئی تھی۔ ایک بار پھر وہ دروازے پہ ہی کھڑی تھی اسے اندر نہیں بلایا گیا تھا خود وہ جا نہیں سکتی تھی کیا خبر اپنی مرضی سے داخل ہونے پر اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا۔

"آئم سوری ڈیڈ۔ مگر میں اس رشتے کو ہرگز نہیں نباہ سکتا آپ کو قربانی کا بکرا میں ہی ملا تھا اس ماسی کے لیے۔ کبھی آپ نے اس کا حلیہ دیکھا ہے ڈیڈ۔ کیا وہ میرے ساتھ چل سکتی ہے کیا یہ اس قابل ہے کہ صحاب احمد اسے اپنے ساتھ کہیں لے جاسکے رشتہ بتانا اور رشتہ کر نباہنا تو دور کی بات ہے۔"

اس کے لہجے میں اس قدر تضحیک و نفرت تھی کہ لمحے بھر کے لیے تو نواب انکل بھی سن پڑ گئے تھے۔

"نشال اچھی بچی ہے صحاب! وہ تمہاری پسند میں ڈھل جائے گی، تم اسے ایک بار موقع تو دو۔" نواب انکل کے لہجے کی تھکن اور پسپائی باہر کھڑی نشال کی ٹانگوں میں اتر آئی، بے ساختہ وہ سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ کیا وہ اتنی ارزاں تھی۔

"نو وے ڈیڈ۔ آج سے پندرہ برس پہلے میں بچہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

تھا۔ آپ کے زیر سایہ پل رہا تھا۔ مجھے آپ کے پیسے کی ضرورت تھی اور اس وقت آپ کی بات مان لینے کے علاوہ میرے پاس اور کوئی چارہ نہیں تھا' مگر اب میں آپ کا محتاج نہیں' اس لیے آپ مجھے اس رشتے کو نبھانے کے لیے مجبور ہرگز نہیں کر سکتے نیور۔"

نشال کے دل پر گھونسا سا پڑا گیا وہ اتنی حرماں نصیب تھی کہ صحاب احمد نے محض اپنے فائدے کے لیے اسے اپنایا تھا اور اب جب اسے ضرورت نہیں تھی تو وہ اس تعلق کو بوجھ تصور کرتے توڑ کے پھینک دینا چاہتا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد جانے انہوں نے صحاب احمد کو کیسے منایا تھا' مگر وہ اسے لینے آئے تھے' وہ اسے گھر کے اندر بلا رہے تھے۔ نشال نے اپنے آنسو اندر اتار کر ضبط کر لیا اور خاموشی سے اندر بڑھ آئی۔ زندگی اپنے دامن میں ابھی کتنی اذیتیں سمیٹے ہوئے تھی۔ اس کا اندازہ ابھی قبل از وقت تھا اور ناممکن بھی۔۔۔ وہ خاموشی سے اپنا سامان گھسیٹتی اندر بڑھ آئی۔ صحاب احمد نے ایک قہر بھری نگاہ اس پر ڈالی اور وہاں سے چلا گیا۔ نشال نے اس نگاہ سے خود کو جھلستا محسوس کیا۔

"بیٹی۔ تھوڑا حوصلہ کرو گی تو وقت بہت جلد تمہارے لیے ہموار ہو جائے گا۔ صحاب احمد کی طرف سے میں معافی مانگتا ہوں تم سے۔۔۔" نواب انکل کے چہرے پر صدیوں کی تھکن تھی' یوں لگتا تھا جیسے صحاب احمد کے رویے نے انہیں بھی توڑ دیا ہے۔

"آپ کو میری طرف سے کبھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا انکل۔۔۔ باقی جو میرا نصیب' آپ پلیز شرمندہ نہ ہوں۔"

وہ تو بچپن سے دکھ سہنے کی عادی تھی' سو اب بھی تقدیر پر شاکر ہو کے اس برے وقت کے لیے خود کو تیار کرنے لگی' نواب انکل نے اس کے سر پر بے ساختہ پیار سے ہاتھ رکھا تھا' پھر انہوں نے اسے گھر دکھایا تھا۔ اس روز انہوں نے نشال کے ساتھ بہت باتیں کی تھیں۔ اس کے پاپا کی باتیں۔ اپنی اور ان کی دوستی کے قصے۔ بی اماں کے لاڈ پیار کے واقعے۔ نشال بھیگی آنکھوں سے مسکراتی رہی۔ نشال کو ان کے شفیق وجود میں اپنے باپ کی مہک محسوس ہوئی۔

اس روز نشال نے نواب انکل کی فرمائش پر کھانا بنایا۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ کام کرواتے رہے۔ صحاب احمد گھر سے باہر تھا۔ کچھ بتا کر بھی نہیں گیا تھا۔ اس نے بھی نواب انکل سے نہیں پوچھا تھا۔ پھر ان دونوں نے بی اماں کو کال کی تھی۔ نواب انکل پرسکون انداز میں بی اماں سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ انہیں صحاب احمد اور نشال کے متوقع ولیمے کے بارے میں بتانے لگے تھے۔

انجانے میں ہی سہی' مگر نشال نے ان کا بھرم رکھ لیا تھا' بی اماں کے ان کی ذات پر جو احسانات تھے وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ انہیں دکھ دیں۔ ان کے بڑے بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا' ایسے میں وہ لندن نہیں آسکتے تھے۔ انہیں آفس کا سارا کام سنبھالنا پڑ رہا تھا۔ مگر انہیں فکر تھی' صحاب احمد سے مسلسل رابطہ رکھے ہوئے تھے۔

جس روز نشال کی فلائٹ تھی۔ صحاب احمد کا نمبر مسلسل آف جا رہا تھا۔ لینڈ لائن نمبر پر آنسرنگ مشین لگی تھی۔ انہوں نے اس کے لیے جانے کتنے ہی پیغامات ریکارڈ کرا دیے تھے۔ انہیں اپنے خون پر یقین تھا کہ صحاب جتنا بھی غصیلا و لاپروا سہی' مگر وہ اتنا خود غرض اور گستاخ نہیں ہو سکتا کہ باپ کی نافرمانی کرے۔

اصل خبر تو انہیں تب ہوئی جب ایک روز ان کی کال صحاب احمد کی غیر موجودگی میں ایک آئرش لڑکی نے ریسیو کی تھی۔ انہوں نے فوری طور پر نشال کا پوچھا تھا تو جوابا"۔

"کون نشال!" کہہ کے پوچھا گیا سوال انہیں چونکا گیا تھا۔ وہ لندن پہنچے تھے۔ صحاب احمد انہیں دیکھ کر چونکا ضرور تھا' مگر گھبرایا نہیں تھا۔ پھر انہوں نے اس سے نشال کا پوچھا تھا تو اس نے۔ ڈھٹائی سے اس کے ساتھ کیے گئے سلوک کی داستان سنا۔ جس پر وہ شرمندہ تھا نہ ہی پشیمان' بلکہ پرسکون اس قدر کہ نواب

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

انکل کو حیرت ہوئی' کیا کوئی اتنا بے حس بھی ہو سکتا ہے؟ پھر انہوں نے نشال کی تلاش شروع کردی تھی' کیونکہ اتنی تو انہیں خبر تھی کہ نشال واپس نہیں گئی۔ اگر واپس جاتی تو بی اماں کا فون لازمی ان کے پاس آتا۔ انہیں اس بات کی خبر نہیں تھی کہ بی اماں کے پاس ان کا کوئی نمبر نہیں تھا۔ انہوں نے لندن کے ہر ہوٹل' موٹل' دارالامان' ویمن ہاسٹلز ہر جگہ اس کی تلاش جاری رکھی تھی۔ غرض انہوں نے ہر اس جگہ کو چھانا جہاں اس کی موجودگی کی توقع کی جاسکتی تھی اور پھر وہ انہیں مل گئی تھی۔ وہ اسے پہلی نظر میں ہی پہچان گئے تھے۔

آخری بار جب وہ پانچ سال پہلے پاکستان گئے تھے تو نشال نے ان کی خوب خدمت کی تھی اور ان کا بھرپور خیال رکھا تھا۔ پہلی بار انہیں واپس آکر بہت اچھا لگا۔ انہوں نے صحاب احمد کے لیے ایک اچھی لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔ اس فیصلے نے انہیں دنوں مطمئن وشاد رکھا تھا۔ مگر وہ اپنے بیٹے کو مطمئن وشاد نہیں کرسکے تھے' یہ ان کی غلطی تھی' ایک فاش غلطی۔۔۔

✡ ✡ ✡

"کھانا کھالو باصد!" رباح نے اس کے کمرے میں آکے جانے کتنی ہی آوازیں دے ڈالی تھیں' مگر وہ تکیے پہ اوندھے منہ لیٹا ٹس سے مس نہیں ہوا تھا۔

"باصد۔۔۔ میں تم سے کہہ رہی ہوں۔" رباح زچ ہوگئی تھی' تب ہی چیخ گئی تھی۔

"مجھے بالکل بھی بھوک نہیں ہے رباح۔۔۔ پلیز تم کھالو۔" اس نے معذرت کرلی تھی اور رباح کو حیرت ہوئی تھی' اسے حیرت ہونی بھی چاہیے تھی' باصد کے موڈ کو ایک دم سے کیا ہوا تھا' رباح سمجھ رہی تھی۔

"تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا باصد۔" وہ اس کے پاس آکر بیٹھ گئی تھی' نرم نرم لہجے میں بولنے والی رباح ذہنی خلفشار کا شکار تھی۔

"تم نے نشال کو بھیج کر اچھا نہیں کیا رباح!" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے سلکی بال ماتھے پر بکھرے تھے اور پیشانی کی رگ ہنوز پھولی تھی' گویا وہ ابھی تک ذہنی تناؤ میں تھا۔

"میں نے غلط نہیں کیا باصد۔۔۔ نشال شادی شدہ ہے' جلد یا بدیر اسے اپنے شوہر کے گھر لوٹنا ہی تھا۔" وہ اسے کچھ جتلا نہیں رہی تھی' مگر باصد کمال کو پھر بھی اس کی بات چبھ گئی تھی۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس حقیقت کو' مگر رباح۔۔۔ وہ ہماری دوست ہے۔ ہم نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے' تو ہمیں اس ذمہ داری کو بخوبی نبھانا بھی چاہیے' تمہیں یوں اسے اس کے انکل کے ساتھ نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔" وہ بالوں میں انگلیاں چلاتا پریشانی سے کہہ رہا تھا۔

"ہم اس کے ساتھ ہیں ابھی بھی۔۔۔ نشال اکیلی بالکل بھی نہیں ہے' تم پریشان مت ہو۔ ہم خدانخواستہ اس کا ساتھ چھوڑ تو نہیں رہے۔ پھر وہ اسی شہر میں ہے' اگر کوئی مسئلہ ہوگا تو ہمیں پتا چل جائے گا۔" رباح نے اسے تسلی دی تھی۔

"مگر میں مطمئن نہیں ہوں یار۔۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ نشال وہاں خوش رہ پائے گی۔"

"اس کی تم فکر مت کرو۔ نشال بہت سمجھ دار ہے' وہ ہینڈل کرلے گی۔ اب آجاؤ مجھے بہت زوروں کی بھوک لگ رہی ہے۔" رباح نے اٹھتے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا تھا۔ باصد بھی اٹھ آیا تھا' کیونکہ اس کی بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔

✡ ✡ ✡

رات کے دو بجے کا وقت تھا' جب صحاب احمد کمرے میں آیا تھا۔ نشے میں دھت وہ جھوم رہا تھا۔ اس کے منہ سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ اپنے کمرے میں بے سدھ سوئی نشال کو اس نے ایک جھٹکے سے اٹھایا تھا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ہڑبڑا کے اٹھ بیٹھی۔ چند لمحے تو صورت حال سمجھنے میں ہی لگ گئے۔

وہ اس کے بازو کو اتنی شدت سے دبوچے ہوئے تھا کہ نشال کو لگا اگر چند لمحے اور وہ اس کے بازو کو تھامے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

رکھے گا تو اس کے بازو میں سوراخ ہو جائیں گے۔

"تمہاری جرأت کیسے ہوئی میرے کمرے میں آنے کی۔" وہ اس کے منہ پر جھکا سرخ ڈوروں والی آنکھیں پوری کھولے چلا رہا تھا۔ وہ کہہ نہیں سکی کہ اس فلیٹ نما اپارٹمنٹ میں فقط دو بیڈ رومز ہیں، ایک نواب انکل کے زیر استعمال اور دوسرا صحاب احمد کا تھا۔ اصولاً "شرعاً" اور قانوناً" تو اسے صحاب احمد کے کمرے میں ہی سونا چاہیے تھا، مگر وہ بھول گئی تھی کہ ابھی صحاب احمد نے اسے محض گھر میں رہنے کی اجازت دی تھی، اپنے بیڈ روم تک پہنچنے کی نہیں۔

"میرا بازو چھوڑ دیں پلیز۔۔۔" تکلیف کی شدت سے نشال کی آنکھیں پانی سے بھیگ گئیں۔

"نفرت ہے مجھے رونے والی عورتوں سے۔۔۔" وہ اسے پوری قوت سے دھکا دیتے ہوئے غرایا تھا۔ نشال بیڈ پر اوندھے منہ جا گری۔

"آؤٹ!" وہ اسے بازو سے جکڑ کر کمرے سے نکال رہا تھا۔

"تم اس قابل بھی نہیں کہ صحاب احمد کی نوکرانی بن سکو۔ کجا میرے کمرے میں میرے ساتھ بیوی بن کر رہنا۔" وہ نفرت سے کہتا اس کی تضحیک کر رہا تھا۔ کس قدر ہتک آمیز لہجہ تھا اس کا اس سے اور وہ کتنے غرور و تکبر سے کہہ رہا تھا۔

"اگر تمہیں یہ لگتا ہے کہ میرے ڈیڈ کو بے وقوف بنا کر تم میری زندگی میں زبردستی جگہ بنا لوگی تو تمہاری بھول ہے۔" وہ اس کے سامنے کھڑا نفرت کا زہر انڈیل رہا تھا۔ نشال کا پورا جسم نیل و نیل ہو گیا۔

"اب معصوم بن کے آنسو مت بہاؤ تم۔ میرے اوپر تمہارے ان آنسوؤں کا کوئی اثر نہیں ہونے والا، جاؤ میرے کمرے سے۔۔۔ وہ دھاڑا تھا، نشال بے ساختہ دیوار سے جا لگی، ہونہہ۔۔۔" اس نے حقارت سے کہا۔

"میرے بڈھے باپ کو لگتا ہے کہ نشال عبیداللہ میرے لیے ایک بہترین ہم سفر ثابت ہو سکتی ہے، ہاہاہاہا۔۔۔" وہ قہقہہ لگا کے ہنس رہا تھا، دوسرے لفظوں میں اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔ پھر اس نے اسے اپنے کمرے سے نکال کر ہی دم لیا تھا۔ ناچار نشال کو رات باہر لاؤنج میں گزارنا پڑی تھی، بغیر کسی کمبل یا گرم چادر کے۔

☼ ☼ ☼

دوسرے دن وہ علی الصبح ہی اٹھ گئی تھی۔ رات بھر کی سردی اس کی ہڈیوں کو چٹخا رہی تھی۔ اس نے کچن میں جا کے اپنے لیے ایک کپ کافی بنائی تھی، کافی پی کر اس نے اپنے جسم میں کچھ حرارت ہوتی محسوس کی تھی، پھر اس نے از خود ہی ویکیوم کلینر سے سارا گھر صاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ ڈائننگ ایریا، لاؤنج اور کچن۔۔۔ ہر جگہ، ہر کونا اس نے چمکا دیا تھا۔ نواب انکل جب سو کر اٹھے تو گھریلو سے حلیے میں اسے کام کرتا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے تھے۔

"تم اپنا سامان کمرے میں سیٹ کر لو نشال۔۔۔" اس کا سامان وہیں لاؤنج میں پڑا دیکھ کے وہ اس سے کہہ رہے تھے۔ نشال انہیں بتا نہیں سکی کہ اسے تو صحاب احمد نے رات کمرے سے کس قدر بے عزت کر کے نکالا تھا۔ سامان کو تو وہ آگ لگا دے گا۔

"ناشتا بنانے کے بعد رکھ لوں گی انکل۔۔۔ آپ بتائیں کیا لیں گے، ناشتے میں؟" وہ ان سے ان کی پسند پوچھنے لگی تھی، مقصد صرف ان کا دھیان بٹانے کا تھا۔ وہ اسے اپنی پسند بتانے لگے تھے۔ تب ہی وہاں ترو تازہ سا صحاب احمد چلا آیا تھا۔ اس کی سبز کانچ سی آنکھیں اب سرخ نہیں تھیں۔ گویا رات کا نشہ اتر چکا تھا اور اب وہ ایک الگ مزاج کے ساتھ ان کے درمیان بیٹھا تھا، کل والے غصے انداز کی جھلک تک نہیں تھی اس کے رویے میں۔۔۔

"نشال۔۔۔ میرا ناشتا بھی بنا دینا پلیز۔۔۔" اس نے بہت نارمل اور خوش گوار موڈ میں نشال کو مخاطب کیا تھا۔ نشال تو نشال خود نواب انکل نے بھی اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"و رہاں میں ناشتے میں کافی پیتا ہوں۔ براؤن بریڈ کے دو سلائس۔ ایک ہاف بوائل انڈہ۔۔۔ جلدی بنا دینا، مجھے آفس ذرا جلدی پہنچنا ہے۔" وہ کس قدر دوستانہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

انداز میں اسے اپنی پسند بتا رہا تھا۔ نرم نرم لہجے میں بولتا ہوا وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔ نشال کے دل نے بے ساختہ دعا کی‘ وہ سدا یوں ہی بولے نرم نرم اور میٹھا سا۔

"اور ڈیڈ! آپ کا آگے کا کیا پلان ہے؟" کل کی ناراضی کا شائبہ تک ڈھونڈے سے نہیں مل رہا تھا۔ احمد نواب نے اس کے غصے کے اتر جانے کا دل ہی دل میں شکر ادا کیا۔ وہ جتنی جلدی غصہ میں آتا تھا‘ اسی طرح اس کا غصہ اتنی ہی تیزی سے اتر بھی جایا کرتا تھا۔ سو وہ مطمئن ہو گئے تھے۔

"کچھ خاص نہیں۔ دس روز کے لیے آیا تھا لندن.... جس میں سے چھ روز تو گزر ہی چکے ہیں‘ افضال کی کال آرہی ہے بار بار.... واپسی کے لیے بلا رہا ہے‘ مگر میں سوچ رہا ہوں کہ تم لوگوں کا ولیمہ کروا کے ہی جاؤں۔ تمہارا کیا خیال ہے۔" احمد نواب کو واپس ہالینڈ جانا تھا‘ جہاں ان کی تیسری بیوی ان کی منتظر تھی۔

"شادی کے پندرہ سال بعد آپ کو ولیمہ کا خیال آرہا ہے ڈیڈ۔ اب تو ہماری شادی پرانی ہو چکی‘ آپ ولیمے کی رقم ہمیں دے دیں نا‘ تاکہ ہم کہیں گھومنے جا سکیں‘ ویسے بھی آپ کی لاڈلی بہو بیگم کو گھمانا پھرانا ہے نا۔ ایسا نہ ہو کہ یہ آپ سے شکایتیں لگائے اور آپ مجھے جائیداد سے عاق کرنے کی دھمکی دے دیں۔" وہ مسکرا کر ناک کر وار کر رہا تھا۔ احمد نواب کے مسکراتے لب یکلخت سمٹ گئے۔ انہیں اس کا مطالبہ یاد آیا‘ وہ مسکرا بھی نہیں سکے۔

"نشال! شکایتیں لگانے والی لڑکی نہیں صاحب! تم اس کے ساتھ رہو گے تو خود پر رشک کرنے لگو گے۔" انہوں نے آہستہ سے کہہ کے اسے بہت کچھ سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"میں ابھی بھی خود پر رشک ہی کر رہا ہوں ڈیڈ.... اور میں اچھے سے جانتا ہوں کہ آپ کی بہو بہت اچھی لڑکی ہے۔" وہ کسی خوش کن خیال کے تحت مسکرا رہا تھا۔ نشال کو اس کی مبہم سی باتیں سمجھ میں نہیں آسکیں۔ اس نے خاموشی سے ناشتا لگایا اور انہیں آواز دی۔ دونوں نے خوب سیر ہو کے مزے سے ناشتا کیا اور صحاب احمد تو آفس چلا گیا‘ جبکہ نواب انکل تیار ہونے کی غرض سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئے‘ انہیں کسی سے ملنے کے لیے جانا تھا‘ نشال گہری سانس لے کر ناشتا کرنے لگی۔ اس گھر میں اس کے پہلے دن کی شروعات ایک اچھے انداز سے ہوئی تھی۔ اس پر تو کتنا بھی پسند نہ کرنے والے صحاب احمد نے اس کے ہاتھ سے بنا ناشتا کیا تھا۔ نشال کے لیے یہ ایک خوش آئند بات تھی اور وہ مطمئن بھی ہو گئی تھی‘ فی الحال یہی بہت تھا۔

✲ ✲ ✲

اس روز وہ اسے لندن گھمانے لایا تھا۔ احمد نواب نے اسے زبردستی نشال کے ساتھ بھیجا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ایک بھاری چیک بھی.... گویا رشوت دی گئی تھی۔ اسے نشال کو باہر ہی ڈنر بھی کروانے کا آرڈر تھا۔ اس روز بھی لندن میں بہت سردی تھی‘ وہ اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھی ضرور تھی۔ مگر اس نے سارا راستہ اس سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ اسے اس قابل گردانتا ہی کہاں تھا؟

راستہ بھر وہ گانے گنگنا تا رہا تھا‘ اس کی آواز بہت دلکش تھی۔ انگریزی لب و لہجے میں گاتا اور بولتا بہت اچھا لگتا تھا‘ اس کے نقوش‘ اور سبز آنکھیں اسے پہلی ہی نظر میں مغرور ظاہر کرتی تھیں۔

"چلو اترو نیچے!" اچانک ہی اس نے ٹاور برج کے پاس گاڑی روک دی تھی اور اسے نیچے اترنے کو کہا تھا۔ نشال کو ٹاور برج پر اژدھام کی مانند بل کھاتی لچکتی گاڑیوں کے درمیان گھومنے پھرنے کے لیے کوئی پکنک اسپاٹ نظر نہیں آیا۔ لندن کا یہ مشہور پل جو دریائے تھامس پر بنا ہوا تھا۔ دنیا بھر میں اپنے منفرد طرز تعمیر کی وجہ سے بہت مشہور تھا۔

"لندن کے سب سے پہلے تمہارے جیسے پینڈو اس برج کو ہی دیکھتے ہیں۔ تم بھی دیکھو اور انجوائے کرو۔" وہ بے تحاشا ہنس رہا تھا۔ نشال کو ہتک محسوس ہوئی‘ وہ اس کا مذاق اڑا رہا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"ویسے بھی یہاں خودکشی کرکے مرنا کسی اعزاز سے کم نہیں ہے۔ تمہارے لواحقین کو فخر ہوگا کہ ہماری نشال ٹاور برج سے چھلانگ لگا کر دریائے تھامس میں گری۔ کیسی اچھی موت نصیب ہوئی اس بھاگوان کو۔"

وہ بوڑھی خواتین کی نقل اتارتے ہنستے ہوئے اس کا دل جلا رہا تھا۔ نشال کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔ اس شخص کے ساتھ کیا ساری زندگی اسے ایسے ہی نبھانا پڑے گی؟

"اب اترو بھی یا میں خود اتاروں تمہیں؟" اسے حیرت سے اپنی جگہ منجمد دیکھ کر وہ یکلخت سنجیدہ ہوا تھا۔ اس کے لہجے کا سرد پن نشال کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ دوڑا گیا۔

"مگر میں یہاں اکیلی کروں گی کیا؟" نشال نے پہلی بار لب کھولے' انداز ڈرا سہا سا تھا۔

"انجوائے!" اس نے یک لفظی بات ختم کردی' اب بھلا نشال اس قدر ٹھنڈ اور بارش میں کیا انجوائے کر پاتی۔

"مجھے گھر چھوڑ دیں پلیز۔" مجھے نہیں جانا کہیں بھی۔ وہ منمناتے ہوئے بول گئی کہ اس کے سوا اور کوئی چارہ بھی تو نہیں تھا۔

"نوکر ہوں تمہارا' ہے نا۔ جو تمہارے احکامات پر عمل کرتا پھروں' اترو نیچے۔ ورنہ ابھی پولیس کو بلوا کے تم پر زور زبردستی کا الزام لگا کر تمہیں اندر بھی کروا سکتا ہوں' پھر سڑتی رہنا جیل میں۔" وہ بولا نہیں' غرایا تھا۔ نشال سہم کے گاڑی سے اتر گئی تھی۔ اب کی بار وہ اسے اترتے دیکھ کے دلکشی سے مسکرایا۔

"اس سیٹ پر میرے ساتھ وہی بیٹھے گی جو اس سب کی حق دار ہے۔ جو صحاب احمد کے دل کے قریب ہے۔"

وہ اسے اس کی اوقات یاد دلاتا زن سے گاڑی بھگا کے لے گیا تھا۔ ٹاور برج کے پاس وہ اکیلی کھڑی بھیگ رہی تھی۔ دریائے تھامس کی سطح پر بارش کے قطرے موتیوں کی مانند گر رہے تھے۔ ان موتیوں میں نشال کے آنسو بھی شامل ہو گئے۔ وہ برف سے ٹھٹھر گئی۔ مگر اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔ آج تو وہ اپنا پرس بھی گھر بھول آئی تھی۔ بارش کی وجہ سے سب لوگ گاڑیوں میں ہی سفر کر رہے تھے۔ ورنہ تو زیادہ تر لوگ واک کرتے ہی نظر آیا کرتے تھے۔

ایک گھنٹہ وہ وہاں کھڑی روتی اور بھیگتی رہی۔ دفعتاً اسے ایک خیال آیا تھا۔ اپنے نصیب پر ڈھیر سارا رو چکنے کے بعد اس نے اپنے سوئٹر کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو خوش قسمتی سے اسے اپنا موبائل مل گیا تھا' یہ موبائل اسے رباح نے لے کر دیا تھا' تاکہ کسی بھی مشکل یا پریشانی میں وہ انہیں کال کر سکے اور اکثر یونی ورسٹی جاتے' اگر وہ کبھی راستہ بھول جاتی یا اسے کہیں اور جانا ہوتا تو وہ رباح سے رابطہ کرتی تھی۔ وہ اسے فون پر سارا راستہ سمجھا دیا کرتی تھی۔ رباح اور باصد دونوں کے نمبرز اس میں محفوظ تھے۔ اس نے جلدی سے رباح کا نمبر ملایا تھا۔ مگر اس کا نمبر بند تھا۔ وہ اس وقت اپنے کلینک میں ہوا کرتی تھی۔ اسی لیے اس کا موبائل آف ہوا کرتا تھا۔ پھر اس نے باصد کو کال ملائی تھی مگر وہ اٹھا نہیں رہا تھا۔

نشال کو جی بھر کر رونا آیا' اسے لگا آج وہ ایک بار پھر سخت سردی میں یونہی کھڑی رہے گی' اس روز تو اسے رباح نے بچا لیا تھا' مگر اب اسے کوئی بچانے نہیں آئے گا۔ روتے روتے وہ اسی برج کے پاس سائڈ پر نیچے زمین پر بیٹھ گئی تھی۔ آتی جاتی گاڑیوں میں محوِ سفر لوگ اس دیوانی سی لڑکی کو حیرت سے دیکھتے گزر رہے تھے۔ پھر آگے بڑھ جاتے کہ ایسے نمونے لندن میں ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ شاید وہ بھی یہی سمجھے ہوں کہ ایک چوبیس' پچیس سالہ لڑکی بارش میں بیٹھی کتنی دیر زندہ رہنے کا ورلڈ ریکارڈ بنا رہی ہے۔ تاکہ گنیز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں اپنا نام شامل کر سکے۔ مر کے ہی سہی۔

آدھا گھنٹہ مزید گزر گیا تھا' جبھی اس کا سیل فون بجا تھا۔ بارش تو تھم چکی تھی' مگر سرد یخ ہوا ابھی بھی چل رہی تھی۔ نشال پر کپکپی طاری ہو گئی تھی۔ اس نے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

نعمت غیر مترقبہ کے طور پر سیل کو جلدی سے نکال کر دیکھا۔ باصد کی کال آ رہی تھی۔ غم سے اس کی آواز حلق میں ہی دم توڑ گئی۔ کال ختم ہو گئی، مگر وہ پھر بھی روتی ہی رہی۔ کال پھر دوبارہ آنے لگی۔

نشال نے خود کو سنبھالتے اسے ساری بات کہہ سنائی تھی۔ باصد اپنا سر پکڑ کر رہ گیا تھا۔ پھر اپنے آنے کا کہہ کے فون بند کر دیا تھا۔ پندرہ منٹ کی ریش ڈرائیونگ کے بعد وہ اس کے سامنے تھا۔ اس نے سب سے پہلے اپنا رین کوٹ اسے پہنایا، پھر اسے گاڑی میں لے جا کے بٹھایا۔

سردی سے اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے تھے۔ بارش میں مکمل طور پر بھیگی وہ کانپ رہی تھی۔ وہ اس کی حالت کو افسوس سے دیکھتا لب بھینچے خاموشی سے ڈرائیونگ کرتا رہا تھا۔ وہ اسے اپنے اپارٹمنٹ لے آیا تھا، وہ اسے دوبارہ صحاب احمد کے گھر چھوڑنے کی غلطی نہیں کر سکتا تھا۔ پھر اس نے اسے کپڑے تبدیل کرنے کو کہے تھے۔ وہ رباح کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ تب تک باصد نے چائے کے ساتھ انڈے ابال لیے تھے۔ اسے ہیٹر کے سامنے بٹھا کے کمبل اوڑھا کے اسے چائے کے ساتھ دو ابلے انڈے کھلانے کے بعد اس نے اسے پین کلر دی تھی، تاکہ اسے بخار نہ ہو اور سردی کا اثر زائل ہو سکے۔

گرم گرم چائے پی کر اس نے خود کو کچھ بہتر محسوس کیا تھا۔ اس پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ پھر اسے نیند آ گئی تھی۔ نہ جانے وہ کتنا سوئی تھی، جب اٹھی تو رباح اور باصد کو اپنے سامنے پریشان بیٹھے دیکھا۔

"تم ٹھیک ہو نشال۔۔۔" رباح نے اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر دیکھتے پوچھا تو اس نے آہستگی سے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"گڈ۔۔۔ میں نے تمہارے لیے سوپ بنایا ہے، تم وہ پی لو۔ پھر کچھ مزید بہتر محسوس کرو گی۔"

"رباح!" وہ اٹھ کر جانے لگی نشال نے تو رباح کا ہاتھ پکڑ کر تھام لیا تھا۔ وہ بے ساختہ رک گئی تھی۔

"مجھے گھر جانا ہے؟" وہ جھجکتے ہوئے بمشکل تمام بول پائی۔

"تم بھی بھی وہاں جانا چاہتی ہو۔ اس سب کے بعد بھی؟" رباح پلٹ کر اس تک آئی تھی۔ نشال نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

"میں جاؤں گی رباح۔۔۔ اپنے گھر کو بچانے کے لیے میں کچھ بھی کروں گی۔ اس کا ہر ظلم و ستم برداشت کروں گی میں۔" نشال کے لہجے میں مضبوطی تھی۔

"کیا تم صحاب احمد سے محبت کرتی ہو جو اس کا تشدد سہنے پر مجبور ہو تم؟" رباح نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

"نہیں۔۔۔ اسے لگتا ہے کہ میں ایک کمزور لڑکی ہوں اور اس کے ساتھ نبھا نہیں سکتی میں، اس کے اس خیال کو غلط ثابت کرنا چاہتی ہوں۔" وہ بے آواز رو رہی تھی، تب ہی باصد چلا آیا، ان کی گفتگو کا آخری حصہ اس نے سن لیا تھا۔

"وہ ایک نفسیاتی مریض ہے نشال! اور پاگلوں کے ساتھ مقابلے نہیں کیے جاتے۔" وہ بگڑا، اسے شدید تاؤ آ رہا تھا، دل کرتا تھا صحاب احمد کا جا کے منہ توڑ دے، جس نے ایک کومل اور معصوم لڑکی کے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا تھا۔

"تم باہر چلو باصد۔۔۔ نشال تم اگر بہتر محسوس کر رہی ہو تو ٹھیک ہے، میں تمہارے لیے سوپ لے آتی ہوں۔ تمہیں باصد چھوڑ آئے گا۔" رباح نشال سے کہتے باصد کا ہاتھ تھام کے باہر نکل گئی تھی۔ باہر آ کے باصد، رباح پر چلا اٹھا تھا۔

"تم اس کی حالت دیکھنے کے باوجود بھی اسے بھیج رہی ہو صحاب احمد کے گھر۔۔۔ حیرت ہے رباح۔" رباح نے اس کے برہم تاثرات کو سنجیدگی سے سنا۔ پھر سینے پر دونوں بازو لپیٹے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"وہ خود وہاں جانا چاہتی ہے باصد کمال! میں اسے مجبور نہیں کر رہی اور تم پلیز ریلیکس رہو۔ تمہیں نشال کی زیادہ ٹینشن نہیں لینی چاہیے۔ کیونکہ مجھے وہ وقت بھی یاد ہے جب تم اسے اس گھر میں رہنا ہی نہیں دینا چاہتے تھے۔" وہ الفاظ چبا رہی تھی۔ رباح صدیقی کو شدید غصہ آ رہا تھا۔ باصد کمال پر۔ اچانک اس کی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

ساری ہمدردیاں نشال کے ساتھ کیوں ہو گئی تھیں، وہ بہت کچھ سمجھ کے بھی نہیں سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ وہ ایک مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی، ہار ماننا اس کی سرشت نہ تھی اور اپنے حق کے لیے وہ کچھ بھی کر سکتی تھی۔

"اس وقت بات اور تھی رباح۔۔۔ اب وہ میری دوست ہے اور ایک دوست ہونے کے ناتے مجھے اس کی فکر ہونی ہی چاہیے۔" یہ کہہ کے وہ وہاں رکا نہیں تھا، بلکہ غصے سے پیر پٹختا وہاں سے چلا گیا تھا۔ رباح صدیقی اس کی پشت پر نگاہیں جمائے اپنی جگہ کھڑی رہ گئی تھی۔ رباح اسے خود چھوڑنے آئی تھی۔ باصد نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ رباح نے اسے صحاب احمد کے دروازے پر اتار دیا تھا۔

"تم اندر نہیں آؤ گی رباح!" نشال نے اترتے سے پوچھا تو رباح نے نفی میں گردن ہلا دی تھی۔

"بہتر ہے میں اندر نہ ہی آؤں نشال۔۔۔ خوامخواہ میں اگر میں غصے میں صحاب کے سامنے کچھ بول گئی تو تمہارے لیے مسئلہ ہو جائے گا۔ اپنا خیال رکھنا اور خود کو اکیلا مت سمجھنا۔ صحاب کبھی نہ کبھی تمہارے صبر کے سامنے گھٹنے ٹیک ہی دے گا۔"

نشال نے رباح کو حیرت سے دیکھا، کیونکہ اس نے پہلی مرتبہ صحاب احمد کے حوالے سے کوئی اچھی بات کہی تھی۔ امید افزا، حوصلہ کن، نشال نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آگئی ہو نشال۔۔۔ بیٹا بہت دیر لگا دی۔" وہ جیسے ہی اندر آئی نواب انکل کو لاؤنج میں متفکر بیٹھا دیکھ کر وہ ان کی طرف چلی آئی۔ کیا صحاب احمد نے اپنی حرکت اپنے باپ کو بتا دی تھی؟

"آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں انکل؟" وہ ان کی طرف بڑھ آئی، کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی تھا۔

"ہاں بس۔۔۔ ابھی تک صحاب بھی نہیں آیا۔ کل مجھے چلے جانا تھا تو سوچا کچھ دیر آپ لوگوں کے ساتھ گزار لوں۔" انہوں نے اپنے جاگنے کی وجہ پیش کی، نشال سر ہلا کے رہ گئی تھی۔

"وہ تمہیں کون چھوڑ کے گیا ہے یہاں؟" نشال کے بڑھتے قدم رک گئے۔ وہ ٹھٹک کے پیچھے مڑی۔

"کیا مطلب۔۔۔ آپ کس کی بات کر رہے ہیں۔" وہ رکی، پھر پلٹی۔

"صحاب احمد کا فون آیا تھا کہ ڈنر کے بعد اس نے تمہیں رباح اور باصد کے گھر چھوڑ دیا ہے، تمہارے کہنے پر۔۔۔ اور خود وہ دوستوں کے ساتھ کہیں چلا گیا ہے، لیٹ آئے گا، اسی لیے میں نے سوچا کہ تمہیں کون چھوڑ کے گیا ہے۔" نشال اس غلط بیانی پر ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گئی، ویسے بھی وہ نواب انکل کو کچھ بھی جتانا نہیں چاہتی تھی، کل انہیں واپس چلے جانا تھا، سو وہ انہیں خوامخواہ میں پریشان نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس کا فائدہ بھی تو کوئی نہیں تھا۔ وہ جوابا" اسے ہی صبر کی تلقین کرتے جو نشال بہت کر رہی تھی۔

"رباح چھوڑ کے گئی ہے مجھے۔۔۔ آپ نے کھانا کھا لیا کہ نہیں؟" دل تو اس کا چاہ رہا تھا کہ جا کے بستر پہ لیٹ جائے، مگر اسے نواب انکل کا احساس تھا، ان کا بیٹا بے مروت و بے حس تھا، مگر وہ نہیں بن سکتی تھی۔

"میں اپنے دوست کے ساتھ تھا۔ ڈنر اسی نے کروا دیا تھا۔ رباح بیٹی اندر نہیں آئی۔ کیا جلدی میں تھی؟ وہ شاید گفتگو کے موڈ میں تھے۔

"اسے کچھ جلدی تھی، اسی لیے وہ نہیں آ پائی۔ مگر آپ کو سلام کہہ رہی تھی وہ۔"

"اچھا۔۔۔ اچھا۔۔۔ مجھے تمہاری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی، تم جا کے آرام کرو اب۔۔۔" نشال نے انہیں ممنون نگاہوں سے دیکھا۔ بالآخر انہوں نے خود ہی احساس کیا تھا۔

"آپ بھی اب آرام کریں انکل۔۔۔ صحاب احمد تو لیٹ آئیں گے۔" نشال گزشتہ راتوں کو دھیان میں رکھتے انہیں کہہ گئی تھی۔

رات بہت دیر سے صحاب احمد کمرے میں آیا تھا۔ نشال کمبل میں دبکی صوفے پر لیٹی تھی۔ صحاب احمد

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اسے دیکھ کے غصہ سے پاگل ہو گیا۔ اسے نشال سے اس قدر ڈھٹائی کی امید نہیں تھی۔ اس کی انا پر نشال کی اس حرکت سے تازیانہ پڑا تھا۔ وہ بلبلا اٹھا تھا اور اس کا بلبلانا نشال کے حق میں کسی طور بھی اچھا نہیں تھا۔ نشال اس کے عزائم سے بے خبر گہری نیند میں گم سو رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

رباح کی اس روز چھٹی تھی' وہ پورے گھر کی صفائی میں مگن تھی۔ باصد اس کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ بہت عرصے بعد ان کا معمول درست ہوا تھا' ورنہ تو نشال نے ان کی عادتیں بگاڑنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ رباح نے نشال کے کمرے کی صفائی کی تھی۔ تب ہی اس کی الماری میں اس کی ضرورت کی چند دوسری اشیا کے ساتھ اسے وہ ساڑھی نظر آئی تھی۔

گہرے جامنی رنگ کی پیور شیفون کی ساڑھی اسے اچھے سے یاد تھا کہ باصد نے وہ ساڑھی اسے خریدنے کا کہا تھا' مگر اس نے وہ ساڑھی نہیں خریدی تھی' لیکن شلوار قمیص ضرور خرید لی تھی۔ اور وہ اس روز سیمینار میں وہی پہن کر بھی گئی تھی۔ تو کیا یہ ساڑھی نشال نے اپنے لیے خریدی تھی' مگر کب...... اور اس نے رباح کو وہ ساڑھی دکھائی کیوں نہیں تھی؟ وہ الجھ گئی تھی اور غلط نہیں الجھی تھی' وہ ساڑھی اٹھائے باہر لاؤنج میں چلی آئی۔

"باصد تمہیں یہ ساڑھی یاد ہے' ہم نے کہاں دیکھی تھی؟" باصد نے سر اٹھا کر دیکھا تو منجمد ہو گیا' اس کا دیا تحفہ نشال نے قبول نہیں کیا تھا۔ اسے دکھ ہوا تھا۔

"باصد...... میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں۔" وہ اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"ہاں...... شاید...... دیکھی دیکھی سی لگ رہی ہے؟" اس نے مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

"یہ مجھے نشال کے کمرے سے ملی ہے' اس کی چیزوں کے درمیان رکھی ہوئی۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ اس نے یہ خریدی کب اور مجھے نہیں دکھائی اس نے؟" رباح نے اسے تفصیل سے آگاہ کیا۔

"یاد نہیں رہا ہو گا نا اسے...... پریشان بھی تو بہت رہتی تھی بے چاری۔ خیر تمہیں کیوں برا لگ رہا ہے۔" باصد دل کا درد چھپائے بظاہر نارمل انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"مجھے برا کیوں لگے گا۔ میں تو محض ایک بات کر رہی ہوں۔"

یہ کہہ کے وہ واپس پلٹ گئی تھی' مگر باصد کمال کے دل میں نیزے کی انی گڑ گئی' نشال نے اس کا تحفہ قبول نہ کرکے اسے دکھی کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

یہ احمد نواب انکل کے جانے کے پندرہ دن بعد کی بات تھی۔ اس دوران صحاب احمد کا رویہ نشال کے ساتھ لیا دیا سا تھا۔ ان دونوں کے درمیان بات چیت مکمل طور پر بند تھی۔ نواب انکل کے جانے کے بعد نشال از خود ہی ان کے کمرے میں شفٹ ہو گئی تھی۔ صحاب احمد جو دکھاوا نواب انکل کے سامنے کر رہا تھا' اب وہ ختم ہو چکا تھا۔ وہ نشال کی طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔

ایک مرتبہ اس کے دوست آئے تھے۔ نشال کو اس نے اپنے سب دوستوں کو مشروب پیش کرنے کو کہا' اس نے اس کے دوستوں کے سامنے انکار کر دیا تھا۔ صحاب احمد کو اس کا انکار بری طرح سے کھلا تھا۔ اس نے بھری محفل میں اسے تھپڑ مارا تھا۔ نشال اوندھے منہ ان سب دوستوں کے درمیان میز پر جا گری تھی۔ اس کے گرنے سے کانچ کے گلاس کا ایک کونہ نشال کی ناک میں چبھا تھا۔ خون کا فوارہ سا بلند ہوا تھا۔

"بتاؤ سب کے لیے۔" وہ اسے مارنے کو لپک رہا تھا۔ جب ہی اس کے ایک انگریز دوست نے اسے تھام لیا تھا۔ وہ اس کے غصے کو ٹھنڈا کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس کا غصہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا' بلکہ ان کے جانے کے بعد اور بھی زیادہ نکلا تھا۔ اس نے سزا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کے طور پر ساری رات ننگے پیر نشال کو گھر سے باہر رات گزارنے پر مجبور کردیا تھا۔ نشال سرد ٹھنڈی زمین پر ساری رات بیٹھی روتی ہی رہی۔ مگر صحاب احمد کو اس پر ترس نہیں آیا تھا۔ دوسری صبح وہ خاصی دیر سے اٹھا تھا۔ ایک لڑکی صبح ہی صبح گاڑی میں ان کے گھر آئی تھی۔ وہ گولڈن بالوں والی بے حد سفید رنگت والی، بہت نازک سی خوب صورت لڑکی تھی۔ چند لمحے کے لیے نشال بھی اسے دیکھ کے مبہوت رہ گئی تھی۔ اس نے بڑی بے نیازی سے جا کے بیل بجائی تھی۔ صحاب احمد نے دروازہ کھولا اور اسے بے اختیار گلے سے لگالیا تھا، مگر اس نے ایک نگاہ غلط بھی نشال کے وجود پر ڈالنا گوارا نہیں کی تھی۔ شاید وہ صحاب احمد کی کوئی بہت خاص اور قریبی دوست تھی۔ اس کے لیے صحاب احمد کا التفات دیدنی تھا۔ صحاب احمد اس کے کندھوں کے گرد بازو حمائل کرتے اسے اندر لے گیا تھا۔ نشال نے اس وقت کو موقع غنیمت جانتے گھر کے اندر قدم رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

مزید کچھ روز گزرے جب وہ لڑکی پھر ان کے گھر آئی تھی۔ اسی روز نشال کو پتا چلا وہ صحاب احمد کی وکیل تھی اور شاید گرل فرینڈ بھی۔۔۔ وہ اس کے پاس کچھ کاغذات لائی تھی۔ صحاب احمد ان کاغذات کو دیکھ کے جھوم اٹھا تھا۔ بے پایاں خوشی اس کے انگ انگ سے پھوٹی پڑ رہی تھی۔

بے ساختہ وہ اس آئرش لڑکی کو گلے لگا کے جھوم رہا تھا۔ وہ لڑکی بھی بے تحاشا خوش تھی۔ یوں لگتا تھا گویا انہیں ہفت اقلیم کی دولت مل گئی تھی اور انہیں واقعی میں ہفت اقلیم کی دولت ہی ملی تھی۔

"تمہارا بہت شکریہ نشال۔۔۔ تمہاری وجہ سے ڈیڈ نے میرا مطالبہ اتنی جلدی پورا کردیا۔" وہ نشال کا شکریہ ادا کررہا تھا اور نشال گم صم اس کے اطوار دیکھتی خاموش کھڑی رہی تھی۔

"پوچھو گی نہیں کہ میرا مطالبہ کیا تھا، مگر ٹھہرو۔۔۔ پہلے تمہیں اس کا انعام دے دوں؟" وہ خباثت سے مسکراتے اسے الجھا رہا تھا۔ "اچھا تم بتاؤ پہلے اپنا انعام لوگی یا میرا مطالبہ سنوگی۔" وہ بہت دوستانہ انداز میں پوچھ رہا تھا، یوں لگتا تھا دونوں میں صدیوں پرانی آشنائی ہو جیسے؟ وہ خاموش ہی رہی۔

"بے چاری شاک کی کیفیت میں ہے۔ تم اسے خود ہی بتادو؟" آئرش لڑکی نے چہچہانے والے انداز میں کہتے اس کے ساتھ ہمدردی جتائی تھی۔ صحاب احمد نے اس لڑکی کو محبت پاش نظروں سے دیکھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو ڈارلنگ۔۔۔ میں اسے خود ہی بتادیتا ہوں تم مجھے نشال عبیداللہ کا انعام پکڑا دو ذرا۔۔۔" وہ اس کے نام کے الفاظ چباتے بظاہر مسکرا رہا تھا۔

"میرا مطالبہ ڈیڈ کی جائیداد میں میرا حصہ تھا۔" نشال کے سر پر دھماکا ہوا اور وہ دھماکہ ہی تو کرنا چاہتا تھا۔ "مگر ان کی شرط تھی کہ میں تمہارے ساتھ شادی کرلوں، تب وہ مجھے یہ جائیداد میں حصہ دیں گے۔ میں نے اپنے پلان کے مطابق تمہیں گھر میں پناہ دے دی، ان کے کہنے پر۔"

نشال کو یاد آگیا اس روز جب وہ پہلی بار نواب انکل کے ساتھ گھر آئی تھی، تو صحاب احمد کس قدر غصے میں تھا، تو کیا یہ وہی مذاکرات و مطالبات ہوئے تھے ان باپ بیٹے کے درمیان۔۔۔ وہ ایک سفید لفافہ ہاتھ میں تھامے اس تک پہنچ آیا۔

"مجھے تمہیں کبھی بھی نہیں اپنانا تھا نشال عبیداللہ! اس کے لیے تمہیں اتنی محنت کی ضرورت بہرحال نہیں تھی۔" وہ اس کے سراپے کو طنز کے نشانے پر رکھتے بولا۔ نشال کا سر شرم سے جھک گیا۔

"صحاب احمد صرف ظاہر سے متاثر نہیں ہوتا اور اگر وہ ایک بار کوئی فیصلہ کرلے تو پھر اس سے مکرنا اس کی مردانگی کے خلاف ہے۔ چاہے اس میں اس کا کوئی نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ خیر بات کہاں سے کہاں جا پہنچی۔ میں بتا رہا تھا کہ ڈیڈ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر ایک ماہ بھی میں تمہارے ساتھ رہا تو وہ مجھے دوسرے مہینے کے پہلے ہی ہفتے میں میری جائیداد کی پاور آف

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اٹارنی میرے حوالے کردیں گے اور دیکھو دل پر جبر کر کے ہی سہی، مگر میں نے تمہارے ساتھ اس گھر میں ایک ماہ گزار ہی لیا۔ اب کاغذات میرے ہاتھ میں ہیں، 'سوڈیئر وائف' اب ہمارا ایک ساتھ رہنا ضروری نہیں۔ تم ایک اچھی لڑکی ہو، ان فیکٹ کافی سخت جان بھی۔۔۔ سو مجھے یقین ہے تمہیں کوئی بھی تمہارے جیسا مل جائے گا، مگر صحاب احمد کا ساتھ اور اس کی محبت تمہارے نصیب میں نہیں ہے، یہ محبت خوش قسمت لوگوں کو ملتی ہے اور وہ خوش نصیب لڑکی جیز کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔" اس نے محبت سے مسکرا کے اس آتش لڑکی کی طرف دیکھ کے کہا تھا۔ نشال پتھر کا بت بنی تھی۔

"اب یہ رہا تمہارا انعام۔۔۔ اس میں تمہارے طلاق کے کاغذات ہیں، ساتھ ہی پاکستان جانے کے لیے ٹکٹ اور کچھ پیسے بھی۔۔۔ میں شام کو لوٹوں گا۔ امید ہے اس وقت تک تم اس گھر سے جا چکی ہوگی، ہے ناں؟" وہ اس کا گال آہستگی سے تھپتھپاتے سفید لفافہ اس کے ہاتھ میں تھما کے جیز کا ہاتھ پکڑ کر چلتا بنا تھا۔

نشال کے وجود سے خون کی ایک ایک بوند نچڑ گئی۔ اس نے تو صبر کی انتہا کردی تھی، پھر صحاب احمد کا دل کیوں نہیں موم ہوا تھا؟ اس کے اندر سوالات کرلانے لگے۔

اس نے تو صحاب احمد کا ہر ظلم و ستم سہا تھا۔ فقط اچھے دنوں کی امید میں۔۔۔ اس کے نصیب میں وہ اچھے دن کیوں نہیں تھے؟ اس نے سسکی لی۔

اس نے کتنی کوشش کی تھی گھر بچانے کی۔۔۔ اس گھر کو بچانے کی جو کبھی اس کا تھا ہی نہیں، جس کی بنیاد شروع ہی سے کھوکھلی تھی۔

بی اماں۔۔۔ کو بڑھاپے میں ان کے غلط فیصلے کا ادراک نہ ہو، اس نے اس پچھتاوے سے انہیں بچانے کو کیا، کیا نہیں برداشت کیا تھا۔ صحاب احمد کا ناروا ہتک آمیز رویہ۔ اس کے آئے مہمانوں کی طنزیہ باتیں، صحاب احمد کی گرل فرینڈز کی طنزیہ باتیں، ان کے قہقہے۔۔۔ کس کس بات پر اس نے صبر نہیں کیا تھا، مگر نتیجہ کیا نکلا۔ یہ طلاق کے کاغذات اور برداشت کی بات صحاب احمد کر رہا تھا، اس نے کیا برداشت کیا تھا۔ بھلا اس نے تو اسے ہر طرح سے ایذا دے کر اپنی انا کو تسکین پہنچائی تھی، کیا انصاف تھا اور یہ کیسا منصف تھا۔ جو تکلیف و اذیت دینے کے باوجود صبر کی بات کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

باصد نے دروازہ کھولا تھا۔ سامنے کا منظر اس کے وجود کو زلزلوں کا جھٹکا دیتے گہری پاتال میں گرا گیا تھا۔ اس کے سامنے نشال کا بت کھڑا تھا لٹا پٹا۔ مجروح سا۔۔۔ باصد کمال کا دل کٹ کٹ کے گرا۔ باصد کمال سامنے سے ہٹ گیا، مگر نشال گھر کے اندر نہیں آئی، وہیں کھڑی رہی، غائب دماغی سے، کسی غیر مرئی نقطے پر نگاہیں جمائے۔ باصد کو لگا وہ اپنے ہوش کھو چکی ہے اور شاید بینائی بھی، کس قدر مشکل تھا، اسے اس حالت میں صبر کی تلقین کرنا اسے، جو سراپا صبر کا پیکر تھی اور شاید جس نے زندگی میں صبر کرنے کے علاوہ اور کوئی قابل ذکر کام کیا ہی نہ تھا۔ ایک وقت آتا ہے جب الفاظ ساتھ چھوڑ جاتے ہیں، پھر الفاظ کے پیچھے بھاگنے کے باوجود بھی وہ ہاتھ نہیں لگتے۔ تسلی کے محض دو حروف زبان کا ساتھ نہیں دیتے، ذہن صاف سلیٹ کی مانند ہو جاتا ہے۔ جیسے باصد کمال کا نشال عبید اللہ کو دیکھ کے ہوا تھا۔ مگر کچھ نہ کچھ تو کہنا تھا۔ ہوش تو نشال کھو رہی تھی، باصد کمال کو کم از کم حوصلے سے کام لینا تھا۔

"اندر آؤ نشال۔۔۔ باہر بہت ٹھنڈ ہے؟" باصد نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے اندر لانا چاہا تو وہ چونکی، غائب دماغی سے باصد کو دیکھا، جیسے اپنے وہاں کھڑے ہونے کی توجیہہ سوچ رہی ہو۔

"آؤ۔۔۔" وہ اسے اندر لے آیا تھا، نشال نے غائب دماغی سے اس کی تقلید کی اور الفاظ ترتیب دینے لگی، مگر حروف کی آنکھ مچولی نے اسے جلد ہی تھکا ڈالا تھا۔

"کچھ لوگی۔ چائے کافی؟" وہ آداب میزبانی نبھا رہا تھا۔ شاید انہونی خبر سے کچھ دیر کے لیے فرار حاصل کرنے کے لیے کیونکہ وہ جانتا تھا، پھر کچھ نارمل نہیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

رہ پائے گا۔

"تھوڑا سا زہر دے دو مجھے باصد!" نشال نے اپنی ہچکی کا گلا دبا دیا۔

"تمہاری موت سے کسی کو کوئی نقصان نہیں ہو گا نشال اور اسے تو بالکل بھی نہیں جس کی خاطر تم یہ قدم اٹھاؤ گی۔" وہ پلٹ کر اس تک آیا تھا نشال نے بھیگی نگاہیں اس کے خوب صورت چہرے پر ٹکا دیں۔

"اس نے مجھے طلاق دے دی ہے باصد! اس کا مقصد پورا ہوا تو اس نے مجھے چھوڑ دیا۔ اس نے کہا وہ مجھے برداشت کرتا رہا ہے۔ میں نشال عبید اللہ اتنی ارزاں ہستی ہوں۔ اتنی قابل نفرت کہ مجھے برداشت کیا جائے۔ میں محبت کے قابل نہیں ہوں باصد۔"

وہ ڈبڈبائی نگاہوں سے باصد کی طرف دیکھتی اس سے پوچھ رہی تھی "اس کے ٹوٹے لہجے میں کانچ کی چبھن تھی جو باصد کمال نے اپنے دل پر پڑتی محسوس کی وہ ایک لمحہ جس میں باصد کمال قید ہو گیا' باصد کمال اسے تسلی بھی نہیں دے پایا۔ اس نے اسے سکون آور دوا کے ساتھ چائے کا کپ دے کے کچھ دیر کے لیے زبردستی سلا دیا اور خود رباح کو کال کرنے لگا۔

رباح بھی فوراً" ہی آگئی تھی۔ باصد نے اسے مضطرب سے انداز میں تمام صورت حال کہہ سنائی تھی۔

رباح کا وجود سناٹوں میں گھر گیا تھا۔ دونوں ہی نشال کے لیے دکھی و غم زدہ تھے کیونکہ وہ دونوں ہی جانتے تھے کہ نشال نے نباہ کرنے کی آخر کر دی تھی۔

"اب اس کا مستقبل کیا ہو گا باصد؟"

"کچھ وقت تو لگے گا اسے سنبھلنے میں۔" باصد کے لہجے میں تھکن سے زیادہ صدمہ پنہاں ہو گیا۔ رباح اور باصد اپنے اپنے طور پر اسے سنبھالنے کی کوشش کرتے نشال بس ٹکر ٹکر انہیں دیکھے ۔ جاتی۔ ایک ماہ اس کی یہی حالت رہی مگر باصد کمال جلد ہی اکتا گیا' تینوں دوستوں کی مثلث اب اپنی اپنی جگہ الجھی اور پریشان سی تھی' باصد کمال کو یہ سب گوارا نہیں تھا' تب ہی ایک دن وہ صبح ہی صبح اس کے سر پہ پہنچ گیا تھا۔ نشال اپنے کمرے میں بیٹھی تھی اسے خطرناک تیور لیے دیکھ کے حیران رہ گئی۔

"چلو اٹھو جلدی سے۔" وہ آتے ہی چٹکی بجا کے حکم دے رہا تھا۔

"کہاں؟" نشال نے تعجب سے استفسار کیا تھا چند دنوں میں وہ کملا کے رہ گئی۔ دودھ اور گلاب کی گوندھ تو وہ پہلے بھی نہیں تھی مگر اب تو رنگت سنولا کے رہ گئی تھی۔

"میں تمہارا ایکسر سائز انسٹرکٹر ہوں اور زیادہ سوال جواب نہیں' پہلے ہی بہت چھٹیاں کر چکی ہو تم' اب سیدھی طرح سے اپنا ایکسر سائز میٹ اٹھا کے باہر لان میں آؤ میں تمہارا ویٹ کر رہا ہوں۔

آ۔۔ آ۔۔ کوئی سوال جواب نہیں جو کہا ہے اس پر عمل کرو پہلے۔" اس کو بولنے کے لیے لب کھولتے دیکھ کر وہ پہلے ہی اسے ٹوک گیا تھا ناچار نشال کو اس کی تقلید کرنا پڑی۔

"گڈ۔۔ اگر یونہی ایکسر سائز کرتی رہو تو ہمیشہ جوان اور اسمارٹ رہو گی۔" باصد کمال پھر واپس اپنی جون میں لوٹ چکا تھا اس کی لن ترانیاں شروع ہو چکی تھیں۔

"جیسے رباح ہے یا مادھوری ڈکشٹ۔" نشال نے شرارت کو لبوں میں دبوچ کر سوال کیا۔ باصد کمال بے ساختہ ہنس دیا اسے اپنی غلط بیانی یاد آگئی اور اگر رباح کو معلوم ہو گیا کہ اس نے نشال کو اس کے بارے میں کیا بتا رکھا ہے تو وہ یقیناً" اس کی جان لے لیتی۔

بھلے وہ عمر کے بارے میں حساس نہیں تھی مگر اس قدر مبالغہ آرائی کون برداشت کر سکتا ہے بھلا۔

"اب اسے نہ بتا دینا' ورنہ میں بے چارا مارا جاؤں گا۔" باصد نے ڈھٹائی سے نشال کو اسے بتانے سے باز رکھا۔

"کیا چھپایا جا رہا ہے مجھ سے؟" اچانک ہی وہاں رباح آگئی تھی اس نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا تھا جب سے نشال واپس آئی تھی باصد کمال کی شوخی عروج پر پہنچی ہوئی تھی مگر اسے نجانے کیوں تاؤ آنے لگتا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"کچھ خاص بات نہیں ہے۔" نشال نے باصد کی کچھ دیر پہلے کی گئی سفارش کو ذہن میں رکھتے سرسری لہجہ اپنایا مگر رباح کو اس کا یہ انداز بے حد کھلا ذہن میں جانمنی ساڑھی والی بات پھر سے تازہ ہو گئی۔

"آر یو شیور کہ ایسا کچھ نہیں ہے؟" تب ہی اس نے سلگتے ہوئے لہجے میں استفسار کیا ان دونوں میں ایسی گاڑھی کب سے چھننے لگی تھی کہ وہ لوگ اب رباح صدیقی سے رازداری برتنے لگے تھے۔

"تم آج کلینک نہیں جاؤ گی کیا؟" باصد کمال نے تو ویسے ہی پوچھا تھا مگر رباح کو شاید آج کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا تب ہی یہ سوال بھی اسے دہکا گیا۔

"ہاں... کیوں تمہیں اس گھر میں اچھی نہیں لگ رہی کیا۔ یا تمہاری پرائیویسی میں خلل پڑتا ہے میری وجہ سے؟" نشال اور باصد نے تحیر سے رباح کو دیکھا وہ اس انداز میں تو کبھی بھی بات نہیں کرتی تھی۔

"رباح! باصد کا یہ مطلب نہیں تھا۔" نشال نے اس کا غصہ کم کرنے کی کوشش کی۔

"میں اس کا مطلب اچھی طرح جانتی ہوں نشال! تم بیچ میں دخل مت دو۔ اینی وے میں تم سے کچھ بات کرنا چاہ رہی تھی۔"

"جی!" نشال سیدھی ہوتے اس کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"تم نے آگے کا کیا سوچا ہے نشال؟" باصد کمال نے چونک کر رباح کو دیکھا تھا جو آج اور ہی تیور دکھا رہی تھی۔

"میں واپس جانا چاہتی ہوں پاکستان۔" نشال بولی تو اس کا لہجہ دھیما اور کمزور سا تھا۔

"مگر بی اماں سے کیا کہو گی تم۔ پاگل ہو گئی ہو نشال، جن کی وجہ سے تم نے اتنا کچھ کیا اب ایک دم سے انہیں ساری حقیقت سے آگاہ کر دو گی تو سوچو ان پر کیا گزرے گی۔" باصد غصے سے بولا تھا۔

"کام ڈاؤن باصد کمال۔ بی اماں سے یہ بات ساری زندگی چھپی نہیں رہ سکتی۔ کبھی نہ کبھی تو انہیں یہ سب معلوم ہو گا ہی۔ بہتر ہے کہ پتا چل جائے تاکہ وہ نشال کے لیے کچھ اور سوچ سکیں۔ میں تمہاری واپسی کا انتظام کرتی ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگی تو باصد نے روک دیا۔

"تو پھر ٹھیک ہے۔ نشال اکیلی واپس نہیں جائے گی۔ میں اس کے ساتھ جاؤں گا۔ اور میں نشال کو خود اپناؤں گا کیونکہ میں اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ نشال کا خیال کوئی اور بہتر انداز میں نہیں رکھ سکتا۔"

الفاظ تھے یا پگھلا ہوا سیسہ... رباح تو رباح۔ نشال نے بھی حیرت سے اسے دیکھا تھا اور رباح کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ ایک عام سی شکل و صورت کی لڑکی نے اسے مات دے دی تھی۔ باصد کمال کے ساتھ وہ دس سال سے تھی وہ اس سے محبت کرتی تھی اور اس نے کیا کیا۔ رباح نے نشال کے ساتھ نیکی کی تھی اور نشال نے اسے کیا صلہ دیا تھا اس سے اس کا منگیتر چھین لیا تھا؟

رباح کو اتنا غصہ آ رہا تھا کہ دل چاہتا تھا کہ ساری دنیا کو آگ لگا دے۔ اس نے باصد کمال سے بات کی تھی۔

"یہ کیا بے وقوفی کی بات کی ہے تم نے باصد۔ تم جانتے بھی ہو کہ ہم کمٹڈ ہیں ایک دوسرے سے؟"

"میں سنجیدگی سے یہ فیصلہ کر چکا ہوں رباح! نشال کو جیسے ہم سفر کی ضرورت ہے اس کے لیے میرے علاوہ اور کوئی موزوں نہیں ہو سکتا اور پھر تم ہر لحاظ سے نشال سے مضبوط اور الگ ہو تمہیں تو بہت سے ہاتھ تھامنے والے مل جائیں گے مگر نشال کو نہیں ملے گا۔" باصد نے آہستگی سے اعتراف کر کے اسے سمجھایا تھا۔ مگر رباح تو پھٹ پڑی تھی۔

"دس سال سے میں تمہارے ساتھ ــــ رہ رہی ہوں باصد۔ تو کیا اس وجہ سے کہ ایک دن میں کسی سے ہمدردی کر کے، اس پر ترس کھا کے اس کی مدد کی غرض سے چند دن اسے اپنے گھر میں رکھوں اور تمہیں ساری زندگی کے لیے اس کے حوالے کر دوں۔ کیا تمہیں لگتا ہے کہ میں اتنا ظرف دکھا پاؤں گی۔" وہ صدمے سے چور تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"مجھے خود بھی نہیں معلوم رباح۔ مگر میں نشال سے محبت کرنے لگا ہوں کب سے؟ مجھے خود بھی پتا نہیں مگر جیسے وہ میرے اندر باہر سما گئی ہے۔ اس کے بغیر میرے لیے جینا بے معنی ہوگا۔" اس کا لہجہ تھکا تھکا سا تھا۔ رباح نے خود کو عرش سے فرش پر گرتے دیکھا۔

"نشال تم نے اچھا نہیں کیا۔ میں نے تمہارے ساتھ برا تو نہیں کیا تھا؟" وہ بڑبڑائی تھی اس کی ذہنی حالت اس وقت بے حد مخدوش ہو رہی تھی۔

"نشال کو دوش مت دو رباح۔ اس بے چاری کو تو اس بات کی خبر تک نہیں ہے۔" باصد نے فوراً "نشال کی حمایت کی مگر رباح اپنے ہوش میں نہیں تھی اسے تو یہ سوچ سوچ کر ہی وحشت ہو رہی تھی کہ باصد کمال نے اس کی محبت پر نشال کو ترجیح دی ہے۔ ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی ساری زندگی محنت سے پائی پائی جوڑ کے رکھے اور ایک دن کوئی غاصب اس محنت کی کمائی لے اڑے۔ اور نشال غاصب ہی تو تھی جس نے جانتے بوجھتے رباح کی محبت پر شب خون مارا تھا۔ وہ انجان تو نہیں تھی وہ تو اچھے سے جانتی تھی کہ رباح صدیقی کتنی پاگل ہے باصد کمال کی ذات کے لیے' باصد کمال کی خاطر وہ ڈبل ڈیوٹی کر رہی تھی تاکہ جب ان دونوں کی شادی ہو تو ان کی بچت ان کے کام آسکے۔ ان دونوں کو زیادہ محنت نہ کرنا پڑے بلکہ وہ ایک دوسرے کو وقت دے سکیں۔ جب باصد لندن آیا تھا تو اس کے پاس اکثر سمسٹرز کی فیس بھرنے کے پیسے نہیں ہوتے تھے وہ نیو ساؤتھ ویلز کی یونیورسٹی آف ویلز سے ایم بی اے کر رہا تھا۔ ایسے میں رباح اسے پیسے دے کے اس کے سمسٹر کٹنے نہیں دیا کرتی تھی۔

رباح کبھی پاکستان نہیں گئی تھی۔ والدین وفات پاچکے تھے اور دوسرا کوئی خونی رشتہ تھا نہیں۔ رباح کا ہر رشتہ' ہر ناتا باصد کمال سے وابستہ ہو گیا تھا اس کی ساری دنیا وہ ایک شخص تھا۔ رباح کے ایک ایک انداز سے اس بات کا اظہار ہوتا تھا۔ پھر باصد کمال سمجھ کیوں نہیں پایا تھا۔ اسے تین چار ماہ میں نشال کی دکھ بھری زندگی کی آزمائشیں نظر آگئی تھیں۔ نو دس سال سے رباح کی محنت نظر کیوں نہیں آسکی تھی؟

اس نے تو نشال کی مدد کی تھی اس کے رشتوں کو اپنا مان کے بی اماں کو دکھ سے بچانے کے لیے باصد کو صحاب احمد بننے پر مجبور کیا تھا' وہ سچ مچ اس کی جگہ لے گا' اسے یہ خبر کیوں نہ ہو سکی تھی۔ وہ تو بہت سمجھ دار تھی' چہرے و آنکھوں کی زبان پڑھ لیا کرتی تھی پھر وہ نشال اور باصد کا اصل چہرہ کیوں نہیں دیکھ پائی تھی۔ کہاں غلطی ہوئی تھی اس سے' اور کہاں کمی رہ گئی تھی اس کی محبت میں۔ جو اسے آج یہ دن دیکھنا پڑ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

نشال اپنے کمرے میں تھی وہ ابھی ابھی نماز پڑھ کے اٹھی تھی۔ تین دن سے رباح اور اس کے درمیان بول چال بند تھی۔ نشال ایک دو مرتبہ اس سے بات کرنے کی غرض سے گئی بھی تھی مگر اس نے نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔ نشال قصور وار نہ ہوتے ہوئے بھی خود کو مجرم تصور کرنے لگی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنی صفائی نہ دے سکی حالانکہ وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ باصد کمال اب بھی اسی کا ہے۔ اس نے کبھی اسے رباح سے چھیننے کی کوشش نہیں کی۔ وہ تو اس کی محسن تھی اس کی وجہ سے اسے یہاں لندن میں اپنا پن اور سہارا ملا تھا اور وہ ہرگز بھی خود غرض اور غاصب نہیں تھی کہ اپنے آنسو پونچھنے والی ایک مخلص اور بے ریا لڑکی کی آنکھوں میں آنسو سجاتی۔ مگر وہ اسے یہ سب کیسے کہہ پاتی' وہ تو اس کی شکل دیکھنے کی بھی روادار نہیں تھی۔ اس لیے اس نے ایک حل ڈھونڈ لیا تھا اور اس پر ہی عمل کر رہی تھی۔ مگر اسی شام جب وہ اپنی پیکنگ کر رہی تھی وہاں رباح چلی آئی تھی۔ اس کی رت جگے کی غماز آنکھوں میں درد ہلکورے لے رہا تھا اس کی اجڑی حالت نشال کا دل چیر کے رکھ گئی تھی۔ محبت نے اسے محض تین روز میں صحرا کی مانند اجاڑ دیا تھا۔ تو کیا محبت کے بچھڑنے کا غم اتنا جان لیوا ہوتا ہے؟ نشال نے اسے دیکھ کے سوچا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

"میں نے تم پر ترس کھایا تھا نشال!" رباح کا ٹوٹا بکھرا لہجہ اس کا مان ٹوٹ جانے کا شکوہ کر رہا تھا نشال اسے بس دیکھ کے رہ گئی۔

"میں واپس جا رہی ہوں رباح۔ تم فکر مت کرو۔ میں نے تم سے تمہارا کچھ نہیں چھینا۔" نشال اس کے پاس آئی اس کا ہاتھ تھامنا چاہا مگر رباح نے ہاتھ نہیں بڑھایا۔

"بہتر بھی یہی ہے نشال کہ تم یہاں سے اب چلی جاؤ۔" اتنا کہہ کے وہ پلٹ گئی تھی۔

نشال نے باصد کمال کا دیا تحفہ ایک خط کے ساتھ اس کے کمرے میں رکھا اور لوٹ آئی۔

دوسرے روز وہ روتی ہوئی اس گھر سے نکلی تھی۔ جاتے سمے وہ رباح سے ملنے گئی تھی مگر رباح کا سرد رویہ اسے کچھ بھی کہنے سے روک گیا حالانکہ وہ اس سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی وہ اس کا شکریہ ادا کرنا چاہتی تھی' اس کی غلط فہمی دور کرنا چاہتی تھی مگر رباح کی بے رخی اس کے حوصلے کو پسپا کر گئی تھی۔ وہ روتے ہوئے اس گھر سے پھر کبھی نہ لوٹنے کے لیے نکل گئی۔ کتنی حیرت کی بات تھی وہ روتے ہوئے ہی اس گھر میں آئی تھی۔ آج روتے ہوئے ہی جا رہی تھی۔ لندن کا موسم اسے راس نہیں آیا تھا۔ لندن کا موسم بہت سرد اور سفاک تھا۔

☆ ☆ ☆

گھر میں ہولناک سناٹا چھایا ہوا تھا پورے گھر پر اس قدر گہری خاموشی تھی جیسے دور افتادہ کسی جنگل کے ویرانے میں ہوا کرتی ہے۔ باصد کمال کے دل میں انہونی کا احساس یکلخت جاگا تھا وہ بری طرح سے پورا گھر چھان رہا تھا مگر وہ کہیں بھی نہیں تھی؟

رباح اپنے کمرے میں تھی۔ اسے اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑا دیکھ کے مسکرائی۔ اب سب کچھ پہلے کی طرح ہو گیا تھا۔ درمیان کے چھ ماہ کبھی آئے ہی نہ تھے مگر اب کچھ بھی ویسا نہیں تھا۔ اس بات سے نظریں چرانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"نشال کہاں ہے؟" باصد کمال کڑے تیور لیے بے حد سنجیدگی سے سوال کر رہا تھا۔

"کھانا لگاؤں۔ میں نے تمہارے انتظار میں ابھی تک نہیں کھایا۔" رباح نے اس کا سوال شاید غور سے سنا ہی نہ تھا۔

"میں تم سے نشال کے بارے میں پوچھ رہا ہوں رباح۔" وہ درشت انداز میں دھاڑا تھا۔

"وہ چلی گئی واپس۔۔۔" رباح نے اطمینان سے جواب دیا تھا۔

کیا؟" باصد کمال پر ساتوں آسمان ایک ساتھ گرے۔

"تم نے اسے جانے دیا رباح؟" باصد کمال کے لہجے میں تحیر تھا یوں جیسے اسے امید نہیں تھی کہ وہ یوں نشال کو جانے دے گی۔

"تو اسے روک کے کیا کرتی۔۔۔ اس کے ساتھ ہمدردی کا نتیجہ بھگت تو رہی ہوں اس وقت۔" اس نے بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں جتلایا۔ باصد کمال اپنا سر پکڑ کے رہ گیا۔

"تم نے اس کی ذمہ داری لی تھی تو اسے نبھایا تو ہوتا رباح صدیقی۔۔۔ بس اتنی ہی ہمت تھی تم میں۔۔۔ دعوے تو بڑے بڑے کیے تھے اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لانے کے۔"

"اس کی خوشی تو پھر تم تھے باصد کمال اور میری محبت کا ظرف اتنا وسیع نہیں کہ تمہیں خود اپنے ہاتھوں سے اسے دے دیتی۔" رباح کے حلق میں نمکین پانی جمع ہونے لگا اس کی محبت کس قدر برگشتہ۔ و بدگمان ہو رہی تھی اس سے۔۔۔!

"یہ تمہاری محبت نہیں خود غرضی ہے رباح صدیقی۔۔۔ تمہیں اچھا لگتا ہے کہ ہر بندہ تمہارے ماتحت رہے خصوصاً" باصد کمال کیوں کہ اسے تو تم نے خرید رکھا ہے نا اپنی عنایات کے عوض۔۔۔"

وہ چلا رہا تھا' چیخ رہا تھا' ایک ایسی لڑکی کی خاطر جو کسی بھی لحاظ سے رباح صدیقی کے ہم پلہ نہیں تھی۔

"میں جتنا اس کے لیے کر سکتی تھی۔ میں نے اس

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کی مدد کی۔ میں نے ہر طرح تمہاری مدد کی، مگر تم دونوں نے کیا کیا میرے ساتھ۔ تمہیں کھانا کھانا ہو تو آجانا مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔" وہ نارمل انداز میں بولی۔

"ڈیم اٹ۔" وہ غصے سے دروازے کو ٹھوکر مارتا وہاں سے چلا گیا تھا۔

"باصد... باصد پلیز۔ میری بات تو سن لو پلیز...."
رباح صدیقی اس کے پیچھے بے تابی سے لپکی تھی، مگر وہ اپنے کمرے میں جاکے بند ہو گیا تھا۔

باصد کمال صاحب!
سوکھی گھاس میں ہمیشہ مری ہوئی تتلیاں ہی ملا کرتی ہیں اور جو خوشنما تتلیوں کے پیچھے بھاگنے کے عادی ہوں، انہیں مری ہوئی تتلیوں کے اڑے رنگ زیادہ دیر بھاتے نہیں ہیں.... میں جارہی ہوں۔ امید ہے میرا جواب آپ کو مل گیا ہوگا۔ ایک اچھے دوست کی طرح آپ دونوں کی شادی کے بلاوے کی منتظر ہوں گی اور میرا وعدہ ہے کہ اگلی بار میں لندن بہت خوش خوش آؤں گی آپ دونوں کی شادی میں شرکت کرنے کے لیے.... آپ کا دیا تحفہ رکھے جارہی ہوں کیوں کہ اس کی اصل حق دار میں نہیں بلکہ رباح ہے.... امید ہے میری بات سمجھ گئے ہوں گے۔

باصد کمال کے ہاتھ میں خط لرزنے لگا.... اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ وہ نشال کے لیے رو رہا تھا۔ اس سادہ بے ریا لڑکی کے لیے جس نے زندگی میں کوئی خوشی نہیں دیکھی تھی۔

ان دونوں کے درمیان بات چیت بند ہو گئی تھی۔ رباح ناشتے، کھانے پر اس کا انتظار کرتی، مگر وہ نظر بچا کے گزر جاتا۔ رات کو دیر سے گھر لوٹتا۔ رباح بات کرنے کی کوشش کرتی، وہ اسے نظر انداز کر رہا تھا اور رباح صدیقی مسلسل اذیت سہ رہی تھی۔

"میں نے یہ سب ہماری خوشی کے لیے کیا تھا باصد....!" رباح صدیقی کا ضبط کا پیمانہ چھلک گیا۔

"میری خوشی صرف نشال عبیداللہ تھی.... اور اسے تم نے میری زندگی سے نکال دیا۔ اب میری زندگی ایک ویرانے سے زیادہ نہیں ہے۔" اس نے انتہائی سرد اور کٹیلے لہجے میں جواب دیا۔ ستم بالائے ستم کہ اس کے پاس تو نشال کے گھر کا اتا پتا بھی نہیں تھا۔ ورنہ وہ اسے خود ہی تلاش کر لیتا۔

"مگر میری خوشی تو تم تھے باصد کمال!" رباح کا لہجہ ٹوٹا بکھرا تھا۔ اپنے آشیانے کو اس نے خود اپنے ہاتھوں ہی شعلہ دکھا دیا تھا، نیکی تو اس کے گلے ہی پڑ گئی تھی۔

"تمہیں مجھ سے محبت ہے رباح صدیقی....؟" وہ اس تک پلٹ آیا رباح نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر تمہیں اپنی خوشی کی فکر کیوں ہے؟ تمہیں میری خوشی عزیز کیوں نہیں ہے؟"

وہ اس سے سوال نہیں کر رہا تھا اس کی جان نکال رہا تھا۔ رباح صدیقی نے اس سے اس کی آنکھوں میں جنونانہ کیفیت دیکھی اور ڈر گئی۔ یہ وہ باصد کمال تو رہا ہی نہ تھا جو شوخ و شنگ ساز زندگی سے بھرپور تھا یہ تو عشق کی بھٹی میں جل کے کندن ہوا کوئی مجذوب کھڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

لندن میں گزارے چھ ماہ میں اس نے وہ سبق سیکھے تھے جو عمر کی ریاضت کے بعد بھی شاید وہ سیکھ نہ پاتی۔ واپسی کا سفر ہمیشہ ہی تکلیف دہ ہوتا ہے، اس کے لیے تو روز ہی ہوتا تھا۔

نشال نے تھک کر کتاب بند کر دی۔ دن سے رات اور رات سے صبح کرنا بہت مشکل ہوتا تھا اس کے لیے.... بی اماں کے بغیر اس کی زندگی بس ایسے ہی گزر رہی تھی۔ نشال کا خدشہ سچ ثابت ہوا تھا بی اماں اس کا دکھ سہ نہیں پائی تھیں۔ وہ جب بے سرو سامانی کی حالت میں واپس لوٹی تھی اور بی اماں کی پر حدت آغوش میں آتے ہی اس نے اپنا غم انہیں سنایا تھا وہ تو غم سنا کے ہلکی پھلکی ہو گئی تھی، مگر بی اماں اس دکھ کا بار نہیں جھیل پائیں۔

اٹھتے بیٹھتے وہ احمد نواب پر اندھا اعتماد کرنے پر پشیمان ہوتیں.... کبھی نشال سے معافی مانگنے لگتیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

انہیں اس بات کا غم کھائے جا رہا تھا کہ وہ روز قیامت بیٹے اور بہو کو کیا منہ دکھائیں گی۔ انہوں نے تو بیٹے سے نشال کا ہمیشہ سے خیال رکھنے کا وعدہ کیا تھا۔ وہ تو کسی طور بھی اپنے کیے پر پورے اتر سکی تھیں نہ ہی وعدہ ایفا کر سکی تھیں اور ایک روز وہ ایسا سوئیں کہ پھر دوبارہ اٹھ نہ سکی تھیں۔

نشال ایک بار پھر اکیلی ہو گئی' ایک سال ہو گیا تھا اسے لندن سے لوٹے۔ صحاب احمد کے طلاق دینے کے بعد دوبارہ ــــ احمد نواب انکل نے بھی کبھی رابطہ نہیں کیا تھا۔ نشال بھی سمجھ نہیں پائی کہ وہ شرمندہ تھے یا اپنے بیٹے کے ساتھ ملے ہوئے یا پھر اس کے سامنے مجبور ہو گئے تھے۔ بہرحال نشال کے صبر نے ہی اس کو اتنی ہمت عطا کر دی تھی۔ اتنا بلند ظرف کہ وہ انہیں معاف کر سکتی اور شکوہ تو اس کی سرشت میں شامل ہی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اس نے خود کو مصروف رکھنے کے لیے ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب کر لی تھی وہیں پر اس کی ملاقات فراز سے ہوئی تھی۔ وہ اچھی شکل و صورت کا حامل ایک دردمند دل رکھنے والا نفیس طبیعت کا تھا' اول روز سے ہی نشال کو پسندیدگی کی سند عطا کر دینے والا.... اور اب تو اس نے اسے پروپوز بھی کر دیا تھا' مگر نشال اب مزید کوئی تجربہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس نے خود کو اپنے نصیب کی تنہائی پر شاکر کر لیا تھا اور خود کو مطمئن کرنے کی کوشش میں بھی رہتی تھی۔

باہر دروازے پر دستک ہوئی۔ نشال ٹھٹک گئی۔ دن کا آغاز تو عام سے انداز میں ہی ہوا تھا پھر غیر معمولی بات کیا ہوئی تھی جو رات گئے اس کا دروازہ کھٹکھٹایا جا رہا تھا۔ وہ چادر سنبھالتی برآمدے میں آئی۔ دروازہ متواتر بج رہا تھا ٹھنڈی ہوا کے سرد جھونکے اس کے وجود سے لپٹ گئے' مگر اب اسے ٹھنڈ نہیں لگتی تھی' سردی کا وہ سرد برفیلا موسم اس کی زندگی پر حاوی ہو گیا تھا اب زمانوں کی تیز دھوپ درکار تھی اس احساس کو پگھلانے کے لیے۔

"کون ہے؟" نشال کو پوچھنا ہی پڑا یہ جانتے ہوئے بھی کہ آنے والا کوئی اجنبی ہی ہو گا اس کا اپنا تو کوئی تھا ہی نہیں۔

"میں ہوں نشال.... دروازہ کھولو...." آنے والا اس کا نام لے کر بولا تو سحر تحیر میں گھرے اس نے دروازہ کھول دیا تھا۔

آنے والا ویسا ہی ہینڈسم' اسمارٹ اور خوش باش تھا۔ نشال نے بہت تعجب سے اسے دیکھا درمیان میں آیا ایک سال کہیں کتاب زیست سے محو ہو گیا۔

"کیسی ہو...." وہ ایسی بشاشت سے پوچھ رہا تھا کہ نشال کو حیرت ہوئی نشال نے اس کے عقب میں دیکھا' وہ اکیلا آیا تھا۔ رباح اس کے ساتھ نہیں تھی۔ نشال کی آنکھیں کسی انجانے دکھ کے تحت بھیگ گئیں ان آنسوؤں میں کئی رنگ شامل ہو گئے۔

"اتنی حیران کیوں ہو رہی ہو مجھے دیکھ کے نشال.... کیا تمہیں یقین نہیں تھا کہ میں تمہیں لینے آؤں گا۔"

وہ اس سے یوں کہہ رہا تھا گویا وہ کوئی وعدہ ایفا کرنے لوٹا ہو اور وعدہ ایفا کرنے تو وہ آیا تھا وہ وعدہ جو اس نے خود سے کیا تھا اور رباح بھی اس کی محبت کے آگے ہار گئی تھی۔ اس نے اسے اپنی محبت سے آزاد کر دیا تھا۔ نشال کا پتا دیتے سمے وہ اسے آخری بار ایئرپورٹ چھوڑنے بھی آئی تھی۔ بہت مشکل سے ہی سہی مگر اس نے اپنی محبت پر حرف نہیں آنے دیا تھا۔

"میں لوٹ آیا ہوں نشال.... تمہیں اپنانے کے لیے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ہمیشہ خوش رکھوں گا تمہاری آنکھ میں کبھی آنسو نہیں آئے گا میری وجہ سے۔"

نشال کی ہنسی آندھیوں کی زد پہ آ گئی تو کیا وہ رباح کو چھوڑ آیا تھا جو دس سال سے اس کی محبت میں گرفتار تھی اور جس کی محبت کا وہ خود بھی دم بھرتا تھا۔ وہ ایک قدم آگے بڑھا تو نشال ایک قدم پیچھے ہٹ گئی۔

"یہ کیا مذاق ہے؟" وہ غرائی۔

"یہ مذاق نہیں محبت ہے نشال.... جو تمہارے در پر ایک بار پھر دستک دے رہی ہے اور جسے ٹھکرا کر تم

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاکستان واپس چلی آئی تھیں‘ میں جانتا ہوں کہ رباح نے تمہارے ساتھ غلط کیا اور میں تمہارے لیے اس وقت کچھ نہیں کر سکا اور تم بھی تو یوں بغیر بتائے چلی آئی تھیں‘ کم از کم میرا انتظار تو کیا ہوتا تم نے۔۔۔۔"

وہ اس سے شکوہ کر رہا تھا۔ نشال نے اسے ڈبڈبائی نظروں سے دیکھا۔ زندگی اس سے ہمیشہ ہی عجیب طرح کے امتحان لیتی تھی۔ بھلے اس کے دل کی خوشی کہیں نہ کہیں یہ ہنستا مسکراتا شخص بن گیا تھا‘ مگر وہ اسے اپنا نہیں سکتی تھی۔ رباح نے اسے اس وقت سہارا دیا تھا جب وہ شکستہ دل‘ بے سہارا‘ بے گھر خالی ہاتھ تھی۔ وہ رباح کا دل کیسے توڑ سکتی تھی۔ اپنی محسن کا۔ وہ اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی تھی اور یہ شخص جو اتنا مطلبی اور خود غرض تھا۔ رباح سے فائدے اٹھاتا رہا اور جب اسے دوسری لڑکی پسند آئی تو اس نے رباح کو خدا حافظ کہتے ہوئے ایک پل کے لیے بھی نہ سوچا ان دس سالوں کا کوئی ایک بھی پل اسے نہ روک پایا۔ کسی نے اس کا ہاتھ نہ پکڑا۔ رباح کی کوئی قربانی‘ نیک دلی اسے یاد نہ آئی۔

"میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں نشال۔۔۔ بولو کیا میری شریک سفر بنو گی؟" وہ اس کے قدموں میں بیٹھا اسے پرپوز کر رہا تھا۔ نشال کے دل پر کسی نے آری چلا دی‘ دل کی خوشی سے نظریں چرا کر کسی اور کے دامن میں خوشیاں بھرنا بہت جاں بلب احساس ہوتا ہے۔۔۔۔ رباح نے بھی باصد کو بھیجتے سے یقیناً" ایسا ہی درد محسوس کیا ہوگا اور احسان کا بدلہ چکانے کا گر زندگی مہلت‘ موقع دے تو نقصان حاصل کر کے بھی بدلہ چکا دینا چاہیے۔ نشال نے سوچا اور اپنا فیصلہ سنایا۔

"میری شادی تو ہو چکی ہے باصد۔۔۔ اور ایک شادی شدہ عورت کو پرپوز کرنا نہایت غیر مناسب ہے۔" اس نے آہستگی سے کہتے بم پھوڑا تھا۔

"کیا۔۔۔ تم نے شادی کر لی نشال؟" وہ دم بخود تھا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

"میرا انتظار تو کیا ہوتا کم از کم۔" وہ دکھی و آزردہ تھا۔ نشال طنزیہ ہنسی۔

"کس لیے۔۔۔ کیا میں نے کوئی وعدہ کیا تھا آپ سے یا آپ مجھے اپنے انتظار کی ڈور میں باندھ گئے تھے اور پھر آپ نے یہ کیوں سوچ لیا باصد کمال۔ کہ میں رباح کی خوشی اور حق پر ڈاکہ ڈالنے کا سوچوں گی بھی۔۔۔ ایک ایسی پیاری لڑکی کے حق پر جس نے میری اس وقت مدد کی جب میرے سر پہ چھت تھی نہ ہی پیروں تلے زمین۔۔۔ جس نے مجھ جیسی بے آسرا لڑکی کے لیے جنگ لڑی‘ اپنا سکون تیاگ دیا۔ آپ کو ایسا کیوں لگا باصد کمال کہ میں احسان فراموش ہوں۔۔۔"

"نشال۔۔۔ فار گاڈ سیک۔۔۔ رباح نے خود اجازت دی ہے مجھے کہ میں تم سے شادی کر لوں۔۔۔ اسی لیے تو آیا ہوں میں۔۔۔" وہ جیسے جھنجلایا۔

"تو وہ اور کیا کرتی۔۔۔ ایک بات آج ضرور کہوں گی میں آپ سے باصد! کہ آپ بہت خود غرض انسان ہیں۔ ہمیشہ اپنا سوچتے ہیں۔ رباح سے فائدے اٹھاتے رہے‘ کیا آپ نہیں جانتے تھے وہ آپ سے محبت کرتی ہے۔ اگر اسے نہیں چاہتے تھے تو آپ نے اس کی غلط فہمی کیوں نہیں دور کی؟ آپ کس رشتے سے اس کے ساتھ رہتے تھے؟ کیا حق تھا آپ کو اس سے فائدے اٹھانے کا۔۔۔ کبھی سوچا؟ ویسے بھی اگر آپ چند دنوں کی شناسائی کے عوض اپنا پرانا ساتھی اور محبت بھول سکتے ہیں تو چھ ماہ تو یقیناً" بہت قلیل عرصہ ہے اور آپ کو مجھ سے محبت ہے بھی نہیں‘ بس ذرا سی ہمدردی اور انسیت جو ایک ساتھ رہنے سے اکثر پیدا ہو جایا کرتی ہے اور زندگی صرف خود کے لیے جینے کا نام نہیں ہے‘ اسے دوسروں کے نام کر کے جینے میں ہی مزہ ہے کاش کہ یہی سبق آپ رباح کی قربانی سے سیکھ لیتے۔"

"اوہ!" وہ جیسے ساری کہانی سمجھ گیا تھا۔ "تو یہ سب تم رباح کی خاطر کر رہی ہو۔ تم اپنی شادی کا بھی جھوٹ بول رہی ہو‘ لیکن نشال اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے‘ رباح اب مجھے کبھی معاف نہیں کرے گی۔ جس سے بدگمان ہوتی ہے پھر اس کے لیے دل صاف نہیں کرتی۔"

"میں اس کی جگہ ہوتی تو میں بھی معاف نہ کرتی باصد! تم جیسے نفس پرست اور خود غرض شخص کو‘ لیکن مجھے اپنے ضمیر کے روبرو سرخرو ہونا ہے۔ ویسے بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں اپنے دل پر یہ بوجھ لے کر نہیں جی سکتی کہ میں نے کسی کی محبت پر اپنا تاج محل بنایا ہے۔"

وہ دروازہ بند کرنے لگی مگر باصد نے روک دیا۔

"تم مجھے اندر آنے کو بھی نہیں کہو گی کیا؟" اس کے لہجے میں آس تھی۔

"نہیں۔۔۔ نہ میں آپ کو اندر بلاؤں گی نہ ہی آپ پیچھے مڑ کے دیکھیں گے کیوں کہ یہ جگہ نہ تو آپ کی منزل ہے نہ ہی آپ یہاں پڑاؤ ڈال سکتے ہیں' مان لیں باصد کمال کہ اگر میں آپ دونوں کی زندگی میں نہ آتی تو آپ دونوں ایک خوش و خرم زندگی گزارتے' آپ کو کبھی بھی اور اک نہ ہو پاتا کہ آپ رباح سے محبت کرتے بھی ہیں یا نہیں اور زندگی اب بھی ویسی ہو سکتی ہے۔"

"مگر نشال۔۔۔!" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا نشال نے دوبارہ ٹوک دیا۔

"رباح کو میری طرف سے بہت پیار اور دعائیں دیجیے گا۔۔۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو باصد کمال! آپ دونوں کی شادی کی خبر سننے کی منتظر ہوں گی جو کہ مجھے امید ہے کہ جلد ہی سننے کو ملے گی۔" اس نے باصد کمال کو بات کا موقع دیے بغیر ہی دروازہ بند کر دیا تھا۔ دروازہ بند کر کے اس نے گہری ٹھنڈی سانس لی۔ یوں جیسے وہ بہت لمبا سفر پاپیادہ طے کر آئی ہو۔ پتا نہیں اس نے صحیح کیا تھا یا غلط اور جانے باصد کمال رباح کی محبت کی طرف لوٹے گا بھی یا نہیں' مگر وہ جانتی تھی اس کا دل مطمئن تھا کہ اس نے رباح کی آنکھوں میں اپنی وجہ سے آنسو نہیں آنے دیے تھے اور اسے یقین تھا کہ گزرتے وقت کے ساتھ رباح کی بدگمانی بھی ڈھل جائے گی اور وہ بھی یوں ہی کسی نہ کسی دن اچانک اس کو ڈھونڈتے ہوئے پہنچ جائے گی۔

اس نے کمرے میں آ کر اپنا موبائل اٹھایا۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے اور ایک جانا پہچانا نمبر ملایا۔۔۔ تیسری بیل پر فون اٹھا لیا گیا تھا۔ نیند میں ڈوبی گمبھیر آواز سن کر نشال بے ساختہ مسکرائی کچھ یوں کہ آنکھوں سے آنسو موتیوں کی مانند ٹوٹ ٹوٹ کے گرے۔

"خیریت ہے نشی۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو۔" فراز کی تفکر آمیز آواز نشال کے اندر سکون کی لہر دوڑا گئی۔

"ایک بار تم نے ایک سوال کیا تھا فراز۔۔۔ میں نے اسی کا جواب دینے کے لیے فون کیا ہے۔ وقت اور جگہ کا حساب میں نے نہیں رکھا' مگر اتنا ضرور کہوں گی کہ مجھے لگتا ہے کہ اب میرے پاس یہ حق ہے کہ رات کے کسی بھی پہر تمہیں جگا سکوں۔۔۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔"

اس نے شرارت سے کہتے لبوں کو دانتوں میں دبایا تھا۔ فراز پر تو شادی مرگ طاری ہو گئی تھی۔

"میں آ رہا ہوں ابھی۔۔۔" وہ کھنکتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ابھی نہیں صبح آ جانا۔۔۔ ابھی تم سو جاؤ۔"

"مگر اب نیند کیسے آئے گی یا پھر تم مجھ سے باتیں کرو۔۔۔" اس نے جیسے ضدی بچے کی طرح سے فرمائش کی تھی۔ نشال بے ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گئی۔ اسے یقین تھا فراز ہی وہ ایسا شخص ہے۔ جس کے ساتھ وہ خوش رہ سکتی ہے اور جو عمر بھر اس کی ذات کو سرد و گرم سے بچا سکتا ہے۔ صحاب احمد کا حساب کتاب اس نے اللہ پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنی تقدیر پر شاکر تھی' جس نے اس کے مقررہ کردہ وقت پر اسے نواز دیا تھا۔ اس کے اندر سکون اتر رہا تھا۔ اس نے وضو کر کے دو نفل شکرانے کے پڑھے اور دو حاجت کے پڑھ کے باصد اور رباح کے لیے دعا کی کہ۔۔۔ دونوں ہی اس کے برے دنوں کے اچھے ساتھی تھے اور دونوں ہی اسے بہت عزیز تھے۔

اور باصد کمال نے بھی نشال عبید اللہ کی بات مان لی تھی اس نے محبت کو سرنگوں نہیں ہونے دیا تھا۔ آج لندن میں رباح اور باصد خوش و خرم زندگی بسر کر رہے ہیں ان کے دو پیارے پیارے بچے ہیں اور نشال بھی فراز کے ساتھ بہت خوش ہے' مگر وہ دوبارہ لندن کبھی نہیں گئی۔ اس کے اندر یہ خوف کنڈلی مارے ہوئے ہے کہ لندن کا موسم بہت سرد اور سفاک ہے اور لندن کا موسم اسے راس نہیں آ سکتا۔۔۔!

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نایاب جیلانی

بیہ، عنایہ کے کمرے میں گئی تو اس نے دیکھا، عنایہ نزع کے الم میں تھی۔ اس کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ اس نے بیہ سے کہا کہ تمہاری خاموش اور صبر جیت گیا اور میری فرماں برداری ناکام ہوئی۔ میرا دل اور ہاتھ دونوں خالی ہیں۔ مجھے اس سے محبت تھی۔ وہ میرے اندر بستا تھا۔ میں جان ہی نہ سکی۔ تم اسے بتا دینا کہ مجھے اس سے کتنی محبت تھی۔ بیہ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ اسے "فاتح" سے عشق تھا، بیہ ساکت رہ گئی۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا۔ وہ دیا کو عنایہ کی موت کے بارے میں بتانے گئی۔

دیا کا کمرہ خاص تہ خانے میں تھا۔ جہاں وہ عبادت کرتی تھی۔ وہاں کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ بیہ پہلی بار وہاں گئی۔ کمرے میں داخل ہو کر وہ پتھر ہو گئی۔

دیا بھی مرنے کے قریب تھی۔ وہ بری طرح چلا رہی تھی۔ بیہ جو اس سے گزرے برسوں کا حساب لینے آئی تھی۔ کچھ نہ کہہ سکی۔ دیا نے دم توڑ دیا تھا۔ وہاں کچھ تصویریں تھیں ایک ہی بندے کی تصویریں اور دیا کی ڈائریاں.... ان ڈائریوں کے ساتھ ایک رقعہ تھا جس پر لکھا تھا۔ "انہیں پڑھ لینا۔ تمہارا تجسس دور ہو جائے گا۔"

بیہ نے کچھ قریبی لوگوں کو ان دونوں اموات کی اطلاع دی تھی اور فاتح کو بھی فون کر کے عنایہ کی موت کے بارے میں بتایا تھا۔ فاتح نے سرد لہجے میں کہا تھا کہ تم یہ اطلاع رافع کو دے دو۔ بیہ کے جتانے پر کہ رافع اس کا شوہر ہے اس نے سرد مہری سے کہا کہ وہ اب اس کا شوہر نہیں ہے۔

بیہ نے رافع کو اطلاع نہیں دی تھی۔ افسون مشہدی ایک بزنس ٹائیکون کی اکلوتی بیٹی تھی رافع ابراہیم ایک مزدور تھا۔

Downloaded From Paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

افسون مشہدی نے اس کو دیکھا اور اس کی اسیر ہو گئی۔ لیکن رافع ابراہیم نے اس پر توجہ نہ دی۔ افسون نے اسے اپنے باپ کی آئل کمپنی میں ملازمت دے دی۔ وہ اسے چھوڑ کر جا رہا تھا۔ تب ہی ایئرپورٹ پر افسون پہنچ گئی تھی اور اس نے اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن جب رافع ابراہیم نہ مانا تو اس نے اسے روکنے کے لیے انتہائی قدم اٹھا لیا تھا۔

مدید نے اپنے دوست حریر کو اپنی منگنی میں آنے کی دعوت دی تھی اور کہا اپنے ساتھ ایک اور "دوست" کو بھی لے آنا۔ مدید کا یہ دوست پائلٹ ہے۔ وہ انتہائی وجیہہ ہے لیکن ساتھ ساتھ بددماغ اور غصیلا بھی ہے۔ اناویہ بہت حسین دل کش تھی۔ اس کی کلاس فیلو روبا اس کے لیے اپنے بھائی کا رشتہ لے آئی۔ اناویہ نے اس کو ناراضی سے منع کر دیا اور کہا اس رشتہ سے انکار کی وجہ خود روبا ہے۔

روبا جب اناویہ کے گھر گئی تو اس نے اناویہ کے تایا زاد افراہیم کو دیکھا۔ اس کی گہری محبت بھری نظریں روبا کو ڈسٹرب کر گئی تھیں۔

فوزان مشہدی کے آئل پلانٹ پر کام ہو رہا تھا۔ فوزان مشہدی اپنے ایک ایک ورکر سے بخوبی واقف تھے۔ پچھلے چھ ماہ سے ان کے پلانٹ پر ایک ورکر کام کر رہا تھا۔ اسے افسوں کی سفارش پر رکھا گیا تھا۔ یہ ورکر بہت غیر ذمہ دار اور لاپروا تھا۔ یہ لڑکا رافع افراہیم تھا۔ فوزان مشہدی کو بتایا گیا کہ وہ معاہدہ توڑ کر ظہران سے فرار ہو رہا ہے تو فوزان مشہدی کو غصہ آگیا اور اس نے خروج لگوا کر اسے جیل بھجوا دیا۔

افسوں مشہدی کی اپنی سوتیلی ماں آبگینے سے بہت اچھی دوستی تھی۔ اس کے سوتیلے بھائی حمیر اور عمیر بھی اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ افسوں کا اپنا سگا بھائی ناراض ہو کر گھر چھوڑ گیا تھا۔

رافع افراہیم کے جیل جانے سے افسون بہت پریشان تھی۔ وہ اسے باہر نکالنا چاہتی تھی۔ وہ اسے چھڑانے کے لیے جیل چلی گئی جس کی وجہ سے اس کا باپ بہت پریشان ہو گیا۔

حریر اپنے پائلٹ دوست کے ساتھ ڈین ہیگ پہنچا تو مدید قاضی انہیں لینے نہیں آیا تھا۔ حریر نے اسے بتایا کہ مدید نے اپنی منگنی میں شرکت کے لیے بلایا ہے۔ یہ سن کر اس کا پائلٹ دوست سیخ پا ہو گیا تھا۔ وہ مدید کی منگنی میں شریک نہیں ہونا چاہتا تھا۔ اس نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا، لیکن مدید نے اسے زبردستی روک لیا۔

مدید نے زندگی میں بہت برے دن دیکھے تھے۔ امید اس کی خالہ زاد تھی جس سے اس کی منگنی ہونے والی تھی۔ اس کے خالو خوش حال تھے۔ رانیہ کی شکل میں مدید کی لاٹری نکلی تھی۔

افسون نے پہلی بار جب رافع افراہیم کو دیکھا تھا تو وہ ایک معمولی مزدور تھا۔ اس کی تباہ حالی کے باوجود افسون اسے دل دے بیٹھی، وہ اس کی منت سماجت کر کے اسے اپنی کمپنی میں لے آئی۔ رافع افراہیم ماضی کے کسی واقعہ کی وجہ سے شدید پشیمانی اور اذیت کا شکار تھا۔ اس نے افسون کی محبت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس کی ہر ممکن مزاحمت اور انکار کے باوجود افسون نے ہار نہیں مانی تھی اور بالآخر رافع نے ہتھیار ڈال دیے، لیکن اس کا کمزور دل یہ برداشت نہ کر سکا اور اس کی سانس بند ہونے لگی۔ افسون یہ منظر نہیں دیکھ سکی اور خوف زدہ ہو کر بھاگ نکلی تھی، لیکن وہ بچ گیا تھا۔

فوزان مشہدی کو پتا چلا کہ وہ جیل سے رافع کو نکال لائی ہے تو انہوں نے افسون کو بتایا کہ وہ رافع کے متعلق ساری معلومات کرا چکے ہیں۔ وہ اپنے خاندان کا دھتکارا ہوا ہے۔ اس نے اپنے بھائی کی بیوی پر بری نیت رکھنے کا گناہ کیا تھا۔

چوتھی قسط

"مٹر سے گر گئی تھی۔ میں شاید ڈر گئی۔" اس نے سر جھکا کر ضبط کرتے ہوئے بتایا تھا۔ اس کی ساس نے گلے لگا کر تسلی دی۔ "لائٹ آف کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ بلکہ کچن کی بتی جلتی رہے تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ رات کو اندھیرے میں بچوں کا دودھ گرم کرنے آتی ہو۔ اب چلو اپنے کمرے میں۔" وہ روبا کو بازو کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

گھیرے میں لیے اندر چلی گئی تھیں اور متفکر سا افراہیم کچھ اور مضطرب ہو گیا۔

جب وہ واپس کمرے میں آیا تو روبا بستر پہ گم صم بیٹھی تھی۔ اماں جا چکی تھیں۔ اور تینوں بچے سکون کی نیند میں گم تھے۔ افراہیم نے بچوں کے اوپر کمبل درست کیا۔ ہیٹر بند کیا اور کھڑکیوں کے سامنے سے پردے ہٹائے تو روبا بے ساختہ چیخ اٹھی۔

"پردے نہ ہٹائیں"

"لیکن سلائیڈ تو بند ہیں۔" افراہیم نے نرمی سے کہا۔

"نہیں پھر بھی۔" اس نے اصرار کیا۔

"او کے، نہیں ہٹاتا۔ اب خوش۔" وہ ملائمت سے کہتا اپنی جگہ پہ لیٹ گیا۔

سوئے ہوئے افراہیم کی موجودگی نے اس کا خوف کم کر دیا تھا اسے بھی نیند آ رہی تھی مگر اسے محسوس ہو رہا تھا کہ کمرے میں ان کے علاوہ بھی کوئی اور ہے؟ اسے کسی کی ہموار سانسوں کی آواز بڑی شدت کے ساتھ محسوس ہو رہی تھی۔

کوئی تھا جو افراہیم اور روبا کے پاس موجود تھا۔ آخر کون؟

☆ ☆ ☆

باہر نیلگوں اجالا پھیلا ہوا تھا۔ روبا نے اٹھ کر غسل کیا۔ اور جلدی سے نماز کی تیاری کرنے لگی۔ اماں تہجد کے بعد معمول کے وظائف اپنے کمرے میں رضائی کے اندر بیٹھ کے کرتی تھیں۔ افراہیم مسجد میں نماز ادا کرنے گیا تھا۔ اور واپسی پہ اسے ہمیشہ دیر ہو جاتی تھی۔ کبھی کوئی مل جاتا کبھی کوئی۔ ہزاروں سلام دعا والے لوگ تھے۔

وہ نماز ادا کر کے کچن میں آئی۔ ناشتا بنا کے اس نے سب سے پہلے اماں کو ناشتا دیا تو انہوں نے بے ساختہ اسے روک لیا تھا۔

"افراہیم ابھی تک نہیں آیا؟"

"نہیں اماں۔ کوئی کام تھا کیا؟"

"نہیں بیٹی! ایسے ہی افراہیم کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی۔ وہ میرے کمرے میں جھانک کر آگے جاتا ہے نا۔ تو نفل پڑھتے ہوئے مجھے یوں لگا جیسے افراہیم نے دروازہ کھولا ہے۔ شاید مجھے نیت باندھے دیکھ کر پلٹ گیا ہے۔" وہ بڑی سادگی کے ساتھ روبا کے حواس اڑا رہی تھیں۔ اس نے بمشکل خود کو سنبھال کر کہا۔

"آپ کا وہم ہو گا اماں۔۔۔ افراہیم تو ابھی آئے ہی نہیں۔" اس کے منہ سے پھنسی پھنسی آواز نکلی تھی۔

"کیا خبر ایسے ہی ہو۔ پر دروازہ تو کھلا تھا۔" اماں بھی الجھی الجھی سی تھیں اور روبا حواس باختہ۔ پھر ان کا دھیان بٹاتے ہوئے ملائمت سے بولی۔

"ہر وقت افراہیم کی طرف ذہن اٹکا رہتا ہے آپ کا۔ یوں ہی خیال آ گیا ہو گا۔"

"ایسی سٹھیائی تو نہیں ہوں۔ اگر تم کہتی ہو تو مان لیتی ہوں۔ ایک ہی تو بیٹا ہے کیا کروں؟ دھیان اس کی طرف نہ جائے تو کہاں جائے۔" انہوں نے تسبیح اٹھا کر چومی اور پرے روبا کے ہاتھ سے پکڑ لی۔ معاً انہیں خیال آیا۔ کہنے لگیں۔

"روبا بیٹی! ذرا انابیہ کی خبر گیری بھی کر لیا کرو۔ بن ماں کی بچی کا کیا حال ہے؟ انابیہ تو اس قابل نہیں جو بچی کا دھیان رکھ سکے۔ اتنا کہا تھا میں نے کہ انابیہ کو مجھے دے دو۔ جہاں تین بچے پل رہے ہیں۔ وہاں ایک اور سہی۔ مگر اس لڑکی کی انا اور خود پسندی' جانے کس پہ اس کا مزاج چلا گیا ہے۔" انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری تو باہر سے آتا افراہیم ان کا جملہ اچک کر بولا تھا۔

"دادی حضور پہ۔ بھول گئیں کیا؟ اللہ بخشے وہ ایسی ہی تھیں۔ ظالم اور سنگ دل۔ تین دن جان حلق میں اٹکی رہی تھی۔"

"اللہ معاف کرے۔" ساس بہو دونوں نے دہل کر کہا۔

"کسی نہ کسی نے تو دادی پہ جانا ہی تھا۔" وہ مسکراتا

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہو اماں کے قریب بیٹھ گیا تھا۔
"نادیہ تو نہ جاتی۔ کوئی اور چلا جاتا۔ ایسی حسین صورت اور ایسی بدترین سیرت۔" اماں نے ہاتھ ملتے ہوئے ٹھنڈی آہ بھری۔
"اپنے اپنے نصیب کی بات ہے۔" روبا نے افسردگی سے سرہلایا۔
"انسان ساری عمر غلطیاں کر کے نصیب کے کھاتے میں اپنے گناہ نہیں ڈال سکتا۔" افراہیم کے سنجیدگی بھرے لہجے پہ اماں قائل ہوتی نظر آئی تھیں۔ پھر انہوں نے موضوع بدل دیا۔
"ناصر کی کوئی خیر خبر؟"
"اچھے حال میں ہے۔ سسرالیوں سے صلح کرلی۔ اسے پکڑوانے کا سارا ڈراما تھا۔ اپنی مرضی سے نکاح کیا بٹی کا۔ بعد میں کسی لین دین پہ لڑائی ہو گئی' وہ لالچی لوگ ہیں۔ تایا جی کی دکان ہتھیانا چاہتے تھے۔ ناصر کو جیل میں بند کروادیا اغوا کا کیس بنوا کے۔ بات کھلی تو خاصی چھترول ہوئی سب کی۔" افراہیم نے قصہ مختصر سنایا تو اماں ہکا بکا رہ گئیں۔
"پھر گھر کیوں نہیں آیا؟"
"مرضی کا مالک ہے۔ ایک بیٹے کے ساتھ وہیں ہے۔ دکان کے کرائے میں سے آدھا حصہ وصول کرتا ہے۔" افراہیم کے انکشاف پہ اماں بے چاری ساکت تھیں۔
"اور گھر نہیں آیا؟ حد ہے۔"
"گھر آئے تو دو بہنوں کی ذمہ داری اٹھائے؟ چلیں ایک تو بیاہ کے قابل ہے۔ اس کا بوجھ تو اترا ہی سمجھیں۔ دوسری چھٹانک بھر کی بچی کو کون سنبھالے؟ اس کی بیوی تو کبھی نہ اس عذاب میں پڑے۔" افراہیم نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے بتایا تو اماں مشکوک ہو گئی تھیں۔
"ناصر سے تیری ملاقات ہوتی ہے کیا؟"
"پہلے سے کچھ سدھر گیا ہے۔ اکثر دفتر میں ملنے آجاتا ہے۔ پھر کیا کروں؟ ملنا تو پڑتا ہے۔ تایا زاد جو ٹھہرا۔" افراہیم اور اماں کو باتوں میں مصروف دیکھ کر روبا تیزی سے کچن کی طرف بڑھی وہ توے پہ پراٹھا ڈال کے آئی تھی اور یہاں تو ایسے ہی باتوں میں لگ گئی تھی۔ کچن کی طرف جاتے ہوئے بے ارادہ اس کی نگاہ نماز والے کونے کی طرف اٹھی۔

یہ نماز والا کونا مخصوص تھا۔ یہیں پہ جائے نماز بچھی رہتی۔ اس کونے میں کوئی بھی نہیں جاتا تھا۔ تو پھر وہاں کون گیا تھا؟ جبکہ افراہیم باہر تھا اور اماں اپنے کمرے میں....

جائے نماز کا مڑا کونا سیدھا تھا۔ جیسے کسی نے اس پر نماز پڑھی ہو۔

کس نے؟ روبا کی جیسے جان پہ بن آئی تھی۔ نہ صرف جائے نماز کا مڑا کونا سیدھا تھا بلکہ کھونٹی پہ ٹنگی تسبیح بھی جائے نماز کے اوپر رکھی تھی۔ حالانکہ روبا نے آج تسبیح اتاری ہی نہیں تھی۔ تو پھر کس نے؟

وہ چکراتے سر کو تھامتے ہوئے بمشکل کانپتی ٹانگیں گھسیٹتی کچن میں آئی تو جلتا چولہا بند تھا۔ اور توے سے پراٹھا غائب۔؟

✡ ✡ ✡

روبا کے پورے وجود پہ ایک نامعلوم خوف کا اثر تھا۔ گھر میں اس کی دلچسپی کم ہوتی جارہی تھی۔ اسے ہر چیز سے خوف آتا تھا۔ اکیلے کمرے میں جانے سے۔ کچن میں کام کرنے سے۔ صحن میں مشین لگانے سے۔ پھر روبا نے کچھ اور ہی محسوس کرنا شروع کردیا تھا۔ کچھ ایسا جس نے اس کی وحشت کو دوچند کردیا تھا۔

اس دن اماں کے پاس محلے کی کوئی عورت آئی بیٹھی تھی۔ روبا ان کے لیے چائے بنانے کچن میں آئی۔ جب وہ واپس صحن میں آئی تو خالہ بلقیس اماں سے کچھ کہہ رہی تھیں۔ روبا بھی بیٹی کو دلیہ کھلاتی ان کے پاس بیٹھ گئی۔

"کچھ نہ پوچھیے آپا جی.... یہ آپ کے جیٹھ کی بیٹی تو بڑی ظالم ہے۔ پورا دن بچی کو نانجو کی ماں کے پاس پھینک کر خود نجانے کہاں نکل جاتی ہے۔ سارا دن لور لور بازاروں میں یا اس بدنام زمانہ نانجو کے ہمراہ۔ بچی

WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اس کے گھر میں بلکتی رہتی ہے۔ کبھی کوئی بچہ گھیوں سے بھری دودھ کی بوتل چوسنی تھمادے تو ٹھیک۔ ورنہ پورا دن بھوک اور مار سے بلبلاتی رہتی ہے۔ ناجو کے گھر بچوں کی منڈی لگی ہے۔ کوئی ادھر سے دھکا دیتا ہے کوئی ادھر سے طمانچہ مارتا ہے کوئی چٹکی تو کوئی مکا۔ بچی بے چاری تڑپ تڑپ کر کملا گئی ہے۔ پیٹ اس کا خراب ہے۔ بخار اس کا جاتا نہیں.... سوکھ کے کانٹا بن گئی پھول سی بچی.....'' خالہ بلقیس نے ایسا درد ناک نقشہ کھینچا تھا کہ اماں کے ساتھ ساتھ روبا کی آنکھوں میں بھی آنسو بھر گئے تھے۔

''کیسی سنگ دل؟ بچی کو ناجو کے گھر کیوں پھینک رکھا ہے؟'' اماں کے دل کو دھکا سا لگا تھا۔ بچی کے ساتھ اس کی رحم دل ماں بھی یاد آگئی تھی۔

''اے پھر کہاں بغل میں دبائے پھرے۔'' خالہ بلقیس نے تلخی سے کہا تھا۔ ''ذرا خوف خدا اسے چھو کر نہیں گزرا۔ بچی سے جانے کس گناہ کا بدلہ لے رہی ہے۔''

''ہم بات کریں تو مجرم نہ کریں تو مجرم.... میں نے کہا بھی تھا۔ تم اناڑی ہو۔ بچوں کو کہاں سنبھالنے کا تجربہ ہے۔ انابیہ مجھے دے دو میں خود اس کی دیکھ بھال کر سکتی ہوں۔ پھر روبا بھی ہے مگر وہ لڑکی.....'' انہیں رہ رہ کر انابیہ پہ غصہ آرہا تھا۔ جس نے بچی کو اوروں کے رحم و کرم پہ چھوڑا ہوا تھا۔ اور ان سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ تاکہ اس کی خفیہ سرگرمیاں کسی کی نگاہ میں نہ آجائیں۔

''افراہیم آتا ہے تو بات کرتی ہوں۔ ذرا انابیہ کو سمجھائے۔'' وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولتی چپ سی ہو گئیں۔ دراصل انہیں یاد آگیا تھا۔ روبا کے ساتھ ہونے والے حادثے پر حال احوال پوچھا اور نہ ہی اپنے کیے پر شرمندہ تھی۔ جتنا بڑا اس نے جرم کیا تھا۔

تین تین انسانی جانوں کے قتل کا ارادہ..... اس پہ تو چند تھپڑ اور دو جوتے ناکافی تھے۔ مگر وہ اسی بات کا فسانہ بنائے ان سے ہمیشہ کے لیے خفا ہو گئی تھی۔

اماں کا دل بوجھل تھا تو روبا کا شدید غم زدہ۔ روبا چائے کی خالی پیالیاں اٹھا کر کچن کی طرف بڑھی تو اچانک سے بچوں کے کمرے سے عجیب سی کھلکھلاہٹوں کی آواز آئی تھی۔ وہ تیزی سے ٹرے سلیب پہ پٹخ کر بچوں کے کمرے کی طرف بھاگی۔ اس کے ذہن میں طرح طرح کے خوفناک خیال آرہے تھے۔ کمرے میں کون تھا؟

اس نے دروازہ ..... کھولا تو کیا دیکھتی ہے کہ دونوں بچے کاٹ میں قلقاریاں مار رہے تھے اور کسی چیز کو دیکھ کر ہنس رہے تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی مضحکہ خیز کرتب دکھا کر بچوں کو ہنسا رہا ہے۔

روبا کا دل مٹھی میں آگیا۔ اس نے تیزی کے ساتھ دونوں بچوں کو بازوؤں میں دبوچا اور باہر بھاگتی ہوئی آگئی۔ اس نے آج خوف کی انتہا پہ پہنچ کر اماں کو بتایا تھا۔

''اماں! گھر کے اندر کوئی ہے۔'' یہ سن کر اماں بھی سفید پڑ گئی تھیں۔ روبا کی حالت دن بدن بگڑتی جارہی تھی۔

✲ ✲ ✲

سرما کی بارشوں نے عاجز کر رکھا تھا۔ سارا دن مینہ برستا۔ باہر سردی گیس ندارد ہیٹر کی جگہ انگیٹھیوں میں کوئلے دہکائے جاتے تھے۔ سردی ہڈیوں کے گودے میں گھسی چلی جاتی تھی۔ اماں سارا دن لحاف میں ٹھٹھرتی رہتی تھیں۔ بچے ان کے پاس کمبل میں لپٹے ہوتے۔

دن خطرناک حد تک خوف زدہ کرنے والے تھے اور راتیں انتہائی بے سکون ہو چکی تھیں۔ یوں لگتا تھا کسی بھی لمحے کچھ بھی ہو جائے گا۔ افراہیم بھی اب تو چوکنا ہو گیا تھا۔ روبا کا بار بار بے ہوش ہونا ''ڈرنا'' خوف زدہ ہونا بہت معنی رکھتا تھا۔ اب وہ مذاق میں بھی اس مسئلے کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

روبا بہت چپ رہنے لگی تھی اور انتہائی بے یقین بھی۔ وہ بچوں کے معاملے میں بے حد حساس ہو چکی

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تھی۔ اس کے دل میں وہم بیٹھ گیا تھا۔ جیسے کوئی اس کے بیٹوں کو نقصان پہنچا دے گا۔

افراہیم نے ایک برگزیدہ ہستی سے اپنے گھر میں دم درود بھی کرایا تھا اور انہوں نے اتنا یقین دلایا تھا کہ ان کے گھر میں کوئی ناپاک چیز نہیں ہے۔ اگر کوئی ہے بھی تو وہ نقصان نہیں کرے گی۔ ان ہی دنوں اس کے بیٹوں کی پہلی سالگرہ آگئی۔ اس سالگرہ میں افراہیم نے سب کو بلایا تھا۔ ناصر اور اس کی بیوی' بیٹے کو۔ اپنی سسرال تو تھی ہی۔۔۔ انادیہ کو بھی پیغام بھیجا اور وہ حیرت انگیز طور پر انابیہ کو ساتھ لے کر آگئی تھی۔ یہ بڑی ہی حیران کن صورت حال تھی۔ اتنی تو وہ اچھی نہیں تھی کہ سب کچھ بھلا کر آجاتی' لیکن اس کا آجانا معمولی بات نہیں تھی۔

انابیہ کو دیکھ کر چچی آبدیدہ ہوگئیں۔ انہیں انابیہ کی ماں فرزانہ یاد آگئی تھی۔

"کیسی اچھی عورت تھی۔ منٹوں میں چل بسی۔ اس پھول سی بچی کو بے سائبان کرکے۔" انہوں نے تین سالہ انابیہ کو گود میں لے کر بے ساختہ چوما تھا۔ انادیہ خون کے گھونٹ بھر کے رہ گئی تھی۔

"چچی نے ایسا پیار مجھے تو کبھی نہ کیا؟" اس کے دل میں جوار بھاٹا اٹھنے لگا۔ کسی کو دوسرے سے انسیت رکھتے یا الفت کا مظاہرہ کرتے تو انادیہ دیکھ ہی نہیں سکتی تھی۔

"کتنی پیاری ہے ماشاء اللہ۔" روبا نے بھی انابیہ کے گال پہ پیار کیا تو وہ شرما کر چچی کی گود میں منہ چھپا گئی تھی۔ ایسے ہی باتوں باتوں کے دوران ہنستے کھیلتے' خوش گپیاں کرتے کیک کٹا اور دونوں شہزادوں کو بڑوں کے بیچ میں لا بٹھایا گیا۔

اس وقت گہری سوچوں میں ڈوبی چچی کی طرف کسی کا دھیان نہیں گیا تھا۔ جانے وہ کیا سوچ رہی تھیں؟ پھر اچانک ہی انہوں نے اپنے گریبان میں ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولا۔ پھر اپنے ہاتھوں کو دیکھا اور ایک مرتبہ پھر اپنی گردن میں ہاتھ پھیرنے لگی تھیں۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے گلے سے موٹی سی سونے کی زنجیر نکالی اور اپنی گود میں بیٹھائی انابیہ کے گلے میں ڈال دی۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک' غیر متوقع اور حیران کن تھا کہ ہر کوئی چچی کی اس کارروائی کے پیچھے وجہ ڈھونڈنے' جاننے کے لیے بے تاب ہوگیا۔ ناصر' اس کی بیوی' صداقت بھٹی اور ان کی بیگم' روبا' افراہیم اور انادیہ تک۔ سب ایسے ششدر تھے جیسے دنیا کا کوئی انوکھا واقعہ رونما ہوگیا تھا حالانکہ یہ واقعہ دنیا کا انوکھا نہ سہی ان کے لیے بڑا ہی اچھوتا' منفرد' غیر متوقع بلکہ کسی میزائل سے کم نہیں تھا۔

اور چچی بڑے رعب اور مان کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔

"میرا بڑا اچھا وقت گزرا' بیوگی کے بعد اپنے جیٹھ جنت مکانی قاضی صاحب اور ان کی بیوی فاطمہ خاتون کے ساتھ۔ ان کی وفات کے بعد فرزانہ سے بھی بہنوں جیسا سلوک رہا۔ میری بڑی خواہش تھی کہ افراہیم کی شادی اس کے تایا قاضی صاحب کے گھر کرتی' مگر ان بچوں کے ستارے کسی طور نہ ملتے تھے' نہ نصیب ملتے تھے۔ اب میں اپنے بچوں کی رضامندی جانے بغیر ایک فیصلہ کر۔۔۔ رہی ہوں۔ میں اپنے پوتے فاتح کے ساتھ اپنے جیٹھ کی یتیم بچی انابیہ کی منگنی کرتی ہوں۔ یہاں پہ موجود سب لوگ میری بات دھیان سے سن لیں۔ آج سے یہ رشتہ پکا۔" انہوں نے حاضرین محفل کے سروں پر بم بلاسٹ کیا اور انہیں ہکا بکا چھوڑ کر افراہیم کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔

"تجھے کوئی اعتراض تو نہیں؟" انہوں نے افراہیم کو اعتراض کرنے کے قابل کہاں چھوڑا تھا۔ وہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں نفی میں سر ہلاتا ان کا مان اور حوصلہ بڑھا گیا۔

جب کہ بہت سے چہرے حیرت و بے یقینی سے دم بخود رہ گئے تھے۔ ان میں ایک چہرہ انادیہ کا بھی تھا۔ نفرت و غم غصے میں سنورتا بگڑتا۔ اس کا دل چاہا کہ کیک میں پیوست چھری اٹھا کر اس تین سالہ انابیہ کے وجود

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

میں کھونپ دے یا پھر افراہیم کے ایک سالہ فاتح کا گلا اتار دے۔

ایسے خونی اور قاتلانہ قسم کے جذبات لیے وہ نفرت کی آگ میں بھل بھل جلتی اناہیہ کا بازو دبوچے گھر آنے کی بجائے ناجو کے گھر کی طرف چل پڑی تھی۔ اس حال میں کہ اس کا ایک قدم کہیں پڑتا تھا اور دوسرا کہیں۔

"مکار، کُتّی.... افراہیم کی دفعہ باہر سے "گند" اٹھالائی اور اب اسی افراہیم کے بیٹے سے اناہیہ کی منگنی پکی کرے گی۔ میرے ہوتے ہوئے تو قیامت تک ایسا نہیں ہوگا۔ فاتح اور اناہیہ.... ہونہہ کبھی نہیں.... میں ایسا مر کے بھی نہیں ہونے دوں گی۔"

اس نے نفرت و حقارت سے زمین پہ تھوک دیا تھا۔ جیسے ہر چیز کا اختیار رکھتی ہو۔ نعوذباللہ۔

☼ ☼ ☼

دوسرے دن بادل سورج کی اوٹ میں منہ چھپا کر بیٹھ گئے تھے۔ دھوپ بھلی معلوم ہوتی تھی۔ مالٹوں کا موسم تھا۔ چچی ڈھیر سارے مالٹے ٹوکری میں رکھ کر صحن میں دھوپ سینک رہی تھیں۔

بچے ان کے قریب ہی کھیلتے تھے۔ عزہ، فاتح اور رافع۔

ساتھ والے گھر سے اناہیہ جانے کس طرح چپکے سے آکر گیٹ میں آکھڑی ہوئی تھی۔ روبا نے کچن کی کھڑکی میں سے سہمی سہمی بچی کو گیٹ سے جھانکتے دیکھا تو فوراً" کفگیر اٹھائے باہر آگئی تھی۔ بچی اسے دیکھ کر خوف زدہ ہوگئی۔ شاید اس نے یہی سمجھا تھا کہ یہ باجی بھی انادیہ باجی کی طرح اسے مارنے کے لیے آرہی ہے۔ قریب تھا کہ وہ ڈر کر بھاگ جاتی۔ روبا نے اسے جالیا تھا۔ اور وہ سہم کر رونے لگی۔

"میں کھیلنے کے لیے نہیں آئی۔" وہ بچوں کے ہاتھوں میں قیمتی کھلونے دیکھ کر نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔ روبا الجھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"تو پھر؟" روبا نے ملائمت سے پوچھا۔ اناہیہ کی بڑی بڑی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔

"بھوک لگی ہے باجی! اناہیہ نے روٹی کھانی ہے۔"

دوسرے ہی پل اس کی پیاری سی سہمی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی طرح ٹوٹ کر گالوں پہ گرے اور روبا کا سارا غصہ سارا غبار اپنے ساتھ بہا کر لے گئے۔

اماں کے "آنا" "فانا" کیے گئے فیصلے کی وجہ سے وہ افراہیم سے بھی اکھڑی اکھڑی دکھائی دیتی تھی۔ بس اسے یہ اعتراض تھا کہ اماں نے اسے اعتماد میں کیوں نہیں لیا۔ اور اب یہ سارا غصہ خود بخود جاتا رہا تھا۔ بلکہ اناہیہ کے آنسوؤں میں بہہ گیا تھا۔ اس نے اناہیہ کو اپنے سینے میں بھینچ کر پیار کیا تو اماں یہ منظر دیکھ کر آبدیدہ ہوگئی تھیں۔ روبا، اناہیہ کو گود میں اٹھا کر اماں کے پاس لے آئی۔

"اور تمہاری باجی کدھر ہے؟ اس نے کھانا نہیں بنایا؟" اماں کو جی بھر کے انادیہ پہ تاؤ چڑھا تھا۔

"ابھی تک منحوس سو رہی ہوگی۔ بچی بھوک سے بلکتی پھر رہی ہے۔" اماں کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔ انادیہ کی بے حسی انہیں ایسے ہی تاؤ دلاتی تھی۔

"باجی تو ناجو کے ساتھ چلی گئی۔ برقعہ پہن کر۔" اس نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا تھا۔ اماں کے سینے پہ سل آن گری۔

"ظالم، تجھے اکیلا چھوڑ گئی؟ اتنی سی بچی گھر میں ڈر جاتی تو....؟" اماں کو بڑا ہی غصہ آرہا تھا پھر وہ بول بول کر خود ہی تھک گئیں۔ بھلا یہاں انادیہ تھی جو سنتی۔

روبا نے گندی سندی، میلی کچیلی بچی کو پہلے نہلایا، دھلے ہوئے کپڑے پہنائے اور پھر کھانا کھلایا۔ وہ سہم سہم کے کھا رہی تھی۔ جیسے کھانا اس کے سامنے سے اٹھا لیا جائے گا۔ انادیہ نے بچی کو سخت ہراساں کر کے رکھا تھا۔ روبا نے چند لمحوں میں ہی جانچ لیا۔ بچی کچھ دیر تک فاتح اور رافع، عزہ کے ساتھ کھیلتی رہی اور پھر روبا کا پلو پکڑ لیا۔

"باجی بوت مارے گی۔ اناہیہ کو گھر جانا ہے۔"

"مارے تو سہی ہم بھی اسے ماریں گے۔ اب اناہیہ ہماری ہے۔" روبا نے اس کے گال پہ پیار کیا تھا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

پھر وہ سارا دن بچوں کے ساتھ کھیلتی رہی، تیلن باجی کا خوف اس کے سر پہ کسی ہوے کی طرح ہی سوار تھا۔

شام کو اناویہ غصے میں بھری آئی اور دیکھتے ہی دیکھتے انابیہ کو روئی کی طرح دھنک کر رکھ دیا۔

"سارے محلے میں تجھے ڈھونڈتی پھر رہی ہوں ذلیل! یہاں گھسی بیٹھی ہے۔"

"سوچ سمجھ کے بچوں ساتھ بات کرتے ہیں۔ بچے پھر وہی زبان سیکھتے ہیں جو ان سے بولی جاتی ہے یا انہیں سکھائی جاتی ہے۔" اماں کو بیچ میں بول کر اسے ٹوکنا پڑا

تھا اور پھر روبا بھی سہولت کے ساتھ اسے جتا گئی تھی۔

"آج کے بعد بچی پہ اس طرح ہاتھ مت اٹھانا۔ یہ بچی اب ہماری امانت ہے۔" روبا کے اگلے الفاظ نے اناویہ کو آگ ہی لگادی تھی۔ وہ انابیہ کو گھسیٹتی ہوئی گھر لے گئی اور کمرے میں بند کر کے خوب غصہ اتارا تھا۔

"کمینی، میرے دشمنوں کے گھر میں گھس کر بیٹھی تھی۔ مجھے ہی ذلیل کروانے۔ میں تیرا منہ توڑ دوں گی۔" اس نے انابیہ کو خوب ہی مارا۔

"بڑی آئی تجھ سے رشتے بنانے والی۔ تیرا گلا دبا دوں گی، مگر اس رشتے کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی۔" اناویہ نے جیسے خود سے یہ عہد دہرایا تھا۔ وہ اپنے اس عہد کو آخری سانس تک نبھانے والی تھی۔

دوسری طرف روبا کا دل بڑا ہی بے چین رہتا تھا۔ وہ انابیہ کی حالت زار پہ کڑھتی تھی۔ تین سال کی ہو چکی تھی، مگر اناویہ نے اسے اسکول میں داخل نہیں کروایا تھا۔ کسی قریبی سرکاری اسکول ہی میں بھیج دیتی۔ اس کی پڑھائی کا سلسلہ شروع کروائی۔

جمعہ کا دن تھا۔ اس دن افراہیم کے گھر میں رونق کا سماں ہوتا۔ اس کے گھر میں جمعہ خوب منایا جاتا تھا۔

جمعہ کی تیاری سے پہلے افراہیم غسل کے بعد کمرے میں آیا تو روبا اس کے کپڑے نکال کر اب اپنے بال سلجھا رہی تھی۔ افراہیم نے سفید براق سوٹ زیب تن کیا اور بیڈ پہ کھیلتے بیٹوں کو پیار کرتے ہوئے بولا۔

"پتا نہیں وہ دن کب آئے گا جب یہ دونوں جوان میرے دائیں اور بائیں چلتے ہوئے مسجد جائیں گے۔"

"ان شاء اللہ جلدی آئے گا۔ جتنی تیزی کے ساتھ یہ زندگی کے اگلے مراحل میں داخل ہو رہے ہیں۔ مجھے امید ہے، جلد ہی آپ دادا بھی بن جائیں گے۔" روبا نے ہنستے ہوئے اس کی بات آگے بڑھائی تھی۔ افراہیم سمجھ کر ہنس پڑا تھا۔

"واقعی، میرا شہزادہ تو منگنی شدہ ہو چکا ہے۔" اس نے فاتح کی ناک سے اپنی ناک رگڑ کر شرارت کی تو بچہ کھلکھلا کر ہنس پڑا۔

"دیکھو تو اس کی منگیتر دیوار کے پار ہے۔ بڑا ہو کر مجھے دعائیں دے گا۔ کتنا اچھا میں نے اس کے لیے بر تلاشا۔" افراہیم کالر کھڑے کرتے ہوئے سارا کریڈٹ خود لینا چاہا۔

"آپ نے نہیں اس کی دادی نے۔ آپ ذرا کم ہی اترائیں۔" روبا نے اسے آنکھیں دکھائی تھیں۔

"ہم ماں بیٹے کا مشترکہ فیصلہ تھا۔" افراہیم نے فوراً جواب دیا تھا، لیکن کہہ کے پچھتایا۔ کیونکہ روبا نے اس کی بات پکڑ لی تھی۔

"اچھا... اچھا تو یہ آپ دونوں کی ملی بھگت تھی۔ مجھے بتانا بھی گوارا نہیں کیا۔" اسے آنکھیں دکھاتے دیکھ کر افراہیم نے اپنے کان پکڑ لیے تھے۔

"میری کیا مجال تھی یار!... یہ تو اماں نے اچانک دھماکا کیا۔ سچ پوچھو تو مجھے یہ فیصلہ قبل از وقت لگا تھا۔ پر مجھے اماں کا مان توڑنا اچھا نہیں لگا۔" افراہیم نے سچے دل سے کہا تھا۔

"اور مجھے بھی... اچھا، پریشانی کی کیا بات ہے؟ ہمیں جوتیاں چٹخائے بغیر لڑکی مل گئی۔" روبا نے بات کو مذاق کا رنگ دیا تو افراہیم بھی ہنس پڑا۔

"دو سال بڑی بھی ہے... میرے بیٹے کو بہت مارے گی۔" افراہیم کا انداز مصنوعی فکر مندی لیے ہوئے تھا۔ روبا نے غیر ارادتاً "ہی کہہ دیا۔

"اگر اپنی بہن کا مزاج پالیا تو میرے بیٹے کی خیر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

نہیں۔۔۔ ہائے' میرا لعل۔" روبا نے قلقاریاں مارتے فاتح کو جھپٹ کر اٹھایا اور چٹاچٹ چومنے لگی۔

"تمہیں رافع سے زیادہ فاتح سے محبت ہے؟" افراہیم نے ایسے ہی برائے بات پوچھ لیا۔

"دونوں سے ہے بلکہ تینوں سے۔" روبا نے خالصتاً "ماؤں والا جواب دیا تھا۔ افراہیم نے نفی میں سر ہلایا۔

"اوں ہوں۔ فاتح سے زیادہ ہے۔۔۔ کیا میں نہیں جانتا۔"

"ہاں ہے۔۔۔ ہے تو۔۔۔" وہ اسے آنکھیں دکھانے لگی تھی۔

"اس کی وجہ؟" افراہیم نے حیرت سے پوچھا۔ وہ تسلیم کرنے لگی؟ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔

"فاتح آپ پہ ہے۔ اس لیے' مجھے فاتح میں آپ کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ رافع اور عزہ مجھ پہ ہیں۔" اس نے صاف گوئی سے کہا۔ افراہیم اس کی بے تحاشا محبت پہ دنگ رہ گیا۔ وہ ایسی ہی تھی۔ بے تحاشا چاہنے والی۔ ایک وفا شعار بیوی۔ افراہیم کو خود پہ رشک آیا تھا۔

"چلو' اگر میں نہ ہوا۔ تو فاتح کو دیکھ کر اپنا دل شاد کرلیا کرنا۔" افراہیم نے اپنی خوب صورت آنکھوں میں ڈھیر ساری محبت سمو کر روبا کو ہلا کے رکھ دیا تھا۔ وہ ایسے ساکت ہوئی جیسے کوئی مجسمہ۔

"کیا کہا۔۔۔؟" روبا کی جان نکل گئی تھی۔ "آئندہ ایسی بات بھی نہیں کرنی۔ زندگی کا یہ سفر اگر اکٹھے شروع کیا تھا تو اکٹھے ہی ختم کریں گے۔ ایک ساتھ اس گھر میں آئے تھے' ایک ساتھ اس گھر سے جائیں گے۔ یہ بس طے ہے۔" وہ عجیب جنونی سی ہو کر بولی تھی۔ اب ساکت ہونے کی باری افراہیم کی تھی۔ وہ اس کی جنونی محبت کو دیکھ کر محسوس کرکے دنگ رہ گیا تھا۔

وہ اپنے جذبوں میں ایسی شدت پسند نہیں تھی۔ اظہار کے معاملے میں بھی اتنی فراخ دل نہیں تھی۔

پھر اسے اچانک کیا ہوا تھا؟ اس نے اتنی بے رحمانہ سی بات کردی۔ ایک ساتھ کیوں جاتے؟ اور ان کے یہ پیارے سے بچے؟ افراہیم کے دل کو کچھ ہوا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر روبا کو اپنے بازوؤں کے حصار میں لے لیا۔

"تم نے بھی آئندہ ایسی بات نہیں کرنی۔ وعدہ کرو۔" وہ اس کی پیشانی سے اپنی پیشانی ٹکرا کر ایک وعدہ لے رہا تھا۔ یہ جانے بنا کے کاتب تقدیر نے اول روز سے ہی سب کچھ پہلے طے کر رکھا ہے۔ اس میں کسی تبدیلی کی گنجائش نہیں تھی۔ نہ کچھ بدل سکتا تھا۔

"آپکا رومینس پریڈ لمبا ہوتا جارہا ہے۔" روبا نے اسے گزرتے وقت کا احساس دلایا تھا۔ افراہیم نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"تم ہاتھ کب آتی ہو۔" وہ معصومیت سے بولا تھا' منہ لٹکا کر۔ روبا ہنس پڑی تھی۔

"سارا وقت آپ کے آس پاس تو ہوتی ہوں۔"

"خوشبو بن کر۔۔۔ وہ بھی لہسن' ادرک کی۔" افراہیم نے اسے چھیڑا تھا۔ وہ اسے گھورنے لگی تھی۔

"کھانا بھی تو آپ کو میرے ہاتھ کا بنا چاہیے۔" اس نے افراہیم کے کندھے پہ چپت لگائی تھی۔ "آخر معدے کے رستوں سے گزر کر دل پہ قبضہ بھی جماتا ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں اتری شرارت سمجھ گیا تھا۔

"تمہیں اتنی الٹی سیدھی پگڈنڈیوں سے گزرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ جناب تو پہلی نگاہ میں ہائی جمپ کے ساتھ ہی "یہاں" براجمان ہو چکی تھیں۔" افراہیم نے اپنے دل کے مقام پر اس کا ہاتھ رکھا تھا۔ روبا کا دھڑکتا دل گھبرا گیا۔ اس محبت پہ نثار ہو گیا۔

"اب جائیے۔ جمعہ کی نماز نہ رہ جائے ان ڈائیلاگز کے بیچ۔" روبا نے اسے دروازے کی طرف دھکیلا تھا۔ وہ ہنستا ہوا ایک کوئی شرارت بھرا اشارہ کرتا باہر نکل گیا تھا۔ روبا بھی بال سمیٹ کر وضو کرنے چل دی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

جب وہ وضو کر کے باہر آئی تو بچے کھیل رہے تھے۔ اس نے بچوں کو قالین پہ بٹھایا تاکہ بیڈ سے گر نہ جائیں اور کھلونے ان کے سامنے رکھ کر اماں کے کمرے میں جھانکنے لگی۔ اماں نماز ادا کر رہی تھیں۔ وہ اطمینان سے اپنے نماز والے کونے میں آگئی۔ پھر اس نے بڑے سکون کے ساتھ نماز کی نیت باندھی تھی اور جب وہ نماز کے بعد سلام پھیر رہی تھی تو اسے وہی بھولا بسرا احساس ایک دم ہراساں کر گیا تھا۔

اس نے دروازے کی سمت دیکھا۔ دروازے کا چوکھٹا خالی تھا' لیکن پھر بھی... اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہاں کوئی کھڑا ہو۔ دروازے کے فریم میں۔ کوئی سانس لیتا ہوا وجود۔ روبا کا دل بری طرح سے خوف زدہ ہو رہا تھا اور جب وہ نماز کے بعد دعا کر رہی تھی تو اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ دعا کر کے اسے سکون ملا تھا۔ اس نے گہرا سانس بھرا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی۔ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔ اور خواب میں روبا نے کچھ عجیب منظر دیکھا تھا۔ اتنا عجیب جس نے اسے خواب میں بھی ہراساں کر دیا تھا۔ وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا اس کے قریب آرہا تھا۔ پھر وہ قرآن سے کچھ فاصلے پر دوزانو ہو کے نماز کے اسٹائل میں بیٹھ گیا۔ اس نے سفید براق سوٹ پہن رکھا تھا۔ اور کالے سیاہ ریشمی چمکتے بال۔ اس کے چہرے پر اتنی کم عمری میں نورانی تاثر انسانی عقل کو حیران کر دینے والا تھا۔

"تم نے اس کا کچھ چھین لیا تھا۔ اب وہ تمہارا قیمتی سرمایہ چھیننا چاہتی ہے۔" وہ دھیمی آواز میں روبا کے حواس معطل کر رہا تھا۔

"وہ تمہارے چراغ بجھانا چاہتی ہے۔ تمہارے آنگن کے چراغ' لیکن اسے خبر نہیں۔ خدا چاہے تو اپنے پیاروں کے تیز آندھیوں میں بھی چراغ بجھنے نہیں دیتا۔ تمہارے آنگن کے چراغ جلتے رہیں گے۔" اس کی بوجھل آواز معدوم ہوتی جارہی تھی۔ "تمہارے آنگن کے چراغ... تمہارے بیٹے۔" وہ بڑبڑایا تھا۔ "لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ اللہ کی طاقت سب سے بڑی ہے۔ تمہارے آنگن کے چراغ ہمیشہ جلتے رہیں گے کوئی طوفان آئے یا آندھی برسے۔" وہ سر جھکائے کسی روشنی کے مرغولے میں گم ہوتا چلا گیا تھا۔ غائب ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

اور اس دن فاتح کی سالگرہ کے بعد انادیہ اس کے سر پہ پھٹ پڑی تھی اور ناجو ہکا بکا رہ گئی۔ انادیہ کا غصہ آسمان پہ تھا اور نخوت اس سے بھی اوپر... وہ مارے غیض کے کف اڑا رہی تھی۔

"اس بڑھیا نے سارا ڈرامہ رچا رکھا ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے اس کے پاس۔ نہ کوئی جادو' نہ کوئی ٹونا نہ کوئی موکل... سب "ٹوٹنے" کا بہانہ ہے۔ میں نے اٹھارہ ہزار کی منگنی والی انگوٹھی چڑھاوے میں دے ڈالی۔ اماں کی پورے تولے کی سونے کی موٹی والی زنجیر بھی اور اس نے یہ میرا کام کیا؟ الٹا اس مکار چچی نے بالشت بھر کی چھوکری کا اپنے پوتے سے رشتہ پکا کر دیا۔ میں گئی تھی وہاں۔ اپنے "عمل" کا کوئی "رد عمل" دیکھنے' مگر وہاں تو کچھ بھی نہیں۔ کوئی جنات اس کے پاس نہیں۔ نہ کوئی مجھے برابر والے گھر میں کسی آسیب کا اثر دکھائی دیا۔ وہ لوگ خوش باش دعوتیں کھلاتے اور اڑاتے پھرتے ہیں اور چچی اپنے پوتوں کے بیچ ملکہ عالیہ بنی بیٹھی تھیں۔ وہ لڑکے جن کی وجہ سے چچی نے میرے منہ پہ جوتے مارے۔ نفرت ہے مجھے ان لڑکوں سے۔ جن کی وجہ سے میں نے اتنی ذلت اٹھائی تھی۔"

انادیہ آگ بگولہ ہوئی چیخ رہی تھی اور ناجو کو لینے کے دینے پڑ گئے تھے۔ بمشکل اسے ٹھنڈا کر کے گھر بھیجا اور دوسرے ہی دن برقعہ اوڑھ کر تانگہ کیا اور اماں دیوانی کے آستانے پہ جا نکلی تھی۔

ناجو نے بھی انادیہ کے سارے الفاظ ہو بہو اماں دیوانی تک پہنچا دیے تھے۔ ساتھ دل پہ ہاتھ رکھ کر انگوٹھی اور زنجیر بھی پیش کر دی۔ جسے وہ خود ہضم کرنے کا پکا ارادہ رکھتی تھی۔ اور ادھر اماں دیوانی انادیہ کے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

الزامات پر جلال میں آ گئی۔ اس کا کریہہ چہرہ بگڑ گیا اور غصے میں اس کے منہ سے جھاگ گرنے لگے تھے۔

"جلد باز ناری دے۔ تیزی دکھا وے دے۔ سرسوں جماوے دے۔" اماں دیوانی وحشت کے عالم میں جھومنے لگی۔ اس کی آنکھیں چڑھ گئیں اور غیض کے عالم میں نقوش مسخ ہو گئے۔

ادھر ناجو پہ کپکپی طاری تھی۔ پیسے کے لالچ میں آ تو جاتی تھی مگر جان ہتھیلی پہ رکھ کر۔ اور اب خوف سے تھرتھرا رہی تھی۔ اماں دیوانی کو جلال آ گیا تھا۔ اس نے سارے شیطان اکٹھے کر لیے تھے اور ان پہ اپنا حکم چلا رہی تھی اور ناجو کان دبا کر باہر کو بھاگ گئی تھی۔

اماں دیوانی کا جلال ایسے نہیں عود آیا تھا۔ وہ ایک تباہی بھی ساتھ لایا تھا۔ ناجو جب آستانے سے نکل رہی تھی تب اماں دیوانی کے ایک چیلے نے بہت سارا سامان ایک چرمی تھیلے میں ناجو کو تھمایا تھا جسے وہ انادیہ کے سامنے کھولے اسے سمجھا رہی تھی۔

"پکی پکائی کے انتظار میں نہ بیٹھو۔ کچھ حیلا بھی کرو۔ اماں دیوانی نے عمل شروع کر دیا ہے۔ جیسے سمجھاؤں گی ویسے ہی کرتی جانا۔ عمل درست کرنا اور انکار کی گنجائش بھی نہیں۔ ورنہ سارا عمل الٹا ہو کر تمہارے سر آ پڑے گا۔" وہ جو کچھ سمجھ کے آئی تھی۔ انادیہ کو اسی طریقے سے سمجھا رہی تھی اور انادیہ کی آنکھیں وحشت سے پھٹنے لگیں۔ اس نے تھیلے میں سے برآمد ہوئی چیزوں کو ہاتھ سے پرے کھسکایا۔

"یہ بہت خوف ناک عمل ہے۔ میں نہیں کر سکتی۔ تم وہاں سے کیوں اٹھا کر لائی ہو؟" وہ ناجو سے الجھ پڑی تھی۔

"تو پہلے سوچنا تھا۔ کالا جادو ایسے ہی ہوتا ہے۔ اب بغیر ڈر کھائے عمل ضرور کر لینا۔ ورنہ وہ شیطانی چیزیں تیرا گلا گھونٹ جائیں گی۔ عمل الٹا پڑے تو جان سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں یا ان شیطانی چیزوں کا غلبہ ہو جاتا ہے۔"

ناجو نے اس کی مزید آنکھیں کھولیں تو اس کے پیروں تلے سے زمین ـــــــــــ نکل گئی۔

"دیکھ ناجو! مجھے چچی اور افراہیم سے بدلہ ضرور لینا ہے۔ ان جوتوں اور کھپڑوں کا، مگر میں انہیں جانی نقصان نہیں پہنچانا چاہتی۔" وہ رونے لگی تھی۔ آخر وہ کس سمت نکل گئی تھی؟ اس نے کس رستے کا انتخاب کر لیا تھا؟ جو کرنا تھا۔ اسے بھرنا بھی تھا۔ آگے کنواں تھا۔ پیچھے کھائی؟ وہ کرتی تو کیا کرتی؟

وہ اس "عمل" پر عمل درآمد نہ کرتی تو اپنی جان سے ہاتھ دھونے پڑتے اور اپنی جان کسے پیاری نہیں ہوتی؟ اپنی جان بچانے کی خاطر اس نے آنکھیں بند کر کے کئی اور انسانی جانوں کو عذاب میں مبتلا کر دیا تھا۔

اسے بہت بعد میں سمجھ میں آیا تھا کہ اماں دیوانی کو عذاب ناک جلال میں مبتلا کر کے اس نے اپنا کتنا بڑا نقصان کیا تھا؟ اس نے اپنی جلد بازی، زبان درازی اور نفس کی سرکشی میں اپنا کتنا بڑا نقصان کر لیا تھا۔ یہ تین راتوں پہ مشتمل عمل تھا۔

تین طاق راتیں..... تین خطرناک راتیں..... تین دہشت ناک راتیں..... تین ہیبت ناک راتیں..... جو تین دن اور تین راتوں پہ مشتمل تھیں اور اگلے تیس سالوں پر محیط ہو چکی تھیں۔ تیس سالوں کی ریاضت ان تین راتوں نے چاٹ لی تھی اور تین حرفوں کے ایک لفظ "حسد" نے اس کے اندر سے پوری انسانیت اکھاڑ لی تھی۔

یہ پہلی رات تھی..... بوجھل، شرانگیز..... گناہوں کی دعوت نظارہ دیتی ہوئی۔ اپنی طرف ہنکاتی ہوئی۔ یہ پہلا عمل تھا جسے رات کے تیسرے حصے میں کھلے آسمان تلے کرنا تھا۔ ایک بڑی گنگال کے اندر گائے کی ران اور مونڈھے کی ہڈی کے اوپر..... چند الفاظ تھے جنہیں پھونکنا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور گنگال پر اسم پھونکتی رہی۔ ایک، دو، تین، چار۔

رات منحوس تھی۔ کسی جوان اجڑی ابھاگن کی طرح۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

آسمان ستاروں سے خالی۔ چاند اوجھل' بھیانک سیاہی کے علاوہ کچھ بھی کہیں نہیں تھا۔ صیاد اپنے صید کے پیچھے تھا اور کہیں دور جنگلوں میں گھوڑے ہنہناتے تھے۔ صید گاہ میں وہ اکیلی تھی اور شکار قطعاً بے خبر' اپنے مستقبل سے ناآشنا۔

نازبو کے ساتھ لوبان کے جلنے کی "بو" آتی تھی اور ریٹھے کی شاخوں پر کوئی گلہری چلاتی تھی۔

اس کے سامنے ایک مٹی کی کٹوری رکھی تھی۔ خوناب سے بھری ہوئی۔ کسی جانور کا تازہ کٹا ہوا گوشت اور خون۔ چمڑے کے تھیلے سے ایک سوکھی' خشک اور خوف ناک سی کھوپڑی برآمد ہوئی تھی۔ جسے ہاتھ لگاتے ہوئے بھی ڈر لگتا تھا' لیکن ایسے کام بے خوف لوگ کرتے ہیں۔ جو نڈر ہوتے ہیں۔ بے حس ہوتے ہیں۔ کتنا ظالم اور بے حس وحشی۔ اور جو انگار اس کے دل کی انگیٹھی میں دہک رہی تھی اس کی شدت ایسی کم نہیں تھی جو وہ اتنے سے عمل پہ ٹل جاتی۔ وہ نہ ڈری نہ سہمی بلکہ شیطانی عملیات کرتی رہی۔۔۔ وہ ایسی راہ پر چل نکلی تھی جہاں کہیں بھی خیر نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

آج اس کی آنکھ دیر سے کھلی تھی۔ جب وہ اٹھی تو افراہیم اپنے دفتر جاچکا تھا۔ سرکاری جیپ ــــــ گیراج میں نہیں تھی۔

اماں نے اسے اٹھتے ساتھ ہی پیغام دیا تھا۔ "افراہیم کا افسر اپنی بیوی کے ساتھ آئے گا۔ دعوت کا انتظام کرلینا۔"

اماں کے پیغام نے اسے چکرا کر رکھ دیا تھا۔ افراہیم کو ایسی سرپرائزنگ دعوتوں ــــــ کا بڑا شوق تھا۔ اب مرتا کیا نہ کرتا کے مصداق اس نے کمر کس لی۔ اور صفائی میں جت گئی۔ دوپہر تک کھانا بھی تیار کرنا تھا۔ اماں نے پیاز لہسن اور ادرک چھیل کاٹ دیا تھا۔ باقی کا کام وہ خود کرلیتی۔ افراہیم کو اس کے ہاتھ کا کھانا بہت پسند تھا۔

ابھی وہ صفائی کرکے ہٹی ہی تھی کہ افراہیم کا فون آگیا۔ "میری جان کو کھانا پکانے میں کوئی مشکل تو پیش نہیں آئے گی؟" وہ بڑی لگاوٹ سے پوچھ رہا تھا۔ روبا نے اندر اٹھتا غصہ بمشکل ہی دبایا۔

"مشکل کیوں پیش آئے گی؟ شاہی خانسامے موجود ہیں۔ جھٹ پٹ دعوت کا انتظام کرلیں گے۔"

"وہ۔۔۔ ہو' یہ تو میں جانتا ہوں۔ تب ہی تو بے فکر تھا۔" افراہیم نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا۔

"تو پھر بے فکر ہی رہیے۔۔۔ دعوت کا انتظام ہوجائے گا۔" روبا نے اسے تسلی دی تھی۔ افراہیم شانت ہوا۔

"تمہارے ہوتے ہوئے مجھے کس بات کی فکر؟ یہ بتاؤ مینیو میں کیا ہوگا؟" افراہیم نے وہ سوال پوچھا جس کے لیے کال کرنے کی زحمت کی تھی۔

"میرا کلیجہ۔۔۔" وہ کسل کر بولی تھی۔

"ساتھ ایک ڈش مغز کی بھی کرلینا۔" افراہیم نے اسے چھیڑا تھا۔

"سب کچھ سرپرائزنگ ہوگا۔ جیسے مجھے اچانک دعوت نامہ سنا کر سرپرائز دیتے ہیں۔" اس نے چبا چبا کر جتایا تو افراہیم بے ساختہ ہنس پڑا۔

"سچی یار۔۔۔ بتانا یاد نہیں رہا۔ رات کو تم سوگئی تھیں اور صبح اٹھی نہیں تھیں۔"

"جگا نہیں سکتے تھے۔۔۔ سوئی تھی مری تو نہیں تھی۔" وہ تپ اٹھی۔ افراہیم دہل گیا تھا۔

"مریں تمہارے دشمن۔" وہ دلار سے بولا تھا۔

"دشمن؟ یعنی پڑوسی۔۔۔" روبا ہنسنے لگی۔ "آپ بھی نا۔" اس نے ہنستے ہوئے سر جھٹک کر کہا "میرے بھائی کو شادی سے پہلے رنڈوا تو نہ کریں۔" اس کے ٹوکنے پہ افراہیم نے کانوں کو ہاتھ لگایا تھا۔

"میری ایسی مجال۔ اسے تو فرشتے بھی ہاتھ لگاتے ہوئے سوچیں گے کس کو ہاتھ لگادیا۔ نار ہے نار۔" وہ اپنے دھیان میں بول رہا تھا۔ روبا ذرا سا چونکی تھی۔ اسے کسی بچے کی رونے اور چیخنے ــــــ کی آواز آئی تھی۔

"اچھا جناب' پھر ملاقات ہوگی۔ میں ذرا بچوں کو دیکھوں اور کچن کو بھی۔" اس نے فون کھٹاک سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

رکھا اور باہر بھاگی۔ جہاں پر اماں رافع کو بیسن کی طرف لے جاتی دکھائی دیں۔ اس کا پورا منہ خون سے بھرا تھا۔ ہونٹ پھٹا ہوا۔ روبا کی جان نکل گئی تھی۔ وہ بھاگتی ہوئی اماں تک آئی۔

"کیا ہوا میرے بچے کو۔" روبا اتنا بھل بھل گرتا تازہ خون دیکھ کر رونے لگی۔ اماں نے رافع کا منہ دھویا۔ خون تھا کہ رک ہی نہیں رہا تھا۔ اماں نے روتی ہوئی روبا سے کہا۔

"برف کی ٹکڑیاں نکال لاؤ۔" وہ بھاگتی ہوئی سرہلا کر برف نکال لائی۔ اماں نے بلکتے ہوئے بچے کو بازوؤں میں دبوچا اور روبا اس کے پھٹے ہونٹوں پر ٹکور کرنے لگی تھی۔ کافی دیر کی مشقت کے بعد بچے کا خون رکا تو دونوں ساس بہو کی جان میں جان آئی تھی۔

"یہ کیسے گرا۔۔۔؟" روبا کو خیال آیا۔ وہ رافع کو کندھے سے لگا کر تھپک رہی تھی۔ اماں اس کے لیے

دودھ کی بوتل بنا لائیں۔ بچہ سہما ہوا اماں کے کندھے سے لگا تھا۔ دودھ پینے سے بھی انکار کردیا۔

"ایسے ہی۔۔۔ نہ کسی نے دھکا دیا نہ چھیڑا۔ بیٹھے بیٹھے الٹ گیا۔" اماں خود پریشان تھیں۔ روبا چونک گئی۔

"یوں ہی تو نہیں گر سکتا۔ کیا فاتح نے دھکا دیا؟"

"فاتح تو تھا ہی نہیں۔۔۔ وہ کمرے میں ہے۔" اماں کے بتانے پہ وہ خاموش ہوگئی تھی، لیکن اندر ہی اندر پریشان ضرور تھی۔

"یہ گھر بھاری ہے۔ میں افراہیم سے کہوں گی۔ ہمیں کہیں اور شفٹ کریں۔" کھانا بناتے ہوئے وہ سوچ رہی تھی۔ اماں بچوں کے پاس تھیں اور اب انہیں اکیلا چھوڑنے والی نہیں تھیں۔

اس نے اگلے چار گھنٹوں میں کھانا بنالیا۔ کباب فرائی کیے۔ فرنی ٹھنڈی ہونے کے لیے رکھی اور بریانی کو دم دیا۔ خود وہ نہانے کے لیے چلی گئی تھی اور جب وہ نہا کر بریانی کا دم کھولنے کے لیے کچن میں آئی تو اس کی بھیانک چیخوں نے اماں کو ہی نہیں گیٹ سے اندر آتے افراہیم کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔

روبا بریانی کو دیکھ کر اونچی آواز میں چلا رہی تھی۔

بڑی سی پتیلی کے اندر گوشت اور چاولوں کے ساتھ باریک سوت سے کیڑے سرسرا رہے تھے۔

افراہیم نے چکراتے سر کے ساتھ یہ منظر دیکھا اور پتیلا اٹھا کر پچھلے صحن کی دیوار پار الٹ آیا، لیکن جب وہ واپس آرہا تھا تو اس کا ذہن کسی بھاری چیز کے اثر سے بوجھل ہو رہا تھا۔ جیسے کسی نے دماغ کے اوپر وزنی بوجھ لاد دیا ہو۔

☼ ☼ ☼

اور یہ تیسری اور آخری رات تھی۔ چندرما کی رات۔ چاند بھی بادلوں کی اوٹ میں ہوتا۔ کبھی دھرتی پہ چھا جاتا۔ وہ کسی ابھاگن کی طرح پچھلے صحن میں بنائے قبر نما گڑھے میں لیٹی تھی۔

تیسرا اور آخری دہشت ناک عمل۔

یہ گڑھا کدال سے کھودا گیا تھا۔ اسے ناجو نے کھود کردیا تھا۔ وہ پورا دن پچھلے صحن میں یہ کام کرتی رہی تھی۔ شام تک گڑھا تیار تھا۔

اور اس کے بعد انادیہ کی باری تھی۔ وہ رات کے دوسرے پہر کا انتظار کرتی رہی۔ جیسے ہی دوسرے پہر میں رات ڈوبی اس کا شیطان اس کے اندر انگڑائی لے کر جاگا۔ اسے گڑھے میں لیٹے ہوئے اس بات کا ہرگز اندازہ نہیں تھا کہ ان عملیات کے بعد افراہیم اور چچی پہ کیا گزرے گی؟ یہ عملیات ان پہ کیسی نحوست چھوڑیں گے؟ اس کے ذہن میں صرف ایک بات کانٹے کی طرح ٹھکی تھی۔ افراہیم اور چچی کو تکلیف دے کر ان جوتیوں اور تھپڑوں کا بدلہ لینا ہے۔

وہ جب بھی اماں دیوانی کا بتایا ہوا عمل پڑھتی اس کا دھیان بٹنے لگتا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے افراہیم اور روبا کی خوش گوار عائلی زندگی آتی۔ ان کے پھول سے بچے۔ اس کا دل الٹنے لگتا۔ قریب ہوتا کہ اسے ترس آجاتا اور وہ دل میں بڑھتی وحشت سے گھبرا کر بھاگ اٹھتی، لیکن کوئی طاقت ور چیز اسے بھاگنے سے روکتی تھی اس کے قدموں کو باندھ لیتی۔

افراہیم کے بھاری ہاتھ سے پڑنے والے تھپڑ۔ منہ لگتی چچی کی جوتیاں۔ ذلت، ذلت، ذلت۔ اس کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اٹھتے قدم جم جاتے تھے۔ ہر مزاحمت دم توڑ دیتی۔ اسے تب خبر نہیں تھی کہ یہ کون سی طاقت ور چیز ہے۔ جو اسے بھاگ جانے سے روکتی تھی۔

اور اس وقت قبر نما اس گڑھے میں لیٹ کر وہ چچی اور چچی کے بیٹے کو ان جوتوں اور تھپڑوں کے بدلے میں دی جانے والی "اذیت" اور "تکلیف" پہنچانے کی انتہا پہ ــــ تھی۔ اس نے چرمی تھیلے سے زنگ آلود ایک لوہے کا چھوٹا سا گھر نکالا اسے مٹی' دھول اور کنکروں سے بھر کے بڑا سا زنگ آلود تالا لگایا اور اسی گڑھے کے اندر دفن کردیا۔ اب وہ گڑھے سے اٹھ رہی تھی۔ پھر چرمی تھیلے سے ایک آخری چیز نکالی' اس وقت وہ اپنے آپ میں نہیں تھی۔ اس نے تھیلے کو لالٹین پہ رکھ کر آگ دکھائی۔ ادھر تھیلا جل رہا تھا اور ادھر اس نے تھیلے سے نکالی ہوئی چیزیں دیکھیں۔

یہ دو کپڑے اور روئی سے بنے گڑیا اور گڈا تھے۔ ایک عورت' ایک مرد۔ روبا اور افراہیم۔

اس کا دل پہلی مرتبہ خوف کے عالم میں لرزا تھا۔ اس کے ہاتھ میں عورت اور مرد کا یہ بت کپکپانے لگا' مگر ہدایات سخت تھیں۔ اب اس کی مرضی' پسند کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اسے ہر حال میں ہدایات پہ عمل کرنا تھا۔ دوسرے ہی پل وہ کپڑے کے ان دونوں پتلوں کو گڑھے کے اندر دفن کررہی تھی۔ پھر اس نے بیلچے سے مٹی برابر کی اور لوٹ آئی۔

وہ روبا اور افراہیم کا سارا چین' سکھ' سکون اور ان کا وجود اس مٹی تلے دفن کر آئی تھی۔

وہ خود کو جہنم کا ایندھن بنا آئی تھی۔

اناویہ کے وجود کے گرد جو پاک حصار قائم تھا۔ ناری وجود اسے توڑنے سے قاصر تھا۔ وہ الٹے قدموں پلٹ گیا تھا۔

"اے خاکی! ہائے افسوس اور تجھ پر لعنت۔"

☼ ☼ ☼

افراہیم اور روبا کی زندگی سے راحت لفظ ہمیشہ کے لیے روٹھ گیا تھا۔

افراہیم نے اماں اور روبا کا خوف کم کرنے کے لیے بہت سی دلیلیں سوچ لی تھیں۔ یہ پتیلا الٹ کر آیا تو روبا اماں کے گلے سے لگی رو رہی تھی۔ افراہیم نے بمشکل اسے چپ کرایا۔

"چاولوں میں کیڑے ہوں گے۔ تم نے دیکھ کر نہیں ڈالے؟"

"چاولوں میں کیڑے ایسے نہیں ہوتے' اگر ہوتے بھی ہیں تو زندہ ہرگز نہیں رہتے۔ وہ تازہ ڈالے گئے کیڑے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ڈھکن اٹھا کر ڈالے گئے ہیں۔" روبا روتی ہوئی بے ساختہ چیخ کر بولی۔

"عزہ نے شرارت نہ کی ہو۔" افراہیم کا لہجہ مدہم تھا۔ اسے اپنی بات خود ہی بہت کھوکھلی لگ رہی تھی۔

افراہیم بریانی باہر سے لے آیا تھا۔ دعوت تو نبٹ گئی تھی' مگر اپنے پیچھے ایک "ہراس" چھوڑ گئی تھی۔

افراہیم چپ تھا۔ روبا خاموش گم صم اور اماں کسی گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی۔

اس دن کے بعد پھر کوئی اور ناگوار واقعہ پیش نہ آیا تو افراہیم ایک مرتبہ پھر مطمئن ہوگیا تھا۔ روبا بھی کام کاج میں لگی رہتی تھی' لیکن اس کے پیچھے ایک خوف ہاتھ دھو کر پیچھے پڑگیا تھا۔ اسٹور میں' چھت پہ' کمروں میں' کچن میں ــــ وہ جس جگہ بھی ــــ جاتی تھی۔ ڈر اس کے پیچھے رہتا۔ وہ چیخنے لگی' رونے لگی اور پھر اکثر ــــ بے ہوش بھی ہونے لگی۔

اس صورت حال نے افراہیم کو سخت متوحش کردیا تھا۔ اس نے اپنے تئیں کچھ سدباب بھی کیا۔ دم درود بھی کروائے۔ روبا کو ڈاکٹرز کے پاس بھی لے کر گیا۔ دوائیاں' ٹوٹکے' علاج ــــ مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔

گھر کے اندر عجیب و غریب واقعات ہونے لگے تھے۔ پکی پکائی ہانڈی کے اندر خون پڑا ہوتا۔ اکثر بستر کے اوپر کچے گوشت کی بوٹیاں نظر آتیں۔ کھڑکیوں اور دروازوں کے بیچ کیلیں بکھری ہوئی ہوتیں۔ واش روم کے اندر ایسی چھریاں ملتیں جن کے اوپر تازہ لہو جما ہوتا۔ رات کو چھت پہ الو اونچی آواز میں روتے تھے۔ اور ایک دن روبا کے الماری میں رکھے کپڑوں کو آگ لگ گئی تھی۔ اگر فوری طور پہ آگ نہ بجھائی جاتی تو پورا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کمرہ اور پورا گھر جل جاتا۔ روبا جو نیا لباس پہنتی یوں لگتا تھا جیسے کسی نے قینچی کے ساتھ کتر دیا ہے۔ روبا کو دورے پڑنے لگے اور پھر یہی صورت حال رافع اور فاتح کے ساتھ پیش آنے لگی۔

بچے سوتے میں ڈر جاتے۔۔۔ کبھی کبھی بھوت بھوت چلانے لگتے تھے۔ کبھی بچہ کہیں سے گرتا کبھی کہیں سے۔۔۔ بچوں کی کتابوں پہ خون کے چھینٹے پڑنے لگتے۔ یہی خون بعد ازاں افراہیم کے کپڑوں پہ بھی بوندوں کی مانند گرنے لگا تھا۔ حتیٰ کہ اماں بھی محفوظ نہ رہیں۔ بلکہ اماں روبا سے زیادہ تکلیف میں مبتلا ہو چکی تھیں۔ وہ کنگھی کرتیں تو ان کے سر میں سے زرد کیڑے اور سنڈیاں گرنے لگتیں۔ جسم کا درد ان کی جان نکال کے رکھ دیتا۔ رات کو انہیں یوں لگتا تھا۔

جیسے روبا ان کے بال کھینچتی ہے اور انہیں مارنے کی کوشش کرتی ہے۔

اماں کے ساتھ ایسے واقعات تسلسل سے ہونے لگے تھے۔ انہیں روبا قاتلہ کے روپ میں نظر آنے لگی تھی اور ان کے دل میں روبا کی طرف سے ڈر بیٹھ گیا تھا۔

وہ اسے دیکھ کر چیخنے لگتیں۔ "افراہیم! مجھے بچالو۔۔۔ یہ میرے منہ پہ جوتی مارتی ہے۔"

کپڑے دھوتی روبا بلکا بکارہ جاتی تھی۔ افراہیم پریشان تھا۔ آخر اس گھر میں کیا ہو رہا تھا؟

اور آخر کار افراہیم نے اپنا گھر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ دفن شدہ لوہے کے گھر کو لگا تالا حقیقت میں لگ گیا۔ وہ سرکاری بنگلے میں آ گیا۔ اپنا مکان چھوڑ دیا۔

اور انادیہ حیران تھی کہ افراہیم اپنا گھر کیوں چھوڑ رہا ہے؟ اسے تو اپنا گھر بہت پیارا تھا۔ وہ ان تین خوف ناک راتوں کے عمل کو کسی بھیانک خواب کی طرح بھول چکی تھی۔ اسے یاد ہی نہیں پڑتا تھا کہ اس نے کوئی خطرناک سفلی عمل بھی کیا ہے؟ بھلا وہ اتنا خوف ناک ترین کام کر سکتی تھی؟ یہ تین راتیں اس کے ذہن سے ہمیشہ کے لیے مٹ چکی تھیں۔

اس سفلی عمل کی ایک یہ بھی خوبی تھی کہ عمل کرنے والا بھول ہی جاتا کہ اس نے کبھی کچھ سفلی عمل کیا بھی تھا۔

اور ان ہی دنوں کاشف اپنا کورس مکمل کر کے واپس آگیا تھا۔ کاشف کے آتے ہی شادی کے ہنگامے جاگ اٹھے تھے۔ اور انادیہ نے شکر ادا کیا تھا کیونکہ افراہیم کے جانے سے اسے گھر کا کرایہ ادا کرنا ۔۔۔ پہاڑ بن گیا تھا۔ اسے تو خبر ہی نہیں تھی کہ ابا کے مرنے اور ناصر کے چلے جانے کے بعد گھر کا کرایہ کون دیتا تھا۔ راشن کون بھجواتا تھا؟ افراہیم گیا تو پتا چلا کہ دکان سے آنے والا کرایہ ناصر ہتھیا لیتا تھا۔ وہ بہنوں کا حصہ بھی نہ دیتا اور پھر اس نے دکان بھی بیچ دی تھی۔ ساری رقم لے کر وہ ایسا فرار ہوا کہ واپس ہی نہ آیا۔

انادیہ کو اتنا عرصہ افراہیم نے بھنک بھی نہیں پڑنے دی تھی۔ وہ اسے تکلیف ۔۔۔ سے بچاتا تھا۔ اور اگر انادیہ کو یاد رہ جاتا کہ اس نے افراہیم کے ساتھ کیا کیا تھا؟ تو خود کو آگ لگا کے جنگلوں میں نکل جاتی، لیکن اصل مصیبت یہ تھی کہ اسے کچھ یاد ہی نہیں رہا تھا۔ اس کی ذہن کی سلیٹ سے سب کچھ مٹ گیا۔ وہ بدلہ، انتقام، غصہ، ذلت اور تین بھیانک راتیں۔ جو افراہیم کی زندگی پہ اماوس بن کر چھا گئی تھیں۔

ناجو نے کہا تھا۔ "یہ عمل تین دن پہ محیط ہے "وہ اثر" بھی تین دن رہے گا۔ زیادہ سے زیادہ تیس دن تک۔ پھر جادو کا اثر ٹوٹ جائے گا۔ ناجو نے یہ تو بتا دیا تھا، لیکن یہ نہیں بتایا تھا کہ تین دن کی "تکلیف" کے بعد جادو کے اثر کا توڑ کیسے کیا جائے گا؟

یہی بھول ناجو سے ہوئی تھی اور اسی بھول میں انادیہ پڑ گئی۔ وہ تو اپنی شادی کے ہنگاموں میں کھو کر سب کچھ بھول چکی تھی۔ شادی کے بعد اس نے آسائشات سے بھری ایک شاندار زندگی کا تصور کیا تھا، جو اسے مل بھی گئی تھی۔

وہ کاشف کے دل، گھر اور ہر چیز کی بلا شرکت غیرے مالک تھی۔ کاشف کا دل اس کے قبضے میں تھا اور انادیہ کا اپنا دل؟ وہ بھی انادیہ کے اپنے ہی قبضے میں تھا۔ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

صرف کاشف کے دل پر ہی حکومت نہیں کر رہی تھی اس کی رعایا میں اس کی مسکین بہن اور ساس سسر بھی شامل تھے۔

شادی کے بعد چچی کے بے تحاشا اصرار پہ بھی انادیہ نے اپنی بہن کو ان کے حوالے نہ کیا تھا۔ اسے حکومت کرنے اور حکم چلانے کی عادت تھی۔ انابیہ چلی جاتی تو وہ کس پہ حکم چلاتی؟

روبا اب پہلے جیسی روبا نہیں رہی تھی۔ بہت کم گو، خاموش اور چپ چپ رہنے لگی تھی۔ میکے بھی زیادہ آتی۔ پہلے افراہیم اسے آنے ہی نہیں دیتا تھا اور اب افراہیم اسے لینے ہی نہ آتا۔ وہ سرکاری جیپ میں ڈرائیور کے ساتھ بڑے ٹھاٹ سے آتی تھی مگر یہ ٹھاٹ اس کی شخصیت میں کہیں نظر نہیں آتا تھا۔ وہ سر جھکائے، خاموشی سے آتی۔ اماں کے کمرے میں قیام کرتی اور یہیں سے واپس لوٹ جاتی۔ اور بعد میں اماں کی ٹھنڈی آہیں اسے "چونکا" ضرور دیتی تھیں۔ وہ اپنی خوشیوں میں مگن روبا کی زندگی کے نشیب و فراز سے قطعاً "ناواقف تھی۔

☼ ☼ ☼

ایک، دو، تین، چار اور پورے چھ سال گزر گئے۔

ان چھ سالوں میں بڑی تبدیلیاں آئی تھیں۔

چھوٹے بچے قد نکالنے لگے اور بڑے اپنی عمر میں چند سال اور آگے نکل گئے۔ کاشف ان سالوں میں جاب کے ساتھ بزنس بھی کرنے لگا تھا۔ اس کا کاروبار وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا۔ ابا کا کارخانہ اب فیکٹری میں بدل گیا تھا۔ اور کاشف نے اپنے لیے الگ بنگلہ بھی بنوالیا تھا۔

افراہیم علاقے کا کمشنر ہو گیا تھا۔ عہدہ بڑا تھا اور مصروفیت بھی زیادہ تھی۔ معیار زندگی بھی بدل گیا تھا۔ اب افراہیم کی زندگی میں گلیمر، پارٹیز اور ہلا گلا آچکے تھے۔ اس کی کلب، جم اور دوستوں سے میل ملاقات کی مصروفیت۔ بچے اعلا اسکولوں میں زیر تعلیم تھے۔ اماں حد سے زیادہ وہمی اور ضعیف ہو چکی تھیں۔ روبا کے ساتھ ان کے اب۔ بلاوجہ اختلافات چلتے تھے۔ جن پر شروع شروع میں افراہیم برہم ہوتا تھا۔ روبا پہ غصہ بھی کرتا اور اب اس نے ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا تھا۔

افراہیم پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو چکا تھا۔ زندگی میں کامیابیاں بڑھیں تو خوشحالی بھی دو قدم آگے چلی تھی۔ ایک روبا تھی جو اسی مقام پہ ٹھہر گئی تھی۔

وہی سادگی، وہی خاموشی، وہی متانت۔

اور ایک انادیہ تھی۔ جو روبا کی طرح ہی اسی مقام پہ ٹھہری ہوئی تھی۔

وہی حسن، وہی نخرہ، وہی ادا وہی نخوت اور غرور۔

کاشف پہلے سے کچھ فربہی مائل مگر انادیہ کی محبت میں اول روز کی طرح مگن۔ اور اس سیل رواں میں پہلا کنکر اماں کی خواہش نے مارا تھا۔ وہ حیران حیران سا ماں کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

"یہ کس کے لیے اتنی محنت کرتا ہے تو۔۔۔؟ یہ دھن دولت کس کام کی؟" اماں کی دھیمی آواز سن کر غسل خانے سے نکلتی انادیہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹک گئی تھی۔

اماں کی اس گفتگو کا مقصد کیا تھا؟ کاشف جانتا یا نہ جانتا۔ وہ اچھی طرح سے جانتی تھی۔ اور اس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا۔

"آف کورس اماں! آپ کے لیے، ابا کے لیے اور اس چڑیل کے لیے۔" کاشف نے ہنستے ہوئے انادیہ پہ چوٹ کی تھی۔ وہ غسل خانے سے باہر آرہی تھی۔ دوپٹا ندارد۔۔۔ کھلے بال۔۔۔ زلفوں سے ٹپکتی نمی۔

ہمیشہ کی طرح اماں کی پیشانی شکن آلود ہو گئی۔

اسے شوہر کے ساتھ ہی دن چڑھے سو کر اٹھنے کی عادت تھی۔ کاشف فیکٹری کے لیے دیر سے نکلتا تھا۔ رات دیر سے گھر آتا تو صبح آنکھ بھی جلدی نہیں کھلتی تھی۔ وہ کاشف کی اسی عادت کو بہانہ بنا کر اماں کی سرزنش کا بڑا ٹھنک کے جواب دیتی تھی۔

"اماں! کاشف اٹھنے ہی نہیں دیتے۔" شادی کے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ابتدائی ایام میں وہ منہ بھر کے اماں کو شرمندہ کر دیتی تھی۔

وہ بے چاری اپنا سامنہ لے کر رہ جاتی تھیں۔ وقت آگے بڑھا تب بھی انادیہ کی یہ ہی روٹین تھی۔

ایک دن رویا اور بچے بھی یہیں تھے۔ اور انادیہ گیارہ بجے کمرے سے نکلی تو اماں کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

"آج تو جلدی اٹھ جاتی۔ گھر میں نند آئی ہوئی ہے۔ اور بچے بھوک بھوک چلا رہے تھے۔ بیہ نے مجھے سامان رکھ دیا چولہے کے پاس اور میں نے پراٹھے بنائے۔ رویا کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔" اماں نے اک ناگوار نگاہ اس کے ملگجے سراپے سے جھلکتے چاندی جیسے وجود پہ ڈالی اور جیج کر بولی تھیں۔

انادیہ نے ایک لمبی جماہی روک کر وہی رٹا رٹایا جملہ کہا۔ "کاشف نے کہا۔ سوئی رہو۔ اتنے دنوں بعد تو میں آیا ہوں۔"

کاشف نے یہ ضرور کہا تھا کہ اسے وقت دو یہ نہیں کہا تھا کہ میری ماں اور بہن کے سامنے بھی نشر کرو۔

سوئے اتفاق کاشف بھی اسی وقت کمرے سے باہر نکلا اور اس نے انادیہ کا جملہ سن لیا۔ اور پھر وہ عزت افزائی ہوئی کہ انادیہ کو زمین کا چھٹانک بھر ٹکڑا نہ ملا منہ چھپانے کے لیے۔

رویا اور اماں کے سامنے اس بے عزتی نے انادیہ کو خونخوار بنا دیا اور تب ان کی پہلی زبردست لڑائی ہوئی تھی۔ جس کا اختتام کاشف کے ہاتھ اٹھانے پر ہوا۔ انادیہ کی زبان اتنی چل رہی تھی کہ کاشف برداشت نہ کر سکا تھا۔

"کنواری بہن تھی تمہاری۔ جو اس کے سامنے بے شرمی کا مظاہرہ ہو گیا؟ کیا وہ اپنے شوہر کے ساتھ......" انادیہ کی چلتی زبان کو کاشف کے بھرپور تھپڑ نے روک دیا تھا۔ اور انادیہ ایسی چپ جیسے ریل گاڑی کے چھکا چھک چلتے انجن میں اچانک کوئی خرابی ہو جائے۔ اور وہ اچانک ایک جھٹکے سے بند ہو جائے۔

"بڑوں کا کوئی ادب لحاظ بھی ہوتا ہے۔ تمہاری زبان نہ کوئی بچہ دیکھتی ہے نا کوئی بڑا۔" کاشف کا غصہ سوا نیزے پہ تھا۔

چونکہ غلطی انادیہ کی تھی۔ سو ایک ہفتہ کاشف سے بول چال بند کرنے کے بعد اس نے کاشف سے خود ہی صلح بھی کر لی۔ ویسے بھی موسم بدل رہا تھا۔ ایک بھاری رقم کی ضرورت تھی شاپنگ وغیرہ کے لیے۔

اس کے "سوری" پہ کاشف کا دل صاف ہو گیا اور اس نے نوٹوں کی ایک گڈی بغیر گنے اسے پکڑا دی تھی۔ وہ دینے کے معاملے میں اتنا ہی سخی تھا۔

انادیہ کی تلخ سوچیں اسے کہاں سے کہاں لے گئی تھیں۔ وہ چونکی تو تب جب کاشف کی نگاہوں کا احساس ہوا۔ کاشف اسے اشارہ کر رہا تھا کہ وہ "دوپٹہ اوڑھ کر آئے۔" اماں کو کھلے بال اور بنا دوپٹے کے لڑکیوں کا گھر میں پھرنا پسند نہیں تھا۔

اور انادیہ اماں کی گفتگو کے اثر میں کھڑی تھی۔

"اللہ تجھے صاحب اولاد کرے میرے بچے۔ ہم بڑھیا بڈھے کو نعمتوں کے ان انبار کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم تو بس تیری اولاد کی خوشی دیکھنا چاہتے ہیں۔ کوئی ہمارے دل بہلانے کا بھی سامان ہو۔" اماں آبدیدہ ہو گئی تھیں اور انادیہ تلخ۔

"ہونہہ' یہ ہی چالاکیاں آتی ہیں ان مکار کٹنیوں کو۔ کوئی اور بات نہیں ملتی تو کاشف کو اس طرح میرے خلاف کرتی ہیں۔" وہ ستون کے پیچھے پیچ و تاب کھاتی کمرے میں چلی گئی تھی۔

"آپ کے دل بہلانے کو بیہ ہے نا۔ کیوں بیہ! اماں کا دل نہیں بہلاتیں تم؟" کاشف نے اماں کو افسردگی کے حصار سے نکالنے کے لیے پاس بیٹھی ہوم ورک کرتی بیہ کو چھیڑا تو وہ بری طرح سے شرما گئی۔

"بیہ تو میری میٹھی بیٹی ہے۔ آنکھوں کی ٹھنڈک۔ سنتا ہے کاشف؟ بیہ رات کو میرا سر دبا دیتی ہے۔ پیروں میں مالش کرتی ہے۔ اور تیرے ابا کو اخبار پڑھ کر سناتی ہے۔ دوائیوں کی ساری سمجھ بوجھ ہے اسے۔ وقت پہ دوائی لے کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اور چائے بنانی بھی سیکھ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

لی۔" اماں کا دھیان بٹ گیا اور وہ انابیہ کی تعریفوں میں رطب اللسان ہو گئیں۔

اندر بیٹھی انادیہ کے اندر "دبل" پڑنے لگے تھے۔ انابیہ کی تعریف اسے غصہ دلاتی تھی۔ اور وہ بھی کاشف کے سامنے۔ پھر کاشف کا دلچسپی لینا تو وبال ہی بن جاتا تھا۔

"اچھا تو بیہ! ہمیں چائے نہیں پلاؤ گی؟"

"ہمیں بتاؤں کیا کاشف بھائی؟" وہ مارے خوشی کے کھل اٹھی۔ کاشف بھائی جب بھی اسے وقت دیتے' توجہ سے اس کی بات سنتے' وہ اسی طرح خوشی سے مسرور ہو جاتی تھی۔

"اب تو پی چکا سویٹ ہارٹ۔ اپنی باجی کو پلاؤ۔ ذرا اس کا موڈ ٹھیک ہو۔" وہ پھولے منہ کے ساتھ کمرے سے باہر آتی انادیہ کو دیکھ کر چھیڑ رہا تھا۔ انادیہ موڑھا گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔ مگر ہنوز موڈ آف تھا۔

"باجی کو کیوں؟ اماں کو پلائے گی۔ ایوارڈ تو اماں سے ملے گا۔" وہ جل کر بولی تھی۔ کاشف اس کا گلابی ہوتا چہرہ دلچسپی سے دیکھتا رہا۔

"تمہارے ساتھ پتا ہے مسئلہ کیا ہے۔" انادیہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی تھی۔ اور بیہ بھی۔ اماں اٹھ کر کچن میں دودھ ابالنے چلی گئی تھیں۔ بہو رانی کو تو احساس ہی نہیں تھا۔ دودھ پڑے پڑے ہی پھٹ جاتا۔

"کیا؟......" انادیہ نے نیلی آنکھوں میں ذرا تجسس بھر کر پوچھا تھا۔

"یہی کہ تم جلنا نہیں چھوڑ سکتیں۔" کاشف کے غیر متوقع جواب پہ انادیہ کا منہ توہین سے سرخ ہو گیا تھا۔ جبکہ بیہ کی دبی دبی ہنسی۔ انادیہ نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"کتابیں سمیٹو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔"

وہ انادیہ کے غصے سے گھبراتی ہوئی تیزی سے چیزیں سمیٹ کر اندر بھاگ گئی تھی۔ کاشف نے تاسف سے سر نفی میں ہلایا۔

"اور دوسروں پر بلاوجہ غصہ بھی کرتی ہو۔" کاشف نے گہری نگاہ سے اسے دیکھتے ہوئے احساس دلایا تھا۔ انادیہ نے آنکھیں ذرا کی ذرا میچ کر کاشف کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"اس کے علاوہ؟"

"غلطی کرتی ہو۔ پھر اس کی اصلاح نہیں کرتیں۔ بلکہ غلطی کے بعد اکڑ جاتی ہو۔" کاشف کے اگلے الفاظ نے اس کا دماغ بھک سے اڑا دیا تھا۔ اس نے چائے کی پیالی پٹخ دی تھی۔

"کچھ اور یا بس؟" انادیہ کا چہرہ لال بھبھو کا ہو چکا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہے نا۔" کاشف نے اس کا ملائم ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھایا۔

"پھر بھی مجھے اچھی لگتی ہو۔ کیونکہ میری "دیا" جو ہو...... انادیہ......" اس نے "یا" کو لمبا کرتے ہوئے مخمور لہجے میں کہا تو انادیہ کا غصہ جاتا رہا۔ چہرے پہ وہی نخوت اتر آئی تھی۔ جو اس کی شخصیت کا خاصا تھی۔ اس نے کاشف کی تعریف اپنا حق سمجھ کر وصول کی تھی۔

"سنو دیا!......" کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑے پکڑے نرمی سے کہا۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"بڑا عرصہ " اکیلے پن " کا مزہ لے لیا۔ اب اپنے جیسا ایک اور "دیا"...... پیدا کر کے ہم پہ ایک اور احسان فرما دو۔" کاشف کے لجاجت سے کہنے پر انادیہ ہنس پڑی تھی۔ یہ ہنسی شاذ ہی اس کے لبوں پہ کھلتی تھی۔

"اور اس کا نام کیا ہو گا؟......" انادیہ نے اس کی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے دلچسپی لی تھی اور یہ پہلی مرتبہ ہوا تھا جو اس نے بچہ پیدا کرنے کے معاملے میں دلچسپی لی تھی۔ کاشف کو ایک گونا اطمینان ہوا۔

"اگر تم پہ ہوا تو انگارہ یا شرارہ۔" کاشف کے الفاظ نے انادیہ کو بری طرح سے ہنسنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کی ہنسی کے جھرنے کی آواز نے کچن میں کام کرتی اماں کو حیران کر دیا تھا۔ "اللہ خیر کرے۔ آج بہو ہنس رہی ہے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اور وقت سبک خرامی سے گزرتا جارہا تھا۔ اور اسی گزرتے وقت نے انادیہ کو ایک دوراہے پہ لا کھڑا کیا۔ یا اس کی بدنصیبی کا کوئی الٹا پھیر چل پڑا تھا اس کی سمجھ میں ہی نہیں آیا۔ اور وقت کا پہیہ دوسری طرف گھوم گیا تھا۔ یہ ان دنوں کی بات تھی جب اماں کی دعائیں رنگ لے آئی تھیں۔ اور ابا کو زندگی کا کوئی مقصد دکھائی دینے لگا تھا۔ انادیہ اتنے سالوں بعد امید سے ہوئی تھی۔

اس خبر نے روبا کو بھی بڑا مسرور کیا اور اماں تو بے انتہا خوش تھیں یہاں تک کہ بیہ بھی... وہ اپنی "دیا" کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی تھی۔ کاشف بھائی نے انادیہ کو "دیا" کا نام دیا تو سب ہی دیا پکارنے لگے۔ حتی کہ عزہ 'رافع اور فاتح بھی بیہ کی دیکھا دیکھی "دیا" ہی بلاتے۔

یہ ایک منفرد اور اچھوتا طرز تخاطب تھا۔ کسی بھی رشتے کا حصہ ساتھ لگائے بغیر۔

کاشف نے انادیہ کو ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا۔ ٹھیک ہے' اماں بھی بہت خوش تھیں مگر کاشف کی ناز برادریوں پہ اکثر ٹوکے بنا نہ رہتی تھیں۔

"ہم نے بھی بچے جنے ہیں۔ یہ کوئی دنیا کا انوکھا کام تو نہیں کررہی؟"

"جو دیا کرے' وہ کام انوکھا ہی ہوتا ہے۔" کاشف ان کی بات ہنسی میں اڑا دیتا تھا۔ اور اکثر روبا کو "دیا" پہ رشک آتا۔ ایک اس کا بھائی اور ایک اس کی "دیا"۔

"یہ تو شروع سے ہی بھاگوان تھی۔"

وہ دل ہی دل میں سوچتی تھی۔ اور ایک وہ تھی۔ جس کے پاس سب کچھ تھا۔ حتی کہ افراہیم بھی... اس کے باوجود جانے خلا کہاں تھا؟ اور یہ کمی کیوں تھی؟ زندگی میں سکون اور "دم" کیوں نہیں تھا۔ افراہیم اتنا مصروف کیوں ہو گیا تھا؟ اس نے باہر اتنی دلچسپیاں کیوں ڈھونڈلی تھیں؟

اور دیا کی قسمت کا ستارہ ایسے ہی تاروں کی مانند تاعمر ہی جگمگاتا رہتا اگر جو ان کی زندگیوں میں ناجو ایک طوفان بن کر نہ آتی... ناجو کا آنا ایک بھونچال کا آنا تھا۔

وہ دن بڑا ہی منحوس تھا۔ جب ایک مال میں جاتے ہوئے ناجو کسی جونک کی طرح انادیہ سے چمٹ گئی تھی۔ اس نے لاکھ جان چھڑانی چاہی مگر وہ اس کا پتا لے کر ہی ٹلی تھی۔

دیا کو اس کا دوبارہ ملنا کوئی نیک شگون نہ لگتا تھا۔ وہ اس دن کو پچھتاتی تھی جب وہ خوامخواہ کاشف سے جھگڑ کر شاپنگ کرنے چلی گئی تھی۔ ایک تو چیزیں اور زیورات خریدنے کی ہوس اس کے اندر سے ختم ہی نہیں ہوتی تھی اور اس دن ناجو کلموہی سے ٹاکرا ہو گیا۔

اور وہ بدبختی کی طرح اس کے گھر اپنی نحوست پھیلانے پہنچ گئی تھی۔ بات یہاں تک بھی ہوتی تو ٹھیک تھا۔

لیکن ناجو کا گڑے مردے اکھاڑنا' پرانی باتوں کو دہرانا' یاد کرنا اور اونچے اونچے بین۔ اس کا دل چاہ رہا تھا۔ ناجو کو کسی غلاظت کی طرح کوڑے کے ڈھیر میں الٹ آئے۔

اوپر سے اس کی شکستہ حالت' پسماندگی اور ابلی پڑتی مفلسی۔ ٹوٹی جوتی' پھٹے کپڑے اور بدحالی۔

انادیہ کو تو بڑی ہی وحشت ہوئی۔ یہ اس ناجو سے بڑی مختلف تھی جسے انادیہ جانتی تھی۔ ناجو کو تو ہر وقت کنگھی پٹی کرنے کی فکر ہوتی تھی۔ سیل کی چپلیں' سستی سرخیاں' پاؤڈر۔ ہر وقت بنی سنوری رہتی تھی۔ مگر اب؟

انادیہ کو اس سے عجیب سی کراہیت محسوس ہوئی۔

"اور تو دیا بی بی! ملکہ عالیہ بنی کیسے شان سے جی رہی ہے۔ لگتا ہے سارے کفارے میرے سر آپڑے۔"

ناجو نے حسد و رشک بھرے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا تھا۔

"تجھ پر تو مکافات عمل کا ذرا بھی پھیر نہیں آیا۔ اور میرا تو "رگڑا" نکل گیا۔" اب وہ منہ پہ دوپٹہ لیے پھپک پھپک کر رو رہی تھی۔ اور انادیہ ہکا بکا۔ ناجو کا یہ ڈراما اس کی عقل سے باہر تھا۔

"دیکھ دیا! میرا حال..." وہ روتی رہی۔ اور انادیہ کا جی چاہا ایک تھپڑ جڑ کے اس کا بھونپو بند کروادے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"سات سالوں میں سات لولے' کانے 'اندھے بچے جنے۔" وہ رو رو کر اپنا حال سناتی رہی۔ "پر میں ہی کیوں؟" وہ چلانے لگی تھی۔ اناویہ کی جان پہ بن آئی۔

"آہستہ بول' میری ساس سن لے گی۔" اس کی ہتھیلیاں پسینے سے بھیگنے لگی تھیں اور جسم لرزنے لگا۔

"نہیں آہستہ بولا جاتا۔ دیکھ' میرے دل میں کیسے گڑھے پڑ گئے۔ دیکھ' کیسے دھکے کھائے۔ صرف ایک گناہ کی وجہ سے۔" وہ دیوانوں کی طرح چیخنے لگی تھی۔

"ہاں... یہ گناہ کم تھا۔ تجھے اکسانے کا۔ تجھے گناہ کی طرف مائل کرنے کا۔ تیسرے ساتھ گرہوں میں پھونکیں مارنے کا۔" ناجو پہ کوئی بھوت سوار ہو گیا تھا۔ آج وہ سارے راز اگلنے کے لیے آ گئی تھی۔ آج وہ آگ لگانے کے لیے آ گئی تھی۔

"روبا کی زندگی میں آگ لگائی تھی تو سکون کیسے مل جاتا؟ نہ میں تجھے اماں دیوانی کے آستانے تک لے کر جاتی اور نہ جادو ٹونے کی آڑ میں روبا کی زندگی میں عذاب آتے۔" ناجو سر پہ ہاتھ مار مار کے اور آنسو بہانے لگی اور باہر موجود روبا کی ماں کے پیروں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ ان کے سر میں دھماکے ہونے لگے۔ کمرے کی چھت اڑی جاتی تھی اور ان کے سر پہ گری جاتی تھی۔

انہوں نے دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔

"جادو ٹونا... سفلی عمل... اناویہ' ناجو... اماں دیوانی۔" لفظ انگارے تھے۔ لفظ شعلے تھے۔ جو انہیں جھلسائے دے رہے تھے۔ جلائے دے رہے تھے۔

"اناویہ نے کیا۔ روبا پہ جادو؟ دیا نے' ان کی بہو نے۔ کاشف کی بیوی نے۔" انہیں یقین نہیں آ رہا تھا اور ان کے دل پہ آرے چل رہے تھے۔

"تو نے جو کچھ قبر میں دفن کیا تھا' اسے نکالا کیا؟" ناجو کیا کہہ رہی تھی۔ کیا پوچھ رہی تھی؟ ان سے کچھ سنا نہیں جا رہا تھا۔ ان کا دل بند ہوا جا رہا تھا۔ انہیں اپنی روبا کی بے رنگ' پریشانی اور آفتوں میں گھری زندگی کے وہ دن یاد آ رہے تھے۔ جب وہ اور اس کا پورا گھر کسی "آسیب" کے زیر اثر تھا۔

آسیب جو چلا گیا تھا۔ ان کی زندگیوں سے نکل گیا تھا۔ پھر بھی آسیب موجود تھا۔ ان کی زندگیوں میں ہی موجود تھا۔

ہاں موجود تھا۔ اس خوب صورت "بلا" کی صورت میں۔ آسیب کہاں گیا تھا؟ آسیب تو ان کی زندگیوں سے چمٹا ہوا تھا۔

اس منحوس بلا کی وجہ سے... یہ ان کی بیٹی کے لیے ایک وبال تھی۔ روبا کی خوشیوں اور سکون کی قاتل۔ اور اس کے لیے کوئی معافی نہیں تھی۔ اس کے لیے کوئی درگزر نہیں تھی۔ ان کے اندر جوار بھاٹا اٹھنے لگا۔ کرب ابلنے لگا۔ غیض بھرنے لگا۔

رات کو شوہر اور بیٹا گھر آئے تو وہ بے تحاشا روتے ہوئے ایک ایک بات بتا رہی تھیں۔ وہ سب جو ناجو نے کہا تھا۔ اور جن سے روبا گزری تھی۔ ان باتوں میں بہت مماثلت تھی۔ جو ناجو کہہ رہی تھی۔ وہ سب روبا کے ساتھ ہو چکا تھا۔ اور اس کی نحوست اتنے سال بعد بھی باقی تھی۔ اس جادو کا اثر ابھی تک روبا کی زندگی پہ تھا۔ وہ اس "سحر و آفت" کے حصار سے ابھی تک نہیں نکلی تھی۔

اس کا چین و سکون غارت ہو چکا تھا۔ اس کی عائلی زندگی خدشات میں گھری رہتی تھی۔ اس کے شوہر کی دلچسپی گھر میں کم ہو گئی تھی اور سب سے بڑھ کر جان نچھاور کرنے والی ساس جان کی دشمن بن چکی تھیں۔ اور یہ سب دیا کے پھونکے گئے دھاگوں تعویذوں اور سفلی عملیات کا اثر تھا۔

انہوں نے رو رو کر شوہر اور بیٹے کو ایک ایک اذیت 'روبا پہ ٹوٹ جانے والے قہر کی کہانی سنائی تھی۔ ان کا شوہر خاموش تھا اور بیٹا گم صم۔ شوہر کے چہرے پہ ان گنت سوچوں کی لکیریں تھیں جبکہ بیٹے کے چہرے پہ بے انت ناگواری کی پرچھائیاں۔

اس نے ماں کی ساری رام کہانی آرام سے سنی تھی۔ باہر دروازے سے لگی اناویہ نے بھی ایک ایک

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

لفظ کو غور سے سنا تھا۔ اور اس کا دل وہیں کھڑے کھڑے ہی پاتال میں ڈوبتا جا رہا تھا۔ کسی کھائی میں گرتا جا رہا تھا۔ اسے لگا، جو گناہ وہ کر چکی تھی۔ اس کی سزا معمولی نہیں ہو گی۔ اس جرم میں اس کا محبوب شوہر اسے دھکے مار مار کر گھر سے نکال دے گا۔ اور صرف گھر سے نہیں نکالے گا۔ اپنے دل سے بھی نکال دے گا۔ اپنی زندگی سے بھی نکال دے گا۔ پھر وہ کہاں جائے گی؟ اس کا ٹھکانا کیا ہو گا؟ اس کا گھر کون سا ہو گا؟

اس کا تو کوئی میکہ بھی نہیں تھا۔ ماں باپ مر چکے تھے۔ بھائی نے اپنی الگ دنیا بسالی تھی۔ اتنے کم شدہ رشتوں میں باقی بچنے والا ایک افراہیم ہی تھا۔ اور وہ اسے کیوں منہ لگاتا۔ "وہ اسے کیوں ٹھکانا مہیا کرتا؟ وہ اس کی لگتی کیا تھی؟ گھر تو اس کا تباہ ہو رہا تھا۔ اپنے ہاتھوں اس نے اپنے آشیانے کو آگ لگا دی تھی۔ اس جرم کے بدلے میں کوئی معافی نہیں تھی۔ قریب تھا کہ وہ صدمے کی انتہا پہ پہنچ کر گر جاتی۔ زمین بوس ہو جاتی کہ ایک روح پھونکتی آواز نے دیا کے بجھتے دیے میں تیل ڈال دیا تھا۔

یہ آواز کس کی تھی؟ اس کے شوہر کی "کاشف کی۔ وہ اپنی ماں سے کیا کہہ رہا تھا؟ دیا نے دھڑکتے دل کو قابو میں لاتے ہوئے کان لگا کر سنا تھا۔ کاشف اپنی ماں سے مخاطب تھا اور اس کے لہجے میں بپھرے طوفانوں کی طغیانی صاف نظر آ رہی تھی۔

"آپ دیا پہ الزام لگا رہی ہیں۔ وہ آپ کو شروع سے پسند نہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اتنی بڑی بات دیا کے متعلق کہیں گی اور اس پہ ڈٹ بھی جائیں گی۔"

"یہ الزام نہیں حقیقت ہے۔ تمہاری بیوی جادو ٹونے کرواتی ہے۔ میری بیٹی کا گھر اجاڑنا چاہتی ہے۔ "اماں نے روتے ہوئے، بیٹے کو یقین دلانا چاہا۔

"وہ ایسا کیوں چاہے گی۔ "آپ تو ہمات میں پڑ گئی ہیں اماں! الزامات کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔ "کاشف چیخ پڑا تھا۔

"تمہاری آنکھوں پہ دیا کے حسن کی پٹی بندھی ہے۔ تمہیں کیا نظر آئے گا بیٹا! میں نے تو تم سے تب بھی کہا تھا۔ اس کا خیال دل سے نکال دو۔ یہ تمہاری بہن کی دشمن ہے۔ اس نے روبا کو سیڑھیوں سے گرایا تھا۔ اس کی جان بھی لینی چاہی۔ "اماں اسے بھولی ہوئی باتیں یاد دلا رہی تھیں۔ جنہیں تب بھی کاشف نے نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ اب بھی ان کی کسی بات کو اہمیت نہیں دے رہا تھا۔

"ایک غیر مصدقہ بات اور اتفاقی حادثے کو دیا کے ساتھ منسوب کر دینا بڑی زیادتی کی بات ہے اماں!" کاشف شدید صدمے کے زیر اثر بولا تھا۔ وہ دیا کے سامنے ڈھال بن گیا تھا۔ وہ ہمیشہ اس کی غلطیوں کے سامنے ڈھال بن جاتا تھا۔

"تمہاری بہن کی زندگی میں ہونے والے حادثے اتفاقی نہیں تھے۔ دیا نے سفلی عملیات سے روبا پہ جنات مسلط کر رکھے تھے۔ "اماں پھپک کر رو پڑیں۔ اپنے بیٹے کو یقین دلاتے ہوئے وضاحتیں دیتے ہوئے وہ خود کو کمتر اور جھوٹا تصور کرنے لگیں۔ کیا وہ واقعی غلط بیانی سے کام لے رہی تھیں؟ دیا پہ بہتان لگا رہی تھیں۔

"بس کر دیں اماں!" کاشف چیخنے لگا اور اس کی خوفناک حد تک اونچی آواز نے باہر کھڑی دیا کو بھی دہلا دیا۔ اس نے کاشف کا یہ لہجہ اور یہ آواز کبھی نہیں سنی تھی۔ بلکہ اماں کے دونوں بچے، بہت دھیمے مزاج 'اور نرم گفتگو کے عادی تھے۔ اس وقت کاشف کا چلانا خاموش ماحول میں بڑا خوفناک تاثر دے رہا تھا۔

"آپ میری بیوی پہ بہتان لگا رہی ہیں۔ اس پہ جھوٹا الزام لگا رہی ہیں۔ ہے کوئی آپ کے پاس ثبوت؟"

وہ بپھر کر اٹھا تو کب سے خاموش بیٹھے ابا نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر اسے واپس اپنے ساتھ بٹھانا چاہا۔ وہ تنک کر کھڑا رہا۔ اس نے ابا کا ہاتھ بھی جھٹک دیا۔ وہ اس بدتمیزی پہ اس کو بس دیکھ کر رہ گئے تھے۔

"بہتان وہ نہیں تھا۔ بہتان تو یہ ہے کہ دیا اپنے چچا زاد بھائی کی الفت میں گرفتار تھی۔ جب ادھر بات نہیں بنی تو اس طرح انتقام پہ اتر آئی۔ آگ لگی ہوئی

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہے اس کے اندر حسد کی۔" اماں نے اپنا سارا زہر اگل دیا تھا اور کاشف کے ضبط اور تحمل کے بھی سارے بند ٹوٹ گئے تھے۔ وہ ہاتھ اٹھا کر غراتا ہوا ان کا کاشف نہیں لگ رہا تھا۔ وہ بس دیا کا شوہر لگ رہا تھا۔ جو اس کی سنتا تھا۔ اس کی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ اور اس کے کہے پہ یقین رکھتا تھا۔

"یہ آپ کی دیا سے نفرت کا واضح ثبوت ہے۔ اس سے نیچے آپ اور کتنی جائیں گی اماں! مجھے آپ کی سوچ سے وحشت ہو رہی ہے۔ آپ دیا پہ بہتان باندھتے ہوئے یہ بھول چکی ہیں کہ وہ میری بیوی ہے۔ آپ کی بہو ہے۔ اس گھر کی عزت ہے۔" وہ زخمی لہجے میں پھنکارتا کوئی دیوانہ لگ رہا تھا۔ انگارہ ہوتی آنکھیں وحشت زدہ چہرہ۔ اور بپھرتے حواس۔

"میرا اس کے ساتھ آج کے بعد کوئی رشتہ نہیں۔ انسانیت کا بھی نہیں۔ وہ میرے گھر میں ایک منٹ کے لیے بھی نہیں رہے گی۔"

اماں نے صدمے سے ٹوٹ پڑتے لہجے میں ہاتھ اٹھا کر فیصلہ کر دیا تھا۔ کاشف انہیں خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔ اس کے اندر گرد و غبار کے جھکڑ چل رہے تھے۔ ہر طرف دھول مٹی تھی۔ جو اڑ رہی تھی۔ کوئی منظر واضح نہیں تھا۔ سب کچھ دھند میں لپٹا ہوا تھا۔ گرد آلود تھا۔

"آپ اسے کیا نکالیں گی میں خود اسے یہاں ایک سانس بھی مزید نہ لینے دوں گا۔ جب رشتوں میں دراڑیں پڑ جائیں تو کدورتیں اپنی جگہ بنا لیتی ہیں۔ اور یہ کدورتیں بالآخر نفرت و بیگانگی میں بدل جاتی ہیں اور مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے کہ دیا کے لیے آپ کے اندر کوئی نرمی باقی نہیں بہتر ہے میں اسے یہاں سے لے کر چلا جاؤں۔"

کاشف نے اماں کا فیصلہ تسلیم کر لیا تھا اور اماں ہکا بکا سی بیٹے کو دیکھنے لگیں۔ وہ اس بدبخت کو گھر سے نکالنے کے بجائے خود۔ گھر چھوڑ کر جا رہا تھا۔ اماں کے دل پہ آرے چل گئے تھے۔ ان کے ہاتھ میں پکڑی تسبیح گر گئی تھی۔ ان کے ہاتھ خالی ہو رہے تھے۔ ان کا دل خالی ہو رہا تھا۔ ان کا کاشف گھر چھوڑنے کی بات کر رہا تھا۔ ان کا بیٹا گھر چھوڑ کر جا رہا تھا۔ ان کا اکلوتا نور نظر ۔۔۔ آنکھوں کی ٹھنڈک دل کا قرار۔۔۔ اکلوتا راج دلارا۔

کیا بیٹے اپنی بوڑھی ماؤں کو چھوڑ جاتے ہیں؟ کیا بیٹے اپنے والدین کے گھر اور دل کو ویران کر جاتے ہیں؟ کیا بیٹے اپنے ماں باپ کو خالی ہاتھ کر جاتے ہیں؟ ان کی آنکھوں میں ریت بھر جاتے ہیں۔ ان کو تنہا چھوڑ کر چلے جاتے ہیں؟ اگر ایسا ہی تھا تو پھر بیٹے ہوتے کیوں ہیں؟

اماں کی گدلی آنکھوں میں نمکین پانیوں کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ اور وہ اپنے ململ کے دوپٹے سے آنکھوں کو رگڑتی تھیں اور لحہ بہ لحہ دور جاتے بیٹے کو دیکھتی جاتی تھیں۔

کاشف اس جادوگرنی کا ہاتھ پکڑ کر اس گھر سے بہت دور لے جا رہا تھا۔ اس نے ماں کی بات مان لی تھی۔ اس نے اس گھر سے اپنی بیوی کو نکال دیا تھا اور خود بھی ان کا گھر چھوڑ کر چلا گیا تھا۔ اور ان کا دل بھی اور سائبان بھی اور دعاؤں کا حصار بھی۔۔۔ تو جب اتنے حصار ٹوٹ جائیں تو محافظ کمزور پڑ جاتے ہیں۔ دربان شکست خوردہ ہو جاتے ہیں اور حملہ آوروں کو میدان خالی مل جاتا ہے۔۔۔ اور حملہ آور پھر غلبہ پا لیتے ہیں۔

☆ ☆ ☆

"کاشف چلا گیا۔" انہیں اتنے دن گزر جانے کے بعد بھی یقین نہ آتا تھا۔ وہ آتی جاتی ہواؤں سے پوچھتی تھیں۔ دیواروں سے باتیں کرتی تھیں، کچھ اور نہ ملتا تو تصویریں کھول کھول کر دیکھتیں۔

انہیں کاشف کا بچپن یاد آتا۔۔۔ اس کا لڑکپن یاد آتا۔ وہ ان کے پاس سوتا تھا۔ رویا باپ کے پاس۔ وہ ماں سے قریب تھا۔ رویا باپ سے قریب تھی۔ رویا گلی میں، چھت کے اوپر کھیلنے کے لیے مچلتی تھی۔ لیکن کاشف ان کا پلو تھامے کہیں نہ جاتا۔

وہ گھر کے کام نمٹاتے ہوئے جہاں بھی جاتیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کاشف ان کے پیچھے پیچھے رہتا۔ وہ محلے میں کہیں بھی فوتگی، خوشی، غمی پہ جاتیں کاشف ان کے ساتھ ہی جاتا۔ ماں کے بغیر کھانا نہ کھاتا تھا۔ رات کو کہانی سنے بغیر سوتا ہی نہیں تھا۔

پھر کچھ بڑا ہوا تو کتابوں، دوستوں اور کھیلوں کی سمجھ بوجھ آ گئی۔ اب اس کے پاس مصروفیت بھی تھی اور ماں کو سنانے کے لیے بہت سی کہانیاں.... اب وہ کہانی سننے کی نہیں، سنانے کی عمر میں آ گیا تھا۔

وہ بڑی دلچسپی کے ساتھ اس کی ہر بات کو غور سے سنتی تھیں۔ ماں کی دلچسپی محسوس کر کے وہ اور بھی جوش و خروش سے قصے سناتا تھا۔ پھر وہ کچھ اور بڑا ہوا۔ بچپن چھوٹ گیا۔ لڑکپن بھی دامن چھڑا گیا۔

کاشف کی مصروفیات بھی زیادہ ہو چکی تھیں۔ مشکل پڑھائی، غیر معمولی ورزشیں، اسپورٹس کلبز کچھ اس میں سنجیدگی اور متانت بھی آ گئی تھی۔ ان کا لاڈلا خوبرو بیٹا.... دیکھتے ہی دیکھتے اپنے باپ کے قد سے بھی اونچا ہو گیا تھا۔

کالج سے یونی ورسٹی پھر من پسند نوکری.... اور زندگی کا نیا سفر۔ ایک نیا جہان۔

ساری ماؤں کی طرح ان کے دل میں بھی چاند سی بہو لانے کا ارمان تھا۔ ایسے ہی روبا نے ایک دن کالج کی سہیلیوں کا گروپ فوٹو دکھایا تو انہیں ایک لڑکی اپنی نیلی آنکھوں اور چونکا دینے والی خوب صورتی کی وجہ سے بھا گئی تھی۔ بیٹی سے کچھ تفصیل معلوم کی اور اس لڑکی کے گھر اپنے لاڈلے بیٹے کا رشتہ لے گئیں۔ وہاں ان کی غیر معمولی آؤ بھگت ہوئی۔ لڑکی کی سوتیلی ماں بھلی عورت تھی۔ باپ انتہائی شریف مڈل کلاس گھرانہ۔ انہیں پیسے سے کوئی غرض نہیں تھی۔ یوں رشتہ دیا تو بات بنتی معلوم ہوئی تھی۔ لیکن پھر یوں ہوا کہ.... دوسری طرف گہری خاموشی چھا گئی تھی۔ نہ لڑکی والوں نے "ہاں" میں جواب دیا نہ "ناں" میں۔ وہ متفکر تو تھیں تاہم مطمئن بھی۔ کیا خبر وہ اپنی طرف سے چھان بین کروا رہے ہوں۔

روبا نے خوشی خوشی بھائی کو سہیلی کے سارے کوائف ازبر کروا دیے تھے۔ سنہری بال، نیلی آنکھیں، گورا رنگ۔ اس کی پوری شخصیت میں ان خوبیوں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اور یہ خوبیاں بھی قدرت کی طرف سے ودیعت کردہ تھیں۔ اس میں انادیہ کا کوئی کمال نہ تھا۔ پھر بھی وہ اتنا اتراتی تھی کہ حد نہیں۔

یوں ہی کچھ وقت گزرا تو کاشف کے بجائے غیر متوقع روبا کا رشتہ طے پا گیا۔ انادیہ کے چچا کا گھرانہ.... مختصر کنبہ۔ ایک ماں ایک بیٹا.... اور لڑکا بھی ایسا کہ چراغ ڈھونڈنے سے بھی نہ ملے۔ انہوں نے بسم اللہ کی اور رشتہ طے کر دیا۔

اور اس کے فوراً" بعد ہی کاشف کا بے طرح اصرار، ضد اور تکرار.... وہ بار بار انادیہ کا پوچھتا۔ اس کے گھر والوں کا جواب؟ وہ بھلا کیا بتاتیں؟ دوسری طرف تو خاموشی تھی۔ پھر کاشف نے انہیں دوبارہ زبردستی وہاں بھیجا تھا۔ وہ بیٹے کی بے قراری پہ حیران پریشان تھیں۔

تاہم دوسری طرف اب خاموشی نہیں تھی۔ رشتہ طے پا گیا اور کاشف کو سکون آ گیا۔

انہیں تب نہیں، انہیں اب لگتا تھا کہ ہو نہ ہو، انادیہ نے کاشف کا دل "پھیرنے" کے لیے بھی ضرور کوئی دھاگہ کروایا ہو گا۔ ہو نہ ہو کاشف کی اس "بے قراری" کے پیچھے کچھ نہ کچھ تو ضرور تھا۔ اور انادیہ نے روبا کا رشتہ افراہیم سے طے ہو جانے کے بعد یہ "چکر" چلایا ہو گا کہ چلو، افراہیم نہ سہی کاشف ہی سہی.... بھلا کاشف کسی سے کم تھا کیا؟ اوپر سے اس کے لیے خالص محبت کا پیکر۔

پھر روبا کی شادی کے کچھ ہی عرصہ بعد اس کی زندگی میں ہونے والے تغیر؟ پریشانیاں، مصیبتیں؟ ان کا موجب کیا تھا؟ ان میں سے کوئی بھی اس شرم ناک حقیقت سے واقف نہیں تھا۔ جو حقیقت ان پہ اب آشکار ہوئی تھی۔

اسی دوران وہ انادیہ کو کاشف کے من مندر میں سجانے والی مورت بنا کر گھر لے آئی تھیں۔ وہ انادیہ جو ان کے بیٹے کی "دیا" تھی۔ جسے ان سب نے بھی اپنی "دیا" بنا لیا تھا۔ سب کو بھول گیا۔ کبھی وہ انادیہ بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تھی۔ ہر کوئی اسے "دیا" کے نام سے پکارتا تھا۔ ساس، سسر، نند اس کے بچے اور انابیہ بھی۔۔۔ اور دیا نے سچ مچ خود کو دیا ہی سمجھ لیا۔

وہ ایک دیا تھی۔ مثل جلتا ہوا چراغ۔ جو جلتا بھی ہے اور جلاتا بھی ہے۔ جلا جلا کے راکھ بھی کر دیتا ہے۔ فنا بھی کر دیتا ہے۔ جلے تو روشنی ہی دے۔ جلائے تو آگ آگ کر دے۔ ہنستوں بستوں کو برباد کر دے۔ کئی گھروں کو راکھ کر دے۔ کیونکہ وہ ایک "دیا" تھی۔ آگ کا دیا۔۔۔ جلے تو سراپا روشنی۔۔۔ جلائے تو سراپا آگ۔

☆ ☆ ☆

محبت کا جذبہ نہایت مضبوط ہوتا ہے لیکن نفرت کا جذبہ زیادہ ٹھوس، مستحکم اور دیرپا ہوتا ہے۔ محبت میں دل اپنے تغیر و تبدیلیوں کے ساتھ مصروف عمل ہوتا ہے۔ جبکہ نفرت میں جسم اور روح کا ریشہ ریشہ۔ نفرت، محبت سے بڑھ کر طاقت ور ثابت ہوتی ہے۔ یہ کسی قلعے کی طرح ناقابل تسخیر ہوتی ہے۔ اسے ڈھانا ناممکن ہوتا ہے۔ یہ بوڑھے برگد کی طرح چہار سو جسم کے کونے کونے میں پھیلی ہوتی ہے۔ گھنی، گھمبیر، گہری عمیق جڑوں کی مانند۔ جسے اکھاڑنا ناممکن ترین ہوتا ہے۔

نفرت کا یہ تعلق اس کی زندگی کے ساتھ ازل سے جڑا ہوا تھا۔

پیدائش کے بعد مرنجان و مرنج ماں دیکھی جو ساس کے سامنے ایک کنیز کے روپ میں تھی۔ اگلے دس سال تک اس نے ماں کو کنیز کے روپ میں ہی دیکھا تھا۔ ایک غلام، ہاتھ باندھے ہوئے اور دادی ایسی ظالم کہ ماں کو دونوں بھوکا رکھتی۔ باورچی خانے کو تالا۔۔۔ آٹے گھی کا کنستر اسٹور میں بند۔ دودھ اپنی چارپائی تلے۔ کھانے کو سوکھے رس اور رات کی بچی کچھی پاپڑیاں ملتی تھیں۔ ابا مظلوم ترین مرد۔ گھر سے لاپرواہ۔۔۔ دو اور چار کے حساب میں گم۔ ماں دادی کے سامنے غلامی کی زندگی جینے میں مگن اور خوش۔

نفرت کا یہ سلسلہ اس کی دادی سے جا ملتا تھا۔ بلکہ دادی سے بھی پہلے ماں تھی جس سے انابیہ کو پہلی مرتبہ نفرت محسوس ہوئی تھی۔ مائیں ایسی ہوتی ہیں؟ سارا دن پاگلوں کی طرح کبھی ایک کام کے پیچھے بھاگتی، کبھی دوسرے کام کے پیچھے بھاگتی اور جیسے اپنے پیدا کیے دو بچوں کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ بلیوں کی طرح کبھی کسی کٹوری میں منہ ماریں۔ کبھی کسی خالی کٹوری میں منہ ماریں۔ بھوکے، ندیدے، پیٹ پکڑے۔

اور ماں ساس کی جی حضوری میں مگن۔ اچھا کھانا تو پہلے دادی کے لیے۔ اچھا پھل ہے تو پہلے دادی کے لیے۔ اچھا کپڑا ہے تو پہلے دادی کے لیے۔۔۔ اور اچھا زہر ہو تو پہلے دادی کے لیے کیوں نہیں؟

اس کا دس سالہ دماغ رات بھر جاگ جاگ کر منصوبے بناتا تھا۔

وہ ماں اور دادی کے لیے بیک وقت ایک جیسی نفرت محسوس کرتی تھی۔ ایک ظالم تھی۔ اور دوسری مظلوم۔ لیکن انابیہ کے لیے دونوں برابر تھیں۔ ایک انچ کے فرق کو آگے پیچھے کیے بنا۔ دونوں خانوں میں فٹ آتی ہوئی۔ ظلم سے نہ ٹکرانا، اپنے حق کے لیے آواز نہ اٹھانا بھی ظلم ہے۔ خود پہ بھی۔۔۔ خود سے وابستہ رشتوں پہ بھی۔۔۔ اور ماں دونوں جرائم میں شریک تھی۔ نہ حق کے لیے آواز اٹھاتی تھی۔ نہ ظلم کو روکنے کے لیے سدباب کرتی تھی۔

سو سب سے پہلے قابل نفرین ہستی ماں تھی اور اس کے بعد دادی۔۔۔ جسے اپنے پیٹ، اپنی ضرورت اور اپنے آرام سے بڑھ کر کچھ بھی عزیز نہ تھا۔ وہ ایک خود غرض عورت تھی۔ اور اس کے ساتھ قریبی خونی، موروثی تعلق ہونے کی وجہ سے انابیہ، دادی سے بڑھ کر خود غرض واقع ہوئی تھی۔

اور اسے بڑی کم عمری میں ہی سارے داؤ پیچ لڑانے آچکے تھے۔ اسے چوری کی عادت بھی پڑی اور سینہ زوری کی بھی یعنی ڈھٹائی سے مکر جانا۔

اس نے سب سے پہلے دادی کے بٹوے میں سے پیسے چرانے شروع کیے تھے۔ کبھی دو آنے، کبھی پانچ روپے تو کبھی دس روپے باہر قلفی والے سے قلفی لے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کر چاٹنا... چھولے والے سے چھولے خریدنا اور غبارے والے سے غبارے لے کر کھیلنا اس کا پسندیدہ مشغلہ بن چکا تھا۔ دادی گھر میں چیختی چلاتی، واویلا کرتی حتی کہ ماں کو جوتی کے ساتھ دھنک کر رکھ دیتی۔

"کمینی! بتا کیوں چرائے میرے نوٹ... میکے والوں کے دوزخ بھرے گی حرام خور۔ میرا آنہ آنہ چرا کر۔" دادی کی چیخوں غراہٹوں اور دھاڑنے کی گلی کے دور دور کونوں تک جاتی تھی۔ اکثر محلے والے ماں کو پٹتے دیکھنے کا تماشا ملاحظہ کرنے اپنے گھروں کی چھتوں سے لٹک جاتے تھے۔ کچھ لوگ دادی کے چنگل سے ماں کو آزاد کروانے کے بہانے زیادہ قریب سے فلم دیکھنے کا لطف اٹھاتے۔ ماں کا دادی کے ہاتھوں پٹنا ایک معمول کا حصہ تھا... وہ باہر تھڑے پہ بیٹھ کر قلفی چاٹتی مگن سی ہنستی رہتی۔

اور اس دن دادی کا "ڈنڈا" خوب ہی چلا۔ ماں کے سارے انجر پنجر ہل کر رہ گئے تھے۔ پر دادی کا غصہ کم نہ ہوتا تھا۔ معاً "ساتھ والی منڈیر سے فوجی کٹ بالوں والا سر ان کے صحن میں جھانکتا ششدر رہ گیا۔ تائی کو دادی جوتی اور سوٹے کے ساتھ دھنک رہی تھی اور تائی لب سیے 'ایک آہ بھی منہ سے نکالے بنا پٹے جا رہی تھی۔ شہد بھری آنکھوں میں ڈھیر سارا خوف اور ہمدردی کا نمکین سمندر چھلک پڑا۔ وہ بے ساختہ آدھے دھڑ کے ساتھ منڈیر سے لٹکتا چیخ رہا تھا۔

"دادی! تائی کو مت مارو۔ تائی نے بٹوے سے پیسے نہیں چرائے۔ یہ موٹی سنہری باندری نے پیسے چرائے ہیں۔ یہ روزانہ پیسے چراتی ہے اور ٹھیلے والوں سے گند بلا لے کر کھاتی ہے۔" افراہیم کے چلانے پہ دادی کا ڈنڈا لمحہ بھر کے لیے رکا تھا اور پھر توپوں کا رخ گندے چیپ چیپے منہ والی اناڈیہ کی طرف ہو گیا۔

اب اناڈیہ آگے آگے تھی۔ دادی اس کے پیچھے۔ اور دادی کے منہ سے گالیوں کا نکلتا طوفان۔ اناڈیہ کو بھاگنے دوڑنے اور "پکڑن پکڑائی" کے اس شغل میں بڑا مزہ آ رہا تھا۔

وہ چیخیں مارتی آگے آگے تھی۔ دادی آگ بگولا پیچھے پیچھے۔

"کمینی! کھا گئی سارا چوری کا مال... زندہ نہیں چھوڑوں گی تجھے۔ بھون کر کھا ڈالوں گی تیرا کلیجہ... حرام خور 'نکال میرے نوٹ۔"

"وہ ہڑپ... اب کہاں سے ملیں گے۔ ٹھیلے والے لے اڑے۔" افراہیم نے منڈیر پہ کھڑے کھڑے دادی کو سمجھانا چاہا تھا۔

"میں نے چوری نہیں کیے۔ افراہیم جھوٹا ہے۔ ماں سے پوچھو۔ یہ جمع کرتی ہے نانی کو دینے کے لیے۔" اناڈیہ نے نہایت مکاری کے ساتھ سارا ملبہ ماں پر گرا دیا تھا۔ اور اپنی ہڈیوں سے اٹھتے درد پہ آنسو بہاتی ماں صدمے سے ششدر رہ گئی تھی۔ دادی کا سارا عتاب ایک مرتبہ پھر ماں پہ نازل ہو رہا تھا۔

"بچی جھوٹ تو نہیں بولتی۔ اسی حرام خور نے میکے والوں کو دینے کے لیے چھپا رکھے ہیں۔ میں اس سے نکلوا کر ہی دم لوں گی۔" دادی کا ڈنڈا ایک مرتبہ پھر ماں کے جسم پر برس رہا تھا۔ اور اناڈیہ دادی کے تکیے سے نمکو' بسکٹ اور سیب کا مربہ اڑا کر بھاگ نکلی۔

پھر یوں ہوا کہ دادی کو اناڈیہ کی تخریب کاریوں کی بھنک پڑ گئی تھی۔ وہ بڑی صفائی کے ساتھ کھانے والی چیزوں کے ساتھ بٹوے سے پیسے بھی اڑا لیتی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ اس نے گھر کی باقی چیزیں بھی اٹھا کر باہر فروخت کرنا شروع کر دی تھیں۔ جیسے سرف کا پیکٹ' دیسی گھی' انگریزی صابن۔ گندم' چاول وغیرہ۔

اسے جب بھی موقع ملتا۔ وہ شاپر بھرتی اور ناجو کی ماں کے ہاتھ سستے داموں فروخت کر آتی۔ یوں قلفی' چھولوں اور چاٹ کا چسکہ پورا ہو جاتا تھا۔

ماں کے بعد دادی سے نفرت کا یہ بیج تب اپنی شاخیں نکالنے لگا تھا جب دادی کا ڈنڈا اس کے جسم پہ بھی برسنے لگا۔ وہ ابا کی بے پناہ لاڈلی تھی۔ رات کو ابا آتے تو اس کے لیے بہت کچھ لاتے۔ جو 'دادی کے ہتھے چڑھتا تو اسے کچھ بھی نہ ملتا۔ ابا اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ اور اسے بس ابا ہی اچھے لگتے تھے۔ جب سے اسے دادی نے ڈنڈے کے ساتھ دھنکنا شروع کیا

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

تھا۔ تب سے ہی دادی اسے زہر لگتی تھیں۔ اور وہ دل ہی دل میں دادی سے جان چھڑانے کے منصوبے بناتی رہتی۔

پھر یوں ہوا کہ دادی سے انتقام لینے کا اس نے ایک عجیب طریقہ سوچا۔ گو کہ اس وقت اسے انتقام کے مفہوم کا بھی نہیں پتا تھا۔ تاہم اتنی ۔۔۔ سمجھ بوجھ تھی کہ جو تکلیف دے گا سے برابر کی تکلیف دینے سے اپنی تکلیف ختم نہ بھی ہو تو قدرے کم ضرور ہو جاتی ہے۔ دادی نے جو ان کی بنیادی ضروریات کا استحصال کر رکھا تھا۔ اسے چھیننا ناممکن تھا مگر دادی کو تکلیف دینا ناممکن نہیں تھا۔

ایک دن دادی کپڑے کا تھان لائیں۔۔۔ اپنے لیے اور اپنی ایک بہن اور بھانجی کے لیے۔ ایک تھان سے کئی سوٹ بنتے۔ ان کپڑوں میں نہ ماں کا کوئی حصہ تھا نہ انادیہ کا۔ کپڑا بڑا اچھا تھا۔ نفیس سا۔ دادی کو بھانجی کی شادی میں پہن کر جانا تھا۔ اور اسی سلسلے میں چپکے چپکے دادی تیاریاں بھی کر رہی تھیں۔

انہوں نے درزن کو بلوا کر حساب لگوایا۔ اور پھر کپڑا اپنے ٹرنک میں چھپا دیا۔ ایک دو دن تک لیس، موتی منگوانے کے بعد سلوانے کا ارادہ تھا۔

انادیہ پاس ہی تخت پہ بیٹھی گڑیا سے کھیل رہی تھی۔ کبھی اسے کنگھی کرتی۔ کبھی مونڈھے سے لگا کر تھپکنے لگتی۔ جیسے سلاتی ہو۔ اس کا انداز مگن سا تھا۔ دادی نے ایک گونہ اطمینان محسوس کیا۔ "صد شکر ندیدی کی نظر نہیں پڑی۔" ٹرنک کو تالا لگا کر دادی نے چابی تکیے تلے دبائی اور خود بھی چارپائی پہ دراز ہو گئیں۔ اور جانے کیسے انادیہ پہ کڑی نگاہ رکھتے رکھتے اونگھ سی آ گئی تھی۔ انہوں نے ململ کے دوپٹے کو منہ پہ رکھا اور لمحوں میں غافل ہو گئیں۔

آہ یہ بڑھاپے کی نیند۔

انادیہ نے گڑیا اٹھا کر تخت پہ پٹخی اور تیزی سے اٹھ کر ماں کو دیکھنے صحن میں گئی۔ ماں کپڑوں کو رگڑنے میں مگن تھی۔ اس نے چپکے سے آ کر دادی کے تکیے تلے ہاتھ گھسایا۔ ہلکی سی سرسراہٹ کے ساتھ دادی کا ہاتھ مکھی اڑانے والے انداز میں اٹھا اور پھر ڈھلک گیا۔

نیند کا غلبہ بے پناہ تھا۔

انادیہ نے تسلی سے چابی اٹھائی اور ٹرنک کا تالا کھول کر کپڑے کا تھان نکال لیا۔ خوب صورت، نفیس ملائم سا کپڑا۔ وہ اپنا ہاتھ کپڑے پہ پھیرتی رہی۔ پھر اس نے اپنے پھٹے پرانے کپڑوں کو تنقیدی نظر سے دیکھا۔ اور تھان کھول کر ساڑھی کے انداز میں جسم پہ لپیٹنے لگی۔ وہ اس کھیل میں مگن تھی۔ بے فکر سی۔ جیسے دادی کے اٹھنے کی پروا نہ ہو۔

بہت دیر تک وہ ساڑھی لپیٹے بیگم صاحبہ بنی گھومتی رہی۔ چونکی تو تب جب دادی آستینیں چڑھائے اس کے ننھے وجود کو دبوچے دھموکوں سے دھنک رہی تھیں۔ دادی کے گھٹنوں تلے دبی انادیہ چیختی رہی۔

"بچاؤ۔۔۔ ماں بچاؤ۔ دادی سے بچاؤ۔"

لیکن ماں نے اس کی کوئی فریاد نہ سنی۔ وہ مگن سی کپڑے دھوتی رہی۔ ماں ایسی ہی "بے حس" ہو چکی تھی۔ دنیا میں کوئی بھی واقعہ رونما ہو جاتا۔۔۔ ماں کو ہوش نہ تھا۔ وہ ایسے چونک کر دیکھنے لگتی جیسے نیند سے جاگی ہو۔ ادھ کچی ادھ پکی نیند۔ اور اس وقت انادیہ کی بھیانک چیخوں پہ بھی وہ مگن سی کام میں لگی رہی۔ اور انادیہ دادی کے ہاتھوں پٹتی رہی۔

"منحوس، پتھر پھاڑ نگہ (نگاہ) والی۔۔۔ کپڑے کو نظر لگاتی تھی۔" دادی ہاتھ ملتی تھان کو لپیٹتی رہی۔ انادیہ سر جھکا کر گھٹنوں میں دبے سسکاریاں بھرتی رہی۔

دادی نے تھان سمیٹا اور درزن کو پیغام دے کر بلایا۔ وہ آج ہی کٹائی اور سلائی کا کام مکمل کروانا چاہتی تھیں۔ انہیں انادیہ کی پتھر پھاڑ نگاہ سے پورا یقین تھا کہ اس کپڑے کے ساتھ کچھ اچھا نہیں ہو گا۔ سوٹ سل بھی گیا تو پہننا نصیب نہیں ہو گا۔ مگر حیرت انگیز طور پر دادی کا سوٹ اسی دن سل گیا۔ دادی دیکھ دیکھ کر نہال ہوتی تھیں۔ ساتھ لگا لگا کر خوش ہوتی تھیں۔ درزن اپنی سلائی لے کر نکل گئی، اسی وقت دودھ والا پہنچ گیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

مہینے کی پہلی تاریخ تھی۔ دودھ والے کو حساب کے بعد روپے دینے تھے۔ دادی اس کام میں لگ گئیں۔

اور کچن کے چوکھٹے میں بیٹھی اناویہ رینگتی ہوئی برآمدے کے فرش پہ گھسٹتی چارپائی تک آگئی۔ پھر اس نے دادی کے خوب صورت سوٹ پر ہاتھ پھیرا تھا۔ اور دوسرے ہی پل مشین کے ڈبے سے قینچی اٹھائی اور وہ دادی کی قمیص کو کاٹنے لگی۔ اگلے ہی پل چارپائی کے اوپر ننھی منی کترنوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا۔ اور اناویہ رینگتی ہوئی واپس باورچی خانے کے چوکھٹے میں چوکڑی مار کر آم کی پھانک چوسنے لگی تھی اور دادی واپس آکر ڈھیر کو اٹھائے اپنا سینہ پیٹ رہی تھیں۔ سرما کے دنوں میں دادی لحافوں میں ڈورے ڈلواتی تھیں اور اماں سے مربے اور چٹنیاں بنوا کر اپنے چسکے کے لیے محفوظ کر لیتیں۔ ان مربوں پہ ناصر اور اناویہ کا کوئی حق نہیں تھا۔ ہاں ابا کو ضرور حصہ مل جاتا۔ اور ابا بھی گھر میں ہوتے تو اناویہ کو سوکھی روٹی بنا سالن کے کھاتے دیکھ کر چپکے سے اپنی کٹوری فرش پہ اناویہ کی طرف کھسکا دیتے۔

اکثر خشک میوے جیب میں بھر کر لے آتے اور اناویہ کے تکیے تلے رکھ کر نکل جاتے۔ گھر آتے تو مونگ پھلی اور ریوڑیاں ضرور لاتے۔

گھر میں جمعرات کے دن گوشت پکتا تھا۔ دادی ماں کے سر پہ کھڑی ہو جاتیں۔ اور ایک ایک بوٹی گن کر ہانڈی میں ڈلواتیں اور اپنے لیے بھنا ہوا سالن الگ سے نکلوا لیتیں۔۔۔ باقی سالن میں پانی کا جگ انڈیل دیا جاتا تھا۔ دادی تھوڑے سے شوربے کو تین وقت کے لیے، بہت لمبا کرنا جانتی تھیں۔

اس دن بھی دادی نے اپنی کٹوری بھر کے الگ کر لی تھی۔ پھر ماں سے تازہ پھلکے بنوائے۔۔۔ اسٹیل کا لسی سے بھرا گلاس لے کر وہ اپنی چارپائی کی طرف بڑھ رہی تھیں جب منڈیر سے لٹکتی اناویہ نے بھری ہوئی راکھ کی بالٹی دادی کے سر پہ الٹ دی تھی۔ دادی کے ہاتھ سے چنگیر گر پڑی۔ سالن، روٹی اور لسی بھی راکھ سے گرد آلود۔ نیچے دادی کی گالیاں اور کوسنے۔ اوپر اناویہ کے اونچے اونچے قہقہے۔

"بدبخت، تو کبھی چین نہ پائے۔ ساری عمر تڑپتی رہے۔۔۔ رذیل بوڑھی دادی کو خوار کرتی ہے۔"

"اور دادی! اللہ تجھے بھی کیڑے ڈالے۔ اور تو جلدی مرے۔ قبر میں تجھے لمبے لمبے سانپ کاٹیں۔ اور ہمارا جو خون چوس کے تو کھاتی پیتی ہے۔ کیڑے تیرا خون چوسیں۔" اناویہ کو ڈنکے کی چوٹ پہ منہ بھر بھر کے جواب دینا آ گیا تھا۔ وہ اب دادی سے ڈرتی نہیں تھی۔ سینہ تان کر مقابلہ کرتی تھی۔

"تباہ ہو جائے تو۔۔۔ بدبخت! ایک پل بھی چین نہ پائے تو۔" دادی جھولی اٹھا اٹھا کر بددعائیں دیتی۔ اور اس کی کاموں میں مگن سی ماں اس کے لیے دہل جاتی تھی۔ اور خونی نگاہوں سے دادی کو دیکھنے لگتی تھی۔ مگر دادی کو روکنے یا ٹوکنے کی ہمت نہیں رکھتی تھی۔ ہاں اس کی آنکھوں سے آنسو ضرور گرتے تھے۔ جنہیں کوئی بھی چننے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا تھا۔

سرما کے ان دنوں میں ماں کو تاپ چڑھ گیا۔ جیٹھ کی گرمی والا تاپ۔ بخار ایسا چڑھا کہ اترنے کا نام ہی نہ لیا۔ گھر کا نظام ابتر تھا۔ برابر سے تائی آتی اور تھوڑا بہت کام کر کے چلی جاتیں کیونکہ تائی کو دیکھ کر دادی پہ جنون چڑھ جاتا تھا۔ وہ ماں سے بھی زیادہ دادی کی ناپسندیدہ بہو تھیں۔

دادی کو اگر کسی سے پیار تھا تو وہ افراہیم تھا۔ جو اناویہ کو زہر لگتا۔ صرف اس لیے کہ وہ دادی کو پیارا تھا اور جو شخص دادی کو پیارا ہوتا اس سے اناویہ کا علی الاعلان بیر تھا۔

وہ اسے اکثر سمجھاتا۔

"دادی سے بدتمیزی نہ کیا کرو۔ وہ ہماری بڑی ہیں۔ زبان کی تلخ ہیں تو کیا ہوا۔۔۔ ان کی عزت کیا کرو۔"

"اس چینی کی بوری کو اٹھا کر اپنے گھر لے جاؤ۔ پھر میں پوچھوں گی زبان کی میٹھی ہیں یا تلخ۔" وہ لال ٹماٹر چہرہ لیے چھت پہ چڑھ جاتی۔ افراہیم اپنی منڈیر پہ بیٹھا

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

رہتا تھا۔ کتاب سامنے رکھے۔ وہ بہت پڑھاکو بچہ تھا۔
"ہمارے گھر نہیں آتیں وہ۔۔۔" وہ حسرت سے کہتا تھا۔
"تمہاری ماں میری ماں کی طرح مار نہیں کھاتی نا۔" اس کا انداز بہت تلخ ہوتا تھا۔ اتنی سی عمر میں وہ بہت تلخ اور ترش ہو چکی تھی۔
"جانے دادی اتنی ظالم کیوں ہیں۔" افراہیم افسردہ ہو جاتا۔
"دادی کے اندر بد روح ہے اس لیے۔" اناديہ نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا تھا۔
"اور جانے چچی دادی سے پٹتی کیوں ہیں؟ ان کا ہاتھ کیوں نہیں روکتیں؟" وہ اپنا ٹیسٹ بھول کر چچی کے غم میں آدھا ہونے لگتا تھا۔
"ان کا ہاتھ ماں نہیں۔ میں روکوں گی۔" اناديہ نے اپنے خطرناک عزائم کا اعلان کیا تھا۔

"تم کیا کرو گی؟" افراہیم نے حیران ہو کر پوچھا تھا۔
"میں دادی کو مزہ چکھاؤں گی۔ جیسی تکلیف ماں کو دیتی ہیں۔ ویسی تکلیف دوں گی۔" اناديہ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔ افراہیم کا منہ کھل گیا۔
"تم کچھ غلط نہیں کرو گی؟"
"اوں ہوں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا تھا۔ "میں کچھ نہیں بہت کچھ غلط کروں گی۔" اس کے ارادے اچھے معلوم نہیں ہوتے تھے۔ یہ ماں کے تاپ چڑھے دنوں کی بات تھی۔ بخار میں ماں کا جسم تنور بنا تپ رہا تھا۔ اور دادی کو حریرہ کھانے کا جنون سر پہ سوار ہو گیا۔
"اری' میں کہتی ہوں۔ کب تک بہانا بنا کر بستر توڑے گی! نامراد' اٹھ بھی جا۔ کیا میں حریرہ کھائے بغیر دنیا سے چلی جاؤں گی؟" دادی کی زبان کا چسکہ ماں کے لیے وبال بنتا جا رہا تھا۔ آخر کار ماں بے چاری بخار سے ٹوٹتے بدن کے ساتھ باورچی خانے میں گھس گئی تھی۔
ادھر اناديہ کا مارے غصے کے حشر ہو گیا۔ لیکن زبان جیسے تالو سے چپک گئی تھی۔ وہ اندر ہی اندر تلملاتی تھی۔
"دادی! تو نہیں مرتی۔۔۔ ہماری بوٹیاں نوچ کر ہی مرے گی۔"
"اے ندیدی! تو کیا بڑبڑاتی ہے۔" دادی جان بوجھ کر اسے چھیڑتیں۔ وہ بولتی تو نہیں تھی۔ تاہم خونی نظروں سے دیکھتی ضرور تھی۔
"تیرے مرنے کی دعا کرتی ہوں دادی! تاکہ ماں کی تجھ جیسے عذاب سے جان چھوٹ جائے۔" وہ خلاؤں میں دیکھتی عجب بے بسی کا شکار نظر آتی تھی۔
پھر اس دن ماں نے حریرہ تو بنایا مگر دل سے نہ بنایا۔ بخار میں تپتے ہوئے بنایا تھا تو کیسے دل سے بنتا۔ دادی کو چکھتے ہی ابکائی آ گئی۔ ذائقے پہ تو کوئی سمجھوتہ نہیں کرتی تھیں۔ بلکہ کسی بھی چیز پہ سمجھوتہ کرنا ان کے لیے گناہ تھا۔ انہیں حریرہ پسند نہ آیا۔ سوئے اتفاق کو تبھی ڈنڈا ان کے قریب ہی رکھا تھا۔ انہوں نے ڈنڈا اٹھا کر ماں کو دے مارا۔ کچن میں جاتی ماں وہیں فرش کے اوپر ڈھیر ہو گئی تھی۔ جانے ماں کو چوٹ کہاں آئی؟ سر پہ' جسم پہ یا روح؟ یا پھر کہیں بھی نہیں۔
ماں درد سے بلبلاتی تڑپتی رہی۔ ساتھ والے گھر سے افراہیم اور تائی بھاگتے ہوئے آئے اور ماں کو اٹھا کر حکیم جی کے پاس لے گئے۔ اور وہاں سے ہڈی جوڑ کے پاس۔ ماں کا ٹخنہ اتر گیا تھا۔ اور ٹانگ سوج گئی تھی۔
ماں گھر آئی تو پہلے سے زیادہ زرد اور ویران تھی۔ درد اس کی آنکھوں میں جم گیا تھا۔ اور وہ پوری رات کراہتی رہی تھی۔ ابا بے چینی سے اٹھتے' ماں کو ہلاتے' کبھی گھٹنا دباتے یا باورچی خانے سے صافی اٹھا کر گرم کرتے اور ماں کے جسم کے دکھتے حصوں کو ٹکور کی جاتی
ابا کو کبھی پتا ہی نہیں چلا تھا کہ ماں کو یہ چوٹیں کہاں سے آتی ہیں؟
وہ رات کی تاریکی میں ابا کی ہلکی سی آواز سنتی تھی۔
"دھیان سے چلا کرو۔ آئے دن کبھی گھٹنا اترا ہوتا ہے اور کبھی ٹخنہ۔" ابا کی دھیمی آواز اور ماں کی جواباً" خاموشی۔ عجیب عورت تھی۔ کبھی بتا ہی نہ سکی کہ یہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

چوٹیں گرنے اور فرش پر پھسلنے سے نہیں آتیں۔ کیا پتا ابا "باخبر" بھی ہوں مگر جان کر نظرانداز کر دیتے ہوں۔

انادیہ کے من میں کچھ دھیرے دھیرے سلگتا تھا۔ ایک اخگر' ایک انگاری۔ دل چاہتا۔ پنکھے کے سامنے لیٹی' چین کی نیند میں گم اس بڑھیا کی گردن پہ اپنا پنجہ جما آئے۔ اس کا گلا گھونٹ آئے۔

پھر ماں کی بیماری کا دورانیہ طویل ہو گیا۔ ناصر نے اسکول جانے سے صاف انکار کر دیا۔ وہ سارا دن آوارہ لڑکوں کے ساتھ گلی ڈنڈے میں مگن رہتا یا پتنگیں اڑاتا۔ البتہ انادیہ اسکول جاتی تھی۔ اور افراہیم کے ساتھ ہی اسکول جاتی اور آتی۔

اس دن وہ اسکول سے واپس آئی تو دادی باورچی خانے میں برتن پٹخ پٹخ کر گالیاں بک رہی تھی

"اس عمر میں سیاپے گلے پڑ گئے۔ ارے تو مرتی کیوں نہیں؟ مرجا تاکہ تیرا منحوس جسم مٹی تلے دبا آئیں۔ اس گھر کے لیے کوئی اور لے آئیں۔"

انادیہ نے بستہ چارپائی پہ پھینکا اور ماں کے قریب آ گئی۔ دادی کی بکواس پہ ماں کی آنکھوں سے سیل رواں جاری تھا۔ بکتی جھکتی دادی تو اندھی تھی اندھی۔ اسے ماں کی آنکھوں میں زندگی مرتی دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔ انادیہ کی نیلی آنکھیں پہلی مرتبہ آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں۔ وہ تیزی سے ماں کی طرف بڑھی اور اس سے لپٹ گئی۔ "دیا... پانی۔" ماں نے ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں پانی مانگا تو وہ بھاگتی ہوئی پانی لینے کے لیے گئی۔ لیکن دیکھا تو میٹھے پانی کا گھڑا خالی تھا۔ ان دنوں موٹریں عام نہیں تھیں۔ شاذ ہی کسی کے گھر موٹر ہوتی۔ پانی نلکوں سے بھر کے لایا جاتا تھا۔ کیونکہ انادیہ کے گھر کا پانی زمین میں خرابی کی وجہ سے کھارا ہو چکا تھا۔

وہ کٹورا اٹھا کر افراہیم کے گھر پانی لینے کے لیے بھاگی تو دادی چیل کی طرح اس پہ جھپٹ پڑیں۔

"منحوس! سارا دن آوارہ گردی کرتی رہتی ہے۔ ٹانگیں ٹوٹتی ہیں گھر کے اندر بیٹھتے ہوئے۔ باہر نکلی تو جان نکال دوں گی۔"

"ماں کو... پانی۔" انادیہ کا حلق سوکھ گیا۔ اور باقی الفاظ منہ میں گھٹ کر رہ گئے تھے۔ اسے ماں کی مرتی ہوئی آنکھوں میں پیاس نظر آتی تھی۔ اور سوکھے نیلے پڑتے ہونٹ۔ اس کی جان نکلنے لگی۔ ہاتھ سے کٹوری چھوٹنے لگی۔ وہ دادی کا ہاتھ چھڑا کر بھاگنے لگی۔

"کمینی رک۔" دادی نے اپنی پسندیدہ گالی کے ساتھ جوتی اتار کر انادیہ کی طرف پھینکی۔ انادیہ نے جھک کر خود کو جوتی کے نشانے سے بچایا تو دادی کو اس ناکامی پہ تاؤ چڑھ گیا تھا۔

"یار خصم بٹھا رکھا ہے۔ جس کے لیے بھاگ بھاگ کر جاتی ہے۔ تیرا باپ آتو لے۔ اسے بتاتی ہوں۔" دادی کفر بکنے لگی۔

"کس کے ساتھ آنکھیں مٹکا رکھی ہیں۔ رذیل بتاتی تو جا۔" دادی نے گملا اٹھا کر اسے دے مارا تھا۔ مٹی کا گملا ٹوٹ کر کئی حصوں میں بٹ گیا۔ اور ایک نوکیلا ٹکڑا انادیہ کے پیر پہ جا لگا۔ لمحوں میں اس کا پیر خون آلود ہو چکا تھا۔

وہ بھل بھل نکلتے خون کی پروا نہ کرتے ہوئے بھاگی بھاگی چچی کے گھر پہنچی۔ گیٹ بند تھا۔ کھلنے میں بھی وقت لگا۔ اوپر سے اس کی چپل خون میں بھیگ رہی تھی۔ پاؤں کے تلوے پہ چپچپاہٹ اور رطوبت سی محسوس ہوتی' یوں لگتا' جیسے ابکائی آجائے گی۔ افراہیم نے خون دیکھا تو چیخ پڑا۔

"رکو نندی میں تمہیں پٹی لگا دوں... اتنا خون۔"
وہ افراہیم کی پکار کو نظرانداز کرتی پانی لے کر گھر پہنچی تو دادی سامنے کہیں نہیں تھی۔

انادیہ بھاگ کر ماں کے کمرے میں پہنچی۔ ماں اپنے کمرے میں بستر کے اوپر موجود تھی۔ ماں کا چہرہ دروازے کی سمت تھا۔ اور آنکھیں تاڑ سے کھلی تھیں۔ ماں انادیہ کا انتظار کر رہی تھی۔

سرد پتھری آنکھوں میں کہیں پیاس موجود تھی۔ وہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بھاگتی ہوئی ماں کے قریب آئی۔ اس نے ماں کی گردن میں بازو ڈال کر ماں کو اٹھایا۔ اس کے لبوں سے پانی کی کٹوری لگائی۔

"اب کھولو نا منہ... پانی پی لو ماں۔" وہ پکارتی رہی۔ جھنجوڑتی رہی۔ ماں کو جگاتی رہی۔

"کوئی کھلی آنکھوں سے بھی سوتا ہے ماں۔ اٹھ بھی جاؤ۔ پانی تو پیو۔" وہ پیر سے نکلتے خون کی پرواہ کیے بغیر چیختی رہی۔ روتی رہی۔ ماں کو جھنجوڑتی رہی اور وہ بڑھیا کسی بد روح کی طرح انادیہ کے پیچھے آ کھڑی ہوئی۔ ساکت' حیران اور ششدر۔

"یہ تو مر چکی ہے۔" دادی کی آواز میں پہلی مرتبہ سنسناہٹ بھری تھی۔ ایک خوف' ایک وحشت سی آس پاس چکرانے لگی۔ دادی خوفزدہ سی دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ انادیہ نے ماں کی پتھر آنکھوں پہ ہاتھ رکھا اور بھری ہوئی کٹوری کو خونی نظروں سے دیکھنے لگی۔ پھر اس نے آؤ دیکھا نہ تاؤ مٹی کی وہ کٹوری اٹھا کر دادی کے سر پہ دے ماری۔ اس وقت اس کے سر پر خون سوار تھا۔

اس کی خونی آنکھوں میں وحشت بھری ہوئی تھی۔

وہ وحشت اس کی پوری زندگی پہ محیط ہو گئی تھی۔ ماں مر گئی مگر اپنے پیچھے اس کے لیے پیاس چھوڑ گئی۔ نفرت کی پیاس۔

اس پیاس نے انادیہ کو بڑے گہرے اور گھاؤ دینے والے اسباق کے مفہوم سمجھائے تھے۔ اسے نفرت کو سیکھنا' پڑھنا اور سمجھنا آ گیا تھا۔ اسے نفرت کو برتنا' پہننا اور اوڑھنا آ گیا تھا۔

اسے دادی سے شدید نفرت تھی۔ یہ نفرت دن بدن بڑھتی رہی۔ اس کا نہ کوئی انت تھا نہ کوئی شکار.... ماں کے جنازے پہ دادی اپنا پھٹا ہوا سر سب کو دکھاتی اور اپنے لیے ہمدردی بٹورتی تھی۔ اور انادیہ بنجر آنکھوں سے سب کے چہروں کو پڑھتی۔ وہاں پہ اس کے لیے کوئی اچھے تاثرات نہیں تھے۔

ہر کوئی اسے برا سمجھتا۔ کیونکہ دادی اسے برا ثابت کرنے پہ تلی ہوئی تھی۔

وہ ہر کسی کو انادیہ کی بدزبانی' بدتمیزی' تلخی اور زبان درازی کا بتاتی تھیں۔ وہ بری تھی۔ دادی نے اسے بدترین بنانے کا کام کیا۔ اس کے اندر سے بچی کھچی اچھائی کو بھی اکھاڑ کر رکھ دیا تھا۔

وہ ماں کے سارے بدلے دادی کو تکلیف دے کر لیتی تھی۔ اسے اپنے دشمنوں کو تکلیف دے کر ایک فرحت انگیز لذت کا احساس ہوتا تھا۔ یہ ایک سرور بخش سی کیفیت' جس کا کوئی نام نہیں تھا۔ حالانکہ اس کیفیت کا ایک نام ضرور تھا۔ جس سے انادیہ قطعی طور پر ناآشنا تھی۔

ماں کے بعد دادی کے جلد ہی سارے کس بل نکل گئے تھے۔

ایک دن سیڑھیوں سے گری اور چارپائی کی ہو کر رہ گئیں۔ ٹانگ تین جگہ سے ٹوٹ گئی تھی۔ سارا دن بستر پہ پڑی چلاتی رہتی تھی۔ انادیہ کا موڈ ہوتا تو بات سنتی ورنہ ریڈیو لگا کر گانے انجوائے کرتی رہتی۔

بھوکی پیاسی دادی کی آہیں برابر والے گھر تک بھی پہنچتی تھیں۔ اور وہاں سے ایک چہرہ فوراً" ہی نمودار ہوتا۔ ہاتھ میں ٹرے پکڑے۔ وہ دیوار پھلانگ کر آتا تھا۔ دادی کو روٹی کھلاتا۔ دودھ میں بھگو بھگو کر۔ انہیں چائے پلاتا اور دوائی بھی دیتا۔ پھر ان کی ٹانگوں میں مالش کرتا۔ ان کے پیر دباتا اور اچانک انادیہ کے سامنے تیور بگاڑے کھڑا ہو جاتا۔

"دادی کو بھوکا کیوں رکھتی ہو؟ انہیں روٹی نہیں دیتیں۔ صرف دودھ' چائے یا گلوکوز... کیوں؟" اس کی برہمی پہ انادیہ ناک چڑھا لیتی تھی۔ پھر غصے میں پھنکار کر کہتی۔

"ٹھوس غذا نہیں دے سکتی۔ دادی کی غلاظت کو کون سمیٹے گا پھر۔"

"انادیہ... تم۔" وہ خون کے گھونٹ بھر کے رہ جاتا تھا۔ "تم اس وجہ سے دادی کو بھوکا رکھتی ہو؟"

"ہاں..." انادیہ تسلیم کر لیتی تھی۔ اور افراہیم ساکت رہ جاتا۔

پھر دادی کو ایک دن فالج کا اٹیک ہوا تو رہی سہی کسر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

بھی نکل گئی تھی۔ لاحتی المقدور دادی کا علاج کروا رہے تھے۔ لیکن طبیعت میں کوئی افاقہ نہیں تھا۔

افراہیم حکیم جی سے معجونیں بنوا لاتا اور مالش کے لیے طرح طرح کے تیل بھی۔ وہ ہر ٹوٹکا دادی پہ آزمانا چاہتا تھا تاکہ دادی اپنے پیروں پہ چل سکے۔ لیکن دادی کے اعمال کا "بار" اتنا زیادہ تھا جو کہ جسم اٹھانے کی سکت برداشت نہ کر سکتا۔ دادی تو چل نہ سکی تاہم افراہیم ضرور تھک گیا۔

"مجھے نہیں لگتا دادی اب ٹھیک ہو سکیں گی۔"

"تمہیں اب پتا چلا۔ میں تو اول روز سے جان گئی تھی۔" وہ کچی گاجر کترتی مزے سے بولی تھی۔ افراہیم اسے سنجیدگی سے دیکھنے لگا۔

"تم ایسی کیوں ہو؟"

"کیسی؟" وہ حیران ہوئی۔

"اتنی سخت دل۔" افراہیم نے عجیب سے لہجے میں کہا تھا۔ انادیہ ہنسنے لگی۔ پھر صحن میں چارپائی پہ دھوپ سینکتی نیم غنودہ دادی کی طرف اشارہ کر کے بولی۔

"اس عورت کی وجہ سے۔" اس کے لہجے میں بے انتہا نفرت تھی۔ "میرا بس چلے تو اس عورت کو اپنے ہاتھ سے مار ڈالوں۔"

"انادیہ۔" افراہیم تھرا گیا تھا۔ پھر نفی میں سر ہلاتا پیچھے ہٹنے لگا۔ اس کے چہرے پہ خوف سا پھیل رہا تھا اور اسے انادیہ کی نیلی آنکھوں میں اتری وحشت سے وحشت ہونے لگی تھی۔ پھر وہ کچھ کہے بغیر اپنے گھر چلا گیا۔

اس رات آسمان سے سرما کا مینہ برستا رہا۔ ٹوٹ ٹوٹ کر بھر بھر کر۔

باہر بارش کا ایک طوفان تھا۔ پانی ہی پانی۔

اور اندر دادی کے لب پیاسے تھے۔ سوکھے، بے جان، کھلی آنکھیں۔۔۔ باہر کو نکلی پیاسی زبان۔۔۔ اور لبوں سے ادا ہوئے ٹوٹے پھوٹے الفاظ۔ "پا۔۔۔ن۔۔۔ی" وہ زبان باہر نکالتی اور اندر کرنے کی طاقت نہ رکھتی۔ پوری رات وہ پانی کے لیے تڑپتی رہی۔ باہر پانی برس برس کا دیوانہ ہو رہا تھا۔ اندر انادیہ آرام سے لحاف میں منہ دیے سوتی رہی۔

صبح اٹھی تو ٹوٹے گملوں، اکھڑے پودوں اور ٹوٹے پانی کے گھڑے کی طرف لپکتی دادی آدھی پلنگ سے نیچے اس حال میں لٹک رہی تھی کہ ان کا پورا وجود ٹھنڈ سے برف بن کر اکڑا ہوا تھا۔ دادی کا جسم "بے جان" پڑا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

وقت کی چال اور زندگی کی کتاب میں ان گنت آنسوؤں کے مٹے نشان اسے بار بار یادوں کے صحرا میں لے جاتے تھے۔ یادیں جو کبھی ساتھ نہیں چھوڑتیں۔ یادیں جو ہمارے اعمال کی طرح ہمیشہ ساتھ رہتی ہیں۔ یادیں گناہوں کی طرح پیچھا کرتی ہیں۔ انسان ساتھ چھوڑ بھی جائے تو یادیں کبھی تنہا نہیں چھوڑتیں۔

وہ اپنے سرکاری بنگلے کے وسیع و عریض لان میں مگن نوکروں کو دیکھتی۔ کبھی مالی کو ہدایت کرتی اور کبھی گارڈ کو چوکنا رہنے کی تلقین کرتی۔ کبھی ڈرائیور کو سمجھاتی، بچوں کو وقت پہ اسکول سے لیا کرے اور کبھی اندرون خانہ ملازم عورتوں کو کام کے حوالے سے ہدایات دیتی۔

اس کے آس پاس بڑی مصروفیات بکھری تھیں اور وہ "بیگم صاحبہ" بن کر پورا دن بھی نوکروں کو کاموں کی ہدایت کرتی تب بھی نہ تھکتی۔۔۔ یہ مصروفیت ان صحرا صحرا کر دینے والی یادوں سے، بہت اچھی تھی۔ لیکن پھر رات کا ایک پہر آتا۔ اور یادوں کا ایک بند رستہ کھل جاتا۔ ایک جادوئی رستہ، جو اسے ماضی کی بھول بھلیوں میں لے جاتا۔۔۔ اور ماضی بعید تو نہیں تھا۔ ماضی تو قریب ہی تھا۔ جیسے ابھی کل ہی کی بات ہو۔

وہ سرخ زرتار آنچل تلے ان گنت خوابوں کی تتلیاں پکڑے افراہیم کے ہمراہ اس کی محبت کے حصار میں اس گھر کی چھاؤں میں آئی تھی۔ جو افراہیم کے ابو کا گھر تھا۔ انہوں نے افراہیم کے لیے بڑی ہی محبت سے بنوایا تھا۔ وہ خود بھی سرکاری افسر تھے۔ انہوں نے اپنی ساری جمع پونجی اس گھر میں لگا دی تھی۔ جس میں لمبے عرصے تک رہنا انہیں نصیب نہیں ہوا تھا۔ افراہیم کی بے تحاشا محبت، توجہ اور پیار کے ساتھ اپنے تین بچوں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

کی جنت میں روبا کسی ملکہ کی طرح شان کے ساتھ جیون بتاتی تھی۔

اس گھر میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ وہاں ہر چیز کی فراوانی تھی۔ محبت' پیار' توجہ اور وقت بھی۔

اور پھر روبا کی جنت کو کسی "بدنظر" کی نظر لگ گئی۔

افراہیم کی ماں کہتی تھیں "یہ ساتھ والی کی نظر بڑی خطرناک ہے۔ میری ساس کو اپنی اس پوتی کی نظر سے بڑا خوف آتا تھا۔ وہ کہا کرتی تھیں۔ "اس کی نظر پتھر پہ پڑے تو پتھر پھاڑ دے۔"

بہت سال تک وہ اپنی ساس کے اس فرمان کو نظر انداز کرتی رہی۔ جھٹلاتی رہی۔ وہ کسی وہم میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ وہ کسی شیطانی وسوسے کی زد میں کیوں آتی۔

اسے لگتا' یہ توہم پرستی ہے اور کچھ نہیں۔

ورنہ اناویہ کی نظر ایسی تو نہیں تھی۔ شاید یہ خیال اسی طرح قائم رہتا۔ لیکن پھر آہستہ آہستہ روبا کو احساس ہونے لگا تھا کہ اناویہ کی "نگاہ" کا زہر کیسا تھا؟ جس طرف نگاہ کرتی۔ زہر زہر کر دیتی اور جس پہ جم جاتی۔ اسے سانپ کی طرح ڈس لیتی۔

شادی کے کچھ ہی عرصہ کے بعد جب روبا نے اناویہ سے ملنے اور پچھلے روابط کو قائم رکھنے کی خواہش کا اظہار کیا تو افراہیم نے اسے بڑی نرمی اور محبت کے ساتھ منع کر دیا تھا۔

"پچھلا دوستانہ بھول جاؤ جان! اب نئے دوستوں سے دوستی نبھاؤ۔" افراہیم کے نرم لہجے میں ایک واضح تنبیہہ تھی۔ وہ اسے اناویہ سے ملنے نہیں دینا چاہتا تھا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ اناویہ گھر اس کی بغل میں تھا اور وہ نہ صرف روبا کی پرانی سہیلی تھی بلکہ ہونے والی بھابھی بھی۔۔۔ پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ روبا اناویہ سے دور رہ سکتی۔

"وہ میری ہونے والی بھابھی ہے۔ ملوں گی نہیں تو تعلقات کیسے بنیں گے؟ کل کو رشتہ داری کیسے نبھے گی؟" روبا کی سادہ سی آنکھوں میں تفکر بھر جاتا تھا۔ تب افراہیم ملائمت سے اسے سمجھاتا۔

"رشتے کبھی ٹوٹتے نہیں۔ ملیں یا نہ ملیں۔ رشتہ وہیں رہے گا۔ مجھے پسند نہیں کہ تم اناویہ سے ملو۔ ہماری اس کے ساتھ کیمسٹری نہیں ملتی' بس یہی سمجھ لو۔"

"مگر وہ میری بھابھی ہے۔ کل کو مجھے بھائی کے گھر میں گھسنے بھی نہ دے گی۔" روبا کو آنے والے "خدشات" میں گھرا دیکھ کر افراہیم بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

"تو نہ گھسنے دے۔ آپ ہمارے گھر میں رہیں اور ہمارے دل میں رہیں۔ یہاں سے نکلیں گی تو کہیں اور جائیں گی۔" افراہیم کا مخمور لہجہ اور بے پناہ چاہت۔۔۔ اسے مزید تکرار سے کوسوں دور لے جاتی تھی۔ وہ بے بس ہو جاتی۔ چپ کر جاتی۔ مگر اپنے دماغ میں گھسنے والے سوالوں کو کیسے روک پاتی؟

"افراہیم اور اماں اناویہ کو کیوں پسند نہیں کرتے؟ ان کا آنا جانا بھی برائے نام ہے؟ آخر کیوں؟" اور سب سے بڑا سوال؟ افراہیم نے ایسی قیامت کزن کے ہوتے ہوئے روبا سے شادی کیوں کی تھی؟

پھر ایک دن روبا نے افراہیم سے باتوں باتوں میں یہ سوال پوچھ لیا تھا۔

"مجھے تو حیرانی ہے۔ آپ کے پڑوس میں ایسا نایاب حسن اور آپ پھر بھی نئی دریافت میں سرگرداں رہے۔ کیا گھر میں موجود رو پہلی چاندنی کی قدر نہیں تھی؟" روبا کا سوال اور گہرا لہجہ۔ افراہیم صاف سمجھ گیا تھا۔ اس کا اشارہ کس طرف ہے۔

اس نے گہرا سانس بھرا اور آنگن میں پھیلی ٹھنڈی چاندنی سے لطف لینے لگا۔ وہ اس وقت رات کے دوسرے پہر' صحن میں بیٹھے تھے۔ آنگن میں اتری پورے چاند کی رات سے لطف اٹھانے کے لیے۔ چندرماں کی رات تھی۔ ٹھنڈی' روشن اور دھلی دھلائی۔

"سمجھ لو عقل پہ پتھر پڑ گئے تھے۔" افراہیم کا انداز غیر سنجیدہ تھا۔ روبا خفا سی ہو گئی تھی۔ پھر اس نے اپنا سر افراہیم کے کندھے سے ٹکا دیا تھا۔ افراہیم نے خود سپردگی کے اس خوب صورت احساس کو سمیٹتے ہوئے

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

روبا کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔
"یوں سمجھ لو۔ انادیہ کے لیے ایسی کبھی فیلنگز محسوس نہیں ہوئیں۔ اس کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ نہ اس نے کبھی ایسا کوئی موقع فراہم کیا۔"
"تو گویا اگر وہ موقع فراہم کرتی تو آپ سر کٹوانے کے لیے تیار تھے۔" روبا کی خفگی بھری آواز پہ افراہیم نے بڑا ہی مزہ لیا تھا۔ یعنی روبا' انادیہ سے جیلس ہو رہی تھی۔
"اب ایسا فالتو سر بھی نہیں تھا۔ جو کٹوانے کے لیے پیش کر دیتا۔" اس نے روبا کو انادیہ سے جیلسی کے اس حصار میں سے نکال لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا۔ روبا جیلس ہو کر بھی انادیہ کو سوچے یا اسے اپنے حواسوں پہ سوار کرلے۔
"تو پھر؟" وہ آنکھوں میں ڈھیر ساری خفگی سمو کو پوچھ رہی تھی۔
"تو پھر یہ کہ۔۔۔ تم آئی تھیں کاشف کا رشتہ لے کر برابر والے گھر میں۔۔۔ آنٹی فرزانہ نے اماں کو بھی بلا لیا تھا۔ تب تم اماں کو بہت اچھی لگی تھیں۔۔۔ اور میں نے یہاں چھت سے تمہیں دیکھا تھا۔ تو تم مجھے بھی بہت اچھی لگیں۔ جب میں گیٹ پہ تمہاری اماں سے ملنے آیا تو تم اپنی اماں کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔ مجھے تمہاری وہ ادا بہت اچھی لگی۔ اور پھر۔" افراہیم بہت محبت سے کہتے ہوئے کہیں کھو سا گیا تھا۔ جیسے وہی لمحہ آنکھوں میں آن بسا ہو۔
"اور۔۔۔؟" روبا نے بے چینی کے عالم میں اس کا کندھا ہلایا۔۔۔ افراہیم نے چونک کر اسے دیکھا۔ اور اس کی بے چینی دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔
"پھر جب تمہیں' تمہارے کالج کے باہر دیکھا۔ میں انادیہ کو کالج سے لینے گیا تھا۔ تمہیں دیکھنے کے بہانے تم تب اپنی دوست کے پیچھے چھپ گئی تھیں۔" افراہیم کے بتانے پر وہ بے ساختہ چونکی تھی۔
"آپ کو وہ چھپنا بھی یاد ہے؟"
"تمہارے حوالے سے مجھے کچھ بھی نہیں بھولتا۔" افراہیم کی وہ یقین دہانیاں اور اس کی وہ بادل کی طرح برستی چاہتیں' وہ محبت لٹاتے دن اور الفت اوڑھتی راتیں۔
افراہیم کہتا تھا۔
"اس کے بغیر وہ ادھورا تھا۔ نامکمل' روبا اس کے وجود کی تکمیل تھی۔"
روبا اس کی زندگی کا "اثاثہ" تھی پھر وہ اپنے اتنے قیمتی اثاثے کو کیسے بھول گیا تھا؟
روبا کو آج بھی وہ دن یاد تھے۔ جب افراہیم اس کی تکلیف پہ تڑپ اٹھتا تھا۔ اس نے روبا کو پرانے گھر میں کسی نادیدہ آسیب کی وجہ سے خوف زدہ دیکھا اور مسلسل دیکھا تو وہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ اس گھر کو تالا لگ گیا تھا۔ یہ لوگ سرکاری بنگلے میں شفٹ ہو گئے۔ یہ بڑا خوب صورت سرسبز بنگلہ تھا۔ سہولتوں سے پر۔ یہاں پہ روبا کو ہل کر پانی بھی نہیں پینا پڑتا تھا۔ پھر بھی وہ خوش نہیں تھی۔ اس لیے کہ وہ اپنے ساتھ پرانے گھر سے دونوں ہاتھ بھر بھر کے ناخوشی اکٹھی کر لائی تھی۔ بنگلے میں آکر اس کی زندگی سے وہ بے نام سا خوف مٹا نہیں تھا۔ لیکن کم ضرور ہو گیا تھا۔ البتہ اماں کی حالت وہی تھی۔ وہ ابھی بھی روبا کو دیکھ کر چیخنے لگتی تھیں۔ اور اگر روبا نہ بھی ہوتی تب بھی چلاتی رہتی تھیں۔
"افراہیم! مجھے اس سے بچالو۔ تمہاری بیوی مجھے مار ڈالے گی۔"
اماں کے ذہن میں انجانا سا یہ خوف بیٹھ گیا تھا۔ پھر افراہیم نے بڑے ہی سائیکاٹرسٹ بدلے مگر اماں کا یہ خوف مٹ نہ سکا۔ اور اگر افراہیم کو کوئی چیز پریشان کرتی تھی تو وہ اماں کی تکلیف تھی۔ اگر افراہیم کو کوئی چیز توڑ سکتی تھی تو وہ اماں کی آنکھ کے آنسو تھے۔ نہ وہ انہیں تکلیف میں دیکھ سکتا تھا نہ وہ اپنی ماں کے آنسو دیکھ سکتا تھا۔ پھر ایک دن اماں کو وہی پرانا دورہ پڑا تو افراہیم نے نوکروں کی موجودگی میں ہی روبا کو ٹوک دیا تھا۔ "جب تم جانتی ہو۔ اماں کو تمہیں دیکھ کر تکلیف ہوتی ہے تو سامنے کیوں آتی ہو؟"
افراہیم کے یہ الفاظ نہیں تھے بلکہ چابک تھے۔ جو روبا کے جسم پہ نہیں' روح پہ لگے تھے۔ نوکروں کے سامنے وہ احساس توہین سے پیلی پڑ گئی تھی۔

(باقی آئندہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1
PAKSOCIETY

www.paksociety.com

نبیلہ عزیز

رات کے بارہ بجے کا وقت تھا۔
ولید ٔنادرا کے سامنے والے صوفے پہ گم صم اور ساکت سا بیٹھا اور اسے سنی ہوئی داستان پر یقین کرنے اور نہ کرنے کے بیچ ڈول رہا تھا۔
کیوں کہ جو کچھ وہ بتا چکی تھی ٔ وہ قابل فراموش تو نہیں تھا۔
رضا حیدر... علی مرتضیٰ کے قاتل تھے... عافیہ بیگم اور ماورا مرتضیٰ کے مجرم تھے اور قاتل اور مقتول کی اولادیں محبت میں گرفتار تھیں۔
معاملہ کہاں سے شروع ہوا تھا اور کہاں پہنچا تھا اور آگے کیا ہونے والا تھا ٔ سب عقل اور سمجھ سے باہر کی باتیں تھیں۔
ولید کی پر سوچ آنکھیں پہنپا رہی تھیں۔
بتاؤ ولید میرا ساتھ دو گے؟ مجھے تیمور حیدر واپس چاہیے... ہر حال میں۔ "نادرا التجا بھی کر رہی تھی تو ایک ضد ٔ ایک ہٹ دھرمی کے ساتھ۔

پینتیسویں قسط

اسپتال کی طویل راہداری ...... میں اشتیاق یزدانی اور آفاق یزدانی بے حد پریشانی اور بدحواسی کے عالم میں ٹہل رہے تھے... قریب ہی صوفے پہ ثمینہ یزدانی نڈھال سی پڑی تھیں۔
ان پہ آج صدمے کا پہاڑ ٹوٹا تھا اور وہ ابھی اس پہاڑ جیسے صدمے سے نکل بھی نہیں پائی تھیں کہ فارہ کی طرف سے ملنے والی خبر سے ان کے پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔

Downloaded From
Paksociety.com
WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اسی لیے تو وہ اب اٹھ نہیں پا رہی تھیں' ان کی تمام ہمتیں جواب دے گئی تھیں۔
"ایکسکیوز می سر!" اچانک آئی سی یو کا دروازہ کھول کر ڈاکٹر باہر آئی تھیں۔
"یس۔۔۔؟" آفاق ڈاکٹر کی آواز سنتے ہی ایک دم چوکنا ہو گیا تھا۔
"ایم سوری سر۔۔۔" "ان کا بی پی کنٹرول نہیں ہو رہا۔۔۔ مجبوراً" "ہمیں آپریشن کرنا پڑے گا۔۔۔ ورنہ بچے کی زندگی کو خطرہ ہے۔" ڈاکٹر نے آفاق سے صاف بات کی تھی اور آفاق نے حیرت سے دیکھا تھا۔
"لیکن ابھی تو سات مہینے کی پریگننسی ہے اور۔۔۔"
"ڈونٹ وری سر! ہمارے پاس ایسے ہزاروں کیس آتے ہیں جن کی ساتویں مہینے ہی ڈلیوری عمل میں آجاتی ہے' دعا کریں کہ بچہ بالکل نارمل' صحت مند اور ٹھیک ہو ورنہ کچھ دن اسے نرسری میں رکھا جائے گا۔" ڈاکٹر نے آفاق کی تسلی کروائی تھی اور مجبوراً" اشتیاق یزدانی کے ہمت دلانے پہ اس نے کاغذات پہ دستخط کر دیے تھے اور خود جیسے دھڑکتے دل اور لرزتے جسم کے ساتھ تھک ہار کے ثمینہ یزدانی کے برابر آ بیٹھا تھا۔ آپریشن تھیٹر کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو سر! اللہ نے آپ کو بیٹے سے نوازا ہے۔" آدھے گھنٹے بعد نرس آپریشن تھیٹر سے خوش خبری لے کے نمودار ہوئی تھی اور آفاق کے ساتھ ساتھ باقی سب کے چہروں پہ بھی خوشی کی لہر دوڑ گئی تھی۔
"فارہ کیسی ہے؟" آفاق نے تو بچے کے لیے خیر مبارک بھی نہیں کہا تھا' بلکہ سب سے پہلے فارہ کا پوچھا تھا۔
"ان کے بارے میں ابھی کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ان کی حالت ابھی خطرے سے خالی نہیں۔ آپ لوگ ان کے لیے دعا کریں۔" نرس ایک طرف ان کو خوش خبری اور دوسری طرف فکر میں مبتلا کرنے کے بعد واپس جانے کے لیے پلٹی اور پھر اچانک رک بھی گئی تھی۔
"اور ہاں۔۔۔ جلد سے جلد بچے کے لیے کپڑے اور اس کی ضروری اشیا ارینج کریں۔۔۔ ضرورت ہے فوراً"۔۔۔" نرس کہہ کر دوبارہ سے آپریشن تھیٹر کے دروازے کے اندر غائب ہو چکی تھی۔
"اف۔۔۔ اب کیا ہو گا؟" آفاق دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام کر وہیں صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔
"دیکھیں آفاق بھائی۔۔۔ آپ ٹینشن نہ لیں۔۔۔ فارہ کو کچھ نہیں ہو گا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔۔۔ اوپر والا بہت رحیم و کریم ہے' کسی کے دل سے نکلی دعا رد نہیں کرتا۔ آپ بھی فارہ کے لیے دعا کریں۔ ان شاء اللہ ضرور قبول ہو گی۔" ساشا نے سمجھ داری کا ثبوت دیتے ہوئے آگے بڑھ کے آفاق کو تسلی دینے کی کوشش کی تھی' تاکہ وہ کوئی ذہنی ٹینشن نہ لے۔ ورنہ اسے نقصان بھی ہو سکتا تھا۔
"انکل پلیز۔۔۔ آپ لوگ بھی پریشان نہ ہوں۔ میں احمد کے ساتھ جا کر مارکیٹ سے کچھ لے آتی ہوں۔ بچے کو کپڑوں کی ضرورت ہے۔"
ساشا ان سب کو تسلی دیتی اور ان کی ہمت بندھاتی ہوئی اپنے چھوٹے بھائی احمد کو ساتھ لے کر قریبی مارکیٹ چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ اس کے ماتھے پہ پٹیاں بھگو کر رکھ رہی تھی' جب بے حد آہستہ سے اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا تھا۔ پہلی نظر ساورا پہ ہی پڑی تھی' لیکن ذہن اور حواس ٹھکانے پر نہیں تھے۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

اس لیے پہلی نظر کے بعد دوسری اور پھر تیسری نظر بھی اٹھی تھی، لیکن تب بھی وہ یوں ہی بے حس و حرکت اسے دیکھ رہا تھا۔

اور ماورا سے اس کی یہ بے حسی کی کیفیت دیکھی نہیں گئی تھی، اس نے بے اختیار اس کے گال پہ ہاتھ رکھا تھا۔

"تیمور... آپ ٹھیک تو ہیں نا۔" اس نے تیمور کا گال تھپکا تھا۔

اور وہ جیسے غنودگی سے جاگ گیا تھا۔

"تت تم... تم پھر یہاں...؟" وہ حواسوں میں لوٹ چکا تھا۔

"تو میں گئی کہاں تھی۔ میں تو آپ کے پاس ہی ہوں۔ بس آپ ہی مجھے چھوڑ کے بھاگ رہے ہیں۔" ماورا نے بڑے سکون سے جواب دیا تھا۔

"پلیز... چلی جاؤ یہاں سے..." تیمور نے اس کا ہاتھ اپنے ماتھے سے ہٹا دیا تھا۔

"تیمور! ریلیکس... یہ کوئی ہسپتال نہیں کہ آپ یہاں وہی تماشا کری ایٹ کریں... یہ ڈاکٹر شاہ نواز کا گھر ہے۔ اور یہ ان کی مہربانی ہے کہ وہ بغیر کسی جان پہچان کے بھی اتنی دیکھ بھال کر رہے ہیں۔" ماورا ذرا سختی سے بولی تھی۔

"مجھے کہاں کیا کرنا ہے۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں... تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے... تم جا سکتی ہو یہاں سے..." وہ اپنے سابقہ متنفر انداز میں بول رہا تھا۔

"آپ کو کہاں کیا کرنا ہے، یہی تو آپ نہیں جانتے۔" ماورا گہری سانس خارج کرتے ہوئے اپنی جگہ سے کھڑی ہو گئی تھی۔

اور تیمور اسے زہر آلود نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ کو تو خبر ہی نہیں کہ دنیا میں کیا کیا ہو رہا ہے؟ کس کس کو آپ کی ضرورت ہے؟ اور کس کس کی آپ کو ضرورت ہے؟ آپ تو بستر سے لگ کر آزاد ہو گئے۔ کاش ایسی بیمار میں بھی ہو جاتی۔ دنیا سے غافل، ٹینشن فری۔" ماورا گیسٹ روم کی کھڑکی میں کھڑی باہر پھیلی سورج کی کرنوں کو دیکھتی تیمور حیدر کو کسی اور ہی طرح کے نشتر چبھو رہی تھی۔

"تم کہنا کیا چاہتی ہو؟" تیمور کا لہجہ تیکھا ہو گیا تھا۔

"میرے کہے کو آپ سمجھتے ہی کب ہیں؟" اس نے طنزیہ انداز سے کہتے ہوئے کندھے اچکائے تھے۔

"میرا دماغ خراب مت کرو۔ چلی جاؤ یہاں سے..." تیمور غصہ ضبط کرتے ہوئے دبے لہجے میں بولا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اور اس کی یہ بات سن کر ماورا کا اپنا دماغ خراب ہو گیا تھا' وہ تو جیسے پھٹ ہی پڑی تھی۔

"کہاں چلی جاؤں۔ کیسے چلی جاؤں اور کیوں چلی جاؤں؟ میں آپ کی بیوی ہوں۔ آپ کی ملازمہ نہیں کہ آنے جانے کے لیے ڈرتی رہوں۔ میں جب چاہے آؤں گی۔ جب چاہے جاؤں گی۔ میری اپنی مرضی۔ مجھے آپ کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ دھوکا ہمارے ساتھ ہوا تھا۔ فراڈ ہمارے ساتھ ہوا تھا۔ باپ میرا قتل ہوا تھا۔ ماں میری بدنام ہوئی تھی۔ گھر سے بے گھر ہو کر زندگی ہم نے گزاری۔ غصہ ہم کو ہونا چاہیے تھا۔ ناراض ہم کو ہونا چاہیے تھا۔ لیکن نہیں' الٹا غصہ بھی آپ کو ہے' اور ناراض بھی آپ ہی ہیں۔ واہ۔ عجیب دیدہ دلیری ہے۔ آپ تو رضا حیدر سے بھی چار ہاتھ آگے نکلے۔ میرا سہارا بننے کے بجائے مجھے تنہا چھوڑ دیا۔ بے سائبان کر دیا۔ پلٹ کر دیکھا تک نہیں۔ پوچھا تک نہیں۔ کہاں گئی محبت۔ ہونہہ۔ جھوٹی محبت' دو سال محبت کے دعوے کرتے رہے۔ محبت کا دم بھرتے رہے اور جب محبت پہ آزمائش آئی تو ہمت ہی جواب دے گئی۔ کیا اس کو محبت کہتے ہیں؟ کیا یہ ہے محبت؟ ایسی ہوتی ہے محبت؟

نہیں مسٹر تیمور حیدر! محبت تو مجھے ہے۔ آپ سے۔ رضا حیدر کے بیٹے سے۔ جبکہ میں جانتی بھی ہوں کہ آپ میرے باپ کے قاتل کی اولاد ہیں۔ پھر بھی آپ سے محبت کر رہی ہوں' مجبور ہوں' خود کو روک نہیں سکتی۔ آپ کے بغیر رہ نہیں سکتی' کیونکہ محبت رہنے ہی نہیں دیتی' محبت ایسی ہی ہوتی ہے' منہ زور' اور من مانی کرنے والی۔ آپ جیسی نہیں ہوتی کہ جب کسی کی اصلیت کا پتا چلے تو محبت ختم ہو جائے۔ مجھے دیکھو' مجھے تو پہلے روز سے آپ کی اصلیت کا پتا تھا' پھر بھی خود کو روک نہیں پائی۔ کیونکہ میری محبت سچی ہے' مضبوط ہے' بالکل میرے جیسی' رضا حیدر سے نفرت تھی تو اس نفرت پہ آج بھی قائم ہوں۔ آپ سے محبت ہوئی ہے تو مرتے دم تک اسی محبت پہ قائم رہوں گی۔ آپ بے شک مجھے پاؤں کی ٹھوکروں سے پیچھے ہٹائیں۔"

ماورا بولنے پہ آئی تو پھر بولتی چلی گئی تھی اور تیمور حیدر ششدر سا بیٹھا سنتا رہ گیا تھا۔

ماورا نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے آگے بڑھ کے ٹیبل پہ رکھا اپنا بیگ اٹھا کر کندھے پر ڈالا اور دوبارہ تیمور کی طرف دیکھا۔

"میں اب چلتی ہوں۔ بی گل اور امی گھر پہ اکیلی ہیں۔ ان فیکٹ ان کو اب بھی خطرہ ہے۔ کیونکہ آپ کے والد محترم ان کی کڈنیپنگ کے پروگرام اب بھی ترتیب دے رہے ہیں۔ اس لیے مجبوراً میں نے انہیں اپنے گھر شفٹ کر لیا ہے۔ تاکہ زندگی میں مجھے کوئی اور نقصان نہ اٹھانا پڑے۔"

اس نے جانے سے پہلے تیمور کو یہ بتا دینا بھی ضروری سمجھا تھا اور تیمور پہ اک نیا انکشاف ہوا تھا۔ یعنی رضا حیدر اب بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آ رہے تھے۔

"اور ہاں۔ سب کی ضرورتوں سے ہٹ کے۔ سب سے زیادہ آپ کی بہن کو آپ کی ضرورت ہے۔ جو باپ اور بھائی کے ہوتے ہوئے بھی خود کو غیر محفوظ سمجھتی ہے۔ باقی آپ خود سمجھ دار ہیں' میرے سمجھانے کی ضرورت نہیں' اللہ حافظ۔"

وہ جاتے جاتے اک گہری نظر اس پہ ڈال کر گیسٹ روم سے باہر نکل گئی تھی اور تیمور دیکھتا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

فیصل آباد سے منیزہ رحیم اور ان کی فیملی پہلی فلائٹ سے ہی پہنچ چکی تھی۔

وہ سب فارہ کے لیے بے حد پریشان تھے۔ لیکن اللہ کا کرم تھا کہ فارہ کی جان بچ گئی تھی۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

"ڈونٹ وری سر۔۔۔! آپ کی بیوی اور بچہ اب بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ ان سے مل سکتے ہیں۔"

لیڈی ڈاکٹر فارہ کو کمرے میں منتقل کرنے کے بعد مسکراتے ہوئے آکر آفاق کے پاس رک گئی تھیں اور آفاق ان کے منہ سے ایسی خوشی کی خبر سن کر بے اختیار آنسوؤں سے لبریز آنکھوں سمیت اسپتال کے فرش پہ ہی خدا کے حضور سجدے میں گر گیا تھا اور اس کا ایسا سجدہ شکر دیکھ کر سب کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"مبارک ہو۔۔۔ بہت بہت مبارک ہو۔" سب نے اشتیاق یزدانی اور ثمینہ یزدانی کو مبارک باد دی تھی۔

"آفاق بھائی۔۔۔ آپ کا سپوت۔۔۔" ساشا نے آفاق کے سر اٹھاتے ہی اسے بچے کی طرف متوجہ کیا تھا۔

اور آفاق نے انتہائی محبت سے اسے بانہوں میں اٹھا کر انتہائی نرمی سے اس کے ماتھے پہ بوسا دیا تھا اور ثمینہ یزدانی کی طرف دیکھا تھا جن کی آنکھیں اتنی خوشی کے باوجود بھی اداس لگ رہی تھیں۔

کیونکہ ان کے دل میں آفاق کی بیماری کا غم سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا۔

"ممی! یہ دیکھیں' یہ ہے آپ کا انیق' اللہ نے ہم کو دوبارہ سے انیق سے نواز دیا ہے۔"

آفاق نے کہتے ہوئے آگے بڑھ کے بچہ ثمینہ یزدانی کی گود میں ڈال دیا تھا اور بچے کے معصوم سے چہرے پہ نظر پڑتے ہی ثمینہ یزدانی کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"ہم اس کا نام انیق ہی رکھیں گے۔" آفاق نے ماں کا غم دور کرنے کے لیے ان کی دلجوئی کرنے کی کوشش کی تھی۔

"نہیں! ہم اس کا کوئی اور نام رکھیں گے۔ جو اس کا اپنا نام ہوگا۔ اپنی قسمت کی طرح۔ کسی دوسرے کا نہیں۔"

ثمینہ یزدانی نے انیق کا نام رکھنے سے انکار کر دیا تھا' کیوں کہ وہ اب بہت وہمی ہو چکی تھیں' وہ گزری ہوئی باتوں کو گزرے ہوئے واقعات کو اور گزرے ہوئے ناموں کو دہرانا نہیں چاہتی تھیں۔

"لیکن ممی!" آفاق نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں۔۔۔ گزرے ہوئے رشتوں کے نام دہرانے سے وہ واپس نہیں آجاتے۔" ثمینہ یزدانی کی اپنی ہی سوچ تھی اور وہ لوگ بھلا کیا کہہ سکتے تھے؟

"ٹھیک ہے۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی۔۔۔ آپ خوش تو ہم خوش۔۔۔" آفاق نے کندھے اچکائے تھے اور سب مسکرا دیے تھے۔

"اس کا نام ہوگا' انس۔۔۔ انس یزدانی۔" ان لوگوں کے قریب ہی ماورا کی آواز ابھری تھی' ان سب نے بے ساختہ گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔

وہ تیمور کے پاس سے سیدھی یہاں آئی تھی' کیونکہ فارہ کے بارے میں آفاق نے ہی اسے فون پہ اطلاع دی تھی۔

"ارے واہ۔۔۔ نام تو بہت پیارا ہے۔" اشتیاق یزدانی نے بے اختیار سراہا تھا۔

"کیا خیال ہے پھر۔۔۔؟" ماورا نے آفاق کے ساتھ ساتھ باقی سب کو بھی سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

"ارے خیال کس بات کا۔۔۔ بسم اللہ کرتے ہیں' نام یہی اچھا ہے۔" بچے کے دادا کو یہ نام حقیقتاً "بہت اچھا لگا تھا۔

"تو پھر مبارک ہو آپ سب کو۔۔۔ اور انس کی والدہ محترمہ کہاں ہیں؟" ماورا نے کہتے ہوئے فارہ کا پوچھا تھا۔

اور پھر جھک کر ثمینہ یزدانی کی گود سے بچے کو بھی اٹھا لیا تھا اور اسے پیار کرتے ہوئے دوبارہ آفاق کی طرف پلٹی

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

تھی۔
"فارہ سے مل سکتی ہوں کیا؟" وہ اجازت طلب کر رہی تھی۔
"ارے کیوں نہیں... لیکن وہ ابھی مکمل ہوش میں نہیں ہے... آپ خود دیکھ لیں۔"
آفاق اسے ساتھ لے کر فارہ کے پاس کمرے میں آگیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"تو گویا وہ لڑکی آپ سے بھی چار ہاتھ آگے نکلی۔" مونس مرزا نے حظ اٹھانے والے انداز میں کہتے ہوئے رضا حیدر کو بغور دیکھا تھا' وہ یوں نیلے پیلے ہو رہے تھے جیسے انہیں کسی بہت زہریلے سانپ نے ڈس لیا ہو۔
"لیکن اسے ہمارے پلان کی خبر ہوئی کیسے؟ آخر اس نے ان دونوں عورتوں کو راتوں رات اپنے پاس کیوں شفٹ کر لیا' وہ بھی اچانک...." رضا حیدر سوچ سوچ کر پاگل ہو رہے تھے۔
"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ وہ آپ سے بھی چار ہاتھ آگے نکلی۔" مونس مرزا جان بوجھ کر رضا حیدر کا دل جلانے کی کوشش کر رہا تھا۔
"مجھ سے چار ہاتھ آگے اس کا باپ نہیں ہو سکا تو وہ کیسے ہو گی؟" رضا حیدر دبے لہجے میں کہتے ہوئے پھنکارے تھے۔
"آپ سے چار ہاتھ آگے تو وہ ہے ہی... آپ نے اس کے باپ سے سب کچھ ہتھیا لیا اور وہ آپ سے سب کچھ ہتھیا کر لے گئی۔ یعنی وہ آپ کی بھی باپ نکلی' ہاہاہا...."
مونس مرزا نے کہتے ہوئے ایک فلک شگاف قہقہہ لگایا تھا اور رضا حیدر کا دماغ جیسے پھٹنے کے قریب تھا' وہ بہ مشکل ضبط کر رہے تھے۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے 4 خوبصورت ناول

میرے خواب لوٹادو
نگہت عبداللہ
قیمت -/400 روپے

کسی راستے کی تلاش میں
میمونہ خورشید علی
قیمت -/350 روپے

اُجالوں کی بستی
فاخرہ جبیں
قیمت -/400 روپے

ایک میں اور ایک تم
تنزیلہ ریاض
قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

مونس مرزا کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید وہ اس کا سر ہی پھاڑ دیتے۔
"اسے اپنی چالاکی کا اب اور زیادہ خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ وہ پچھتائے گی کہ اس نے ٹکر کس سے لی تھی؟" وہ دانت پیس کر بولے تھے۔
"اچھا... تو اب کیا پلاننگ ہے؟" اس نے دلچسپی سے پوچھا۔
"نہیں... ابھی نہیں... ابھی شکار کو دم لے لینے دو۔ اب جو بھی ہوگا' پورے سکون سے ہوگا۔" رضا حیدر جیسے کچھ سوچ کر خباثت سے مسکرائے تھے اور مونس مرزا ان کے ذہن میں چلنے والے منصوبے سے بے خبر الجھن میں پڑ گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

دو ماہ اور دس دن بعد...
زندگی بے حد منتشر تھی۔ لیکن پھر بھی ایک معمول پہ چل رہی تھی۔
ماورا اپنا کاروبار پوری طرح سے سنبھال چکی تھی۔ جبکہ تیمور بھی اپنا الگ سے کاروبار سیٹ کرنے کی کوشش میں تھا۔
دونوں الگ الگ ڈگر پہ چل رہے تھے' لیکن دونوں کے دل و دماغ ایک ہی ڈوری سے بندھے ہوئے تھے اور دونوں ایک ہی طرح کی سوچوں کے دائرے میں چکراتے رہتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ دونوں کے دماغ پر ہمہ وقت عجیب طرح کا بوجھ رہتا تھا۔
ماورا صبح آفس کے لیے گھر سے نکلتی تھی اور رات گئے تک آفس کے کاموں میں ہی الجھی رہتی تھی۔ آج بھی صبح سویرے ایسا ہی ہوا تھا' وہ آفس کے لیے لیٹ ہو رہی تھی' کیونکہ آج اس کی ایک اہم میٹنگ تھی' اس لیے وہ بڑی عجلت میں تیار ہو کر سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ جب اچانک اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا تھا اور بڑے زور سے چکر آیا تھا۔
"ارے بیٹا سنبھل کے..." نیچے کھڑی بی گل اس کو لڑکھڑاتے دیکھ کر گھبرا گئی تھیں۔
ماورا نے بے ساختہ سیڑھیوں کی ریلنگ کا سہارا لیا تھا۔
"کیا ہوا ہے؟ تم ٹھیک تو ہو؟" بی گل جیسے تیسے سیڑھیاں طے کرتی اوپر آ گئی تھیں۔
"جی میں ٹھیک ہوں... بس جلدی میں چلتے ہوئے چکر آ گیا۔" ماورا ذرا سنبھلتے ہی دوبارہ سے سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔

"ارے جا کہاں رہی ہو؟ ناشتا تو کر لو۔" بی گل نے اسے کوریڈور کی طرف بڑھتے دیکھ کر پیچھے سے آواز دی تھی۔
"نہیں بی گل... ناشتے کے لیے ٹائم نہیں ہے۔ لیٹ ہو چکی ہوں۔ دس بجے میٹنگ ہے۔ میٹنگ کے بعد کچھ کھا لوں گی ڈونٹ وری۔" وہ کہہ کر عجلت سے مرکزی دروازہ عبور کر گئی تھی اور بی گل وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔
"کیا ہوا... آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں؟ کیا سوچ رہی ہیں؟" عافیہ بیگم ڈائننگ روم سے نکل کر ان کے پاس آ رکی تھیں۔
"سوچ رہی ہوں کہ ہماری ماورا کی شادی کو کتنے دن ہوئے ہیں؟" بی گل پر سوچ سے لہجے میں کہتے ہوئے

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ڈرائنگ روم کی طرف بڑھی تھیں۔

"ارے بی گل۔۔۔ اس کی شادی کو دن نہیں' بلکہ تین مہینے ہونے کو ہیں۔" عافیہ بیگم لاپروائی سے بولی تھیں۔

"اور تم نے ایک ماں ہو کر بھی یہ غور نہیں کیا کہ بٹی کی طبیعت بدل رہی ہے۔ چلتے چلتے چکرا رہی ہے۔" بی گل نے ایک مبہم سا اشارہ دیا تھا اور عافیہ بیگم ٹھٹھک گئی تھیں۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟"

"مطلب کو چھوڑو۔۔۔ وہ گھر آتی ہے تو اسے چیک اپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ۔۔۔ سب خود ہی پتا چل جائے گا۔" بی گل کے اشاروں نے عافیہ بیگم کے دماغ میں بھی گھنٹی بجادی تھی۔

"ارے سچ۔۔۔" ان کو خوشی ہوئی تھی۔

"ان شاء اللہ امید تو یہی ہے۔" بی گل نے دل کی گہرائیوں سے کہا تھا اور دونوں مسکرائی تھیں۔

☆ ☆ ☆

بہت دن ہوئے تھے تیمور نے ایک گھر لیا تھا اور وہ رضا حیدر' رابعہ بیگم اور عزت کو اپنے پاس لے آیا تھا اور عزت اس قید خانے سے نکل کر خوش بھی تھی اور آزاد بھی۔۔۔ لیکن ولید کی طرف سے ٹینشن میں بھی تھی' وہ اتنا عرصہ بات نہ ہونے پہ ناراض تھا۔ نہ فون ریسیو کر رہا تھا' نہ ایس ایم ایس کا جواب دے رہا تھا۔

اس لیے آج صبح صبح عزت تیمور کے پاس جا پہنچی تھی۔

"خیریت؟ کہیں جانا ہے کیا؟" وہ آفس کے لیے نکل رہا تھا' عزت کو دیکھ کر رک گیا۔

"جی! وہ ولید کی امی کی طبیعت نہیں ٹھیک۔۔۔ مجھے ملنے کا کہہ رہی تھیں۔ اس لیے سوچا کہ ان سے مل آؤں۔۔۔" عزت نے ولید کے گھر جانے کے لیے بڑے دھڑلے سے بہانا گھڑا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ میں ڈراپ کر دیتا ہوں' آجاؤ' لیٹ ہو رہا ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گیا تھا اور عزت بڑی شرارت سے مسکراتی ہوئی اس کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

"بھابھی سے ملاقات ہوئی؟" گاڑی سڑک پہ آتے ہی عزت نے چھیڑنے کے سے انداز میں سوال کیا تھا۔

"کس کی بھابھی۔۔۔" وہ انجان بنتے ہوئے بولا۔

"ارے بھئی ظاہر ہے میری بھابھی۔۔۔ ایک ہی تو بھائی ہے میرا۔۔۔ اور ایک ہی بھابھی ہے۔۔۔ اور کس کی بات ہوگی بھلا؟" عزت بے حد خفگی سے بولی تھی۔

"مجھے کسی کی خبر نہیں۔۔۔ کون کیسا ہے؟ کہاں ہے؟ میری بلا سے۔۔۔ آئی ڈونٹ کیئر۔۔۔" اس نے کندھے اچکائے تھے۔

"آئی ڈونٹ کیئر کہہ دینے سے تعلق اور احساس ختم نہیں ہو جاتا' بلکہ اس سے یہ پتا چلتا ہے کہ اندر بہت کچھ ہے' جو آپ چھپا رہے ہیں۔" عزت نے اسے خاصا گہرا جواب دیا تھا۔

اور تیمور نے سر جھٹکتے ہوئے گاڑی کو بریک لگا دیا تھا۔ عزت کا مطلوبہ اسٹاپ آچکا تھا۔

"اتنے بے زار کیوں ہو رہے ہیں؟" عزت نے اسے پھر سے چھیڑا تھا۔

"عزت۔۔۔" تیمور نے اسے خفگی سے گھورا۔

"ہاہاہا! مجھے لگتا ہے آج آپ بھابھی کو زیادہ مس کر رہے ہیں اور آج آپ کی بھابھی سے ملاقات بھی ضرور ہوگی' دیکھ لیجیے گا۔" وہ کھلکھلاتی ہوئی کہہ کر گاڑی سے اتر گئی تھی اور تیمور خراب موڈ کے ساتھ گاڑی آگے بڑھا لے گیا تھا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM FOR PAKISTAN

www.paksociety.com

وحید کالج اور کنزا اسکول کے لیے جا چکے تھے۔
زبیدہ خاتون محلے میں کسی کی عیادت کے لیے جا رہی تھیں' جب دروازے میں ہی عزت سے سامنا ہو گیا تھا۔
"ارے بیٹا' یہاں صبح صبح.....؟" وہ اسے گلے لگا کر ملتے ہوئے بولیں۔
"جی..... لیکن آپ تو شاید کہیں جا رہی ہیں اور ولید بھی گھر پہ نہیں؟؟"
عزت ان کے ہاتھ میں پکڑا تالا اور چابیوں کا گچھا دیکھ چکی تھی۔
"ارے نہیں بیٹا! پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ میں یہاں قریب میں ہی جا رہی ہوں' آجاتی ہوں تھوڑی دیر میں..... تم یہ چابیاں اور تالا پکڑو اور اندر جاؤ..... ولید اندر ہی ہے..... صبح چار بجے آیا ہے کام سے..... سو رہا ہے' جگا لو جا کر۔"
انہوں نے مسکراتے ہوئے کہہ کر چابیاں اور تالا عزت کے ہاتھ پر رکھ دیا تھا اور خود گلی کے بائیں طرف مڑ گئی تھیں اور عزت گلی میں کھڑی کبھی تالے کو اور کبھی دروازے کو دیکھ رہی تھی اور بالآخر ولید کی موجودگی کا خیال آتے ہی وہ دروازہ دھکیل کر اندر آگئی تھی۔
دونوں کمروں کے دروازے بند تھے۔ کچن بھی بند تھا جس کی وجہ سے پورا گھر خالی خالی لگ رہا تھا۔ عزت کو عجیب تو لگا' لیکن پھر ایک خیال اس کے ذہن میں کوندے کی طرح لپکا تھا۔
(یہ گھر اجنبی اور پرایا نہیں..... بلکہ یہ گھر میرا اپنا ہے..... میں اپنے ہی گھر سے گھبرا رہی ہوں؟)
یہ خیال اس کی گھبراہٹ اڑا لے گیا تھا اور اس کی چال میں اک استحقاق سا بھر گیا تھا اور وہ اسی استحقاق سے چلتی ولید کے کمرے کا دروازہ کھول کے اندر آگئی تھی۔
ولید اتنی ٹھنڈ کے باوجود ———— بنیان پہنے بستر پہ اوندھا لیٹا بے سدھ سو رہا تھا۔
"اوہ..... تو موصوف نے ابھی ناشتا کرنا ہے' تیار ہونا ہے اور کام پہ بھی جانا ہے؟" وہ دلچسپی سے اسے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔
"تو تب تک میں کیا کروں؟" اس نے ادھر ادھر دیکھا اور پھر ذہن میں اک شرارت آن سمائی تھی۔ اس نے بڑی سہولت سے اپنے بیگ سے سیل فون نکالا اور کیمرہ آن کر لیا تھا۔
جتنا بے ترتیب وہ خود ہو رہا تھا اتنا ہی بے ترتیب اس کا بستر بھی تھا۔ کمبل آدھا اس کی پشت پہ تھا اور آدھا بستر سے نیچے..... پاؤں کمبل سے باہر تھے۔ عزت اس کی نیند میں اس کا حلیہ دیکھ کر دبے دبے انداز میں مسکرا رہی تھی اور ساتھ ساتھ اس کی ویڈیو بھی بنا رہی تھی۔

پھر ویڈیو کے بعد اس نے تصویریں بنائیں اور کیمرے کی آواز سے ولید کی نیند میں خلل پڑا تھا۔ ایک کے بعد ایک..... یک دم ولید کی آنکھ کھل گئی تھی اس نے فوراً ہڑبڑا کر دیکھا تھا۔
"عزت.....!" وہ تو جیسے حق دق رہ گیا تھا اور عزت کی ایک دم ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ وہ ہنستے ہنستے بھی اس کی تصویریں بنائے جا رہی تھی۔
"بند کرو اسے۔" وہ اونچی آواز سے چیخا۔
"نہیں....." وہ نہیں مانی۔
"چھوڑوں گا نہیں..... خیر منا لو اپنی۔" بالآخر وہ کمبل پرے ہٹا کر چھلانگ لگا کر نیچے اترا اور کیمرے سمیت عزت کو اپنے حصار میں لے لیا تھا' لیکن وہ پھر بھی کھلکھلائے جا رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

اس رائیگانی میں

سو وہ آنسو ہمارے آخری آنسو تھے
جو ہم نے گلے مل کر بہائے تھے
نہ جانے وقت ان آنکھوں سے پھر کس طور
پیش آیا
مگر میری فریبِ وقت کی بہکی ہوئی آنکھوں نے
اُس کے بعد بھی
آنسو بہائے ہیں
مرے دل نے بہت سے دُکھ رچائے
ہیں
مگر یوں ہے کہ ماہ و سال کی اس
رائیگانی میں
مری آنکھیں
گلے ملتے ہوئے رشتوں کی فرقت کے وہ آنسو
پھر نہ رو پائیں

جون ایلیا

حدیثِ کاکل و رخسار ہم بھی رکھتے ہیں
کوئی سنے تو غمِ یار ہم بھی رکھتے ہیں

ہمیں بھی شہر نگاراں میں لے چلو یارو
کسی کے عشق کا آزار ہم بھی رکھتے ہیں

غمِ جہاں کے تقاضے شدید ہیں ورنہ
جنونِ کوچۂ دل دار ہم بھی رکھتے ہیں

جنونِ عشق ہی راحت طلب نہیں ورنہ
جلو میں سایۂ دیوار ہم بھی رکھتے ہیں

یہ اور بات کہ تقدیر سو گئی قابل
وگرنہ دیدۂ بیدار ہم بھی رکھتے ہیں

قابل اجمیری

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ایسے تنہا گھر میں کیوں کر جائیے
اپنے سائے سے جہاں ڈر جائیے

وہ نہیں تو کون دیکھے گا ہمیں
شہر میں کیوں بن سنور کر جائیے

ڈھونڈ ہی لیں گی ہمیں ویرانیاں
شہر میں رہیے کہ اب گھر جائیے

دل کی خاطر زندہ رہیے کب تک
دل ہی کہتا ہے کہ اب مر جائیے

کل ہم ہی ہیرے تھے سارے شہر میں
اب ہم ہی ٹھہرے ہیں پتھر جائیے

سب وفا نا آشنا دل کے بغیر
مانیے سب کی کہ دل پر جائیے

محسن نقوی

اپنے احساس سے چھو کر مجھے صندل کر دو
میں کہ صدیوں سے ادھورا ہوں مکمل کر دو

نہ تمہیں ہوش رہے اور نہ مجھے ہوش رہے
اس قدر ٹوٹ کر چاہو مجھے پاگل کر دو

تم ہتھیلی کو میرے پیار کی مہندی سے رنگو
اپنی آنکھوں میں میرے نام کا کاجل کر دو

اس کے سائے میں میرے خواب دہک اٹھیں گے
میرے چہرے پہ چمکتا ہوا آنچل کر دو

دھوپ ہی دھوپ ہوں میں ٹوٹ کر برسو مجھ پر
اس قدر برسو میری روح میں جل تھل کر دو

جیسے صحراؤں میں ہر شام ہوا چلتی ہے
اس طرح مجھ میں چلو اور مجھے تھل کر دو

مجھ پہ چھا جاؤ کسی آگ کی صورت جاناں
اور میری ذات کو سوکھا ہوا جنگل کر دو

ومی شاہ

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

بچے ہمارے دور کے

ماں نے بیٹے سے پوچھا "ٹیپو سلطان کون ہے؟"
"پتا نہیں۔" بیٹے نے جواب دیا۔
ماں غصے سے بولی "پڑھائی پر دھیان دو۔"
پھر بیٹے نے پوچھا۔ "ماما؟ یہ نوشین آنٹی کون ہیں؟"

"پتا نہیں" ماں نے جواب دیا۔
بیٹے نے کہا "ماما! پاپا پر دھیان دیں"

عظمیٰ شفیق..... جڑانوالہ

دوسری گولی

ایک آدمی پر بیوی کو گولی مارنے کے جرم میں مقدمہ چلا۔ جج نے پوچھا۔ "تم نے اپنی بیوی کو گولی کیوں ماری؟"

شوہر نے کہا۔ "جی! میں نشانہ کہیں اور لگا رہا تھا کہ بیوی خود میرے سامنے آگئی۔"

جج نے کہا۔ "چلو مانا کہ وہ خود تمہارے پستول کے سامنے آگئی، لیکن تم نے دوسری گولی کیوں چلائی۔"
"اس لیے کہ وہ پہلی گولی سے مری نہیں تھی۔" جواب ملا۔

وجہ

ایک سیاح کسی گاؤں میں گیا۔ وہاں اس نے ایک کسان سے پوچھا "یہ سامنے جو گائے نظر آرہی ہے، اس کے سینگ کیوں نہیں ہیں؟"
کسان نے جواب دیا "سینگ نہ ہونے کے کئی اسباب ہیں۔ بعض کے سینگ ہوتے ہی نہیں ہیں، بعض کے لڑنے بھڑنے میں ٹوٹ جاتے ہیں، بعض کے ہم خود کاٹ دیتے ہیں۔ رہی بات سامنے والی گائے کی کہ اس کے سینگ کیوں نہیں ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ گائے نہیں گھوڑا ہے۔"

ساجدہ افتخار، کراچی

بے چارگی

ایک شخص نے اپنے بیٹے کو اتنا پیٹا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ دوست کو معلوم ہوا تو سرزنش کرنے پہنچا اور بیٹے کو پیٹنے کی وجہ پوچھی "وہ نشے میں تھا" اس نے کہا۔

دوست نے کہا "اگر وہ نشے میں تھا تو اسے ذرا سی سزا دیتے ایسے اندھا دھند کیوں پیٹا؟"
"میں بھی نشے میں تھا۔" اس شخص نے بے چارگی سے جواب دیا۔

عائشہ رباب، کراچی

ستم ظریفی

دیہاتی نوجوان نے کچھ پیسے کما لیے تو باپ کو گھمانے شہر لایا۔ دن بھر خوب سیر کرانے کے بعد باپ کو مزید متاثر کرنے کے لیے کرائے کے اپنے چھوٹے اور معمولی کمرے میں ٹھہرانے کے بجائے ایک شاندار ہوٹل میں ٹھہرانے کا بندوبست کیا۔ ہوٹل کے ہر کمرے کے ساتھ ایک عمدہ اٹیچ باتھ بھی تھا۔
صبح بیٹا باپ سے ملنے ہوٹل پہنچا تو داد طلب لہجے میں بولا "کمرا کیسا ہے ابا جی! رات تو آرام سے گزری نا۔"

"کمرا تو بہت اچھا ہے برخوردار! بستر بھی اچھا ہے۔ لیکن ایک بڑی مشکل تھی۔ غسل خانے کا راستہ میرے کمرے سے ہو کر گزرتا تھا۔ میں بس اس خیال سے ساری رات جاگتا رہا کہ کہیں دوسرے مسافر کو

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

حاجت ہو یا اس کا نہانے کا ارادہ ہو تو وہ آ کر میرے کمرے کا دروازہ بجا دے گا۔"

مرسلہ عائشہ شہزادی..... بھاؤ لنگر

کنجوس

ایک آدمی نے اپنے کنجوس دوست سے کہا۔

"تمہاری کار جو چوری ہو گئی میں نے فلاں گیراج میں دیکھی ہے۔"

"وہ تو میں نے بھی دیکھی ہے۔"

"تو پھر پولیس کو بتایا کیوں نہیں؟"

"میں چاہتا تھا کہ اس کا جو ٹائر ناکارہ ہے۔"

"وہ تبدیل کر دیا جائے تب پولیس کو اطلاع دوں گا۔"

انسر عباسی، تحصیل ہری پور

پسند کی شادی

بیٹا! "امی کیا پسند کی شادی کرنے سے گھر والے ناراض ہوتے ہیں؟"

ماں "تو یقیناً" کسی چڑیل کے چکر میں ہو گا اور یہ سب تجھے اسی ڈائن نے کہا ہو گا ایسی لڑکیاں تو بس لڑکوں کو پھنسانے میں لگی رہتی ہیں بیٹا! ایسی لڑکیوں سے بچ کر رہنا یہ بہت مکار، گھنی اور میسنی ہوتی ہیں اور ان کا خاندان بھی۔"

بیٹا "امی! بس کریں ایسا کچھ نہیں ہے، وہ تو مجھے ابو بتا رہے تھے کہ آپ دونوں کی پسند کی شادی تھی۔"

جواز

"کیا ضمیر صاحب کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

ایک شخص نے تشویش زدہ لہجے میں اپنے پڑوسی سے پوچھا۔ "ان کے گھر کی لائٹیں آج کل دن میں بھی جلی رہتی ہیں۔"

"دراصل وہ کوشش کر رہے ہیں کہ ان کا اس ماہ کا بجلی کا بل زیادہ آئے۔" پڑوسی نے بتایا۔

"وہ کیوں؟" ان صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

"دراصل ضمیر صاحب کی بیگم ایک ماہ سے میکے گئی ہوئی تھیں اور ضمیر صاحب نے دو چار دن پہلے انہیں فون پر بتایا تھا کہ وہ روز رات کو کتابیں پڑھ پڑھ کر وقت گزار رہے ہیں۔" پڑوسی نے جواب دیا۔

(نور احمد شیخ... کراچی)

ڈراما

کسی جگہ کشتی ہو رہی تھی۔ دونوں پہلوان بہت تھکے ہوئے تھے یا لوگوں کو دھوکا دے رہے تھے۔ ان کی کشتی سے اکتا کر ایک صاحب نے بہت زیادہ بوریت محسوس کی۔ وہ چیخ کر کہنے لگے۔ "بتیاں بجھا دو، بجلی فضول خرچ ہو رہی ہے، یہ دونوں پہلوان ڈراما کر رہے ہیں۔"

دوسرے کونے سے آواز آئی۔ "نہیں، نہیں! ابھی بتیاں مت بجھانا، میرا ناول ابھی ختم نہیں ہوا۔"

ناہید امید علی... کراچی

قتل

حوالدار نے تھانیدار کو فون کیا۔ "جناب عالی! ادھر ہمارے علاقے میں قتل کا جرم ہوا ہے۔ ایک عورت نے اپنے خاوند کو "بیلن" مار کر قتل کر دیا ہے۔"

تھانیدار "کیوں، کیا وجہ تھی؟"

حوالدار "جناب عالی، ملزمہ نے فرش کو تازہ تازہ صاف کیا تھا اور فرش ابھی گیلا تھا کہ اس کا خاوند جوتوں سمیت کچن کے اندر آ گیا۔"

تھانیدار "مجرمہ کو گرفتار کر لیا ہے؟"

حوالدار "نہیں، جناب وہ ابھی تک کچن میں ہے، ابھی ہم نے اس کو گرفتار نہیں کیا۔"

تھانیدار "وہ کیوں؟"

حوالدار "جناب ہم انتظار کر رہے ہیں کہ پہلے کچن کا فرش خشک ہو جائے۔"

(اریبہ سیف... لطیف آباد)

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

شگفتہ جاہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے سُنا ہے۔

"اگر تم لوگوں کے عیبوں کو تلاش کرو گے تو ان کو بگاڑ دو گے۔"

(ابو داؤد)

فائدہ:۔

مطلب یہ ہے لوگوں میں عیبوں کو تلاش کرنے سے ان میں نفرت، بغض اور بہت سی بُرائیاں پیدا ہوں گی اور ممکن ہے کہ لوگوں کے عیوب تلاش کرنے اور انہیں پھیلانے سے وہ لوگ ضد میں گناہوں پر جرأت کرنے لگیں گے۔ یہ ساری باتیں ان میں مزید بگاڑ کا سبب ہوں گی۔

قتل ناحق کی نحوست،

علامہ دمیریؒ فرماتے ہیں۔

"جب حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا تو حق تعالیٰ نے اس کے پاس ایک کوّے کو بھیجا تاکہ اس کو اپنے بھائی کی تدفین کا طریقہ سکھائے۔

قابیل کاشت کاری کرتا تھا۔ اس نے قربانی میں ایسی چیز پیش کی جو اس کے یہاں کم قیمت کی تھی۔ ہابیل کے یہاں بھیڑ اور بکریاں تھیں۔ اس نے ان میں سے ایک نہایت عمدہ جانور چھانٹ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کیا۔ چونکہ ہابیل کی نیت اچھی تھی اس لیے اس کی قربانی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں قابیل بڑا تھا۔ جب حضرت آدم حج کرنے گئے تو قابیل کو اپنے لڑکوں پر نگران بنا گئے تھے۔ جب حج سے واپس آئے تو آپ نے قابیل سے پوچھا کہ ہابیل کہاں ہے؟"

اس نے جواب دیا۔ "مجھے نہیں معلوم۔"

یہ جواب سن کر حضرت آدم نے ارشاد فرمایا۔

"جس خطۂ زمین نے ہابیل کا خون پیا ہے، حق تعالیٰ اس پر لعنت فرمائے۔"

چنانچہ اسی وقت سے زمین نے خون پینا چھوڑ دیا۔

اس کے بعد حضرت آدم سو سال تک حیات رہے مگر مرتے دم تک مسکرائے نہیں۔

مقاتل کا بیان ہے کہ اس خون ریزی سے پہلے پرندے اور وحشی جانور بنی آدم سے بہت مانوس تھے مگر جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو پرندے اور درندے سب انسانوں کے پاس سے بھاگ گئے۔ درختوں پر کانٹے آ گئے۔ بہت سے پھل اور میوے کھٹے ہو گئے اور سمندروں کا پانی کھاری ہو گیا اور زمین گرد آلود ہو گئی۔

مسلمان اور یہودی،

ایک شہر میں دو آدمی بستر مرگ پر تھے اور مرنے کے قریب تھے۔ ایک مسلمان تھا اور دوسرا یہودی۔ اس یہودی کے دل میں مچھلی کھانے کی خواہش پیدا ہوئی تو حق تعالیٰ نے دو فرشتوں کو بلایا۔

ایک فرشتے سے کہا کہ یہودی کے لیے مچھلی کا انتظام کرو۔"

دوسرے فرشتے سے کہا۔ "مسلمان کو روغن کھانے کی خواہش ہے اور روغن اس کی الماری میں موجود ہے۔ اس کو ضائع کر دو۔"

اچانک ان فرشتوں کی آپس میں ملاقات ہو گئی اور اپنے ارادوں کے اظہار میں ان کو یہ متضاد حکم ملنے پر حیرت ہوئی لیکن اللہ کا حکم تھا۔ انہوں نے پورا کیا۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

جب واپس آئے تو دونوں نے خدائے تعالیٰ سے وجہ دریافت کی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

"یہودی نے ایک نیک کام کیا تھا۔ ہم نے دُنیا میں ہی اس کا بدلہ اس کو دے دیا جبکہ مسلمان کا ایک گناہ تھا جس کو ہم ختم کرنا چاہ رہے تھے اس وجہ سے اس کی خواہش پوری نہ کی۔

ثمرہ، اقراء۔ کراچی

علم،

نئی بنیادیں، وہی لوگ بھر سکتے ہیں جو اس راز سے واقف ہوں کہ پرانی بنیادیں کیوں بیٹھ گئی ہیں۔

خلیل جبران

صبر،

ایک بار حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ راستے سے گزر رہے تھے کہ آپ نے چند سپاہیوں کو دیکھا جو ایک ضعیف و ناتواں انسان کو زدوکوب کرتے ہوئے لے جا رہے تھے مگر وہ بوڑھا شخص انتہائی صبر و ضبط کے ساتھ سپاہیوں کی مار کھا رہا تھا اور منہ سے اُف تک نہیں کرتا تھا۔ حضرت شیخ نوریؒ کو اس شخص کی قوت برداشت پر حیرت ہوئی۔ آخر آپ نے سپاہیوں سے پوچھا۔

"تم اس شخص کو کہاں لے جا رہے ہو؟"

"ہم اسے زنداں کے حوالے کرنے جا رہے ہیں۔"

سپاہیوں نے کہا اور دوبارہ اس بوڑھے شخص کو پیٹنا شروع کر دیا۔

حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ خاموشی سے یہ تکلیف دہ مناظر دیکھتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ ضعیف انسان اور سپاہی نظروں سے اوجھل ہو گئے مگر آپ نے آخر تک اس ضعیف انسان کے منہ سے کوئی چیخ یا شکایت نہیں سنی۔

وہ رات شیخ ابوالحسن نوریؒ نے بڑے اضطراب کے عالم میں گزاری۔ بار بار آپ کو سپاہیوں کے تشدد اور اس بوڑھے شخص کی خاموشی کا خیال آتا تھا۔ آخر حضرت شیخ نوریؒ سے برداشت نہ ہو سکا تو آپ قید خانے پہنچ گئے اور اس ضعیف اور ناتواں انسان سے پوچھا۔

"اس قدر کمزوری اور نقاہت کے باوجود تم نے سپاہیوں کے تشدد پر کس طرح صبر کیا؟"

بوڑھے شخص نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"صبر کا تعلق جسمانی طاقت سے نہیں، انسانی ہمت و شجاعت سے ہے۔"

حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ کو اس شخص کے جواب پر حیرت ہوئی، پھر آپ نے دوسرا سوال کیا۔

"تمہارے نزدیک صبر کا کیا مفہوم ہے؟"

ضعیف و ناتواں شخص نے کہا۔ "آفات و مصائب کو اسی طرح خوشی کے ساتھ برداشت کرنا چاہیے، جس طرح لوگ مصائب سے نجات پا کر مسرور و مطمئن ہوتے ہیں۔"

حضرت شیخ ابوالحسن نوریؒ کی حیرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔ آپ کو حیران پا کر بوڑھے نے کہا۔

"آگ کے سات سمندر پار کرنے کے بعد انسان کو معرفت حاصل ہوتی ہے اور جب حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اسے اول و آخر کا علم بھی حاصل ہو جاتا ہے۔" "بے شک اس کے چاہنے والے عجیب عجیب حالتوں میں رہتے ہیں کہ انہیں کوئی نہیں پہچان سکتا۔"

حضرت شیخ ابوالحسن نوری نے بوڑھے شخص کا شکریہ ادا کیا اور قید خانے سے چلے گئے۔

دل بدلنے میں دیر نہیں لگتی،

امام ابن جوزی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہور تصنیف "کتاب العبر" میں ایک نہایت ہی سبق آموز واقعہ بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

"اصفہان کا ایک بہت بڑا رئیس اپنی بیگم کے ساتھ دسترخوان پر بیٹھا ہوا تھا۔ دسترخوان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے بھرا ہوا تھا۔ اتنے میں ایک فقیر نے یہ صدا لگائی کہ اللہ کے نام پر کچھ کھانے کے لیے دے دو۔ اس شخص نے اپنی بیوی کو حکم دیا کہ سارا دسترخوان اس فقیر کی جھولی میں ڈال دو۔ عورت نے حکم کی تعمیل کی۔ جس وقت اس نے فقیر کا چہرہ دیکھا تو دھاڑیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

مار کر رونے لگی۔ اس کے شوہر نے اس سے پوچھا۔
"جی بیگم! آپ کو ہوا کیا؟"
اس نے بتایا: "جو شخص فقیر بن کر ہمارے گھر پر دستک دے رہا تھا، وہ چند سال پہلے اس شہر کا سب سے مال دار، ہماری اس کوٹھی کا مالک اور میرا سابقہ شوہر تھا۔ چند سال پہلے کی بات ہے کہ ہم دونوں دسترخوان پر ایسے ہی بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے۔ جیسا کہ آج کھا رہے ہیں۔ اتنے میں ایک فقیر نے صدا لگائی کہ میں دو دن کا بھوکا ہوں۔ اللہ کے نام پر کھانا دے دو۔ یہ شخص دسترخوان سے اٹھا اور اس فقیر کی اتنی پٹائی کی کہ اسے لہولہان کر دیا۔ نہ جانے اس فقیر نے کیا بددعا دی کہ اس کے حالات دگرگوں ہو گئے، کاروبار ٹھپ ہو گیا اور وہ شخص فقیر و قلاش ہو گیا۔ اس نے مجھے بھی طلاق دے دی۔ اس کے چند سال گزرنے کے بعد میں آپ کی زوجیت میں آ گئی۔"

شوہر، بیوی کی باتیں سن کر کہنے لگا۔
"بیگم! کیا میں آپ کو اس سے زیادہ تعجب خیز بات نہ بتلاؤں؟"
اس نے کہا: "ضرور بتائیں۔"
کہنے لگا: "جس فقیر کی آپ کے سابق شوہر نے پٹائی کی تھی، وہ کوئی دوسرا نہیں، بلکہ میں ہی تھا۔"
(کتاب العبر)

گردش زمانہ کا ایک عجیب نظارہ یہ تھا کہ حق تعالیٰ نے اس بدمست مالدار کی ہر چیز مال، کوٹھی حتیٰ کہ بیوی بھی چھین کر اس شخص کو دے دی جو فقیر بن کر اس کے گھر آیا تھا اور چند سال بعد پھر رب تعالیٰ اس شخص کو فقیر بنا کر اسی کے در پر لے آیا۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ تاریخ ایسے عبرت آموز واقعات سے بھری پڑی ہے۔ شرط یہ ہے کہ انسان اس سے عبرت پکڑے۔

حمزہ، اقرا۔ کراچی

پس پردہ

اگر تم محض وہی کچھ دیکھ سکو جو کچھ روشنی ظاہر کرتی ہے اور محض وہی کچھ سن سکو جس کا اعلان آواز کرتی ہے تب حقیقت میں تم نہ دیکھتے ہو اور نہ ہی سنتے ہو۔
(خلیل جبران)

آمنہ نوید ۔ چیچوکی ملیاں

اخلاقی جواہر پارے

- وقت، ہوا اور دولت ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔
- جو لوگ کچھ کام نہیں کرتے، وہ سب سے زیادہ مصروف ہوتے ہیں۔
- جو تھوڑا جانتا ہے وہ جلد کہہ دیتا ہے۔
- زندگی کا ہر دن تمہاری تاریخ کا ورق ہے۔

نادیہ، نجمہ۔ گلستان جوہر

مطلب

پوپ کے سامنے ایک پریشان حال فریادی کرہ بیٹھا اور ذرا سی بات کو پھیلا کر بہت دیر تک بیان کرتا رہا۔ پوپ نے اسے ہاتھ کے اشارے سے زیادہ بولنے سے روکتے ہوئے کہا۔
"یوں تمہیں اختیار ہے جتنا چاہو بولو، لیکن یہ نکتہ ضرور یاد رکھو کہ الفاظ پتوں کی طرح ہوتے ہیں جہاں ان کی کثرت ہو گی ان کے نیچے ثمر مطلب اتنے ہی کم ہوں گے۔"

صائمہ نعیمی۔ کراچی

مصیبت زدگان

حضرت ابراہیم تیمی نے موسیٰ بن میران کو ان کے انتقال کے بعد خواب میں دیکھا اور ان سے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے بارے میں سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔
"جب سے مرا ہوں، امراء کی ضیافتوں کا حساب دے رہا ہوں اور ایک سوئی کے بدلے قید ہوں جو میں نے مستعار لی تھی اور واپس نہیں کی تھی۔"

پھر میں نے دریافت کیا۔
"کون سی قبروں میں زیادہ روشنی ہے؟"
آپ نے فرمایا: "دنیا میں مصیبت زدگان کی قبروں میں انتہائی روشنی ہے۔"

آسیہ جاوید۔ (بارہ دری) علی پور چٹھہ

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 | f PAKSOCIETY

www.paksociety.com

- "آب حیات" عمیرہ احمد کے ناول کی آخری قسط،
- "محبت، خواب، جزیرہ" عنیزہ سید کے ناول کی دوسری اور آخری قسط،
- فاطمہ عسکری اور صائمہ شاہد کے ناولٹ،
- عندلیب زہرا، شازیہ الطاف ہاشمی، شائلہ دالعباد، قرۃ العین سکندر اور عنبرین اعجاز کے افسانے،
- نجم سیٹھی کی دختر نیک اختر "میرا سیٹھی" سے باتیں،
- سچ ٹی وی کے اینکر "ارسلان کھوکھر" سے ملاقات،
- "حرف سادہ کو عنایت ہوا اعجاز کا رنگ" مصنفین سے سروے،
- "کرن کرن روشنی" احادیث نبوی ﷺ کا سلسلہ،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں عدنان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا دسمبر 2016 کا شمارہ آج ہی خرید لیں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

زوباریہ خالد ——— لاہور

سفرِ زیست میں چلتے چلتے۔ کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے
بے تحاشا چاہنے والے، بے وجہ چھوڑ جاتے ہیں

فائزہ بھٹی ——— پتوکی

وہ ختم قید کی میعاد بھی نہیں کرتا
اور میں زحمتِ فریاد بھی نہیں کرتا
بعض دفعہ وہ مجھے اتنا یاد آتا ہے خواجہ
میں ضد میں آکر اسے یاد بھی نہیں کرتا

گڑیا شاہ ——— کہروڑپکا

ہم بھی ہیں ایک اجڑے ہوئے شہر کی مثال
آنکھیں بتا رہی ہیں کہ ویران تم بھی ہو

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑپکا

مسکراتی ہوئی آنکھوں والے
لوٹ لیتے ہیں خزانے دل کے
ہم نے کب اسے نہ چاہا محسن
ہم نے کب قول نہ مانے دل کے

صدف عمران ——— کے ڈی اے سوسائٹی

ہم نے چپ چاپ ہار مانی تھی
تم نے تو شور کر دیا لوگو
ہم نے اک روز لوٹ آنا تھا
کوئی تو راہ دیکھتا لوگو

آمنہ نوید ——— شیخوپورہ

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے
بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

گیلانی سسٹرز ——— کہروڑپکا

میں بتاؤں فرق ناصح جو ہے مجھ میں اور تجھ میں
مری زندگی تلاطم، تیری زندگی کنارا
کوئی اے شکیل! دیکھے یہ جنوں نہیں تو کیا ہے
کہ اسی کے ہو گئے ہم جو نہ ہو سکا ہمارا

تسنیم کوثر ——— کراچی

وہ دنیا تھی جہاں تم روک لیتے تھے زباں میری
یہ محشر ہے یہاں سننا پڑے گی داستاں میری

عاصمہ، نمو عبید ——— کراچی

یہ لوگ تذکرے کرتے ہیں اپنے لوگوں سے
میں کیسے بات کروں اور کہاں سے لاؤں اسے

عذرا ناصر ——— کراچی

آج کچھ بے سبب اداس ہے جی
عشق ہوتا تو کوئی بات بھی تھی

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑپکا

جنہیں زندگی کا شعور تھا انہیں بے زری نے بجھا دیا
جو گراں تھے سینۂ خاک پر وہی بن کے بیٹھے ہیں معتبر

سیدہ نسبت زہرا ——— کہروڑپکا

صدائیں ڈوب جاتی ہیں ہوا کے شور میں اور میں
گلی کوچوں میں تنہا چیختا رہتا ہوں بارش میں
نہ سونا مرے بس میں ہے نہ شب بھر جاگنا خالد
میں آنکھیں کھولتا اور میچتا رہتا ہوں بارش میں

ناہید شہیر رانا ——— رحمان گڑھ

ابھی تو پاؤں کے نیچے زمین معلوم ہوتی ہے
جہاں پہ ختم ہوگی، وہیں پر گھر بنا لیں گے
یہی ہے ناں کہ تمہیں ہم سے بچھڑ جانے کی جلدی ہے
کبھی ملنا تمہارے مسئلے کا حل نکالیں گے

شائستہ اکبر ——— گدو کالونی

کون تھا جس کی آہوں کے غم میں ہوا سرد تھی شہر کی
کس کی ویران آنکھوں کا لے کر اثر، چاند خاموش تھا

WWW.P1KSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

شعاع کے ساتھ

ادارہ

تہمینہ رؤف..... بنوں

1- 9th میں تھی جب پہلی دفعہ شعاع پڑھا تھا۔ تب کچھ سمجھنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ بس صرف پڑھنے کی دھن ہوا کرتی تھی۔ کبھی کبھی کلاس فیلوز سے منگوا کر پڑھتی تھی۔ گھر میں چونکہ پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔ مگر باوجود اس کے چھپ کے پڑھتی رہی' پھر آہستہ آہستہ شعور کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھا۔ تو جو الفاظ اور فقرے پہلے پڑھے تھے۔ اس کے معنی الگ سے لگنے لگے۔ اس کے مطلب واضح ہوتے چلے گئے۔ پھر۔ جس ناول نے مجھے خواتین اور شعاع کا مستقل قاری بنایا۔ وہ نمرہ احمد کا ناول "جنت کے پتے" تھا۔ بس پھر تو شعاع کا ہاتھ پکڑ کے زندگی کے ان تلخ اور پرپیچ راستوں پہ چلتے گئے۔ اور اس طرح ہمارا اور شعاع کا ساتھ برقرار ہے۔ اب تو زندگی کے اس موڑ پہ ہوں کہ جہاں کبھی انسان ڈگمگا جاتا ہے۔ اور کبھی سنبھل جاتا ہے۔ لیکن میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ شعاع نے ہمیں کبھی لڑکھڑانے نہیں دیا۔

2- صبح کا آغاز نارمل ہوتا ہے۔ پانچ چھ بجے تک لیکن جب کوئی اٹھاتا ہے۔ تو دل چاہتا ہے کہ..... دوبارہ سو جاؤں۔ ناشتا چونکہ اماں بناتی ہیں اور چائے بابا بناتے ہیں۔ ہمارے بابا بہت اچھے ہیں۔ ہماری بہت مدد کرتے ہیں۔ ایک مزے کی بات بتاؤں میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے۔ عید کے دن والے چاول بابا کو پھانکتے دیکھا ہے۔ وہ اماں سے لڑتے ہیں کہ تم نے پوری زندگی گزار دی مگر آج تک اچھے چاول نہیں بنائے۔ تو اس بات پر ہر عید والے روز دونوں کی تھوڑی سی نوک جھونک جاری رہتی ہے۔ لو بات کہاں سے شروع کی تھی اور کہاں چلی گئی۔ پھر ناشتا کرتی ہوں۔ اس کے بعد میرا ریڈیو ٹائم شروع ہوتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ کمرہ بھی سمیٹتی جاتی ہوں۔ کمرے کے بعد پھر ادھر ادھر کے کام ہوتے ہیں۔ اور ہاں اس کے ساتھ ساتھ شعاع پڑھنا نہیں بھولتی' نیا اور پرانا دونوں' دوپہر کا کھانا دن ساڑھے بارہ اور ایک بجے تک ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد تھوڑی دیر لکھنے بیٹھ جاتی ہوں۔ مجھے لکھنے کا بہت شوق ہے۔ ہم چونکہ جوائنٹ فیملی سسٹم سے ہیں۔ تو رات تک باقی چچاؤں کے گھر آنا جانا لگا رہتا ہے۔ (گھر سب کے الگ ہیں ساتھ دیوار سے دیوار ملی ہوئی ہے۔) ہمارے خاندان میں شادیاں بہت مزے کی ہوتی ہے۔ جب اتنی ساری شادی شدہ بہنوں اور کزن کا جم غفیر اکٹھا ہوتا ہے تو پھر شادی کا مزہ دوبالا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ نو دس کزنز' اتنی پھپھویاں اور خالائیں' ان کے جوان بچے جو کے سب آپس میں دوست ہے "صرف لڑکیاں" ایک خوشی کا ساسماں بن جاتا ہے۔ امتحان چونکہ پرائیوٹ دے رہی ہوں۔ اس لیے سارا دن گھر میں اماں اور جب بہنیں سسرال سے آتی ہیں تو ان کے کان کھاتی رہتی ہوں۔ رات سونے سے پہلے ٹی وی دیکھتی ہوں اور اگر پڑھنے کو کوئی کتاب ہو تو وہ ضرور پڑھتی ہوں۔

3- عجیب لڑکی ہوں روز کسی نہ کسی طرح سے بدلتی رہتی ہوں۔ اس لیے خود کو روز گزرے کل سے مختلف پاتی ہوں۔ سائرہ رضا کے ناول (اب کر میری رفوگری) کی تاباں مجاہد میں مجھے اپنی جھلک نظر آئی صرف عاداتوں' مزاج اور باتوں کی حد تک' حساس بہت ہوں۔ پسندیدہ تحریریں سائرہ رضا کی "اب کر میری رفوگری" نمرہ احمد کا "جنت کے پتے" نگہت سیما کا "زمین کے آنسو" فائزہ افتخار "اک نئی سنڈریلا" اور سمیرا احمید کی ہر تحریر۔ آل ٹائم مائی فیورٹ ثمرہ بخاری کا "ہم سے ہے زمانہ" شبلی اور جوادی نظر نہ آنے والے بالکل زندہ کردار' جو محسوس ہوتا ہے کہ کبھی آس پاس ہی موجود ہیں۔ پسندیدہ رائٹرز سائرہ رضا' ثمر

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 f PAKSOCIETY

بخاری' عنیزہ سید' نگہت سیما' فائزہ افتخار' مہوش افتخار' ام ثمامہ' ام مریم' آسیہ رزاقی' نبیلہ عزیز' آمنہ ریاض۔

4۔ خوبیاں اور خامیاں اللہ کیسا سوال پوچھ لیا گھر والوں میں چھوٹے بھائی سے پوچھا' غصہ بہت آتا ہے پھر جب خوبی پوچھی' تو حیرت سے دیکھنے لگا "کیا واقعی کوئی خوبی بھی ہے تم میں؟ الٹا مجھ سے پوچھنے لگا (ہاہاہا)

بھائی سے مایوس ہونے کے بعد کسی اور سے نہیں پوچھا" کیونکہ جواب ایک جیسا ملتا۔ بقول میرے سب سے بڑی خامی غصہ بہت جلد آتا ہے۔ منہ پھٹ ہوں صاف گوئی کی حد تک' ایک کزن دوست نما کہتی ہے جب بولتی ہو تو بغیر سوچے سمجھے بولتی ہو" خوشامد نہیں ہوتی مجھ سے۔" اور یہ بات لوگوں کی نظر میں کھٹکتی ہے۔ اس لیے مغرور کا خطاب بھی اسکول کے زمانے سے مل چکا ہے۔ گانے کی شوقین ہوں' سننے اور گانے دونوں کی ـــــ میوزک بہت اونچا سنتی ہوں' اور یہی حرکت میری اک بہن کو بہت ناگوار گزرتی ہے۔ ناامید کبھی نہیں ہوتی اور یہی میری ذات کی سب سے بڑی خوبی بھی ہے۔ ہمیشہ خوش رہتی ہوں۔ کبھی کسی کے معاملے میں داخل اندازی نہیں کرتی۔ گھریلو سیاست کا کبھی حصہ نہیں رہی۔ مجھے شروع سے ہی سیاسی باتوں سے چڑ ہے۔

ہر حال میں خوش رہتی ہوں۔ زندگی گزارنے کا کوئی معیار نہیں ہے جو جب اور جیسے ملا صبر کرتی ہوں۔ "جیسا دیس ویسا بھیس" والی مثال ہے میری۔ "ہلا گلا" بھی پسند ہے اور تنہائی پسند بھی ہوں' دھوپ چھاؤں' والا مزاج ہے میرا۔ پکانے کی شوقین ہوں۔ ہر قسم کی پاکستانی ڈش بنا سکتی ہوں۔ کریلے گوشت' اچار گوشت اور فرائیڈ سیلڈ بہت مزے کا بناتی ہوں۔"

5۔ بارش: نام سنتے ہی دل میں عجیب جلترنگ سی بجنی شروع ہو گئی ہے۔

بیٹھ کے کھڑکی کے اس پار کچے صحن میں پڑنے والی بارش کی بوندوں کو جب دیکھتی ہوں تو دل چاہتا ہے کہ کاش یہ وقت تھوڑی دیر کے لیے ہی پر ٹھہر جائے' لیکن نہ' وقت کبھی ٹھہرا ہے؟ وقت تو ہمیشہ بھاگتا رہتا ہے' اڑتا رہتا ہے آزاد پنچھی کی طرح۔

6 شعر ہمیشہ سے پسند نہیں رہے اور اگر کبھی پسند آ بھی جاتے ہیں تو یاد نہیں رہتے۔

کتابیں [illegible] رسیا ہوں۔ ہر قسم اور ہر ٹاپک کی کتاب پڑھنے کی دلدادہ ہوں۔

7 اقتباس کا تو پتا نہیں۔ لیکن سائرہ رضا کے قلم سے نکلا ہوا ہر لفظ مجھے بہت پسند ہے۔ اور آخر میں اپنی ایک چھوٹی سی نظم اگر قابل اشاعت ہوئی۔

زندگی تھام لو مجھے
کہ سانس ابھی باقی ہے
چلتی رہے گی یہ
جب تک جاں باقی ہے
آؤ کے لوٹ چلیں
منتظر ہیں راہیں
کہ مسافتیں ابھی باقی ہے
زندگی تھام لو مجھے
کہ سانس ابھی باقی ہیں

مریم عابد..... صادق آباد

1۔ شعاع سے وابستگی بہت پرانی ہے' کتنی یہ بھی اب یاد نہیں۔ سوچو تو لگتا ہے' جب سے پڑھنا شروع کیا ہے' اسے ہی پڑھ رہی ہوں۔ جب میں نے پڑھنا شروع کیا یہ گھر میں موجود تھا۔ امی اور باجی عینی اسے پڑھتی تھیں۔ یہ یاد ہے۔ جو پہلی کہانی پڑھی وہ سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ میں نے گرمیوں میں پسینہ پسینہ ہوتے اور سردیوں میں کانپتے ہوئے رضائی میں یا رضائی سے باہر چھپ چھپ کر بھی پڑھا ہے کیونکہ ہوتا یہ تھا کہ اسے ہاتھ میں لے کر میں سب کچھ بھول جاتی تھی اب بھی یہی حال ہے۔ تو امی سے ڈانٹ اور مار بھی پڑی کہ پہلے اسکول کا اور ضروری کام کر لو" اب امی نے سمجھوتا کر لیا ہے' ویسے میرے پڑھنے کی رفتار بھی تیز ہو گئی ہے۔ صرف چار پانچ گھنٹے کافی ہوتے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY
FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ہیں۔

2۔ روٹین آج کل بہت بری طرح الٹ پلٹ ہو چکی ہے۔ کالج سے فری ہیں۔ کل پریکٹیکل ہے تو بس سارا دن گھر میں رہتی ہوں مگر دیکھتی ہوں (مطلب صفائی کرتی ہوں) سلائی کرتی ہوں، کمپیوٹر پر اور بس۔

3۔ تحریروں میں جھوٹ نہیں ہوتا۔ لیکن جب رومینس دکھایا جاتا ہے یا جو حادثات ہوتے ہیں تو اکثر وہ تو جھوٹ لگتا ہے جب کافی ساری اتفاقات اکٹھے ہوں ویسے اس کے کردار تو مجھے اپنے اردگرد نظر آتے ہیں۔ یہ اتفاقات بھی بہت کچھ سکھاتے ہیں، تقدیر پر یقین اور حقیقت پسندی کہ ہوتا وہی ہے جو رب کی چاہ ہے۔ میرے ساتھ ایک بدقسمتی ہے کہ میں بھول جاتی ہوں اور بہت جلد بھول جاتی ہوں۔ تو اس وقت مجھے بہت سی ایسی تحریریں بھی یاد نہیں آرہیں جو مجھے بہت پسند آئی تھیں۔ "دل من مسافر من" "جنت کے پتے" نے بہت متاثر کیا۔ "زرد موسم" "دیوار شب" "تیرے نام کی شہرت" "اک نئی سنڈریلا" "ہم سے ہے زمانہ" یادگار تحریریں ہیں۔

4۔ خوبیوں کی طرح خامیوں کی بھی لسٹ ہوگی۔ ہوگی ضرور کیونکہ مجھے تو پتا نہیں۔

میرے بھائی نے کہا "تم خود غرض بن جاتی ہو۔ (دھیان سے بن جاتی ہو کہا ہے۔)

اور باجی نے کہا "بالکل صحیح" امی نے غصہ میں کہا تھا "تم بدتمیز ہو" اور خوشگوار موڈ میں کہا "میری بھولی بیٹی" بقول ماریہ (میری بہن) تمہیں غصہ نہیں آتا۔

جبکہ میری دوستوں کا خیال ہے مجھے غصہ بہت آتا ہے میں غیر مستقل مزاج ہوں۔ پل میں تولہ اور پل میں ماشہ والا حساب ہے۔ میں بعض اوقات وہ ردعمل دیتی ہو جس کی مجھے خود سے بھی امید نہیں ہوتی۔ میں اپنے لیے ہی ان اسپکٹیڈ ہوتی ہوں تو دوسروں کو کیا پتا ہوگا۔

ثناء صفدر نے کہا مجھے تم میں خامی نظر نہیں آتی اور دوستی کرنا میں نے تم سے سیکھا۔

صبا شفقت (میری دوست) نے کہا تم حاسد نہیں، مغرور نہیں، اسلامی اشعار اور پاکستان سے محبت کرتی ہو۔ لیکن تم بعض اوقات بے مروت بن جاتی ہو اور حیران کردیتی ہے، غصہ دلاتی ہو۔

اقصیٰ یونس نے کہا تھا تم کو دیکھ کر میں نے سوچا تھا کہ کیا ایٹی ٹیوڈ ہے؟ پتا نہیں مجھے خود سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ تعریف ہے یا..... ردا اور رباب طارق کا کہنا ہے کہ تم معصوم نظر آتی ہو پر ہو نہیں (مجھے تو لگتا ہے میں نظر نہیں آتی معصوم) بقول آمنہ صفدر تم فرینڈلی ہو، بس میں نے اپنی تمام دوستوں کے نظریات لکھ دیے ہیں۔

5۔ بارش مجھے اب اچھی نہیں لگتی۔ ایک بارش میں نے اقراء پوسٹ گریجویٹ کالج صادق آباد کی بند عمارت میں گزاری تھی وہ بہت خوفناک تجربہ تھا۔ کیونکہ وہاں بارش ایک ڈراونی فلم کا منظر پیش کررہی تھی۔ پہلے والی بارشیں بہت انجوائے کی تھیں۔ اب تو بارش موت کی یاد دلا دیتی ہے۔

6۔ **اقتباس**

تیری جنت میں آئیں گے سے اقتباس

"دیکھو ذرا آکے یہ شہادت ہے، شہید یوں ہوتے ہیں۔ شہید ہونا ہے تو اس شان سے ہو کہ زمانے کے دل میں شہید ہونے کا ارمان جاگے۔ شہید ہونے کا دعوا کرنا ہے تو فاطمہ کے پُرسکون وجود کو سفید کفن میں دیکھو کیسے جگمگا رہا ہے۔"

اقرا ملک..... بہاولپور

1۔ "شعاع سے میری وابستگی" آنکھ کھلی تو گھر میں خواتین و شعاع کو موجود پایا۔ یوں تو میرا اور شعاع کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پہلے امی اور پھر اب باجی کو پڑھتے دیکھا۔ امی اب بھی پڑھتی ہیں مگر تھوڑا کم کردیا ہے۔ پہلے تو اتنا حیران ہوتی تھی کہ میں کہ صائمہ آپی کو جب دیکھو گرمی ہے یا سردی، بہار ہو یا خزاں اور تو اور پیپرز میں بھی ان کے ہاتھ میں شعاع اور خواتین کو دیکھا اور جب دیکھو مسکرا رہی ہیں یا کھلکھلا کر ہنس رہی ہیں، آخر اس ڈائجسٹ میں ایسا ہے کیا؟ وہ تو اب سمجھ میں آیا..... تو جناب مجھے اس ڈائجسٹ کو پڑھنے

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کے لیے خریدنے میں مجھے اتنی مشکل پیش نہیں آئی۔ 8th' 9th کلاس میں آپی کے شعاع وغیرہ پڑھ لیتی تھی مگر باقاعدگی سے "جنت کے پتے" آنے کے بعد پڑھنا شروع کیا یوں میری باقاعدہ وابستگی شعاع سے تین سال پہلے ہوئی۔

2۔ دن کا آغاز فجر کی اذان سن کر ہوتا ہے، پہلی اذان پر آنکھ کھل جاتی ہے۔ نماز اور تلاوت قرآن کے بعد میں سو جاتی ہوں۔ آٹھ بجے اٹھتی ہوں، ٹیوشن کے لیے بچے آتے ہیں۔ دس بجے بچوں کو بھیجنے کے بعد ناشتہ کرتی ہوں اور پھر صفائی ستھرائی۔ ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں اور میں سب سے چھوٹی ہوں، تو گھر کے زیادہ کام نہیں کرتی۔ بس صفائی ستھرائی میرے ذمے ہے۔ بارہ بجے صفائی سے فارغ ہو کر ایک بجے تک نیٹ یوز کرتی ہوں۔ پھر دوپہر کا کھانا کھا کر ظہر کی نماز ادا کر کے شعاع لے کر بیٹھ جاتی ہوں۔ ویسے "شعاع" کے لیے کوئی مخصوص ٹائم نہیں ہے۔

پھر شام میں چھ بجے سے آٹھ بجے تک چیزیں بناتی ہوں۔ مطلب مجھے ہینڈ میڈ چیزیں بنانے کا بہت شوق ہے۔ اور اب تک پیپر کی بہت ساری چیزیں بنا چکی ہوں۔ مثلاً" ونڈ چائم' کاغذ کے خوب صورت پھول اور مختلف ڈیکوریشن۔ اس کے بعد عشاء پڑھ کر سو جاتی ہوں دس بجے تک۔۔۔ ڈرامے تو آج کل اچھے آ رہے ہیں مگر لائٹ نہیں ہوتی آٹھ سے دس تو جلدی کھانا کھا کر عشا پڑھ کے سو گئے سب۔ تو میں بھی سو جاتی ہوں۔

3۔ یہ سچ ہے کہ افسانوں میں جھوٹ نہیں ہوتا۔۔۔ پہلے کا تو پتا نہیں، مگر آج کل جو حالات ہیں تو افسانے ٹھیک ہیں، سچ پر مبنی ہوتے ہیں۔

4۔ میری ذات میں خوبیاں کم اور خامیاں زیادہ ہیں۔ میری پہلی خامی یہ کہ میں سوچتی بہت ہوں، دوسری خامی یہ کہ حد سے زیادہ بے وقوف ہوں، اگر کوئی جھوٹ بول کے بھی مجھ سے کام نکلوا لے تو مجھے پتا نہیں لگے گا۔ غصے کی تیز ہوں مگر اپنا غصہ کسی پر نکال نہیں سکتی اور یہی بات زیادہ غصہ دلاتی ہے۔ کڑھتی رہتی ہوں دل میں۔ منہ پر کوئی بے عزتی کر دے تو جواب نہیں دے سکتی کہ گستاخی کے زمرے میں آتا ہے اور خوبیاں تو میرے ساتھ رہنے والے بتا سکتے ہیں جبکہ جہاں تک میرا خیال ہے، مجھ میں کوئی خوبی نہیں ہے۔۔۔ جس کا میں ذکر کروں۔

5۔ شعاع کی بعض تحریریں ایسی دلنشین ہوتی ہیں کہ ہم مدتوں ان کے سحر میں جکڑے رہتے ہیں۔ اور شعاع کی تحریریں بھلائے نہیں بھلا سکتی۔ فرحت اشتیاق کے ناول "دل سے نکلے ہیں جو لفظ' متاع جان' عمیرہ احمد کی شہزادت اور پیر کامل "نمرہ احمد کا "مصحف" اور "جنت کے پتے" فائزہ افتخار کی "اک نئی سنڈریلا" اور بہت سی رائٹرز جو نوجوان نسل کے لیے مشعل راہ ہیں بہت بہت خوب صورت تحریریں لکھ رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب رائٹرز کو مزید ترقی عطا کرے (آمین) صائمہ اکرم کا "دیمک زدہ محبت" اور۔۔۔ امامیہ خان کا "بت شکن" بہت زبردست ناول ہے۔ اس کے علاوہ ثمرہ بخاری' تنزیلہ ریاض' آمنہ ریاض' عفت سحر پاشا' مریم عزیز' آسیہ رزاقی اور سائرہ رضا اور بھی تمام لکھنے والی رائٹرز بھی بہت عمدہ لکھ رہی ہیں۔

6۔ ساون مجھے بہت پسند ہے اور بارش میں نہانا اس سے زیادہ پسند۔۔۔ ساون کے حوالے سے کوئی واقعہ میرے ذہن میں نہیں۔

7۔ پسندیدہ کتاب تو قرآن مجید ہے۔۔۔ اور پسندیدہ شعر:

وہ خواب تھا بکھر گیا' خیال تھا ملا نہیں
مگر دل کو کیا ہوا' یہ کیوں بجھا پتا نہیں

پسندیدہ اقتباس یوں تو بہت سارے ہیں لیکن ابھی صرف ایک لکھ رہی ہوں "جنت کے پتے" سے

"حیا! لوگ کہتے ہیں کہ زندگی میں یہ ضروری ہے اور وہ ضروری ہے۔ میں تمہیں بتاؤں، زندگی میں کچھ بھی ضروری نہیں ہوتا، نہ مال' نہ اولاد' نہ رتبہ' نہ لوگوں کی محبت۔۔۔ بس آپ ہونے چاہئیں اور آپ کا اللہ سے ایک ہر پل بڑھتا تعلق ہونا چاہیے۔"

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

عمر سعید کے نام

نوال افضل گھمن

دل کی نوحہ گری پہ' اشکوں نے یاد کو خراج تحسین بخشا تو آنکھوں سے سیال بہہ نکلا۔ کچھ رشتوں کی مضبوطی کی ڈور' سانسوں کی مالا کی شکل میں کمزور ترین ثابت ہوتی ہے۔ مضبوط ترین رشتہ' سانس کی کمزوری کے آگے سجدہ ریز ہے۔آہ نے لب کو چھوا اور کرب' سیال کی صورت آنکھوں سے بہہ نکلا۔ اپنوں کی یاد میں آنکھیں نہیں دل روتا ہے۔اپنوں کی جدائی جان لیوا ہوتی ہے۔یہ جدائیاں پکارتی ہیں۔

اسپتال کا کوریڈور' آتے جاتے لوگ اور پیرا میڈیکل اسٹاف کی پھرتیاں میں اور میرے عزیز واقارب کا ہجوم مگر دل کو عجیب قسم کا اکیلا پن ڈوبتی ابھرتی دھڑکنیں اور دھڑکنوں پر چھایا انجانا سا خوف' ورد کرتے لب نم ہوتی آنکھیں۔۔۔۔ ابھی سورۃ یسٓ کا درمیانہ صفحہ پلٹا میرے خدایا۔۔۔ یسٓ ادھوری' آدھی رہ گئی اور دروازے کے پار زندگی مکمل۔۔۔۔ میرے اللہ۔۔۔۔ میرے رب کریم۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔ کہنے سے جو ہاں ہو چکا' وہ تو پلٹنے سے رہا۔۔۔ کاش مجھے علم ہوتا کہ اسپتال کی فضا میں کسی کونے میں چھپی یہ حقیقت میرا سامنا کرے گی تو میں پلٹ جاتی۔۔۔ مڑ جاتی اور موت اور زیست کے درمیان اپنی دعائیں رکھ دیتی مگر۔۔۔۔ حکم خداوندی پر میرا دل و دماغ لبیک کہہ رہا ہے۔۔۔۔ مشیت الہٰی۔۔۔۔ چھپا ہے راز۔۔۔ راز کے اندر ایک اور راز۔۔۔ عہد الست۔۔۔۔ موت کا ذائقہ۔۔۔۔

فون پر بجتی گھنٹی نے چونکایا۔۔۔ جی عمر چلا گیا۔۔۔۔ عمر چلا گیا۔۔۔۔ اپنی عمر کی نقدی تمام کر کے۔۔۔۔

کتنی جلدی دن گزر رہا ہے۔۔۔ روتا پھر روتا۔۔۔ بار بار روتا۔۔۔ چپ ہو کے دوبارہ سے روتا۔۔۔۔

کیا پھر یہ چہرہ دوبارہ نہیں مسکرائے گا۔۔۔۔ کیا یہ آنکھیں اب روز جزا کھلیں گی۔۔۔ چپ کرو' پلیز چپ کرو۔۔۔ کسی بہت اپنے کا دلاسہ۔۔۔۔ منت سماجت کرتی التجا۔۔۔ سنبھالو' پلیز خود کو سنبھالو۔۔۔ رحم دلی کے جملے۔۔۔ کب سوچا ایسا۔۔۔ کب گمان گزرا۔۔۔۔ کبھی بھی نہیں مگر حقیقت غالب ٹھہری۔۔۔

سب کو اطلاع کر دی۔۔۔۔

سب آ بھی گئے۔۔۔۔

گلے ملے۔۔۔۔ خوب روئے بھی' چپ بھی کروایا۔۔۔۔

بہن بھائی سے بچھڑی۔۔۔ ماں بیٹے سے۔۔۔۔

بچے باپ سے۔۔۔ بیوی ہم سفر سے۔۔۔۔

بھائی' بھائی سے۔۔۔ بیٹا باپ سے۔۔۔ باپ بیٹے سے۔

دوست۔۔۔۔ بیلی یار سے۔۔۔۔

پھولوں کی چادر۔۔۔۔

سفید کفن میں۔۔۔ لٹھے کے کپڑے سے زیادہ چٹا چہرہ۔۔۔۔

بند آنکھوں پر گھری پلکیں۔

کشادہ پیشانی۔۔۔۔

ستواں ناک۔۔۔۔

رونا۔۔۔ پھر رونا۔۔۔ دیکھو نا۔۔۔ اٹھو وہ لے کر جا رہے ہیں چارپائی۔۔۔ مسجد کے اسپیکر میں گونجتا اعلان حقیقت سے بھرا ہوا اعلان۔۔۔ نماز جنازہ تیار ہے۔۔۔ میت اٹھا رہے ہیں گھر سے۔۔۔ میرا ضبط ٹوٹ کر چورا چور۔۔۔۔

وہ لے جا رہے ہیں میرا بھائی۔۔۔ میرا عمر!

عمر۔۔۔ عمر۔۔۔ میرے رب کریم۔۔۔ صبر۔۔۔ صبر۔۔۔ رونا۔۔۔ پھر رونا۔

میں نے جو اپنے دل پر سہا۔۔۔ وہ لکھ دیا۔۔۔ لکھنے سے پہلے رو لیا۔ لکھتے ہوئے رو لیا۔۔۔ لکھ کر رو لیا۔۔۔ پڑھ لیں' آپ پڑھتے ہوئے رو لیں۔۔۔ پڑھ کر رو لیں۔۔۔ دوبارہ پڑھیں اور پھر رو کر صبر کر لیں۔۔۔۔ ہمیں تلقین ہی صبر کی ہے۔۔۔ اور آخر صبر ہی علاج ہے غم کا جدائی کا۔۔۔ درد' درد ہے الٹا لکھیں یا سیدھا درد۔

اے گل چین اجل کیا خوب تھی تیری پسند
پھول وہ توڑا کہ ویران کر دیا سارا چمن

WWW.PAKSOCIETY.COM

WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

www.paksociety.com

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

پروین اسلم، جڑانوالہ

س۔ 1 "شادی کب ہوئی؟"

ج ۔ "میری شادی 7 اکتوبر 1982ء کو ہوئی۔"

س۔ 2 "شادی سے پہلے کے مشاغل؟"

ج ۔ "شادی سے پہلے کے مشاغل صرف اتنے کہ گھر والوں نے کبھی کوئی کام کاج کی ذمہ داری نہیں ڈالی۔ آٹھویں تک تعلیم حاصل کی۔ اسکول جایا کرتی تھی، اس لیے کبھی امی یا بڑی بہن نے کام کرنے کا کہا ہی نہیں۔ پسندیدہ مشغلہ صرف اپنی سہیلی عذرا کے ساتھ وقت بتانا۔ (جو کہ اب اس دنیا میں نہیں، خدا اس کی مغفرت فرمائے، آمین) زیادہ وقت تو میں اپنی سوچوں میں ہی غرق رہتی تھی، تب بھی اور اب بھی...."

س۔ 3 "رشتے میں مرضی؟"

ج "میری امی نے پوچھا تھا کہ میں راضی ہوں کہ نہیں، میں نے مرضی بھی ان ہی پر چھوڑ دی تھی کہ کرنی ہے تو کردیں۔ پھر خالہ کے گھر رخصت ہو کر جانا پڑا، میری امی اور خالہ دونوں کے روزمرہ جھگڑوں کے باوجود آخر رشتہ طے پا گیا، روز کے جھگڑوں میں سو بار یہ رشتہ ٹوٹتا تھا اور میرا شوہر (محمد اسلم) بس یہ کہتا کہ اگر لکھا ہوا ہے قسمت میں تو ہو کر ہی رہے گا۔ رشتے میں آخری قدم نسرین (میری نند) کا تھا جو ڈھول لے کر بیٹھ گئی کہ منگنی کر کے ہی جائیں گے۔ (پورے خاندان کے ساتھ) میری نند تھی تو چھوٹی پر بہت سیانی ہے۔" (اب یہ باتیں یاد کر کے میں بہت ہنستی ہوں۔)

س۔ 4 "جیون ساتھی کے حوالے سے تصور؟"

ج ۔ "میں نے کچھ خاص نہیں سوچا، بس جیسا مل گیا وہ ہی ہر تصور میں آ گیا۔ میرے شوہر دل کے صاف تھے۔" (وہ اب اس دنیا میں نہیں، خدا مغفرت کرے۔ آمین) انہوں نے ساری زندگی اپنی ماں کی ہر بات مانی۔ ماں نے کہا کھڑے ہو جاؤ تو کھڑے ہو گئے۔ کہا بیٹھ جاؤ تو بیٹھ گئے۔ مجھے تو ان کا ہر انداز ہی اچھا لگا۔

س۔ 5 "منگنی کتنا عرصہ رہی؟"

ج ۔ "پانچ سال تک منگنی رہی، باقاعدہ کوئی خاص رسم نہیں کی گئی۔ میری خالہ کی طرف سے۔ پھر 7 اکتوبر کو میری اور 8 اکتوبر کو میرے دیور کی شادی ہوئی۔ (کوثر خالد سے) جن سے آپ بخوبی واقف ہیں۔"

س۔ 6 "شادی کے لیے قربانی؟"

ج ۔ "قربان تو کچھ نہیں کیا، مگر زندگی کی بہت سی الجھنیں خرید لیں۔"

س۔ 7 "رسموں کے لین دین میں کوئی جھگڑا ہوا؟"

ج ۔ "امی اور خالہ دونوں کا گھر بالکل ساتھ ساتھ تھا۔ والد غریب تھے۔ مگر جب سے بڑے بھائی نے کام کرنا شروع کیا تھا۔ تو حالات بے حد بہتر تھے۔ وہ میری شادی پر بہت سامان دینا چاہتے تھے۔ مگر خالہ (ساس) نے منع کر دیا کہ یہ گھر ذرا چھوٹا ہے۔ میری خالہ (ساس) کے گھر کے ساتھ

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM | ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN | PAKSOCIETY1 | PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

ان کا دل بھی بے حد چھوٹا ثابت ہوا۔ جب بھی کوئی مہمان آتے (ساتھیے) ان کو ہمیشہ میری امی نے ہی کھلایا' اگر کبھی چائے پلانی پڑ جاتی تو کہتی دودھ ہی نہیں ہے۔ سو چائے سے کھانے تک کے خرچے میری امی نے ہی اٹھائے۔ شادی کے بعد جب بھی میرے والد میرے گھر آئے۔ میں کبھی شربت پلاتی تو خالہ لڑ پڑتی' اس لیے اس کے بعد میں نے سادہ پانی دینا شروع کر دیا۔ (یہ باتیں آج بھی دل دکھاتی ہیں' مگر خالہ (ساس) کو ہر بات کے لیے معاف کر چکی ہوں' خدا کرے کہ انہوں نے بھی مجھے معاف کیا ہو' اگر میں نے بھی کوئی غلطی کی ہے تو' آمین۔"

س۔ 8 "شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟"
ج ۔ "نام سے تو پہلے ہی واقف تھے' سو سیدھا سا سوال "کیسی ہیں آپ؟" اور ویسا ہی جواب "ٹھیک ہوں۔"

س۔ 9 "شادی کے بعد خاص تبدیلی؟"
ج ۔ "شادی کے کچھ عرصے بعد ہی شوہر سعودی عرب چلا گیا اور اس کے بعد میں زیادہ تر اپنی امی کے گھر ہی رہی یا پھر یوں کہیں کہ کبھی کبھی سسرال کا منہ دیکھا۔ ٹیلی فون تو تھا نہیں' بس ہم خط کا انتظار کرتے تھے کہ کبھی تو انتظار ختم ہوگا۔"

س۔ 10 "کتنے عرصے بعد کام سنبھالا؟"
ج ۔ "شاید پندرہ دن بعد۔ سب مل کر ہی کام کرتے تھے' دیورانی صفائی بہت اچھی کرتی تھی' آج بھی کرتی ہے۔

(کوثر خالد۔ دیورانی) میں سالن اچھا پکاتی تھی۔ اس لیے وہ یہی کام کراتے تھے۔"

س۔ 11 "میکے اور سسرال کے ذائقے میں فرق؟"
ج ۔ "نہیں' مجھے کوئی فرق نہیں لگا' کھانا پینا میرے گھر کی طرح ہی اچھا تھا۔"

س۔ 12 "سسرال میں کن باتوں پر تعریف ہوئی' تنقید؟"
ج ۔ "میرے سسر نے میری چائے کی تعریف کی اور سب نے میٹھے چاولوں اور ہنڈیا کی۔"

س۔ 13 "سسرال سے وابستہ توقعات کس حد تک پوری ہوئیں؟"

مشہور مزاح نگار اور شاعر

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

کارٹونوں سے مزین

آفسٹ طباعت، مضبوط جلد، خوبصورت گرد پوش

کتاب کا نام		قیمت
آوارہ گرد کی ڈائری	سفرنامہ	450/-
دنیا گول ہے	سفرنامہ	450/-
ابن بطوطہ کے تعاقب میں	سفرنامہ	450/-
چلتے ہو تو چین کو چلیے	سفرنامہ	275/-
نگری نگری پھرا مسافر	سفرنامہ	225/-
خمار گندم	طنز و مزاح	225/-
اُردو کی آخری کتاب	طنز و مزاح	225/-
اس بستی کے کوچے میں	مجموعہ کلام	300/-
چاند نگر	مجموعہ کلام	225/-
دل وحشی	مجموعہ کلام	225/-
اندھا کنواں	ایڈگر ایلن پو / ابن انشاء	200/-
لاکھوں کا شہر	او ہنری / ابن انشاء	120/-
باتیں انشاء جی کی	طنز و مزاح	400/-
آپ سے کیا پردہ	طنز و مزاح	400/-

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ج ۔ "نہیں، کچھ خاص نہیں، میں چاہتی تھی کہ خالہ کے ساتھ اور باقی سب کے ساتھ اچھا سلوک رہے، مگر وہی کچھ ہماری کمزوری، کچھ ان کی۔ مگر میں اپنی خالہ (ساس) کی ہمیشہ تعریف کرتی ہوں کہ چار بہوؤں رکھنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔"

س۔ 14 "پہلے بچے کی پیدائش؟"

ج ۔ "ماں کے گھر ہوئی، میری بہنوں نے میرا بیٹا سنبھالا۔ دوسرا بچہ ادھر ہوا تو ماں نے کہا اب سسرال والے بچہ سنبھالیں سوا ماہ۔ پیدائش ہوئی تو گھر میں دائی بلوائی اور ساس نے اس وقت چارو ناچار سنبھالا۔ اس کی اپنی بھی معذور بیٹی تھی۔ بس گھر کے برتن خوب مانجھا کرتی تھی۔ جھگڑے کے بعد طے ہوا کہ ایک ماہ کام والی رکھ لی جائے۔ کوثر نے تو اپنے سارے کام خود ہی کیے۔ (کوثر خالد میری دیورانی ہیں) اس کے بعد ساس کسی بہو کی مدد نہ کر سکی۔ ہاں برتن پھر بھی دھوتی تھی۔"

س۔ 15 "سسرال میں مقام؟"

ج ۔ "میرا بڑا بیٹا بہت ضدی تھا اور شرارتی بھی۔ اس نے سب کو تنگ کیا اور مار کھائی۔ اسی کی وجہ سے مجھے علیحدہ کیا گیا۔ سسر نے مرتے وقت مجھے بلا کر معافی مانگی اور میں نے بھی ان کی قبر کی بہت حفاظت کی۔ کیونکہ کچھ عرصہ بعد میاں بھی دل کی بیماری 'بلڈ پریشر' شوگر سے فوت ہو گئے تو میں دن رات رویا کرتی۔ اب کہیں جا کے صبر آیا۔"

س۔ 16 "میکے اور سسرال میں فرق؟"

ج ۔ "کچھ خاص نہیں کیونکہ دونوں بہنیں تھیں، ہاں البتہ میرے ابا خاموش اور نیک فطرت تھے۔"

س۔ 17 "جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا علیحدہ؟"

ج ۔ "پہلے جوائنٹ رہیں، پھر علیحدہ ہو جائیں۔ میرا خیال ہے اس میں دونوں کا فائدہ ہے۔"

س۔ 18 "شوہر سے تعلقات؟"

ج ۔ "نہ صرف میرا بلکہ ان کے سارے بیٹے ہی بیویوں کے ساتھ بہت اچھے تھے اور اسلم تو میرے ساتھ کام بھی کروا دیتا۔ ہانڈی بھی پکا لیتا۔ جب ہم ماموں کے سرگودھا گئے تو تب عذرا بھی وہاں تھی۔ ملوا کر لایا۔ اور تصویریں بہت کھینچتے تھے یہ۔ کیونکہ باہر گیا ہی شوق پورے کرنے کے لیے تھا اور سب بچوں سے بہت پیار کرنے والا تھا اور بات انصاف کی کرتا۔ اپنا بچہ غلط ہے تو اس پر ہی غصے ہوتا۔ ایک دفعہ بہت مارا۔ میرے خوابوں میں آتا ہے، بلکہ وہ سچ مچ بھی میرے علاوہ نظر دوسروں کو بھی آیا۔ اللہ انہیں جنت الفردوس عطا کرے۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہو گئے ہیں

ناول	مصنفہ	قیمت
☆ تتلیاں، پھول اور خوشبو	راحت جبیں	قیمت: 250 روپے
☆ بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار	قیمت: 600 روپے
☆ محبت بیاں نہیں	لبنیٰ جدون	قیمت: 250 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون 32216361

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY
RSPK.PAKSOCIETY.COM

گ۔س۔پ۔۔۔۔ رحیم یار خان

س۔ 1 "شادی کب ہوئی؟"

ج۔ "شادی 2008ء میں ہوئی اور بروز جمعہ ہوئی۔"

س۔ 2 "شادی سے پہلے کیا مشاغل تھے۔ شادی کے بعد تبدیلی آئی؟"

ج۔ "شادی سے پہلے بہت خوش رہتی تھی۔ گھر کے کام کاج کرتی تھی اور رسالے پڑھتی رہتی تھی' سہیلیاں وغیرہ نہیں ہیں' بس کتابوں سے دوستی رہی اور دل لگا کر پڑھا اور پڑھائی میں بہترین رہی۔"

س۔ 3 "کیا رشتے میں آپ کی مرضی شامل تھی؟"

ج۔ "رشتے میں والدین کی مرضی تھی اور میں نے والدین کی پسند کو اپنی پسند بنایا۔"

س۔ 4 "جیون ساتھی کے حوالے سے تصور؟"

ج۔ "جیون ساتھی کے حوالے سے یہی سوچا تھا کہ اسے شکی بالکل نہیں ہونا چاہیے۔ دوستوں' یاروں کی محفلیں گھر میں نہ سجاتا ہو اور دل کی باتیں دل میں نہ رکھتا ہو۔ مخلص ہو۔۔۔ گھنے گھرے مردوں سے نفرت تھی اور اس کی آنکھیں خوب صورت ہونا چاہئیں۔ (اور وہ ہیں بھی ماشاءاللہ) مرد کو اندر سے خوب صورت ہونا چاہیے' باہر سے نہ ہو اور کانوں کے کچے مرد اچھے نہیں لگتے تھے اور ہاں ایک اور بات' دو قسم کا نہ ہو' بلکہ غلط بات پر مجھے ٹوک سکے' سختی کرے' مجھے روک لے' لیکن درست بات پر میرے لیے اسٹینڈ لے سکے۔"

س۔ 5 "منگنی کتنا عرصہ رہی؟"

ج۔ "منگنی بچپن کی تھی' وہ ہمارے گھر آتے تھے' میں ان سے بات بھی کر لیتی تھی' مگر حدود میں رہ کر اور ابو انہیں ہمارے گھر زیادہ ٹکنے بھی نہیں دیتے تھے' بس ایک دن صبح سے شام یا شاید اس سے بھی کم وقت کے لیے وہ ہمارے ہاں آتے تھے' فون پر بات وغیرہ یا کوئی اور قصہ نہیں تھا۔ بس مجھے ان سے محبت تھی اور وہ میرے منگیتر تھے۔ سسرال والوں کے لیے ہزار خدشے تھے کیونکہ دونوں طرف شدید اختلافات کی ہوا چل پڑی تھی۔ میں جانتی تھی کہ دونوں گھروں کے آپس میں بہت سے ان دیکھے گلے شکوے ہیں' مگر رشتہ پھر بھی طے کر لیا گیا تھا۔ میرا خیال تھا کہ میں سب کو منالوں گی' محبت سے پیش آؤں گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سب کے کام کروں گی تو سارے گلے شکوے مٹ جائیں گے مگر افسوس کہ میری محبت اور خلوص کو چاپلوسی اور کمزوری سمجھا گیا۔"

س۔ 6 "شادی کے لیے کوئی قربانی دینا پڑی؟"

ج۔ "شادی کے لیے کوئی قربانی نہیں دی' بلکہ تعلیم مکمل کر چکی تھی آگے پڑھنے کا ارادہ بھی نہیں تھا' ابو نے شادی کر دی اور میں یہاں آ گئی۔"

س۔ 7 "شادی کی رسموں کے دوران لین دین پر کوئی جھگڑا؟"

ج۔ "شادی خیریت سے ہی ہو گئی' مگر ایک تیسرے گھر نے ان اختلافات کو شدید ہوا دی اور آگ لگانے کی کوشش کی' اس رشتے کو ختم کرنے کے لیے ایڑیوں سے لے کر ناخنوں تک کے زور سے توڑنا چاہا' مگر ناکام رہے۔ رسمیں ہماری جو بھی ہوئیں ان میں لین دین کا کوئی مسئلہ نہیں ہوا' بلکہ سب خیریت سے ہوا' جہاں ابو کو لگا کہ یہاں کچھ بدمزگی ہو سکتی ہے۔ وہاں وہ خود پیسے دیتے رہے۔"

س۔ 8 "شادی کے بعد شوہر نے پہلی بار دیکھا تو کیا کہا؟"

ج۔ "شادی کے بعد شوہر نے پہلی بار دیکھا ہی نہیں' کیونکہ کمرہ گھپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا اور لالٹین کی روشنی میں السلام علیکم کہا اور مجھے تحفے میں پرفیوم ملا اور بہت ساری نصیحتیں۔"

س۔ 9 "شادی کے بعد سسرال والوں کا رویہ کیسا تھا؟"

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

ج ۔ "شادی کے بعد زندگی سر سے لے کر پاؤں تک بدل گئی ہے۔ آرام، سکون سب خواب ہوا۔ سسرال والوں کے چہروں سے، قریبی رشتے داروں کے چہرے اس طرح بے نقاب ہوئے ہیں، میں ڈر گئی تھی۔ جیسا "سب اچھا" میں سوچ رہی تھی ویسا کچھ بھی نہیں تھا، مگر میرے شوہر کو محبت تھی اور آج بھی ہے۔"

س۔10 "شادی کے کتنے عرصے بعد کام کاج سنبھالا؟"

ج ۔ "شادی کے دوسرے دن ہی گھر کے کاموں میں لگ گئی تھی خود ہی، کیونکہ میں سب کے دل جیت لینا چاہتی تھی اور وہ اپنے بیٹے کی جیب جیتنا چاہتے تھے۔"

س۔11 "سسرال اور میکے کے کھانوں میں کیا فرق تھا؟"

ج ۔ "میکے اور سسرال کے کھانے ایک ہی جیسے تھے، بس یہاں سب کچھ ایک ہی بندے کی پلیٹ میں جاتا تھا اور باقی سارے بچے کھچے پر، بس یہی فرق تھا۔"

س۔12 "میکے اور سسرال کے ماحول میں کوئی فرق محسوس ہوا؟"

ج ۔ "میکے اور سسرال کے ماحول میں صرف گندگی کا فرق تھا۔ یہاں سب بہت میلے تھے، صفائی ستھرائی کے قریب بھی نہیں پھٹکتے تھے، گھر میں گندگی اس قدر کہ میں الٹیوں کی مریض ہو کر رہ گئی۔ گندے برتنوں کے ڈھیر، کپڑوں کے ڈھیر اور کاٹھ کباڑ سے اٹا گھر۔ اور نند ہر اعصے کے اتنے تیز کہ بات کرو تو بم کی طرح پھٹ پڑتے تھے۔ ان سب کے خیالات اور جذبات خود کش حملہ آوروں جیسے تھے اور بے حد گھرے کینہ پرور لوگ تھے۔"

س۔13 "سسرال میں کس بات پر تعریف ہوئی، کس پر تنقید؟"

ج ۔ "سسرال میں کسی بات پر تعریف نہیں ہوئی، میری محبت کو میری کمزوری اور خاموشی کو غرور سے عبارت کیا گیا۔ بہرحال گھر کو صاف ستھرا رکھنے اور سلیقہ مندی کے لیے سب کہنے کی غلطی تو نہیں کر سکتے تھے، البتہ ان کے چہروں سے لگتا تھا کہ سراہ رہے ہیں۔"

س۔14 "کیا سسرال میں آ کے وہ مقام ملا جس کی مستحق تھیں؟"

ج ۔ "سسرال والوں نے مجھے کوئی مقام نہیں دیا، بلکہ وہ مجھے گھر سے نکال دینا چاہتے تھے، میں تھوڑی دیر کے لیے گھر سے کسی کام کے لیے باہر نکلتی تو وہ پیچھے سے یوں دروازہ بند کر لیتے تھے کہ جیسے میں نے واپس ہی نہیں آنا، میری بڑی جیٹھانی اب بھی اسی امید پر دروازہ بند رکھتی ہے، مگر میں واپس آنے کے لیے جاتی تھی اور آ بھی جاتی تھی اور میری ساس اور جیٹھانی، جیٹھ مجھے افسردہ نگاہوں سے گھورتے رہتے تھے، خاندانی معاملات کی مجھے خبر ہوتی تھی۔ کوئی مشورہ وغیرہ نہیں لیتے تھے نہ میں دیتی تھی۔"

س۔15 "سسرال سے وابستہ توقعات پوری ہوئیں؟"

ج ۔ "سسرال والوں سے وابستہ توقعات پوری نہیں ہوئیں، میں محبت سے سب جیت لینا چاہتی تھی اور وہ نفرت سے، میرے میاں کی جیب سے مجھے دور رکھنا چاہتے تھے، وہ بیٹے کی کمائی پر ناز کرتے تھے اور قابض رہنا چاہتے تھے۔ میری محبت اور خلوص کو میری چال سمجھا گیا، مجھے ہر طرح سے ڈی گریڈ کیا گیا، ہر طرف سے مایوس کیا گیا، بیٹے کو اکسایا گیا، مگر میں نے ہمت نہیں ہاری، روئی ضرور ہوں میں، ٹوٹی نہیں سسرال والوں سے اب کوئی توقع نہیں۔"

س۔16 "پہلے بچے کی پیدائش پر سسرال والوں کا رویہ کیسا تھا؟"

ج ۔ "پہلے بچے کی دفعہ نادان تھی، ظاہر ہے پتا نہیں ہوتا کیا کرنا ہے، کیا نہیں کرنا، میری جیٹھانی نے پہلے پہل تو خوب کام کروائے پھر مجھے ایک اونچے درخت پر سوہانجنا اتارنے چڑھادیا، مگر اللہ نے مجھے خیریت سے نیچے اتار لیا، اس وقت پہلا مہینہ چل رہا تھا، پھر ایک دفعہ قے کرنے کے بعد مجھے ایک میلی سی شیشی میں موجود ایک محلول پلایا تھا۔ اللہ جانے وہ کیا تھا، میں نے زور سے قے کی تھی اور ایک بار پھر بچ گئی تھی۔ میری ساس اور جیٹھانی نے پہلے تو

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

غور سے مجھے دیکھا‘ کچھ دیر انتظار کیا‘ پھر تھک کے بعد مایوس ہو کر اندر چلی گئیں۔ مگر میں پھر بھی نہیں سمجھی‘ ان کی تمام ہدایات پر عمل کرتی رہی۔ بچوں کی پیدائش کے حوالے سے کسی نے میری کوئی مدد نہیں کی‘ خود ناشتہ بنا کر میاں کو کھلا کر پھر کپڑے وغیرہ سمیٹ کر اسپتال جاتی تھی‘ البتہ میرے لیے رونے دھونے والوں کی کمی نہیں تھی۔ رو رو کر ڈھونگ بہت کیا گیا البتہ مدد کسی نے ٹکے کی نہیں کی۔ بہت پریشان کیا گیا‘ ہراساں کیا گیا‘ ڈرایا گیا‘ میری بڑی جیٹھانی

جن کا قد ماشاء اللہ چھوٹا ہے اور انہوں نے خود کو سراپا فتنہ ثابت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ تمہاری بیٹی کا سر لمبا ہے۔ وہ بدصورت ہے اور سسر صاحب نے فرمایا تھا کہ بچی پاگل ہے اور میرا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا۔ تمام رات جاگی تھی اور اگلے دن اسپتال بوتل لگی تھی۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے فال نامے اور پامسٹری کی کتابوں سے بدلے کرا کے اپنی پوتی کو منحوس ثابت کیا گیا۔ اس کے نین نقش اور رنگت کے حوالے سے بہت تنگ کیا گیا تھا۔ میری پیاری بیٹی ماشاء اللہ سے بے حد ذہین اور قابل بچی ہے جو آج پورے ہوش و حواس میں ٹو کلاس کی ہونہار طالبہ ہے اور جو ملتا ہے تعریف کرتا ہے۔ ماشاء اللہ۔ اور خوب صورتی میں بھی اپنی نمکین رنگت اور پیارے نقوش کے ساتھ سب سے ممتاز دکھائی دیتی ہے‘ مگر سسرال والے سسرال والے ہی ہوتے ہیں۔"

س۔17 "کیا آپ جوائنٹ فیملی سسٹم کی قائل ہیں؟"

ج۔ "جوائنٹ فیملی سسٹم اگر ہو تو باہمی عزت و احترام اور محبت کرنے والوں کا ہونا چاہیے‘ سب ایک دوسرے کا خیال رکھتے ہوں‘ کام آتے ہوں‘ دکھ سکھ میں ساتھ نبھائیں مگر ایسا ہوتا نہیں ہے آج کل۔ اس لیے دل سے علیحدہ رہنے کی قائل ہوں‘ شادی کرنے سے پہلے بیٹی والوں کو پوچھ لینا چاہیے کہ علیحدہ رکھیں گے یا اکٹھا۔ سسرال میں ماحول اس قدر نفرت انگیز ہے کہ یہاں محبت کی کرن داخل ہونے سے پہلے مرجاتی ہے۔ سب منہ سے آگ نکالتے پھرتے ہیں‘ کوئی کامیابی نہیں ملی‘ بلکہ اور بگاڑ پیدا

ہوا ہے‘ سب نماز پڑھتے ہیں اور مجھے دکھانے کو پڑھتے ہیں۔ جیٹھانی صاحبہ صبح صبح ہمارے کمرے کے سامنے جانماز بچھا کر نماز پڑھتی ہیں اور پھر سازشیں کرتی ہیں اور میرے دوسرے رشتہ دار‘ نندیں‘ ماموں سب اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں اور ناکام ہیں‘ کیونکہ میرا اپنے اللہ سے رشتہ بہت مضبوط ہے اور میں سمجھ بوجھ رکھتی ہوں‘ اب کہ کیا کرنا ہے۔ کیا نہیں‘ ہو تا سب کے ساتھ تو سسرال میں ایک سا سلوک ہے‘ مگر اسے برداشت کرنے والے کامیاب رہتے ہیں اور ٹوٹ جانے والے ہار جاتے ہیں۔

میری تمام پڑھنے والی بہنوں سے گزارش ہے کہ اللہ سے لو لگائیں‘ سب آپ کا ہے۔ شوہر‘ بچے سب آپ سے محبت کریں گے‘ جب آپ ان سب کے خالق سے محبت کریں گی۔ میرا سروے زیادہ دکھی اور ظلم سے بھرا تو نہیں‘ مگر لگ جائے تو مجھے خوشی ہو گی اور میرا نام پورا لکھنا چاہیں تو بھی آپ کی مرضی ہے اور اگر نہ لکھیں تو تب بھی آپ کی خواہش‘ مگر اسے چھپنا ضرور چاہیے۔"

☼

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

قیمت -/350 روپے

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 32735021

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

ٹارگٹ

حمائمہ ملک کئی ٹی وی ڈراموں میں اداکاری کے ساتھ ساتھ فلم "بول" کے ذریعے اپنی ایک شناخت بنا چکی ہیں۔ حمائمہ کا کہنا ہے کہ وہ زیادہ فلمیں یا ڈرامے کرنے کے بجائے معیاری اور ایسے کام کو ترجیح دینا چاہتی ہیں جسے لوگ ہمیشہ یاد رکھیں۔ (یہ انتظار لاحاصل ہے۔) حمائمہ مزید کہتی ہیں کہ کم وسائل کے باوجود ہمارا ٹیلنٹ دنیا بھر میں پہچانا جاتا ہے۔ خصوصاً ہمارے موسیقار اور اداکاروں نے بھی نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ (جی ان ہی شعبوں میں کامیابی حاصل کی ہے۔) حمائمہ ملک نے بتایا کہ انہیں

بولی ووڈ میں مسالا ایوارڈ سے نوازا گیا تو بطور پاکستانی میرا سر فخر سے بلند ہو گیا۔ (بس! ہمارا سر ایسی ہی باتوں پر فخر سے بلند ہوتا ہے۔)

انہوں نے نئے آنے والوں کو مشورہ دیا کہ وہ جب تک اپنا ٹارگٹ سیٹ نہیں کریں گے، انہیں کامیابی نہیں ملے گی۔ (حمائمہ آپ مزید ڈراموں میں کام کیوں نہیں کر رہی ہیں ڈرتی ہیں کیا کہ.....؟)

پذیرائی

بھارت کا جنگی جنون اس کے فنکاروں میں بھی پایا جاتا ہے۔ کاجول، اجے دیوگند (ارے بھئی دیوگن) اور اکشے کمار نے تو مووی کی پاکستان مخالف پالیسیوں کے حق میں بیان بھی دے دیا ہے۔

جبکہ پاکستان کے فنکاروں نے ثقافتی سرحدوں کی حفاظت کا راگ الاپتے ہوئے بھارت کو معاف کر دینے کی پالیسی اپنائی ہے (ان کو امید ہے ناکہ وہ پھر جا کے انڈین فلموں میں کام کریں گے) لیکن کچھ فنکار ایسے بھی ہیں جو مووی سمیت بھارتیوں کے جنگی جنون کی کھل کر مذمت کر رہے ہیں ان ہی فنکاروں میں سے ایک علی گل پیر ہیں (ارے وہی سائیں تو سائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

سائیں کا.....) علی گل پیر نے اپنے مزاحیہ گیت میں مودی کی خوب کھنچائی کی ہے۔ اس گانے کو خود علی پیر نے لکھا ہے۔ (بھئی اپنے خیالات آپ خود ہی تو لکھ سکتے ہیں) ماڈل بھی وہ خود ہی ہیں۔ (آہم .....!) اور کمپوزیشن بھی علی پیر گل کی ہی ہے۔ (کیوں کیا کسی اور پر بھروسا نہیں تھا یا کریڈٹ.....؟)

اب ہوا یوں کہ گیت تو تیار ہو گیا لیکن اگر علی پیر اس کام میں کسی اور کو بھی شریک کر لیتے (مطلب بھروسا کر لیتے تو یہ ان کے حق میں بہتر تھا) تو یہ گانا جس میں کشمیر میں بھارتی مظالم، گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام اور کبوتروں کو پاکستانی جاسوس قرار دیے جانے جیسے مودی سرکار کے رویوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ ایک بہتر کاوش ہو سکتی تھی لیکن پھر بھی علی گل پیر کے جذبہ حب الوطنی سے لبریز اس گانے کو کافی پذیرائی مل رہی ہے۔

کردار

سمیعہ ممتاز ایک معروف اداکارہ ہیں۔ جو ٹی وی اور فلم دونوں میں اپنی اداکاری کے جوہر دکھا رہی ہیں۔ ان کو ملنے والے بیشتر کردار مظلوم اور روتے دھوتے ہوتے ہیں۔ اس بارے میں سمیعہ کہتی ہیں کہ۔

ہمارے ڈراموں میں عورت کو یا تو مرد اور معاشرے کے ہاتھوں دبی ہوئی دکھایا جاتا ہے یا پھر اسے ایک انتہائی بری عورت کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ اگر ٹی وی جیسے مشہور میڈیم پر ایسے کرداروں میں عورت کو دکھایا جاتا رہا تو ہمارے معاشرے کی عورتیں واقعتاً "ایسی ہی ہو کر رہ جائیں گی کیوں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہمارا معاشرہ مرد کا معاشرہ ہے۔ (سمیعہ! ہیلری کی ہار سے امریکہ کے معاشرے کی پول بھی کھل گئی ہے۔)

سمیعہ نے مزید کہا کہ دراصل عام پاکستانی عورت ایسی نہیں ہوتی۔ ایسی خواتین صرف ہمارے ٹی وی ڈراموں کے اسکرپٹ میں ہی دیکھی جاتی ہیں۔ (سمیعہ! کیا آپ اخبار نہیں پڑھتی ہیں جس میں آج بھی بہوویں جہیز نہ لانے پر جلا دی جاتی ہیں یا تیزاب

گردی کا شکار ہوتی ہیں یا.....؟) جبکہ ہماری عام عورت خود پسندی کا شکار نہیں ہوتی وہ سازشی اور چغل خور بھی نہیں ہے۔

ہمارے ڈرامے ملک سے باہر بھی دیکھے جاتے ہیں جس سے پاکستانی عورت کا تاثر غلط جاتا ہے۔ (بالکل ٹھیک کہا آپ نے سمیعہ! کیوں کہ ہماری عورت بہت مضبوط ہے۔ وہ زندگی کے ہر مقام پر بہت بہادری اور استقلال سے اپنے حالات کا مقابلہ کر رہی ہے۔ ہم مثبت پہلو پتا نہیں کب دکھائیں گے جب کہ زیادہ تر ٹی وی ڈرامے لکھنے والی عورتیں ہی ہیں۔)

خوشی

گزشتہ دنوں بھارت کے ایک مشہور فیشن میگزین نے دنیا کی سو پر کشش حسیناؤں کی تصاویر شائع کیں جن میں ہیشا شفیع کو بھی شامل کیا گیا۔ (کیا..... ہیں؟) ہیشا اس پر بہت خوش ہیں (اب ناقابل یقین باتوں پر تو خوش ہونا بنتا ہے ناں.....) اور کہتی ہیں کہ بھارت کے مقبول ترین میگزین میں مجھے پورے کپڑوں کے ساتھ دنیا کی سو پر کشش خواتین کی فہرست میں شامل کیا گیا ہے۔ (بہت خوب" شامل کرنے کی اصل وجہ کہیں کپڑوں کی خوب صورتی ہی تو نہیں ہے) ہاں اگر آواز کی خوب

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

صورتی اور فن گائیکی کی بنیاد پر انتخاب ہو تو بے شک دس حسیناؤں میں بھی شامل کر سکتے ہیں۔

امید

شعیب منصور کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ انہوں نے ٹی وی ڈراموں سے فلم تک کے سفر میں کامیابیوں کے جھنڈے گاڑے ہیں۔ فلم "بول" اور "خدا کے لیے" کے ذریعے جدید فلم کی بنیاد رکھی۔ شعیب منصور نے اب اپنی نئی فلم "ورنہ" کے نام سے بنانے کا اعلان کیا ہے۔ جس کے رائٹر اور ڈائریکٹر وہ خود ہیں۔ اس فلم میں مردوں کو پیغام دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کو اہمیت دیں' ان کی سنیں۔ سمجھیں (شعیب! آپ پاکستان میں نہیں رہتے کیا جو...؟) شعیب منصور نے اس فلم میں مرکزی کردار کے لیے اپنی پسندیدہ اداکارہ کو لیا ہے (بھئی ایمان علی نہیں ہم نے اداکارہ کہا ہے، جب کہ ایمان اور اداکاری...) ماہرہ خان اس فلم میں مرکزی کردار ادا کر رہی ہیں۔ شعیب منصور کی بول اور خدا کے لیے کی طرح اس فلم میں بھی عوام کے لیے کوئی پیغام ہی ہو گا۔

(شعیب منصور! آپ بہت جینئس ڈائریکٹر ہیں، خدارا اس فلم میں مذہب کو نشانہ نہ بنائیے گا)

رانگ نمبر

یاسر نواز اپنی فلم "رانگ نمبر" کی کامیابی سے بہت خوش ہیں (ہیں "رانگ نمبر" کامیاب ہوئی تھی...؟) اور اب وہ اپنی دوسری فلم "مہرالنساء لب یو" بنا رہے ہیں جس کے مرکزی کردار کے لیے انہوں نے اداکارہ ثناء جاوید کو لیا ہے۔ ثنا نے اس سے پہلے "رنگ ریزا" سائن کی تھی مگر "نامعلوم" (جو سب کو معلوم ہے) وجوہات کی بنا پر انہوں نے یہ فلم چھوڑ دی تھی۔ لیکن اب وہ یاسر نواز کی فلم میں مہرالنساء کا کردار نبھاتی نظر آئیں گی۔ فلم میں ثناء کے ہیرو دانش تیمور ہیں جو رانگ نمبر کے بھی ہیرو تھے۔

کچھ ادھر ادھر سے

☆ احمقانہ موقف اختیار کر کے آپ لاکھوں افراد کی حمایت حاصل کر سکتے ہیں۔ سمجھ داری کی بات کرنے سے دوست بھی دشمن ہو سکتے ہیں۔

(مبشر علی زیدی)

☆ ایک فقرے میں امریکہ کے صدارتی انتخابات پر تبصرہ کیا جائے تو کہا جائے گا۔

"صدارتی انتخابات میں امریکہ کا "باطن" جیت گیا اور امریکہ کے "ظاہر" کو شکست ہو گئی۔" اقبال نے کہا تھا۔

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن ' اندروں چنگیز سے تاریک تر

(شاہنواز فاروقی۔ فرائی ڈے اسپیشل)

☆ سیاسی جلسوں' مذہبی محافل' تعلیمی اداروں اور لائبریریوں میں بیٹھنے والے اگر تجزیہ کرنے کی اہلیت سے محروم ہیں اور سنائی یا پڑھائی گئی ہر بات کو سچ سمجھ لیتے ہیں تو ان میں اور کاٹھ کے الو میں کوئی فرق نہیں۔

(مبشر علی زیدی)

بس اتنے ہی جری تھے حریفان آفتاب
چمکی ذرا سی دھوپ تو کمروں میں آ گئے

(خواجہ سعد رفیق کا ٹوئٹ)

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

امتِ الصبور

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملک شام کی طرف ہجرت

انہوں نے جب اپنی قوم کی ہٹ دھرمی ' انکار اور کفر پر اصرار دیکھا تو ناامید ہو کر ہجرت کا ارادہ فرمالیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی رضا کے لیے اپنی قوم سے جدائی اختیار کرلی اور ان کے ملک سے ہجرت فرمالی۔ آپ کی زوجہ محترمہ کے اولاد نہیں ہوئی تھی' اس لیے آپ کے ساتھ کوئی اولاد نہیں تھی۔ بلکہ آپ کے ساتھ آپ کے بھتیجے حضرت لوط بن ہاران بن آزر تھے۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی نیک اولاد عطا فرمائی اور نبوت و کتاب آپ کی نسل میں مقرر فرمادی۔ یعنی آپ کے بعد مبعوث ہونے والا ہر نبی آپ ہی کی اولاد سے تھا اور آپ کے بعد نازل ہونے والی ہر کتاب آپ کی نسل کے کسی فرد ہی پر نازل ہوئی۔ یہ آپ کو اللہ کی طرف سے انعام ملا کیونکہ آپ نے اس کی رضا کے لیے اپنے وطن ' خاندان اور قبیلے کو چھوڑ دیا تھا اور ہجرت کرکے اس مقام پر تشریف لے گئے تھے ' جہاں آپ اپنے رب کی عبادت کرسکتے تھے اور لوگوں کو اس کی طرف بلا سکتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام ہجرت کرکے جس علاقے میں گئے ' وہ شام کا ملک تھا۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

''اس زمین کی طرف نکالا۔ جس میں ہم نے جہان والوں کے لیے برکت رکھی ہے۔''

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ' ابوالعالیہ' قتادہ رحمتہ اللہ علیہ اور دیگر حضرات نے یہی فرمایا ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی رائے یہ ہے کہ برکت والی زمین سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔

ظالم بادشاہ کے شہر میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک شہر (مصر) میں داخل ہوئے ' جہاں ایک ظالم بادشاہ (حکمران) تھا۔ اسے بتایا گیا کہ آج رات ابراہیم (علیہ السلام) ایک خاتون کے ساتھ آئے ہیں جو حسین ترین افراد میں سے ایک ہے۔ بادشاہ نے بلا بھیجا اور کہا۔

''تمہارے ساتھ یہ عورت کون ہے؟''

انہوں نے فرمایا ''میری بہن ہے۔''

اس نے کہا۔ ''اسے (میرے پاس) بھیج دو۔''

آپ علیہ السلام نے انہیں بھیج دیا اور فرمایا۔

''میری بات کی تکذیب نہ کرنا۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ تم میری بہن ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ زمین پر ہم دونوں کے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔''

جب سارہ علیہ السلام بادشاہ کے پاس پہنچیں ' تو وہ آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے وضو کرکے نماز پڑھی اور (دعا کرتے ہوئے) کہا۔

''یا اللہ ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے جسم کو اپنے خاوند کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھا ہے۔ اب اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ فرمانا۔''

بادشاہ کی سانس بند ہوگئی حتیٰ کہ وہ پاؤں مارنے لگا۔

حضرت سارہ علیہ السلام نے فرمایا۔ ''یا اللہ ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے ' اس نے اسے قتل کردیا ہے۔''

تب وہ (اس عذاب سے) چھوٹ گیا۔ (اس کے بعد) وہ دوبارہ آپ کی طرف بڑھا۔ آپ نے پھر وضو کر کے نماز پڑھی اور کہا۔

''یا اللہ ! تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر اور تیرے رسول پر ایمان لائی ہوں اور اپنے جسم کو اپنے خاوند

WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

کے سوا ہر ایک سے محفوظ رکھا ہے۔ اس کافر کو مجھ پر مسلط نہ فرمانا۔"

بادشاہ کی سانس بند ہو گئی حتیٰ کہ وہ ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

سارہ علیہ السلام نے فرمایا۔ "یا اللہ! اگر یہ مر گیا تو لوگ کہیں گے کہ اس نے اسے قتل کر دیا ہے۔"

تب وہ چھوٹ گیا۔ تیسری یا چوتھی بار اس نے دربان سے کہا۔

"تم نے میرے پاس کوئی شیطان (جن) بھیج دیا ہے۔ اسے واپس ابراہیم کے پاس پہنچا دو اور اسے ہاجرہ علیہ السلام دے دو!"

سارہ علیہ السلام واپس آگئیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا۔ "اللہ نے کافروں کی تدبیر کو ناکام بنا دیا اور خدمت کے لیے ایک لڑکی دے دی۔"

حدیث میں جو فرمایا گیا ہے "وہ میری بہن ہے۔" اس سے مراد دین کے لحاظ سے بہن ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

"روئے زمین پر میرے اور تیرے سوا کوئی مومن موجود نہیں۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مومن میاں بیوی موجود نہیں۔ اس عبارت کا یہی مطلب لینا ضروری ہے کیونکہ لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے اور وہ نبی تھے۔

جب سارہ علیہ السلام کو بادشاہ کے پاس لے جایا گیا' حضرت ابراہیم علیہ السلام اسی وقت اٹھ کر نماز پڑھنے لگے اور اللہ سے دعائیں کرنے لگے کہ وہ آپ کی اہلیہ کو محفوظ رکھے اور جس شخص نے آپ کی اہلیہ کے بارے میں بری نیت کی ہے' اس کے شر سے بچا لے۔ یہی کام حضرت سارہ علیہ السلام نے کیا۔ جب اللہ کے دشمن نے ان کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو انہوں نے فوراً" اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھ کر مذکورہ بالا دعا مانگی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ فرمایا ہے۔

"صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد حاصل کرو۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہ علیہ السلام کے شرف کو بھی محفوظ رکھا اور اپنے بندے' اپنے رسول' اپنے پیارے اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے شرف کی بھی حفاظت فرمائی۔

ارض مقدس کی طرف واپسی

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام مصر سے دوبارہ برکت والی سرزمین یعنی ارض مقدس کی طرف لوٹ آئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ مویشی' غلام اور بہت سا مال تھا اور حضرت ہاجرہ قبطیہ' مصریہ علیہ السلام آپ کے ہمراہ تھیں۔

پھر حضرت لوط علیہ السلام اپنے کثیر اموال سمیت "غور" کے علاقے کی طرف ہجرت کر گئے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کا انہیں یہی حکم تھا۔ وہاں آپ "سدوم" کے شہر میں اقامت پذیر ہو گئے' جو اس دور میں اس علاقے کا مرکزی شہر تھا۔ یہاں کے باشندے کافر' بدکار اور شریر تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی تو آپ نے اللہ کے حکم سے نظر اٹھا کر شمال' جنوب' مشرق اور مغرب کی طرف دیکھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا۔

"میں یہ سرزمین تجھے اور تیری اولاد کو قیامت تک کے لیے دوں گا اور تیری اولاد کو بڑھاؤں گا حتیٰ کہ وہ ریت کے ذروں کے برابر ہو جائیں گے۔"

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی اس بشارت میں امت محمدیہ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی شامل ہے۔ بلکہ اسی امت میں پیشن گوئی کامل ترین اور عظیم ترین انداز سے پوری ہوئی ہے۔

علمائے کرام بیان فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کچھ بدمعاشوں نے حضرت لوط علیہ السلام پر قابو پا کر انہیں قید کر لیا' ان کا مال چھین لیا اور مویشیوں کو ہانک کر لے گئے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خبر ملی تو آپ تین سو اٹھارہ افراد کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے۔ آپ نے لوط علیہ السلام کو بھی چھڑا لیا' ان کا مال و متاع بھی

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

واپس لے لیا اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی بہت سی تعداد کو تہ تیغ کر دیا' انہیں شکست دی اور ان کا تعاقب کیا حتی کہ دمشق کے شمال تک پہنچ گئے۔ وہاں "برزہ" کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ میرے خیال میں اس جگہ کو مقام ابراہیم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں ابراہیم علیہ السلام کے لشکر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔

پھر آپ فاتحانہ طور پر اپنے علاقے میں واپس تشریف لائے۔ بیت المقدس کے بادشاہوں نے بڑے احترام کے ساتھ آپ کا استقبال کیا اور آپ کی اطاعت قبول کی اور آپ اپنے وطن میں اقامت پذیر

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی اور اولاد

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے جوان ہونے پر عمالیق کی ایک عورت سے شادی کی جسے بعد میں اپنے والد کے حکم پر طلاق دے دی۔ اس کا نام عمارۃ بنت سعد بن اسامہ بن اکیل عمالیقی تھا۔ اس کے بعد ایک اور خاتون سے نکاح کیا جن کے بارے میں ان کے والد نے حکم دیا کہ ان سے جدائی اختیار نہ کریں۔ چنانچہ وہ آپ کے نکاح میں رہیں' ان کا نام سیدہ بنت مصاض بن عمرو جرہمی تھا۔

بعض مورخین نے انہیں آپ کی تیسری زوجہ محترمہ قرار دیا ہے۔ ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام اس علاقے اور قرب و جوار کے قبائل کی طرف مبعوث ہوئے تھے جن میں جرہم اور عمالیق کے قبائل اور یمن کے باشندے شامل ہیں۔ جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے اپنے بھائی حضرت اسحاق علیہ السلام کو اپنا قائم مقام مقرر کیا اور اپنی بیٹی نسمہ کی شادی اپنے بھتیجے عیص بن اسحاق علیہ السلام سے کر دی۔ اس سے عیص کا بیٹا "روح" پیدا ہوا۔ عیص کے بیٹے بنی اصفر کہلاتے ہیں کیونکہ عیص زرد رو تھا۔

اللہ کے نبی حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قریب "حجر" میں دفن کیے گئے۔ وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو سینتیس برس تھی۔

حضرت عمر بن عبد العزیز رحمتہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے مکہ مکرمہ کی گرمی کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی نازل فرمائی۔

"آپ جس جگہ دفن ہوں گے' میں وہاں سے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دوں گا اور آپ کو قیامت تک جنت کی ہوا آتی رہے گی۔"

حجاز کے تمام عرب قبائل حضرت اسماعیل علیہ السلام کے دو بیٹوں نابت اور قیدار کی اولاد سے ہیں۔

فرعون

لفظ فرعون کے معنی ہیں "سورج دیوتا کی اولاد" قدیم اہل مصر سورج کو جوان کا مہادیو یا رب اعلا تھا۔ رَع کہتے تھے اور فرعون اسی کی طرف منسوب تھا۔ اہل مصر کے اعتقاد کی رو سے کسی فرماں روا کی حاکمیت کے لیے اس کے سوا کوئی بنیاد نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ رَع کا جسمانی مظہر اور اس کا ارضی نمائندہ ہو' اسی لیے ہر شاہی خاندان جو مصر میں برسر اقتدار آتا تھا' اپنے آپ کو سورج بنسی بنا کر پیش کرتا اور فرماں روا جو تخت نشین ہوتا "فرعون" کا لقب اختیار کر کے باشندگان ملک کو یقین دلاتا کہ تمہارا رب اعلا یا مہادیو میں ہوں۔

فرعون موسیٰ دو ہیں' ایک فرعون رعمسیس ثانی جس کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام نے پرورش پائی اور دوسرا اس کا بیٹا منفتاح تھا جو غرق ہوا۔

رعمسیس نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بڑے بیٹے منفتاح کو شریک حکومت کر لیا تھا۔ رعمسیس کی ڈیڑھ سو اولادوں میں سے یہ تیرھواں لڑکا تھا۔ لہٰذا منفتاح ہی وہ فرعون ہے۔ جس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام نے دعوت دی اور بنی اسرائیل کی رہائی کا مطالبہ کیا اور یہ ہی غرق دریا ہوا۔ منفتاح کی لاش مصری عجائب خانہ (قاہرہ) میں آج بھی محفوظ ہے۔ اس کی نعش کی ناک کا سامنے کا حصہ ندارد ہے' جیسے کسی حیوان نے کھا لیا ہو۔ غالباً کسی سمندری مچھلی نے اس پر منہ مارا تھا' پھر اس کی لاش الوہی فیصلے کے مطابق کنارے پر پھینک دی گئی' تاکہ دنیا کے لیے باعث عبرت ہو۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

گزرے زمانوں میں یخنی کو کمزور معدے کے حامل اور بچوں کے لیے بے حد مفید سمجھا جاتا تھا مگر وقت کے ساتھ ساتھ سوپ ہر عمر کے افراد کے لیے اپنی افادیت ثابت کر چکا ہے۔ سرد موسم کے آغاز کے ساتھ ہی سوپ، خشک میوہ جات اور انڈوں کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔

موسم کی مناسبت سے ہم نے بھی آپ کے لیے چند مختلف اور منفرد، توانائی سے بھرپور سوپ کی تراکیب کا انتخاب کیا ہے۔

چکن کارن سوپ

ضروری اشیاء :

چکن کی ہڈیوں کی یخنی	چھ کپ
چکن (بون لیس)	ایک پاؤ
کارن فلور (اراروٹ)	تین چمچے
سویا سوس	دو کھانے کے چمچے
پانی	ایک کپ
انڈے (پھینٹ لیں)	دو عدد
بھٹے کے دانے	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
چائنیز نمک	آدھا چائے کا چمچہ
سفید مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ

ترکیب :

چکن کی ہڈیوں کی یخنی بنا کر چھان لیں۔ یخنی میں چکن کی پتلی لمبی بوٹیاں کاٹ کر ڈالیں اور پانچ منٹ پکائیں۔ اس کے بعد اس میں بھٹے کے ابلے ہوئے دانے، سویا سوس، نمک، چائنیز نمک اور سفید مرچ پاؤڈر ڈالیں اور اچھی طرح پکائیں۔

کارن فلور پانی میں گھول کر کے اس میں شامل کر دیں اور مسلسل چمچہ چلاتی رہیں۔ گاڑھا ہونے پر چولہا بند کر دیں اور انڈے ڈال کر مکس کریں۔ بڑے گہرے پیالے میں نکال کر ابلے ہوئے انڈوں کے ساتھ پیش کریں۔

چکن، ایگ سوپ

ضروری اشیاء :

چکن (ہڈی والی)	ایک پاؤ
انڈا (پھینٹ لیں)	ایک عدد
پانی	پانچ کپ
چینی	ایک چائے کا چمچہ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
گاجر (موٹی کاٹ لیں)	ایک عدد
چکن پاؤڈر	ایک کھانے کا چمچہ
کارن فلور	تین سے چار کھانے کے چمچے
ٹھنڈا پانی	آدھا کپ
انڈے (ابلے ہوئے)	حسب پسند
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب :

ایک دیگچی میں چکن، پانی، ادرک اور گاجر ڈال کر درمیانی آنچ پر پکائیں۔ گوشت گل جائے تو چکن سوپ کو چھان لیں، ادرک اور گاجر نکال کر ضائع کر دیں۔ گوشت کو ہڈیوں سے ریشہ کر کے علیحدہ کر لیں، ہڈیاں ضائع کر دیں۔

یخنی کو دوبارہ ہلکی آنچ پر رکھیں۔ اس میں چکن کے ریشے ڈالیں ساتھ ہی نمک، چینی، چکن پاؤڈر اور کارن فلور ٹھنڈے پانی میں گھول کر ڈالیں، چمچہ چلاتی رہیں کہ گٹھلیاں نہ بنیں۔

سوپ گاڑھا ہو جائے تو ایک انڈا پھینٹ کر اس میں شامل کر دیں اور ایک دو منٹ پکا کر چولہے سے اتار لیں۔ ڈش میں نکال کر ابلے ہوئے انڈوں سے

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM RSPK.PAKSOCIETY.COM ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

www.paksociety.com

سجا کر پیش کریں۔

چکن ہاٹ اینڈ ساور سوپ

ضروری اشیاء :

چکن (بغیر ہڈی کا)	ایک پاؤ (لمبائی میں کاٹ لیں)
بند گوبھی (لمبائی میں کٹی ہوئی)	ایک کپ
گاجر (لمبائی میں کٹی ہوئی)	آدھا کپ
ہری پیاز (چوپ کی ہوئی)	آدھا کپ
شملہ مرچ (لمبائی میں کٹی ہوئی)	آدھا کپ
ادرک	آدھا چائے کا چمچہ (باریک کٹی ہوئی)
کیچپ	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
سفید مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
چلی سوس	دو کھانے کے چمچے
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
سویا سوس	ایک کھانے کا چمچہ
انڈے (پھینٹ لیں)	دو عدد
کارن فلور	تین چمچے کھانے کے
پانی	حسب ضرورت

ترکیب :

پانی میں چکن، نمک، سفید مرچ پاؤڈر، چلی سوس، سرکہ اور سویا سوس ڈالیں۔ ایک ابال آجائے تو بند گوبھی، گاجر، ہری پیاز، شملہ مرچ اور ادرک ڈال کر چکن اور سبزیاں گل جانے تک پکائیں۔ جب چکن اور سبزیاں گل جائیں تو کیچپ ڈال کر اچھی طرح مکس کریں اور کارن فلور پانی میں گھول کر ڈالیں۔

گاڑھا ہونے پر انڈے ڈال کر اچھی طرح مکس کریں۔ ڈھکن ڈھک کے دو منٹ کے لیے چھوڑ دیں۔

ڈش میں نکال کر گرم گرم پیش کریں۔

ٹماٹو اینڈ بریڈ سوپ

ضروری اشیاء :

ٹماٹر (ابال کر پیس لیں)	آدھا کلو
ڈبل روٹی	دو عدد (کیوبز میں کاٹ لیں)
ڈبل روٹی کا چورا	آدھا کپ
پیاز (چوپ کر لیں)	ایک عدد
لہسن کے جوے	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
زیتون کا تیل	چھ کھانے کے چمچے
اوریگانو، مکھن	سجانے کے لیے

پین میں تیل گرم کر کے اس میں ڈبل روٹی کے ٹکڑے گولڈن براؤن ہونے تک فرائی کر لیں اور نکال لیں۔ اسی تیل میں پیاز اور لہسن ڈال کر سوتے کر لیں۔ اور اس میں پسے ہوئے، نمک ——— اور سیاہ مرچ پاؤڈر ڈال کر پکائیں اور گاڑھا ہونے دیں۔ اس کے بعد اس میں ڈبل روٹی کا چورا ڈال کر پکائیں۔

ڈش میں سوپ نکال کر اوریگانو اور مکھن سے گارنش کریں اور بریڈ سلائس کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

کشمیری چائے

دودھ	دو کپ
پانی	دو کپ
کشمیری چائے	ایک کھانے کا چمچہ
چھوٹی الائچی	چار عدد
پستے، بادام	سجانے کے لیے

ترکیب :

ایک دیگچی میں پانی، کشمیری چائے اور الائچی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ پانی ایک کپ رہ جائے تو ایک کپ دودھ ڈال دیں اور ہلکی آنچ پر پکائیں۔

بچے ہوئے ایک کپ دودھ کو ابال کر چولہے سے اتار لیں۔ چائے کا چولہا بھی بند کر دیں۔ ابلے ہوئے دودھ کو چائے میں شامل کر لیں اور پیالوں میں چھان کر نکال لیں۔ بادام اور پستے چھڑک کر پیش کریں۔

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY

http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com http://paksociety.com

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

www.paksociety.com

آئینہ

حسن و خوبصورتی کے راز

خوبصورتی کے لیے مہنگی اور قیمتی کریمیں ضروری نہیں، آپ کے کچن میں وہ تمام اشیاء موجود ہیں جن سے آپ اپنے بالوں کو چمک دار، لمبا گھنا اور جلد کو دلکش بنا سکتی ہیں۔

چہرے کا رنگ نکھارنے کے لیے

چار چمچ بیسن میں چار چمچ کھیرے کا رس شامل کر لیں اس کو اچھی طرح مکس کر کے پیسٹ بنا لیں۔ اسے اپنے چہرے، گردن اور بازو پر ہلکے ہاتھ سے رگڑیں۔ جلد صاف، شفاف ہو جائے گی اور رنگ بھی نکھر جائے گا۔

جھریاں دور کرنے کے لیے

کھیرے کا رس	ایک چائے کا چمچہ
پودینے کا رس	آدھا چائے کا چمچہ
شہد	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	ایک کھانے کا چمچہ

ان تمام اشیاء کو ایک پیالے میں ڈال کر اچھی طرح مکس کر لیں اور اسے چہرے پر کچھ دیر لگا رہنے دیں۔ یہ مکسچر جھریوں کو دور کرنے کے لیے بہترین ہے۔

جلد کو چمک دار بنانے کے لیے

روزانہ چہرے پر دہی لگانے سے جلد کی چمک بحال ہوتی ہے۔ دہی میں شامل زنک تمام قسم کے جراثیم چہرے سے صاف کر کے اسے خوب صورت بناتا ہے۔

بیسن میں عرق گلاب ملا کر پتلا سا پیسٹ بنا لیں اور روزانہ دس منٹ لگائیں، چہرے پر نکھار پیدا ہوگا۔

چہرے کی جلد کے لیے کچا دودھ سب سے بہترین ٹانک ہے۔ اس کو چند منٹ چہرے پر لگائیں۔ اس کے بعد منہ دھو لیں۔ اس سے جلد صاف ستھری اور دلکش نظر آتی ہے۔

بال سیدھے کرنے کے لیے

لمبے، سیدھے اور چمک دار بال سب کو اچھے لگتے ہیں۔

اکثر خواتین بال سیدھے کرانے کے لیے پارلر جاتی ہیں۔ بہت سی جگہ پارلر کی سہولت نہیں ہوتی اور پھر پارلر میں بال سیدھے کرنے کے لیے کچھ ایسی پروڈکٹ استعمال کی جاتی ہیں جو بالوں کے لیے مضر ثابت ہو سکتی ہیں کیونکہ ان پروڈکٹ میں کیمیکلز شامل ہوتے ہیں جو بالوں کی صحت کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

آپ گھر بیٹھے اپنے بالوں کو اسٹریٹ کر سکتی ہیں۔ قدرتی چیزوں کے باقاعدہ استعمال سے آپ کے بال رفتہ رفتہ سیدھے چمک دار اور نرم و ملائم ہو جائیں گے اور آپ کیمیکل کے مضر اثرات سے بھی محفوظ رہیں گی۔

دودھ اور شہد

تھوڑا سا دودھ لے کر اس میں شہد ملائیں اور اچھی طرح مکس کر کے پیسٹ بنا لیں۔ اس آمیزے کو زیادہ موثر بنانے کے لیے اس میں کیلا کچل کر ملا لیں۔ اسے بالوں میں لگائیں۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک لگا رہنے دیں پھر بالوں کو دھو لیں۔

انڈا اور زیتون کا تیل

ایک انڈے کو پھینٹ کر اس میں دو چمچے زیتون کا تیل میں ملائیں اور بالوں کی جڑوں میں اچھی طرح لگائیں۔ ایک گھنٹہ تک لگا رہنے دیں پھر بالوں کو دھو لیں۔ یہ عمل ہفتہ میں دو بار کریں۔

قدرتی کنڈیشننگ

شیمپو کرنے کے بعد کنڈیشنر کے باقاعدہ استعمال سے بال نرم رہتے ہیں اور انہیں آسانی سے سلجھایا جا سکتا ہے آپ کے پاس کنڈیشنر نہیں ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ چائے کا پانی جسے قہوہ کہا جاتا ہے، وہ بالوں میں لگائیں۔ آپ کے بال گھنگھریالے ہیں تو کافی حد تک سیدھے ہو جائیں گے۔

بالوں کو سیدھا کرنے کے لیے دودھ بہترین ہے۔ دودھ بالوں میں اچھی طرح لگائیں اگر گھر میں اسپرے بوتل ہے تو اس بوتل میں دودھ بھر کر سارے بالوں پر اچھی طرح اسپرے کر لیں۔ اس کے بعد آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں تاکہ دودھ بالوں میں اچھی طرح جذب ہو جائے پھر کسی اچھے شیمپو سے بال دھو لیں۔ آپ اپنے بالوں کو دیکھ کر خود بھی حیران رہ جائیں گی۔ بال نرم ملائم اور سیدھے ہو جائیں گے۔

✡

WWW.PAKSOCIETY.COM
WWW.PAKSOCIETY.COM
RSPK.PAKSOCIETY.COM
ONLINE LIBRARY FOR PAKISTAN
PAKSOCIETY1 PAKSOCIETY